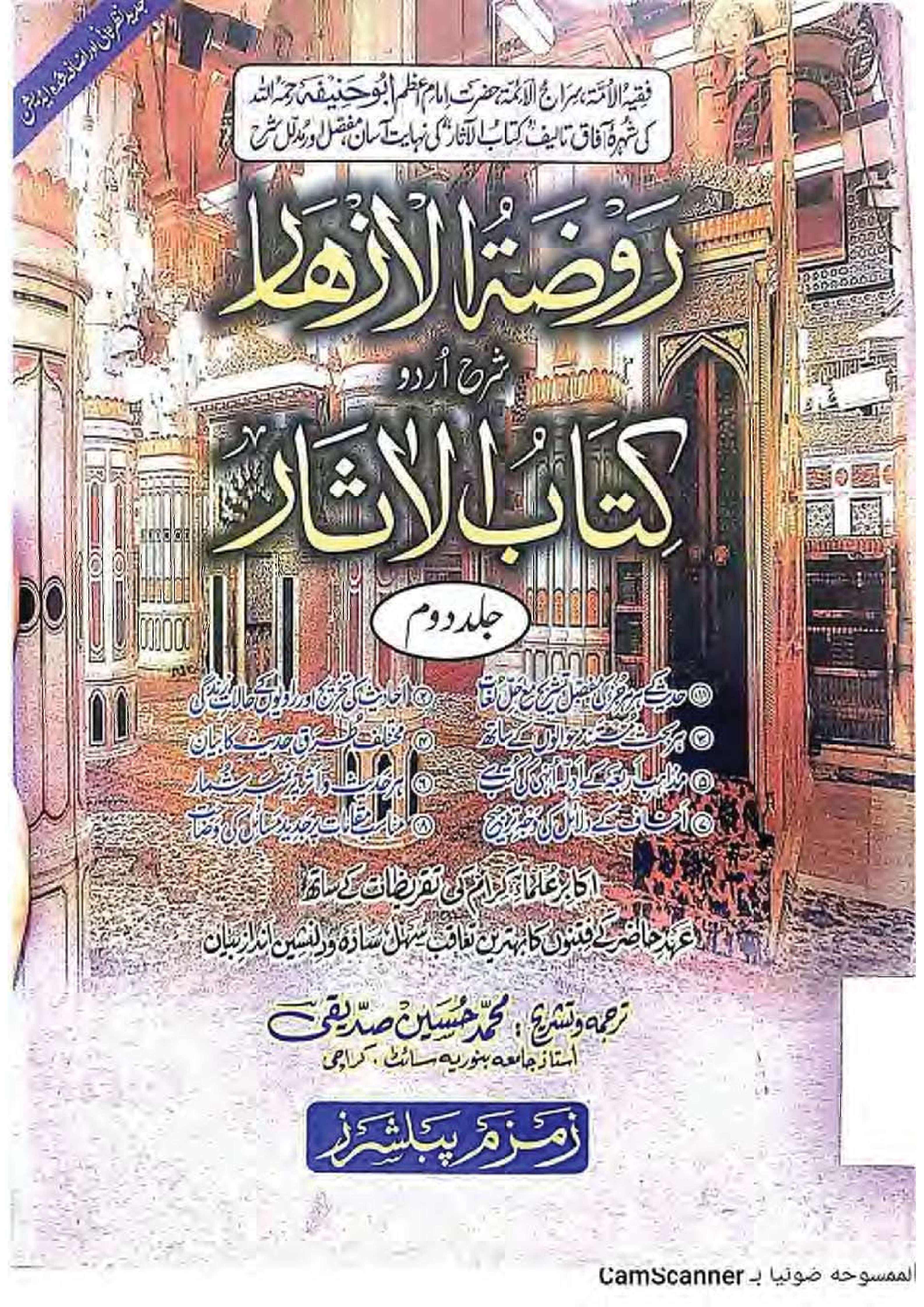


فقیہ الامۃ، سراج الائمۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ
کی شہرۂ آفاق تالیف "کتاب الآثار" کی نہایت آسان، مفصل و مدلل شرح
روضۃ الازہار
شرح اردو
کتاب الآثار
جلد دوم
① حدیث کے ہر جزو کی مفصل تشریح مع حل لغات
② احادیث کی تخریج اور راویوں کے حالات زندگی
③ ہر حدیث مستند حوالوں کے ساتھ
④ مختلف طرق حدیث کا بیان
⑤ مذاہب اربعہ کے دلائل اور ان کی کتب
⑥ ہر حدیث و اثر پر نمبر شمار
⑦ احناف کے دلائل کی وجہ ترجیح
⑧ مناسب مقامات پر جدید مسائل کی وضاحت
اکابر علماء کرام کی تقریظات کے ساتھ
عہد حاضر کے فتنوں کا بہترین تعاقب سہل، سادہ و دلنشین انداز بیان
ترجمہ و تشریح: محمد حسین صدیقی
استاذ جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی
زمزم پبلشرز

فقیہ الامۃ، سراج الائمۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ
کی شہرۂ آفاق تالیف "کتاب الآثار" کی نہایت آسان، مفصل اور مدلل شرح

روضۃ الازہار

شرح اردو

کتاب الآثار

جلد دوم

① حدیث کے ہر ہر جز کی مفصل تشریح مع حل لغات ② احادیث کی تخریج اور راویوں کے حالات زندگی
③ ہر بحث مستند حوالوں کے ساتھ ④ مختلف طرق حدیث کا بیان
⑤ مذاہب اربعہ کے ادلہ انہی کی کتب سے ⑥ ہر حدیث و اثر پر نمبر شمار
⑦ احناف کے دلائل کی وجہ ترجیح ⑧ مناسب مقامات پر جدید مسائل کی وضاحت

اکابر علماء کرام کی تقریظات کے ساتھ

عہد حاضر کے فتنوں کا بہترین تعاقب سہل، سادہ و دلنشین انداز بیان

ترجمہ و تشریح
مولانا محمد حسین صدیقی
استاذ حدیث جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی
فون ۷۷۲۵۶۷۳

کتاب کا نام : روضۃ الازھار (جلد دوم)
تاریخ اشاعت : اگست ۲۰۰۲
باھتمام : احباب زمزم پبلشرز
کمپوزنگ : فاروقِ اعظم کمپوزر فون # 6375386
سرورق : لومیز گرافکس
مطبع :
ناشر : زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی
فون 7725673 - 7760374 فیکس:7725673
ای میل-zmzm01@cyber.net.pk
zamzam@sat.net.pk
ملنے کے دیگر پتے: دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
علمی کتاب گھر، اردو بازار کراچی
قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔ فون:7224292
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کرسکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں اس کی تصحیح و اصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زرِ کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ اور آپ "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کے مصداق بن جائیں۔

جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى جَزَاءً جَمِيْلاً جَزِيْلاً

— منجانب —

احبابِ زمزم پبلشرز

اجمالی فہرست

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان
۱۷۰	☐ کن الفاظ کے ساتھ دعائے قنوت پڑھنا چاہئے
۱۷۱	☐ دلائل مذہب اول
۱۷۲	☐ جوابات
۱۷۲	☐ اگر شافعی امام نے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی تو حنفی مقتدی کیا کرے؟
۱۷۵	☐ حضرت صلت بن بہرام ؒ کے مختصر حالات
۱۷۵	☐ حضرت بوالشعثاء ؒ کے مختصر حالات
۱۸۰	**باب المرأة تؤم النساء وكيف تجلس في الصلوة**
۱۸۰	**عورت کی امامت اور نماز میں اس کے بیٹھنے کا بیان**
۱۸۰	☐ کیا عورتوں کی نماز کی جماعت جائز ہے؟
۱۸۵	**باب صلاة الامة**
۱۸۵	**باندی کی نماز کا بیان**
۱۸۸	☐ پہلے مذہب والوں کا استدلال
۱۸۹	☐ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۱۹۰	**باب الصلوة في الكسوف**
۱۹۰	**سورج گرہن کی نماز کا بیان**
۱۹۱	☐ یہ کون سے سن میں ہوا
۱۹۳	☐ کیا سورج گرہن کے دن خطبہ ہوگا؟
۱۹۴	☐ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۱۹۵	☐ سورج گرہن میں کتنے رکوع اور سجدے ہوں گے؟
۱۹۵	☐ استدلال ائمہ ثلاثہ
۱۹۶	☐ احناف کا استدلال
۱۹۶	☐ ائمہ ثلاثہ کے استدلال کے جواب
۱۹۷	☐ وجہ ترجیح مذہب احناف کی
۱۹۸	☐ پہلے مذہب والوں کا استدلال

صفحہ	عنوان
۲۲۳	**میت کو غسل دینے سے غسل کرنے کا بیان**
۲۲۴	❏ جمہور کے دلائل
۲۲۷	❏ غسل دینے والے پر کیوں غسل سنت ہے؟
۲۲۸	❏ پہلے مذہب والوں کا استدلال
۲۲۹	❏ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۲۲۹	❏ دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب
۲۳۰	**باب حمل الجنائز**
۲۳۰	**جنازہ کے اٹھانے کا بیان**
۲۳۱	❏ پہلے مذہب والوں کے دلائل
۲۳۱	❏ دوسرے مذہب والوں کے دلائل
۲۳۱	❏ جواب
۲۳۲	❏ احناف کے مذہب کو ترجیح
۲۳۲	❏ چالیس قدم جنازے کو لے کر چلنے کی فضیلت
۲۳۳	❏ حضرت منصور بن معتمرؒ کے مختصر حالات
۲۳۳	❏ حضرت سالم بن ابی الجعدؒ کے مختصر حالات
۲۳۳	❏ عبید بن نسطاسؒ کے مختصر حالات
۲۳۵	**باب الصلاة علی الجنازة**
۲۳۵	**نماز جنازہ کا بیان**
۲۳۶	❏ پہلے مذہب والوں کا استدلال
۲۳۶	❏ دوسرے مذہب والوں کے دلائل
۲۳۶	❏ جواب دوسرے مذہب والوں کا
۲۴۰	❏ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد کیا پڑھے
۲۴۱	❏ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۲۴۲	❏ حضرت سفیان ثوریؒ کے مختصر حالات

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
❏ چھٹی حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب	۳۰۱
❏ ساتویں حدیث اور اس پر اعتراض اور جواب	۳۰۱
❏ آٹھویں حدیث اور اس پر سوال وجواب	۳۰۱
❏ پہلے مذہب (یعنی احناف) والوں کے لئے وجوہ ترجیح	۳۰۲
❏ جنگ کے بعد انتقال ہو تو اب غسل دیا جائے گا	۳۰۴
❏ مسجد حرام میں متعدد انبیاء کی قبریں ہیں	۳۰۶
❏ حضرت صالح علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟	۳۰۷
❏ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟	۳۰۷
❏ حضرت سالم الافطس ؒ کے مختصر حالات	۳۰۸
❏ عطاء بن السائب ؒ کے مختصر حالات	۳۰۸
❏ طاعون کی تعریف	۳۰۹
❏ طاعون میں مرنے والے کی فضیلت	۳۰۹
❏ حضرت زیادہ بن علاقۃ ؒ کے مختصر حالات	۳۱۰
❏ حضرت عبداللہ بن حارث ؒ کے مختصر حالات	۳۱۰
❏ عبداللہ بن الحارث ؒ کے مختصر حالات	۳۱۰
باب زیارۃ القبور	۳۱۲
قبروں کی زیارت کا بیان	۳۱۲
❏ مردوں کا قبرستان جانا	۳۱۳
❏ پہلے مذہب والوں کے استدلال	۳۱۳
❏ دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۱۳
❏ تیسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۱۴
❏ دوسرے مذہب والوں کا جواب	۳۱۴
❏ تیسرے مذہب والوں کا جواب	۳۱۴
❏ کیا عورتوں کو بھی زیارت قبور کے لئے جانا جائز ہے	۳۱۴

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۳۲۵	❑ تلاوت کرنے والا سمجھ کر تلاوت کرے
۳۲۷	❑ قرآن کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں
۳۲۸	❑ حضرت ابی الاحوص کے مختصر حالات
۳۲۹	❑ حرف عبداللہ و حرف زید وغیرہ
۳۲۹	❑ عام لوگوں کے سامنے مختلف قراءت میں تلاوت نہ کی جائے
۳۳۲	❑ قرآن کو اچھی آواز میں پڑھنا چاہئے
۳۳۳	❑ قرآن پڑھتے وقت رونا
۳۳۵	❑ جو قرآن کو اچھی آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں
۳۳۷	باب القراءة في الحمام والجنب
۳۳۷	حمام میں اور جنابت کی حالت میں قرآن کریم پڑھنے کا بیان
۳۳۷	❑ قرآن کو بغیر وضو کے پڑھنا
۳۳۷	❑ جمہور کا استدلال
۳۳۸	❑ دوسرا استدلال
۳۴۰	❑ جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا
۳۴۱	❑ استدلال
۳۴۱	❑ حضرت شعبۃ بن الحجاج کے مختصر حالات
۳۴۱	❑ حضرت عمرو بن مرۃ الجملی کے مختصر حالات
۳۴۲	❑ حمام میں قرآن پڑھنا
۳۴۳	❑ حضرت ضحاک بن مزاحم کے مختصر حالات
۳۴۴	❑ چار قسم کے لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے
۳۴۵	❑ مجوزین کا استدلال
۳۴۵	❑ مانعین تلاوت کا استدلال
۳۴۵	❑ جواب مجوزین تلاوت کا
۳۴۷	❑ بیت الخلاء میں اللہ کا ذکر کرنا

عنوان	صفحہ
كتاب الصوم	۳۴۸
باب الصوم فی السفر و الافطار	۳۴۸
سفر میں روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا بیان	۳۴۸
روزہ کا لغوی معنی	۳۴۸
روزے کی اصطلاحی و شرعی تعریف	۳۴۹
روزہ کب مشروع ہوا	۳۴۹
افطار جلدی کرنا چاہئے۔ اور سحری دیر میں کھانا چاہئے	۳۵۰
حضرت ابراہیم بن مسلمؒ کے مختصر حالات	۳۵۱
بادل والے دن کسی نے روزہ جلدی افطار کیا	۳۵۲
استدلال	۳۵۳
درمیان دن میں حائضہ پاک ہوجائے یا مسافر واپس آجائے	۳۵۳
ایسے لوگوں پر قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟	۳۵۴
باب قبلة الصائم و مباشرته	۳۵۵
روزہ دار کے بوسہ لینے اور مباشرت کرنے کا بیان	۳۵۵
روزے کی حالت میں بوسہ لینا کیسا ہے؟	۳۵۶
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۳۵۶
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۵۶
تیسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۵۷
تیسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب	۳۵۷
امام طحاوی کی عقلی دلیل	۳۵۹
باب ماینقض الصوم	۳۶۱
روزہ توڑنے والی چیزوں کا بیان	۳۶۱
کلی کرنے کے دوران پانی حلق میں چلا جائے	۳۶۲

عنوان	صفحہ
مذہب اول والوں کے دلائل	۳۶۴
مذہب دوم والوں کے دلائل	۳۶۴
مذہب اول والوں کے دلائل کا جواب	۳۶۴
روزہ کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا	۳۶۶
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۷
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۷
تیسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۷
ایک روزے کے بارے میں کیا صدقہ دے گا	۳۶۸
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۸
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۸
پہلے مذہب والوں کا جواب	۳۶۹
کیا جان بوجھ کر کھانے پینے سے بھی کفارہ آئے گا؟	۳۶۹
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۹
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۶۹
پہلے مذہب والوں کا جواب	۳۷۰
باب فضل الصوم	۳۷۱
روزے کی فضیلت کا بیان	۳۷۱
عاشوراء کی وجہ تسمیہ	۳۷۲
عاشوراء کس دن کو کہتے ہیں؟	۳۷۲
عاشوراء کے روزے کا کیا حکم ہے؟	۳۷۲
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۳۷۲
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۷۳
تیسرے مذہب والوں کا استدلال	۳۷۳
دوسرے مذہب والوں کے استدلال	۳۷۳

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۳۸۷	دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۳۸۸	پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب
۳۸۹	قرض کے ادا کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی
۳۹۱	قرض کی زکوٰۃ کب ادا کی جائے گی
۳۹۴	باب زکوۃ الحلی
۳۹۴	زیورات کی زکوٰۃ کا بیان
۳۹۵	پہلا مسئلہ
۳۹۵	کیا زیورات میں زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں؟
۳۹۶	پہلے مذہب والوں کا استدلال
۳۹۶	دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۳۹۶	دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب
۳۹۷	دوسرا مسئلہ
۳۹۷	زکوٰۃ کس کو دی جائے اور کس کو نہ دی جائے
۳۹۷	کیا بیوی اپنے شوہر کو یا شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟
۳۹۸	پہلے مذہب والوں کا استدلال
۳۹۸	دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۳۹۸	دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب
۴۰۰	زکوٰۃ کے فرض ہونے کی دس شرطیں ہیں
۴۰۰	موتی اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے
۴۰۲	باب زکوۃ الفطر و المملوکین
۴۰۲	صدقہ فطر اور غلاموں کی زکوٰۃ کا بیان
۴۰۳	پہلا مسئلہ
۴۰۴	دوسرا مسئلہ
۴۰۴	پہلے مذہب والوں کا استدلال

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

کتاب المناسک ۴۵۷

صفحہ	عنوان
۴۸۱	❑ جمہور فقہاء کی دلیل
۴۸۲	❑ کس طواف میں رمل ہوگا
۴۸۲	❑ رمل کرنے کی وجہ
۴۸۴	❑ صفا کو صفا اور مروہ کو مروہ کہنے کی وجہ
۴۸۷	**باب متی یقطع التلبیة؟ والشرط فی الحج**
۴۸۷	**تلبیہ کب ختم کیا جائے اور حج میں شرط لگانے کا بیان**
۴۸۷	❑ عمرہ کرنے والا کب تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا
۴۸۸	❑ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۴۸۸	❑ پہلے مذہب والوں کا استدلال
۴۸۸	❑ دوسرے مذہب والوں کا جواب
۴۸۸	❑ حج کرنے والا کب تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا
۴۸۹	❑ پہلے مذہب والوں کا استدلال
۴۸۹	❑ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۴۸۹	❑ چوتھے مذہب والوں کا استدلال
۴۸۹	❑ پہلے مذہب والوں کا جواب
۴۹۱	❑ حج میں شرط لگانا کیسا ہے؟
۴۹۱	❑ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں
۴۹۲	❑ پہلے مذہب والوں کا استدلال
۴۹۲	❑ دوسرے مذہب والوں کا استدلال
۴۹۲	❑ پہلے مذہب والوں کا جواب
۴۹۳	**باب العمرة فی اشهر الحج وغیرها**
۴۹۳	**اشہر حج وغیرہ میں عمرہ کرنا**
۴۹۳	❑ حج کے ایام کون کون سے ہیں؟
۴۹۴	❑ تمتع کی تعریف

عنوان	صفحہ
مکہ والا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟	۴۹۵
استدلال	۴۹۵
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۴۹۶
دوسرے مذہب والوں کا جواب	۴۹۶
حاضری المسجد الحرام سے کیا مراد ہے	۴۹۶
پہلے مذہب والوں (یعنی امام شافعیؒ) کی دلیل	۴۹۹
دوسرے مذہب والوں (یعنی امام مالکؒ) کے دلائل	۵۰۰
تیسرے قول والوں (یعنی احناف) کی دلیل	۵۰۰
پہلے مذہب یعنی امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب	۵۰۰
دوسرے مذہب یعنی امام مالکؒ کے استدلال کا جواب	۵۰۰
عمرہ کے لغوی شرعی معنی	۵۰۲
عمرے کا حکم کیا ہے؟	۵۰۲
عمرہ کن دنوں میں جائز نہیں	۵۰۳
باب الصلوۃ بعرفۃ وجمع	۵۰۴
عرفات اور مزدلفہ میں نماز پڑھنے کا بیان	۵۰۴
عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کے جمع کرنے کی شرائط	۵۰۵
اس مسئلے میں ائمہ کے تین اقوال ہیں	۵۰۵
مزدلفہ کی وجہ تسمیہ	۵۰۷
مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا جائے تو کتنی مرتبہ اقامت کہی جائے گی	۵۰۷
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۵۰۸
تیسرے مذہب والوں کا استدلال	۵۰۸
مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کرنے کی احناف کے نزدیک شرائط	۵۰۸
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۵۰۹
پہلا مذہب (امام مالکؒ) کی دلیل کا جواب	۵۰۹

عنوان	صفحہ
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۵۲۴
حضرت ابو سوار السلمیؒ کے مختصر حالات	۵۲۴
استدلال	۵۲۵
باب من احتاج من علة فهو محرم	۵۲۷
حالت احرام میں بیماری کی وجہ سے کسی چیز کا محتاج ہونا	۵۲۷
محرم آدمی غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟	۵۲۸
پہلے مذہب والوں (جمہور) کا استدلال	۵۲۸
باب الصيد في الاحرام	۵۳۲
حالت احرام میں شکار کرنے کا بیان	۵۳۲
دوسرے مذہب والوں کا استدلال	۵۳۳
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۵۳۳
شکار کی تعریف	۵۳۴
بیرون محرم میں غیر محرم کا شکار محرموں کے لئے شکار کرنا	۵۳۵
احناف کے دیگر مستدلات	۵۳۶
ائمہ ثلاثہ کے مستدلات	۵۳۷
ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کے جوابات	۵۳۸
ائمہ ثلاثہ کی پہلی روایت کا مفہوم	۵۳۸
ائمہ ثلاثہ کی دوسری روایت کا مفہوم	۵۳۹
ائمہ ثلاثہ کی تیسری روایت کا مفہوم	۵۴۰
حضرت ہشام بن عروہؒ کے مختصر حالات	۵۴۰
عن ابیہ (ای حضرت عروہ بن زبیرؓ) کے مختصر حالات	۵۴۱
حضرت زبیر بن العوامؓ کے مختصر حالات	۵۴۱
ایک جانور کو کسی محرم نے شکار کیا	۵۴۵
پہلے مذہب والوں کا استدلال	۵۴۵

عنوان	صفحہ

خراج تحسین

از۔۔۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب

استاد حدیث جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

اتانا کتاب من حسین کانہ فرائد غر فی بحار الفوائد
(پہنچی ہمارے پاس کتاب شیخ حسین کی طرف سے گویا کہ وہ۔ موتیاں ہیں چمکدار فوائد کے سمندروں میں)

قرانا مرۃ فقرت عیوننا کتاب لتوضیح الحدیث الشوارد
(ہم نے اس کو پڑھا ایک مرتبہ پس ٹھنڈی ہوگئیں ہماری آنکھیں۔ یہ کتاب ہے نادر احادیث کی وضاحت کرنے کے لئے)

مولفہٗ حبر نبیل محقق وتصنیفہٗ درجلیل المقاصد
(اس کے مؤلف عالم ہیں فضیلت والے ہیں محقق ہیں۔ اور ان کی تصنیف موتی کی طرح ہے بڑے مقاصد والی)۔

فنشکرہ جزلا وندعوا لہ طرا نعوذہ باللّٰہ من شر حاسد
(پس ہم ان کا بہت شکر ادا کرتے ہیں اور ہم سب ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں حاسد کے شر سے)

فیا طالبی علم عزیز ینادیکم علیکم بھذا الشرح عذب الموارد
(پس اے علم کے طلب کرنے والو عزیز تمہیں پکار رہا ہے۔ لازم پکڑو اس شرح کو جس کے گھاٹ میٹھے ہیں)

(عزیز الرحمٰن)

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم

مدیر جامعہ العربیہ احسن العلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ وسلم علی رسولہ الکریم ونبیہ الامین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد! حق تعالیٰ شانہ نے جن وانس کی ہدایت کاملہ کے لئے قرآن کریم اور جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے دو گنجینے عطا فرمائے ہیں جس طرح قرآن کریم کی بے شمار تفاسیر لکھی گئی ہیں جن کی تعداد ہندوستان کے دور آخر کے بحر بیکراں امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ صاحب کے ارشادات کے مطابق دو لاکھ سے متجاوز ہیں اسی طرح کتب احادیث کی تعداد بھی لاکھوں سے متجاوز ہیں۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حق تعالیٰ شانہ نے منفرد مقام نصیب فرمایا ہے آپ کے شہرۂ آفاق شاگردوں نے آپ کے اجتہاد اور تفقہ کو ہر طرح محفوظ اور مدون فرمایا ہے جن میں سے امام ابو یوسفؒ کے امالی جو ۲۲ جلدوں سے متجاوز ہیں اور الرد علی سیر الاوضاعی احد الرد علی مالکؒ اور اکبر ملوک الارض ہارون رشید کے لئے نظام سلطنت چلانے کا مشہور دستاویز کتاب الخراج جو ایک رات میں قلمبند کی گئی یادگار تصانیف ہیں۔

حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی کتب ظواہر ادر ہارونیات وکیسانیات اضراب اور نوازل اور حوادث تو مشہور ہی ہیں۔ موطاء امام محمد کے لئے یہ شرف وفضیلت کچھ کم نہیں ہے کہ وہ مالک کی موطاء کی سب سے کامیاب اور متیقن نسخہ ہے حال ہی میں بلاد عرب سے موطاء امام مالک بروایت الامام محمد بن الحسن الشیبانی کے عنوان سے شائع ہے حضرت امام محمدؒ کی ہی دوسری شہرۂ آفاق تصنیف ”کتاب الآثار“ ہے جس میں امام کے تقریباً ۲۰ مشائخ سے روایات

ہیں لیکن بنیاد اور اساس حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں علماء کبار نے حدیث وفقہ کے تناظر میں کتاب الآثار کی قدر وقیمت کو سراہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے باقاعدہ اس کی شرح کی تھی اور اپنی کتاب تعجیل المنفعت میں اس کو مذہب حنفی کے معتمد کتابوں میں سے شمار فرمایا ہے۔ بلاد عرب کے انور شاہ شیخ زاہد الکوثریؒ نے ایک گراں قدر مقالہ میں اس کا ذکر خیر فرمایا ہے محقق زمانہ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ مرحوم نے تو اسے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تصنیف قرار دے دیا ہے۔ ہندوستان کے مشہور محقق عالم مفتی مہدی حسن خاں شاہ جہان پوری نے اس کی طویل اور عرض شرح لکھی ہے۔ شیخ ابوالوفاء افغانیؒ نے بھی متعدد مقامات پر اس کتاب کا حسب شان ذکر فرمایا ہے۔ ہمارے استاذ مولانا حبیب اللہ مختار الشہید نے بھی اس کا ترجمہ اور تشریح فرمائی۔ پاکستان کے معروف صاحب قلم اور تصنیف وتالیف کے شناور ہمارے محترم ومکرم دوست حضرت مولانا محمد حسین صاحب صدیقی دامت برکاتہم نے "روضۃ الاذھار فی شرح کتاب الآثار" تصنیف فرمائی جس میں سلاست و جزالت کے مدو جزر تو ہے ہی اردوئے مبین کے محاسن اسالیب اور عمدہ محاورات کے ساتھ اس قدر شگفتہ اور شستہ برجستہ ہے جس کے لئے عزیزم موصوف کو دل سے جھولیوں دعائیں نکلتی ہیں مجھے کتاب دیکھ کر ایک مبسوط تحریر پیش کرنی تھی لیکن ہجوم مشاغل اور کثرت افکار اور نفس کی افتادگی نے ایک زمانے تک تاخیر نازیبا کا مرتکب کیا ہے۔ آج ہی یہ عجالہ جو کتاب کی عظمتوں کے سامنے شکروسپاس کا عشر عشیر بھی نہیں مگر بقول کسی کے ما یدرک کلہ لا شرک کلہ کے قدرے تذکار لخیر الاعمال وخیر الاخیار ہے ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر خواست
آخر آمد مذ پس پردۂ تقدیر پدید

والسلام
وانا الاحقر والافقر
محمد زرولی خان عفا اللہ عنہٗ
خادم جامعہ عربیہ احسن العلوم
وخادم الحدیث والتفسیر والافتاء بھا

تقریظ

حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب دامت برکاتہم

استاد حدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔

امابعد کتاب الآثار حدیث کی مشہور کتاب ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے اس کی بہترین شرح مولانا محمد حسین صدیقی نے کی ہے جو کہ ہمارے دوست اور شاگرد ہیں اور علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں اور جامعہ بنوریہ کے استاد حدیث ہیں اس کی یہ شرح بہت ہی بہترین ہے جو کہ عوام اور خواص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے اس کی ایسی شرح اس سے قبل منظر عام پر نہیں آئی ہے۔ جس میں انہوں نے ایک طرف ائمہ اربعہ کے مذاہب کو ان کے اصل کتب سے نقل کر کے احناف کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور بھی کتاب کئی خصوصیات پر مشتمل ہے اس پر انہوں نے بہت ہی زیادہ محنت کی ہے اللہ جلّ شانہٗ سے دعا ہے کہ اللہ مصنف کو مزید تحقیقی تصنیف کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور کتاب کو عوام اور خواص میں مقبول عامہ نصیب فرمائے۔ والسلام

فقط

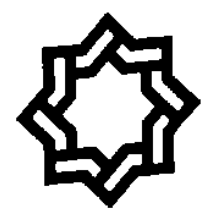
امام محمد بن الحسن الشیبانی

رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ کتاب الآثار امام ابوحنیفہ کا پہلا حصّہ

یہ مقدمہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصے میں کتاب الاثار کے راوی امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، خاص طور پر فن حدیث میں ان کے مقام کو اجاگر کیا گیا ہے، ضمناً بعض مفید اور علمی بحثیں بھی آگئی ہیں۔

عنوانات کی فہرست (حصّہ اوّل)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰-۱۵۰) کی کتاب الاثار نے جب سے وفاق المدارس کے نصاب میں بار پایا، اہل علم نے اس کی شرح لکھنے پر توجہ کی، اس کا اردو ترجمہ پہلے ہندوستان میں شائع کیا گیا تھا پھر پاکستان میں اس کا ترجمہ ہمارے دوست، سابق پروفیسر سندھ یونیورسٹی، مولانا ابوالفتح عزیزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کیا جسے قرآن محل کراچی نے شائع کیا، اس پر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی المتوفی ۲۹ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ / ۱۴راگست ۱۹۹۹ء کا مقدمہ ہے۔

پاکستان میں سب سے پہلے اردو میں اس کی مختصر شرح مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ (۱۲ر نومبر، ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء) مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ نے "الاختیار" کے نام سے شائع کی، پھر مفتی حفیظ الرحمٰن استاد دارالعلوم سعیدیہ اوگی ضلع مانسہرہ سرحد نے "الأزھار علی کتاب الاثار" کے نام سے شرح (۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء) میں طبع کرائی۔

مولانا محمد حسین صدیقی استاد حدیث جامعہ بنوریہ، سائٹ ایریا کراچی نے، جو اس سے پہلے نصاب کی بعض کتابوں کی شرح کر چکے ہیں، اب "روضۃ الازھار شرح کتاب الآثار" لکھی جسے میں نے جستہ جستہ دیکھا، اس میں اختلاف مذاہب کو بیان کیا اور تفصیلی مطالعہ کے لئے بعض ماخذوں کی طرف رہنمائی کی ہے جس نے اس کی افادیت اور بڑھادی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل علم اور طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچائے اور یہ قبول ہو، آمین۔

میرے بڑے بھائی، وقت کے نامور محدث و محقق عصر، علامہ محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الآثار" پر جو بیش قیمت مقدمہ لکھا ہے وہ نہایت معلومات آفریں، بصیرت افروز، نادر تحقیقات کا مرقع ہے اور اس موضوع پر تاریخی دستاویزی سند کا درجہ رکھتا ہے، اہل علم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس سے بہت سے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، اور بہت سی غلط فہمیاں اور اشکالات دور ہوتے ہیں۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ کتاب الآثار (۱)

از

حضرت مولانا محمد عبد الحلیم چشتی پی ایچ ڈی (دامت برکاتہم)

امام محمد بن حسن الشیبانی

(۱۳۱-۱۸۹ھ / ۷۴۷-۸۰۴ء)

فقیہ عراق، صاحب ابی حنیفہ، مدون وناشر مذہب حنفی، (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت، جامع صفات شخصیت تھی۔
امام موصوف اصلاً "حرستا" غوطۂ دمشق کے تھے، واسط میں پیدا ہوئے، کوفہ میں تربیت پائی۔

امام محمدؒ مجتہدین مطلق کے علوم کے جامع اور معتبر راوی:

وہ دو مجتہدین مطلق، امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی "کتاب الآثار" اور امام مالک رحمہ اللہ کی "مؤطاء" کے نہایت قوی و معتبر راوی اور ناشر ہیں۔

مقتداءِ انام، ائمہ مجتہدین کی شاگردی واستفادہ:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو مذاہب اربعہ کے دو نہایت جلیل القدر و عظیم الشان، مقبول و مقتداءِ انام، امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۲-۷۶۷ء)، امیر المومنین فی الحدیث امام مالک (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۷۹۵ء) اور مذاہب مندرسہ

(جن کے اب پیرو باقی نہیں رہے) کے دو لائق اِتباع امام۔

❶ امیر المؤمنین فی الحدیث [۲] سفیان ثوری (۹۷-۱۶۱ھ / ۷۱۶-۷۷۸ء) صاحب کتاب الجامع، مجتہد مطلق جن کے مذہب پر سرزمین عراق میں عمل کیا جاتا تھا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اہل کوفہ میں ان کے مذہب کو "جامع الترمذی" میں جگہ جگہ نقل کرتے ہیں۔

❷ شیخ الاسلام [۳] فقیہ شام، و مجتہد مطلق، امام ابو عمرو عبدالرحمٰن اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ / ۷۰۷-۷۷۴ء) جن کا مذہب عرصہ تک شام میں قابل اتباع رہا ہے سے روایت واستفادہ کا فخر حاصل ہے، ان تین موخر الذکر مجتہدین مطلق کے متعلق علامہ اسحاق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

﴿إذا اجتمع الثوری و مالک والاوزاعی علی أمر فهو سنة وان لم یکن فیه نص﴾ [۴]

"سفیان ثوری، مالک، اوزاعی اگر کسی بات پر اتفاق کریں تو وہ سنت ہے اگرچہ اس میں نص (حکم صریح) موجود نہ ہو۔"

رجال کے نامور عالم، حافظ عبدالرحمٰن مہدی (۱۳۵-۱۹۸ھ) ان ائمہ فن کے متعلق فرماتے تھے:

﴿ائمة الناس فی زمانهم أربعة: سفیان الثوری بالکوفة، و مالک بالحجاز، و حماد بن زید بالبصرة، والاوزاعی بالشام﴾ [۵]

"اپنے زمانے میں لوگوں کے امام چار ہیں: سفیان ثوری کوفہ میں، مالک حجاز میں، حماد ابن زید بصرہ میں اور اوزاعی شام میں۔"

یہ ہیں وہ ائمہ فن جن سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فیض پایا اور یہ ہے ان کا مقام اہل علم کی نظر میں۔

اصول دین سے روایت:

اصول دین سے وہ ائمہ فن اور حفاظ حدیث مراد ہیں جن کے پاس احکام سے متعلق سنن و آثار کا صحیح ترین ذخیرہ محفوظ تھا، ان میں تین ① امام سفیان ثوری ② شعبہ ③ امام مالک کا شمار امیر المؤمنین فی الحدیث میں ہے ④ حماد بن زید اور ابن عیینہ بلند پایہ حفاظ حدیث ہیں۔

جس محدث کے پاس مذکورۂ بالا ائمہ فن اور حفاظ حدیث کی روایات کا ذخیرہ محفوظ نہیں ہوتا تھا اسے حدیث میں کنگال سمجھا جاتا تھا، چنانچہ امام بخاری کے استاد امام حافظ عثمان بن سعید المتوفی ۲۸۰ھ فرماتے تھے:

﴿یقال: من لم یجمع حدیث هولاء فهو مفلس فی الحدیث، سفیان، و شعبة، و مالک، و حماد بن زید و ابن عیینه، و هم اصول الدین﴾ [۶]

"کہا جاتا ہے (مشہور ہے) جس نے ان پانچ ائمۂ فن کی حدیثوں کو جمع نہیں کیا، وہ حدیث میں کنگال ہے، وہ ① سفیان ثوری، ② شعبہ، ③ امام مالک، ④ حماد بن زید (۹۸-۱۷۹ھ = ۷۱۷-۷۹۰ء) اور ⑤ ابن عیینہ (۱۰۷-۱۹۸ھ = ۷۲۵-۸۱۴ء) ہیں"۔ یہ پانچ اصول دین ہیں، یعنی دین کی بنیاد ہیں، ان کی روایات کو محفوظ کئے بغیر کوئی محدث قدم آگے نہیں بڑھا سکتا۔

یہ تمام ائمۂ فن امام محمدؒ کے شیوخ میں سے ہیں، وہ ان سے راست روایت کرتے ہیں، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ میں ان سے روایات موجود ہیں۔

اسانید حجاز و کوفہ:

اسانید حجاز و کوفہ جن چھ اساطین علم و حفاظ حدیث میں دائر و سائر رہی ہے سفیان ثوری ان کے علوم کے جامع تھے، چنانچہ حافظ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ فرماتے تھے:

﴿نظرت فإذا الاسناد يدور على ستة، الزهري، و عمرو بن دينار، و قتادة ويحيى بن أبي كثير، و أبواسحاق و الاعمش، ثم صار علم هؤلاء الستة من أهل الكوفة إلى سفيان الثوري﴾ (۷)

"میں نے اسانید کو غور سے دیکھا تو انہیں چھ ائمۂ فن حفاظ میں دائر سائر پایا۔

❶ امام حافظ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری المتوفی ۱۲۳ھ
❷ عمرو بن دینار مکی المتوفی ۱۲۶ھ
❸ ابوالخطاب قتادۃ بن دعامۃ المتوفی ۱۱۷ھ
❹ یحییٰ بن ابی کثیر یمامی المتوفی ۱۲۹ھ
❺ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ ہمدانی کوفی المتوفی ۱۲۷ھ
❻ ابومحمد سلیمان بن مہران اعمش کوفی المتوفی ۱۴۸ھ

ان سب کا علم اہل کوفہ میں امیرالمومنین فی الحدیث سفیان ثوری میں سمٹ آیا تھا۔"

حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ابن المدینی کا قول نقل کر کے لکھا ہے:

"ثقات کا علم حجاز میں زہری اور عمرو بن دینار میں، اور بصرہ میں قتادۃ و یحییٰ بن ابی کثیر میں، اور کوفہ میں ابواسحاق السبیعی اور اعمش میں دائر و سائر تھا یعنی صحاح کی بیشتر حدیثیں مذکورۂ بالا چھ حفاظ کی سند سے باہر نہیں ہیں۔"

ان میں سے ہر ایک کی فن حدیث میں امتیازی شان اور روایات کی تعداد کی طرف امام ابوداؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ نے اہل علم کی رہنمائی ان الفاظ میں کی ہے:

﴿كان قتادة أعلمهم بالا ختلاف، والزهرى أعلمهم بالاسناد، وابواسحاق اعلمهم بحديث على و ابن مسعود، وكان عند الاعمش عن كل هذا، ولم يكن عندو احد من هؤلاء إلا ألفين ألفين﴾ (۸)

"قتادہ ان مذکورۂ بالا چھ ائمہ فن میں اختلاف الفاظ کے زیادہ عالم تھے، زہری اسناد کے زیادہ شناساں تھے، ابواسحاق کو حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات کا زیادہ علم تھا اور اعمش کے پاس یہ سب کچھ موجود تھا، اور ان میں سے ہر ایک کے پاس دو ہزار حدیثوں کا ذخیرہ محفوظ تھا۔"

یاد رہے کہ ان چھ اساطین علم میں سے پانچ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ حدیث میں سے ہیں، حافظ ابوالحجاج جمال الدین المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے "تہذیب الکمال" میں امام ابوحنیفہ کے تذکرہ میں عمرو بن دینار، محمد بن مسلم زہری، ابواسحاق السبیعی اور سلیمان الاعمش سے جامع المسانید جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ و ۴۵۴ میں روایت موجود ہے قتادہ سے جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ میں روایت منقول ہے۔ ان اساطین علم میں ابواسحاق اور اعمش دونوں کوفی ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں حدیث کا علم زیادہ فراواں تھا۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مذکورۂ بالا ائمہ حدیث کا علم بقول علی بن مدینی مندرجہ ذیل بارہ ائمہ فن مصنفین میں دائر سائر رہا، چنانچہ قاضی حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی (تقریباً ۲۶۰-۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

❶ مدینہ میں

① مالک بن انس اصبحی المتوفی ۱۷۹ھ۔

② محمد بن اسحاق بن یسار المتوفی ۱۵۱ھ۔

❷ مکہ میں

③ عبداللہ بن عبدالعزیز بن جریج المتوفی ۱۵۱ھ۔

④ سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ۔

❸ بصرہ میں

⑤ سعید بن ابی عروبہ المتوفی ۱۵۸ھ۔

⑥ حماد بن سلمہ المتوفی ۱۸۲ھ۔

⑦ ابو عوانہ الوضاح المتوفی ۱۷۵ھ۔

⑧ شعبہ بن الحجاج المتوفی ۱۶۰ھ۔

❹ یمن میں

⑨ معمر بن راشد المتوفی ۱۶۰ھ۔

❺ کوفہ میں

⑩ سفیان بن سعید ثوری المتوفی ۱۵۱ھ۔

❻ شام میں

⑪ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی المتوفی ۱۵۱ھ۔

❼ واسط میں

⑫ ہشیم بن بشیر المتوفی ۱۸۳ھ۔

جن کی مجموعی تعداد بارہ ہے۔

پھر علی بن مدینی نے فرمایا "مذکورہ" بالا چھ اور بارہ ائمہ فن کا علم۔

❶ یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ

❷ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ المتوفی ۱۸۲ھ

❸ وکیع بن الجراح المتوفی ۱۹۷ھ

❹ عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ

❺ عبدالرحمٰن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ

❻ یحییٰ بن آدم المتوفی ۱۸۸ھ میں منتہی ہوا۔

اور علی بن المدینی کے علاوہ جو اہل درایت وعلم روایت کے نکتہ واں ہیں ان کا قول یہ ہے کہ ان سب کا علم ایک شخص میں جمع ہو گیا تھا اور وہ یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ ہیں لیکن اہل علم نے موصوف سے فائدہ نہیں اٹھایا۔[9]

آپ غور فرمائیں ان میں یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن زکریا، عبداللہ بن المبارک اور وکیع بن الجراح چاروں حنفی اور سب امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں یحییٰ بن زکریا اور وکیع دونوں حنفی ہیں، اور یحییٰ بن معین امام محمد کے نادر شاگرد ہیں، انہوں نے امام موصوف سے الجامع الصغیر نقل کی ہے۔[10]

امام شافعی کے سب سے بڑے شیخ:

امام محمد ائمہ اربعہ میں سے تیسرے امام، محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ / ۷۶۷-۸۲۰) کے اکبر شیوخ میں

سے ہیں، [۱۱] اس لئے کہ جتنی مدت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا، کسی اور سے نہیں کیا۔ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ان کو سب سے زیادہ فقیہ قرار دیا ہے۔ [۱۲]

اسلامی دنیا کے تین اہم علمی مراکز، حجاز، عراق، اور شام کے جامع اور ناقد:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اسلامی دنیا کے تین اہم علمی مراکز حجاز، عراق اور شام کے علوم کے جامع، ناقد و محقق، حافظ حدیث، فقیہ، مقتداء أنام، امام اور نہایت ثقہ راوی ہیں، چنانچہ مؤرخ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ نے "طبقات الکبریٰ" میں موصوف کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے وہ ان کے حافظ حدیث ہونے کی صریح دلیل ہے، وہ لکھتے ہیں:

﴿نشأ بالکوفة، و طلب الحدیث، وسمع سماعاً کثیراً من مسعر، ومالک بن مغول، و عمر بن ذر، و سفیان الثوری، و الاوزاعی، و ابن جریج و مسحل الضبی، و بکر بن ماعز، و أبی حرثة و عیسی الخیاط و غیرھم، و جالس أبا حنیفه، و سمع منه، و نظر فی الرائی فغلب علیه وعرف به و نفذ فیه وقدم بغداد، فنزلها، واختلف الناس و سمعوا منه الحدیث و الرأی﴾ [۱۳]

"موصوف نے کوفہ میں نشو ونما پائی اور حدیث کی تحصیل کی، مسعر، مالک بن مغول، عمر بن ذر، سفیان ثوری، اوزاعی، ابن جریج، مسحل ضبی، بکر بن ماعز، ابو حرثہ، عیسی خیاط وغیرہ سے حدیثوں کا بکثرت سماع کیا، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی، ان سے حدیثوں کا سماع کیا، اور اہل الرائی کے مذہب میں غور وفکر کیا تو یہی موصوف پر غالب رہا، اس سے ان کی شہرت ہوئی، اور یہی ان کے افکار کی جولانگاہ رہی، بغداد آئے، یہیں فروکش ہوئے، اہل علم اور طلبہ کی ان کے پاس آمد ورفت رہی، انہوں نے موصوف سے حدیث کا سماع کیا اور فقہ کی تعلیم پائی۔"

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مؤرخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ علماء عراق کے مخالف اور ان سے منحرف تھے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۶۲ھ "ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری" میں رقمطراز ہیں:

﴿ابن سعد یقلد الواقدی علی طریقة أهل المدینة فی الانحراف علی أهل العراق، فاعلم ذالک ترشد إن شاء الله﴾ [۱۴]

"ابن سعد، مؤرخ واقدی کی تقلید کرتا ہے، واقدی اہل عراق سے انحراف میں اہل مدینہ کی روش پر گامزن ہے، اس بات کو ذہن میں رکھو، ان شاء اللہ، یہ بات تمہاری رہنمائی کرتی رہے گی۔"

باایں ہمہ انحراف مؤرخ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ سطور بالا میں اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

﴿طلب الحديث، و سمع سماعًا كثيرا. . . . واختلف إليه الناس، وسمعوا منه الحديث﴾ (۱۵)

❶ موصوف نے حدیث کی تحصیل کی۔

❷ بہت زیادہ حدیثوں کا سماع کیا۔

❸ تحصیل علم کی خاطر اہل علم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

❹ ان سے حدیثوں کا سماع کیا۔

حدیث کی طلب و کثرت، اس سے وابستگی و شغف، تحصیل حدیث کے لئے طلبہ و اہل علم کی ان کے یہاں آمد رفت، ان کے حافظ ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ میرزا معتمد خاں محمد بن رستم بدخشی نے ''تراجم الحفاظ'' میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا شمار حفاظ حدیث میں کیا ہے۔ (۱۶)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا معتبر و ثقہ حفاظ میں شمار:

حافظ ابوالحسن الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ ''غرائب مالک'' میں امام محمد کے متعلق تصریح کی ہے۔

إنه من الثقات الحفاظ ''امام محمد ثقات حفاظ میں سے ہیں''۔ (۱۷)

موطاء امام مالک کی موطاء امام محمد سے شہرت:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات کے ساتھ اختلاف کی صورت میں موطاء میں اپنی سند سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک، ان کے اقوال اور دوسرے شیوخ کی سند سے حدیثیں نقل کی ہیں، اس طرح ان کا مذہب اور دلیل دونوں معلوم ہوجاتے ہیں، اس بناء پر اسے موطاء امام محمد سے شہرت حاصل ہے۔

استاد و شاگرد تابعی اور ہمسر و قرین:

استاد شاگرد امام مالک اور امام محمد دونوں کا تعلق خیر القرون سے دونوں تبع تابعی اور قرین و ہمسر ہیں۔ (۱۸)

حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

﴿خير الناس القرن الذي بعثت فيهم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم الخ﴾ (۱۹)

''بہترین لوگ وہ ہیں جو اس زمانے میں موجود ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا، پھر وہ لوگ ہیں جو اس سے ملحق ہیں (یعنی تابعین)، پھر وہ ہیں جو ان کے بعد آنے والے ہیں (یعنی تبع

تابعین۔)"

پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

﴿قال الحاکم فهذه صفة أتباع التابعين، إذجعلهم النبی صلی الله عليه وسلم خير الناس بعد الصحابة و التابعين المنتخبين، و هم الطبقة الثالثة بعد النبی صلی الله عليه وسلم۔

و فيهم جماعة من أئمة المسلمين و فقهاء الامصار مثل مالک بن أنس الاصبحی، و عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی، و سفيان الثوری، و شعبة بن الحجاج العتکی، وابن جريج۔

ثم بعد ايضاً فيهم جماعة من تلامذة هؤلاء الائمة الذين ذکرناهم مثل يحی بن سعيد القطان، وقد أدرک أصحاب أنس و عبدالله ابن المبارک، وقد أدرک جماعة من التابعين۔

و محمد بن الحسن الشيبانی ممن روی المؤطاء عن مالک، وقد أدرک جماعة من التابعين﴾ [۲۰]

"حاکم کہتا ہے یہ تبع تابعینؒ کی صفت ہے، جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برگزیدہ صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد سب سے بہتر لوگ قرار دیا ہے، اور وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرا طبقہ ہے"۔

تبع تابعین میں مشہور ائمہ مُسلمین وفقہاءِ امصار:

"تبع تابعین میں مشہور ائمہ مُسلمین و فقہاء امصار کی ایک جماعت ہے جیسے امام مالک بن انس صبحی، عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی، سفیان ثوری، شعبہ الحجاج عتکی، اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

پھر انہی میں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ان کے شاگردوں کی ایک جماعت شمار کی جاتی ہے جیسے یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کو پایا اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت کو پایا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا اور ان سے اکتساب فیض کیا۔"

امام محمد کا تابعین کی ایک جماعت سے استفادہ:

امام محمد کا تابعین کی ایک جماعت سے استفادہ: "اور محمد بن الحسن (شیبانی) ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطاء روایت کی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کو پایا ہے۔"

حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، شعبۃ، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہم کا شمار تبع تابعین میں ہے، اور محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطاء کے راویوں میں ان کا شمار ہے، فقہاء امصار امام مالکؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابن جریج وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، نیز ائمہ وفقہاء امصار وتابعین سے بہرہ مند ہونے کا فخر بھی انہیں حاصل ہے۔

راویان مالک میں امام محمد کا مقام:

رواۃ مالک میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ متعدد وجوہ سے برتری وفضیلت رکھتے ہیں۔

❶ امام امالک سے پوری موطاء کا زبانی سننا۔

❷ رواۃ مالک میں وہ تنہا ایسے راوی ہیں جنہیں تین سال کی طویل مدت میں جمعہ کی خصوصی مجلس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے پوری موطاء سننے کی سعادت حاصل ہے، اس لئے کہ جمعہ کی مجلس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود پڑھتے اور شاگرد سنتے تھے۔[۲۱]

❸ روات مالکؒ میں وہ سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

❹ روات مالکؒ میں ایسا راوی مشکل سے ملے گا جس نے پوری موطاء کا سماع امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے کیا ہو۔

❺ موطاء امام مالکؒ کے نسخوں میں یحیٰی بن یحیٰی لیثی المتوفی ۲۳۴ھ کے نسخہ کو شہرت حاصل ہے، مگر اس میں اوہام ہیں[۲۲] اور امام محمد کے نسخہ میں اوہام نہیں ہیں جو امام محمدؒ کے حفظ و اتقان اور ثقاہت کی نہایت روشن دلیل ہے۔

❻ راویان امام مالک میں امام محمدؒ نہایت قوی، معتبر اور ثقہ راوی ہیں چنانچہ مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں۔

﴿کان من بحور العلم و الفقه قویاً فی مالک﴾[۲۳]

"موصوف علم اور فقہ کے سمندر تھے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والوں میں قوی تھے۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ علیہ کے مذکورۂ بالا بیان سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اتفاق ہے، اس لئے

موصوف نے تعجیل المنفعۃ“ میں اس پر تنقید نہیں کی ہے۔ (۲۴)

❼ موطاء امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ میں بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں جو موطاء کے دوسرے نسخوں میں نہیں۔ (۲۵)

❽ روایت موطاء میں ایک امام، مجتہد و فقیہ عراق محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے امام، مجتہد مستقل و فقیہ مدینہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے راوی ہے، اس لئے معارضہ کی صورت میں اصول حدیث کی رو سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

اصول حدیث میں فقیہ کی روایت کی وجہ ترجیح:

یہ اصول امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام وکیعؒ کی سند سے اصول حدیث کی کتابوں کی زینت بنا، چنانچہ حاکم نیشاپوریؒ ”معرفۃ علوم الحدیث“ میں بسند متصل امام وکیع سے نقل کرتے ہیں:

﴿قال لنا وكيع أى الاسناد أحب إليكم، الاعمش عن أبى وائل عن عبدالله؟ أو سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله؟

قلنا الاعمش عن أبى وائل فقال! سبحان الله الاعمش شيخ، و أبو وائل شيخ، و سفيان فقيه، و منصور فقيه، و إبراهيم وعلقمة فقيه، و حديث يتداوله الفقهاء خير من أن يتداوله الشيوخ﴾ (۲۶)

”وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے پوچھا تمہاری نظر میں ان دو سندوں میں اعمشؒ از ابووائل از عبداللہ یا سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ از عبداللہؓ میں کون سی سند زیادہ پسندیدہ و معتبر ہے؟

ہم نے عرض کیا اعمش از ابووائل زیادہ دل کو بھاتی ہے، تو وکیع بولے سبحان اللہ! اعمش شیخ ہیں، ابووائل شیخ ہیں۔ اور سفیان فقیہ ہیں، منصور فقیہ ہیں، ابراہیم فقیہ ہیں، علقمہ فقیہ ہیں۔

وہ حدیث جو فقہاء میں متداول و مقبول ہو اور ان کی سند سے آئے وہ اس روایت سے جسے شیوخ کے یہاں تداول و قبول حاصل ہو اور شیوخ کی سند سے آئے بہتر ہوتی ہے۔“

یہاں شیوخ حدیث کی سند عالی ہے اس لئے کہ اس میں واسطے کم ہیں اور فقہاء کی سند نازل ہے اس لئے کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں پھر بھی اسے ترجیح دی جارہی ہے، وجہ یہ ہے کہ حدیث و اثر پر فقیہ کی نظر احکام سے متعلق امور پر زیادہ رہتی ہے اور محدث و شیخ کی نظر سند و بیان روایت پر ہوتی ہے، فقہی باتوں پر نہیں ہوتی۔ (۲۷)

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ فقیہ اگر ایسی روایت سنتا ہے جسے اس کے ظاہری معنی پر قائم رکھنا ٹھیک نہیں تو وہ اس پر غور

کرتا اور اس حقیقت کو پالیتا ہے جس سے وہ اشکال جاتا رہتا ہے۔[۲۸]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطا پڑھی لیکن ان کا نسخہ نہ محفوظ ہے نہ منقول ہے، حیرت ہے کہ ارباب صحاح ستہ بھی اپنی کتابوں میں الشافعی عن مالک روایت نقل نہیں کرتے۔[۲۹]

کتاب الآثار بروایت محمدؒ کی وجہ ترجیح:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے ممتاز ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے میں زیادہ معتبر وزیادہ قوی ہیں، کتاب الاثار کی ہر روایت میں "محمد قال اخبرنا ابو حنیفہ" موجود ہے اس میں ظاہر ہے دو مجتہد فقیہ ایسے آگئے ہیں جس نے ہر روایت کو قوی تر بنادیا ہے۔

کتاب الآثار کی تدوین اور اس کے رواۃ کا خیر القرون سے تعلّق:

یہ ایک حقیقت ہے کہ کتاب الآثار کی تدوین خیر القرون میں عمل میں آئی ہے۔

❶ اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سندوں سے روایتیں نقل کی ہیں، امام موصوف کی امتیازی حیثیت:

(الف) تابعی ہیں۔

(ب) زبردست حافظ حدیث ہیں۔

(ج) فن رجال کے امام ہیں۔

(د) مجتہد مطلق اور صاحب مذہب ہیں۔

❷ امام ابوحنیفہ نے جن سے روایتیں اور آثار نقل کئے ہیں ان کی خصوصیات:

① وہ بالاتفاق تابعی ہیں۔

② یا وہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

③ اور موصوف کبھی راست صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

④ یا اپنے معاصرین سے روایت نقل کرتے ہیں۔

⑤ ظاہر ہے کتاب الاثار کے تمام راویوں کا تعلق خیر القرون سے ہے۔

⑥ وہ سب ثقہ ہیں۔

⑦ ان میں بہت سے حفاظ اور فقہاء امصار ہیں۔

تابعین کے دور میں ایسا راوی مشکل سے ملے گا جس پر انگلی اٹھائی جائے، اس کے دو سبب ہیں۔

اولاً حفاظ ومحدثین ایسے راوی سے روایت ہی نہیں لیتے۔

ثانیاً ائمہ جرح وتعدیل نے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی ہے اور کتاب الآثار ان باتوں سے بالاتر ہے۔

معمول بہا روایات و آثار، مجتہدین صحابہؓ وخیار تابعینؒ کی آراء وفتاوی کا قدیم ترین اور معتبر ترین ذخیرہ:

کتاب الآثار:

① رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا۔

② معمول بہا روایات وآثار کا۔

③ مجتہدین صحابہؓ کے اقوال وآراء کا۔

④ کبار وخیار تابعین ومجتہدین کی آراء وفتاویٰ کا قدیم ترین ومعتبر ترین ذخیرہ ہے۔

کتاب الآثار کی ایک اہم منصوصیت جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا یہ ہے کہ اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے معمول بہا سنن وآثار کا بیش بہا ذخیرہ جمع کیا ہے جن پر موصوف کا عمل ہے اور حنفی مذہب کی بنیاد ہیں اس ذخیرہ میں کوئی ایک حدیث واثر ایسا نہیں جن کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ اس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل نہیں اس کے برعکس مؤطا امام مالکؒ میں ستر سے اوپر ایسی سنن وآثار موجود ہیں جن کے متعلق ائمہ سنن نے تصریح کی ہے کہ ان پر خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا عمل نہیں ہے چنانچہ حافظ مغرب ابن عبدالبر کے نامور شاگرد علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۴-۴۵۶ھ = ۹۹۴-۱۰۶۴ء) مراتب الدیانہ میں رقمطراز ہیں۔

﴿وفیه نیف وسبعون حدیثًا قد ترک مالک نفسه العمل بها، فیها احادیث ضعیفة وهاها جمهور العلماء﴾(۳۰)

اور موطأ امام مالک میں ستر سے اوپر ایسی حدیثیں موجود ہیں جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا اور ان حدیثوں میں ضعیف بھی ہیں جنہیں جمہور علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

کتاب الآثار، موطاء اور شرح معانی الآثار کا مقام:

شیخ تقی الدین ابو عمرو ابن الصلاح شافعی المتوفی ۶۴۳ھ نے کتب مسانید اور کتب مصنفات (فقہی ابواب پر مرتب کتابیں) سے احتجاج واستدلال میں فرق ملحوظ رکھا ہے، وہ اپنی مشہور تصنیف ''مقدمہ ابن الصلاح'' میں رقمطراز ہیں:

﴿کتب المسانید غیر ملتحقة بالکتب الخمسة التی هی الصحیحان و سنن أبی داود و سنن النسائی وجامع الترمذی، و ماجری مجراها الاحتجاج بها والرکون إلی مایورد

فیها مطلقاً کمسند إبی داود الطیالسی، ومسند عبداللہ بن موسیٰ، ومسند إحمد بن حنبل و مسند إسحاق بن راهویة و مسند عبد بن حمید، ومسند الدارمی، ومسند إبی یعلی الموصلی، ومسند إبی الحسن بن سفیان و مسند البزار أبی بکر و أشباهها، فهذه عادتهم فیها أن یخرجوا فی مسند کل صحابی مارووه من حدیثه غیر متقید بأن یکون حدیثاً محتجابه، فلهذا تأخرت مرتبتها و إن جلت لجلالة مؤلفیها۔ عن مرتبة الکتب الخمسة وما التحق بها من الکتب المصنفة علی الابواب، و اللہ اعلم﴾ (۳۱)

”کتب مسانید، کتب خمسہ (۱-۲) صحیحین (۳) سنن ابوداؤد (۴) سنن نسائی (۵) جامع ترمذی کے ہم پایہ نہیں ہیں، اور ان کتابوں کے جو احتجاج میں ان کے قائم مقام ہیں اور جن کی بیان کردہ روایتوں کی طرف بھی علماء کو ویسا ہی میلان ہے جیسا کہ ان کی روایات کی طرف ہے، کتب مسانید جیسے مسند ابی داود طیالسی، مسند عبیداللہ بن موسیٰ، مسند احمد بن حنبل، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عبد بن حمید، مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان، مسند بزار ابوبکر اور انہی جیسی مسندیں، تو اہل مسانید کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر صحابی کی مسند میں اس کی جتنی حدیثیں ملتی ہیں ان کی تخریج کرتے ہیں، اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ وہ روایت قابل احتجاج ہے یا نہیں، اس وجہ سے ان مسانید کا مرتبہ اگرچہ ان کے مصنفین کی جلالت قدر کی بناء پر بلند ہے کتب خمسہ اور ان کتابوں سے جو کتب خمسہ کی طرح ابواب فقہ پر مرتب ہیں فروتر ہو گیا ہے واللہ اعلم۔“

امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار اور امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب الموطاء وغیرہ جو ابواب فقہ پر مرتب ہیں وہ اس زمرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔

کتاب الآثار میں معاصرین سے روایتیں موجود ہیں، ان میں تبع تابعی بھی ہیں جن کا تعلق خیر القرون سے ہے، انہیں بھی ثقات میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ ائمہ فن نے اصول حدیث کی کتابوں میں تبع تابعین کو عام طور پر ثقات کے زمرے میں شمار کیا ہے، حاکم نیشاپوری کتاب ”معرفۃ علوم الحدیث“ میں اصح الاسانید کی بحث میں لکھتے ہیں:

﴿أن هٰؤلاء الائمة الحفاظ قد ذکر کل ما أدی إلیه اجتهاده فی أصح الاسانید ولکل صحابی رواة من التابعین ولهم أتباع و اکثرهم ثقات فلایمکن أن یقطع الحکم فی أصح الاسانید﴾ (۳۲)

”بلاشبہ ان ائمہ حفاظ حدیث کا کسی ایک سند کو زیادہ صحیح قرار دینا اس اجتہاد کا ثمرہ ہے جس کی طرف اس نے اپنے اجتہاد سے رہنمائی پائی ہے اور ہر صحابی کے تابعین میں سے بعض راوی ہیں

اور تابعین سے تبع تابعین روایات کے ناقل ہیں، تبع تابعین اکثر ثقات وقابل اعتماد راوی ہیں، اس لئے ممکن نہیں کہ اصح الاسانید میں کسی ایک روایت کے متعلق اصح ہونے کا حتمی حکم لگایا جائے۔"

حدیث کو صحیح اور حسن وغیرہ کہنے کی حیثیت:

حاکم نیشاپوری کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ ائمہ فن کو اس امر کا اعتراف ہے کہ کسی حدیث پر اصح، صحیح، حسن وغیرہ کا حکم لگانا ایک اجتہادی بات ہے اور یہ ایسی بات ہے جیسی فقہاء کی بات ہے کہ یہ امر مباح، یہ مستحب، یہ واجب اور یہ فرض ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح فقہ کا تمام تر ذخیرہ اجتہاد کا ثمرہ ہے اسی طرح سنن وآثار کا تمام تر سرمایہ اصح، صحیح، حسن وضعیف وغیرہ کے اعتبار سے ائمہ فن حفاظ حدیث کے اجتہاد کا نتیجہ ہے، اور جس طرح ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کو تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں اسی طرح دنیا بھر کے اہل حدیث کو ائمہ فن حفاظ حدیث کی تقلید سے مفر نہیں، ان مذکورۂ بالا تاریخی حقائق کی روشنی میں کسی کا یہ کہنا کہ ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے، کیا حقائق کے خلاف نہیں؟

حاکم کے بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ ائمہ فن کا جب کسی ایک سند کے اصح ہونے پر اتفاق نہیں ہوسکا تو بھلا حدیث کی کسی ایک کتاب کے اصح ہونے کا دعویٰ کیوں کر قابل قبول ہوسکتا ہے اور وہ بھی متاخرین کے دور میں؟

پھر تبع تابعین میں جن کا تعلق بھی خیر القرون سے ہے ان میں بھی اکثر وبیشتر ثقات ہیں جب کہ اوپر حاکم کی تصریح گزری ہے، ایسے ثقات کی مراسیل کو قبول کرنے سے انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ ائمہ فن نے تصریح کی ہے کہ ثقہ کی تدلیس قابل قبول ہے چنانچہ ابن حبان نے اس کی مثال میں کبار تابعین کی مراسیل کو پیش کیا ہے، حافظ جلال الدین سیوطیؒ "تدریب الراوی" میں فرماتے ہیں:

﴿ثم مثل ذالک بمراسیل کبار التابعین، فانھم لایرسلون الاعن صحابی سبقه الی ذالک ابوبکر البزارو ابوالفتح الازدی، و عبارۃ البزار من کان یدلس عن الثقات کان تدلیسه عند اھل العلم مقبولاً﴾ (۳۳)

"پھر ابن حبان نے اس کی مثال کبار تابعین کی مراسیل سے پیش کی کہ وہ صحابی سے ارسال کرتے ہیں چنانچہ یہی بات اس سے پہلے ابوبکر بزار اور ابوالفتح ازدی نے کہی ہے بزار رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے "من کان یدلس عن الثقات الخ" جو کوئی ثقات سے تدلیس کرتا ہے اس کی تدلیس اہل علم کے یہاں مقبول ہے۔"

امام ابوداود سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ "رسالۃ إلی أہل مکۃ فی وصف سننه" میں لکھتے ہیں:

﴿أما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيمامضى، مثل سفيان الثورى ومالك والاوزاعى حتى جاء الشافعي، فتكلم فيه وتابعه على ذالک أحمدبن حنبل وغيره﴾ (۳۴)

"لیکن مراسیل علماء سلف نے اس سے استدلال کیا جیسے سفیان ثوری، مالک، اوزاعی، یہاں تک کہ شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور احمد بن حنبل وغیرہ نے ان کی پیروی کی۔
کتاب الآثار میں مرسل روایتیں بھی موجود ہیں اس لئے مرسل روایت پر روشنی ڈالنا بھی ضروری ہے۔

مراسیل

خیر القرون، صحابہؓ، تابعین وتبع تابعین کے زمانے میں صحابہؓ، اکابر تابعینؒ، تبع تابعینؒ ائمہ متبوعینؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، مرسل حدیث کو حجت اور قابل استدلال مانتے تھے، ایک جلیل القدر تابعی جس نے سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، سنا بھلا وہ کس کس کا نام لے کر بیان کرے گا۔

تعجب اس امر پر ہے کہ ایک مجتہد تابعی جو فقیہ اور حجت ہے، اس کے قول پر حلال وحرام میں اعتماد کیا جاتا ہے، ائمہ فن حدیث وآثار ان فقہاء مجتہدین کا مذہب نقل کرنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، چنانچہ مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور خاص طور سے جامع الترمذی میں ان فقہاء امصار کا مذہب اور فتوے مذکور ومنقول ہیں اور ان کی رائے اور مذہب کو نقل کرنا جامع الترمذی کے خصائص میں سے شمار کیا جاتا ہے، ایسے فقہاء امصار اگر ارسال کرتے، اور حدیث واثر کی سند بیان نہیں کرتے، صحابی کا نام نہیں لیتے، ایسے قابل حجت ومستند ائمہ کے قول پر اعتبار واعتماد کرنے سے گریز کو کیوں کر حق بجانب کہا جاسکتا ہے؟ یہ تضاد حیرت کا باعث ہے۔ چنانچہ حسن بصریؒ (۲۱-۱۱۰ھ / ۶۴۲-۷۲۸ء) جیسے مجتہد جن کے متعلق ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کا بیان ہے:

﴿الحسن بن أبى الحسن أدرک خمس مائة من الصحابة﴾ (۳۵)

"حسن بن ابی الحسن بصریؒ نے پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا ہے۔"

ذرا غور فرمائیں وہ روایت بیان کرتے وقت کس کس کا نام بتائیں؟ جبکہ خیر القرون کے تمام ائمہ فن مرسل سے دلیل پیش کرتے تھے، جیسے سفیان ثوریؒ، مالکؒ، اور اوزاعیؒ، تاآنکہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس امر میں ان کی پیروی کی۔

عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جس کے خیر وبرکت ہونے کی خبر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اس

زمانے میں تمام فقہاء امصار وائمہ حدیث کا مرسل سے حجت پیش کرنے پر اجماع واتفاق ہے چنانچہ امام ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان ہے:

﴿إن التابعين بأسرهم أجمعوا على قبول المراسيل ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن واحد من الائمة بعدهم إلى آخر المائتين الذين هم من القرون الفاضلة المشهود لها من الشارع صلى الله عليه وسلم بالخيرية﴾ (۳۶)

"تمام تابعین کا مراسیل کے قبول کرنے پر اجماع ہے، نہ ان میں سے کسی سے اور نہ دوسو برس تک ان کے بعد کے کسی امام سے مراسیل کا انکار مروی ہے، یہ دونوں صدیاں اس مبارک عہد میں داخل ہیں جس کی خیر وبرکت کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔"

اب عہد تابعین میں حضرت سعید بن المسیبؒ کی مراسیل کو قابل حجت قرار دینا اور دیگر ائمہ تابعین کی مراسیل کو قبول کرنے سے انکار کرنا اصول انصاف کے صریح خلاف ہے اور اس کو نہ ماننا زبردستی کی بات ہے۔ چنانچہ امام ابوجعفر الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ "شرح معانی الآثار" میں رقم طراز ہیں:

﴿فإن قال إنما قبلته وإن كان منقطعاً لانه عن سعيد بن المسيب، ومنقطع سعيد يقوم مقام المتصل، قيل له ومن جعل لک أن تخص سعيداً بهذا؟ ومنع مثله من أهل المدينة مثل أبي سلمة وسالم، وعروة، وسليمان بن يسار رحمة الله عليهم و أمثالهم من أهل المدينة، والشعبي و إبراهيم النخعي و امثالهما رحمة الله عليهما، من أهل الكوفة و الحسن و ابن سيرين و أمثالهم رحمة الله عليمهم، من أهل البصرة و كذالک من كان في عصر من ذكرنا من سائر الفقهاء الامصار من كان فوقهم من الطبقة الاولى من التابعين مثل علقمة والا سود و عمرو بن شرحبيل و عبيدة و شُريح لئن كان هذالک مطلقًا في سعيد بن المسيب فإنه مطلق لغيرک فيمن ذكرنا وإن كان ممنوعاً من ذالک فإنک ممنوع مثله، لان هذا حكم وليس لاحد أن يحكم في دين الله بالتحكم﴾ (۳۷)

"پس اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے سعید بن المسیب کی روایت کو اگرچہ وہ منقطع ومرسل ہے قبول کیا، اس لئے کہ ان کی منقطع ومرسل روایت متصل روایت کے قائم مقام ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے سعید بن المسیبؒ کی مرسل ومنقطع روایت کی تخصیص کا حق کس نے دیا اور ان کے ہم پایہ مدینہ کے اور علماء کی مرسل ومنقطع روایات قبول نہ کرنے سے کس نے روکا جیسے ابوسلمہؒ، سالمؒ، عروہؒ اور سلیمان بن یسارؒ ہیں اور شعبی اور ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہمسر کوفی علماء ہیں، حسنؒ اور ابن

سیرینؒ اور انہی کی طرح دیگر بصری علماء موجود ہیں اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو، اور اسی طرح ان کے زمانے میں جنہیں ہم نے نام بنام ذکر کیا ہے باقی فقہاء امصار ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت نازل ہو، اور وہ جو تابعین کے طبقہ اولیٰ میں بھی بلند تر ہیں جیسے علقمہؒ، اسودؒ، عمرو بن شرحبیلؒ، عبیدةؒ اور شریحؒ، ہیں، اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو اور اگر تمہیں حضرت سعید بن المسیبؒ کی منقطع و مرسل روایتوں کو مطلقاً متصل کے قائم مقام تسلیم کرنے کا حق حاصل ہے تو پھر تمہارے سوا دوسروں کو مذکورۂ بالا فقہاء کی منقطع و مرسل روایات کو مطلقاً متصل روایات کے قائم مقام تسلیم کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ اور اگر انہیں حق حاصل نہیں تو پھر تمہیں بھی اس قسم کی بات کہنے اور کرنے کا حق نہیں، کیونکہ یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں کسی کو ہٹ دھرمی کا حکم کرنے کی اجازت نہیں۔"

ابوبکر احمد بن علی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ "الفصول فی الاصول" میں رقم طراز ہیں:

﴿قال أبوبكر والصحيح عندى ومايدل عليه مذهب أصحابنا أن مرسل التابعين و أتباعهم مقبول مالم يكن الراوى ممن يرسل الحديث عن غير الثقات والدليل على صحة ماذكرنا أن ظاهر أحوال الناس كان فى عصر التابعين و أتباعهم الصلاح و الصدق ولما دل عليه حديث النبى صلى الله عليه وسلم خير الناس قرنى.....الخ۔

ومن جهة الاخرى لان من فقهاء التابعين من قدأ خبروا عن أنفسهم أنهم لا يرسلوا الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بعد صحته و ثبوته عندهم، قال الاعمش قلتُ لابراهيم إذا حدثتنى فأسند، فقال اذا قلت لک حدثنی فلان عن عبدالله فهو الذى حدثنى وإذا قلتُ لک قال عبدالله فقد حدثنى جماعة عنه۔

وروى عن الحسن قال كنت إذا اجتمع لى أربع نفر من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم تركتهم و أسندته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم﴾ (۳۸)

"ابوبکر جصاص فرماتے ہیں اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے اور وہ ہمارے اصحاب احنافؒ کا مذہب ہے کہ تابعینؒ وتبع تابعینؒ کی مرسل روایتیں مقبول ہیں جب تک راوی کا غیر ثقہ لوگوں سے روایت کرنا ثابت نہیں ہوتا، ہم نے جو بات کہی ہے اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ عہد تابعینؒ وتبع تابعینؒ میں لوگوں کا ظاہر احوال راست گوئی اور صلاح و تقویٰ تھا اس پر حدیث رسول خیر الناس قرنی الخ "سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن میں مجھے بھیجا گیا ہے" شاہد ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہاء میں سے جنہوں نے اپنی نسبت اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی احادیث وآثار کا ارسال کرتے ہیں جن کی صحت روایت کا انہیں جزم ویقین ہے چنانچہ اعمش ؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے حدیث سند سے کیوں بیان نہیں فرماتے؟ کہ میں اسے مرفوعاً بیان کروں انہوں نے فرمایا جب میں تم سے "حدثنی فلان عن عبداللّٰہ" کہوں کہ فلان نے مجھ سے بواسطہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کیا تو سمجھ لو کہ وہی ایک راوی ہے جس نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی ہے اور جب میں تم سے کہوں "قال عبداللہ" تو سمجھ لو کہ مجھ سے (ان کے شاگردوں کی) ایک جماعت نے اس روایت کو بواسطہ عبداللہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ موصوف نے فرمایا جب میرے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابیؓ ایک روایت بیان کرتے ہیں تو میں حدیث کو مرسل بیان کرتا ہوں اور اس کی نسبت راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہوں۔"

صحابہؓ کا اپنے درمیانی واسطہ کو "تابعین" ساقط کرنے کے باوجود انہیں مدلسین سے موسوم نہ کرنے کے اسباب:

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا سند میں تدلیس کو روا رکھنے کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے جصاصؒ "الفصول من الاصول" میں رقم طراز ہیں:

﴿الصحابة رووا عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیراً من الاحادیث التی لم یسمعوھا و حذفوا ذکر من بینھم و بین النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و اقتصروا علی أن قالوا قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و کذالک التابعون ولا یسمون مدلسین من وجھین۔

أحدھما أنھم إنما قصدوا الاختصار و تقریب الاسناد علی السامعین منھم والاخر أنھم أرادو بالارشاد و تاکید الحدیث و القطع علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بأنه قاله ولم یقصدوا التزین بعلوا الاسناد، و کذالک نقول فیمن بعدھم من قصدمنھم بحذف الرجل الذی بینه وبین المروی عنه أخذ ھذین الوجھین فإنا لا نسمیه مدلساً وأما المدلس من یقصد بحذف الرجل الذی سمعه التزین بعلو السند ونحو ذالک وھذا القصد غیر محمود، غیر أنه من ثبت أن لا یدلس إلا عن الثقات فھو مقبول الخبر و إن لم

فالاظهر ان من كره أنه غير مقبول الرواية حتى يقل حدثنا ومن يدلس عن غير الثقات فالاظهر ان من كره أنه غير مقبول الرواية حتى يبين ﴿(٣٩)﴾

"صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان واسطہ موجود تھا، مگر انہوں نے صرف قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنے پر اکتفاء کیا، اس طرح تابعینؒ نے عمل کیا مگر انہیں مدلسین کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا، اس کے دو سبب ہیں:

ایک یہ کہ ان کا مقصد سند میں اختصار سے کام لینا اور سامعین سے سند کو قریب تر کرنا تھا۔

دوسرا ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی نسبت کو یقینی بنانا تاکہ یہ بات یقینی ہو جائے کہ یہ آپ کا ارشاد ہے اور ان کا مطمح نظر محض حدیث کو علو اسناد سے آراستہ کرنا نہ تھا اس طرح ہم ان لوگوں کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے بعد آئے ہیں، ان کا مقصد بھی راوی و مروی عنہ کے مابین واسطہ ساقط کرنے سے یہی دو باتیں مقصود تھیں، یہی وجہ ہے کہ ہم ان کو مدلس کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔

مدلس وہ ہے جو اس واسطہ کو جس سے اس نے حدیث بلاواسطہ سنی ہے سند کو عالی بنانے کی خاطر واسطہ کو ساقط کرتا ہے اور اس قسم کی اغراض کی وجہ سے واسطہ کو ذکر نہ کرنا یہ نیت وارادہ پسندیدہ نہیں، بجز اس کے کہ جس کی نسبت ثابت ہو کہ وہ ثقات و معتبر راویوں سے تدلیس کرتا ہے، اس کی حدیث تو مقبول ہے، اگرچہ وہ "حدثنا" بھی نہ کہے اور جو غیر معتبر راویوں سے تدلیس کرتا ہے اس کی حدیث کا معاملہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں تاآنکہ اس امر کی وضاحت نہ ہو جائے کہ اس نے ثقہ سے روایت کی ہے۔"

پاک و ہند کے اہل حدیث کا مسلک (صحیحین کی حدیثوں پر عمل کیلئے اصرار):

ہندوستان اور پاکستان کے اہل حدیث صحیحین کی حدیثوں کے سوا کسی حدیث کو قابل حجت ولائق اعتناء سمجھتے ہی ن اس لئے وہ صحیحین میں صحیح بخاری کی روایتوں پر عمل کرتے اور دوسروں سے اس پر عمل کرنے پر اصرار کرتے ہیں حالان

1. صحیحین میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حسن بھی ہیں۔
2. تمام صحیح حدیثوں کا احاطہ و استیعاب بھی اس میں نہیں کیا گیا۔ (۴۰)
3. صحیح بخاری صحیح مسلم کے متعلق امام بخاری اور امام مسلم میں سے کسی سے ان کے اصح ہونے کا دعویٰ ثابت نہیں
4. یہ فی الجملہ صحیح حدیثوں کا انتخاب ہے۔ (۴۱)

❺ اس میں بہت زیادہ صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ (۴۲)
❻ حسن حدیثوں کی تعداد بھی اس میں کثیر ہے۔ (۴۳)
❼ بلکہ ہماری تحقیق کے مطابق اس میں مراسیل بھی پائی جاتی ہیں۔

اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ صحیح حدیثوں کا ذخیرہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی پھیلا ہوا ہے اور ان میں بھی صحیحین کی ٹکر کی حدیثیں موجود ہیں جنہیں نظر انداز کرنا صحیح حدیثوں کے عظیم تر ذخیرہ سے دستبردار ہونا اور دلائل کے عظیم الشان ذخیرہ سے صرف نظر کرنا اصول انصاف کے تقاضوں کے خلاف اور حقیقت سے انحراف کرنا ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں:

﴿و كذالک يوجد في مسند الامام أحمد من الاسانيد و المتون شئی كثير مايوازی كثيراً من أحاديث مسلم، بل و البخاری أيضاً وليست عندهما ولا عند أحدهما بل ولم يخرجه أحد من أصحاب الكتب الاربعة، وهم أبوداود، و الترمذی، و النسائی، وابن ماجة، و كذالک يوجد في معجمی الطبرانی الكبير والاوسط، وفي مسندی أبی يعلى و البزار، وغير ذالک من المسانيد و المعاجم و الفوائد والاجزاء، ما يتمكن المتبحر في هذا الشان من الحكم بصحته كثيراً منه، بعد النظر في حال رجاله و سلامته من التعليل المفسد، ويجوز له الاقدام على ذالک، ولم ينص على صحته حافظ قبله، موافقة للشيخ أبی زكريا يحيى النووی، و خلافاللشيخ أبی عمرو﴾ (۴۴)

حافظ ابن کثیر کا بیان:

"(اور تخریجات صحیحین میں جس طرح مفید اضافے اور جید اسانید پائی جاتی ہیں) اسی طرح مسند امام احمد میں بہت زیادہ متون و اسانید موجود ہیں جو صحیح مسلم کی حدیثوں کے مقابلے کی ہیں بلکہ بخاری کی ٹکر کی بھی موجود ہیں، جو صحیحین میں نہیں، یا ان میں سے کسی ایک میں نہیں، بلکہ ارباب سنن اربعہ نے بھی ان کی تخریج نہیں کی ہیں وہ ابوداود، ترمذی، نسائی، اور سنن ابن ماجہ ہیں، اور اسی طرح معجم کبیر و معجم اوسط طبرانی، مسند ابی یعلی و مسند بزار و غیرہ مسانید و معاجم، فوائد اور اجزاء میں حدیثیں پائی جاتی ہیں جو اس فن میں متبحر عالم کو رجال سند کی حالت پر غور کرنے اور متن و سند کی تعلیل مفسد سے سلامتی کی صورت میں، بہت سی حدیثوں کی صحت پر حکم لگانے کی قدرت بخشتا، اور اس اقدامِ عمل کو جائز کرتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کسی حافظ حدیث نے شیخ ابوزکریا یحییٰ نووی کی

موافقت اور شیخ ابو عمرو بن صلاح کی مخالفت میں اس کی صحت کا حکم نہ لگایا ہو۔"

حافظ ابن کثیر کے بیان کی تائید:

شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی المتوفی ۸۶۸ھ "محاسن الاصطلاح و تضمین علوم الحدیث لابن الصلاح" میں لکھتے ہیں:

﴿ویوجد فی مسند الامام أحمد من الاسانید و المتون شئی کثیر لیس فی الصحیحین، ولا فی السنن أیضاً، ومن أربعة السنن سن أبی داود، و الترمذی، و النسائی، وابن ماجة، و کذالک یوجد فی (مسند البزار، وابن منیع، و المعاجم الطبرانی، وغیرہ و مسند أبی یعلی، والاجزاء) مما یتمکن العارف بهذا الشان من الحکم بصحة کثیر منه بعد النظر السدید، ویجوز له أن یحکم بالصحة کما تقدم﴾ (۴۵)

"اور مسند امام احمد میں بہت زیادہ اسانید و متون ایسے پائے جاتے ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں اور وہ سنن میں بھی نہیں ہیں، سنن چار ہیں: سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اور اسی طرح مسند بزار، مسند ابن منیع اور معاجم طبرانی وغیرہ میں حدیثیں اور اسانید موجود ہیں، مسند ابی یعلی اور اجزاء میں پائی جاتی ہیں، جسے اس فن میں مہارت و قدرت حاصل ہے وہ بنظر صحیح بہت سی حدیثوں کو صحیح قرار دے گا اور اسے صحت کا حکم لگانا جائز ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔"

اس زمانے میں حافظ ابن کثیر کے بیان کی صداقت:

محدث احمد شاکر المتوفی ۱۳۷۷ھ نے "الباعث الحثیث" میں حافظ ابن کثیر کے مذکورۂ بالا بیان میں صرف مسند احمد کے متعلق جس کی جلد اول و جلد ثانی طبع قدیم کی ایک تھائی حدیثوں پر تحقیقی کام کیا یہ فقرہ لکھا ہے۔

"ھذا الکلام جید محقق" ابن کثیر کی مسند احمد کے متعلق یہ بات، بہت تحقیقی بات ہے اس لئے کہ میں نے (۶۵۱۱) چھ ہزار پانچ سو گیارہ حدیثوں کی تحقیق کی، ان میں (۵۷۳۳) پانچ ہزار سات سو تینتیس حدیثیں صحیح ہیں (بقیہ مختلف درجات کی ہیں) اور ان میں ایسی ضعیف جو نا قابل اعتبار ہو مشکل سے ملے گی (اس لئے حافظ ابن کثیر کے بیان کی اس زمانے میں بھی صداقت عیاں ہو جاتی ہے)"۔ (۴۶)

دوسری صدی ہجری میں امام محمد کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ:

امام محمد نے حنفی فقہ کو کتابی صورت میں مرتب و مدون کیا وہی کتابیں آج بھی فقہ کا اصل اور بنیادی سرمایہ ہیں، امام

شافعیؒ نے ۱۶۴ھ میں امام مالکؒ سے موطاء پڑھی پھر یمن سے عراق آکر امام محمدؒ سے فقہ پڑھی اور ان کی تصانیف کی نقل پر ساٹھ دینار خرچ کئے، مورخ اسلام شمس الدین ذہبی نے "تاریخ الاسلام" میں امام شافعی کا بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

﴿أنفقت على كتب محمد بن الحسن ستين ديناراً ثم تدبرتها فوضعت إلى جنب كل مسئلة حديثا﴾ (۴۷)

"میں نے امام محمد کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کئے پھر میں نے ان پر غور وفکر کیا اور ہر مسئلہ کے پہلو میں حدیث لکھی۔"

یہ ان مسائل کا تنقیدی جائزہ تھا جو امام شافعی نے کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کی مرتب کتابوں میں ائمہ مجتہدین بھی غور وفکر کرتے اور ان سے بہت کچھ حاصل کرتے رہے ہیں اور ان کی کتابیں امت میں مقبول رہی ہیں، نیز اس سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ ان مسائل پر جس کی نظر سنن وآثار کے وسیع تر ذخیرہ پر محیط نہ ہو اور فقہی بصیرت سے محروم ہو ان مسائل کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

امام محمد پر مخالفت حدیث کا الزام اور موصوف کی وضاحت:

محدثین عموماً رائے وقیاس کے خلاف ہوتے ہیں اس لئے وہ فقہاء کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں چنانچہ عیسیٰ بن ابان المتوفی ۲۲۱ھ جن کا شمار مشہور حفاظ حدیث میں تھا اہل الرائے کی صحبت سے بچتے، کتراتے اور فرماتے تھے:

﴿هولاء قوم يخالفون الحديث﴾ (۴۸)

"یہ لوگ حدیث کے خلاف کرتے ہیں۔"

حافظ محمد بن سماعہ (۱۳۰-۲۳۳ھ / ۷۴۸-۸۴۷ء) جو ان کے دوست تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ امام محمدؒ کی مجلس درس میں کبھی شریک ہو جائیں تو ان پر حقیقت آشکار ہو جائے، ایک بار ایسا ہوا کہ عیسیٰؒ بن ابانؒ محمد بن سماعہؒ سے ملنے آئے، امام محمدؒ کے درس کا وقت قریب تھا، محمد بن سماعہ نے ان سے کہا ذرا مجلس درس میں بیٹھو اور دیکھو، عیسیٰؒ بیٹھ گئے، درس کے بعد وہ انہیں امام محمدؒ سے ملانے لے گئے اور صاف کہا کہ یہ آپ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں، امام محمد نے ان سے فرمایا:

﴿ما الذى رأيتنا نخالفه من الحديث؟ لا تشهد علينا حتى تسمع منا، فسأله يومئذ عن خمسة وعشرين باباً من الحديث، فجعل محمد بن الحسن يجيبه عنه، ويخبر بما فيها من المنسوخ وأتى بالشواهد والدلائل﴾ (۴۹)

"تم نے ہم سے کون سی ایسی بات دیکھی کہ جس میں ہم نے حدیث کے خلاف کیا ہو؟ ہمارے خلاف شہادت نہ دو جب تک تم ہم سے خلاف حدیث کوئی بات نہ سنو، تو عیسیٰ نے ان سے پچیس باب کی حدیثوں کے متعلق سوال کیا، انہوں نے عیسیٰ کو بتایا کہ ان میں بعض حدیثیں منسوخ ہیں اور ان کے دلائل وشواہد پیش کیے۔"

پھر یہ مجلس سے اٹھ کر آئے تو کہا جو پردہ حائل تھا وہ اٹھ گیا اور کہا:

﴿ماظننت أن فی ملک اللّٰہ مثل هذا الرجل یظهره للناس، ولزم محمد بن الحسن لزوماً شدیداً حتی تفقه﴾ (۵۰)

"میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں اس طرح کا عالم، اللہ تعالیٰ لوگوں کے فائدہ کی خاطر نمودار فرمائے گا، اور امام محمد کی صحبت میں ہمہ وقت کی حاضر باشی اختیار کی تاآنکہ فقیہ بن گئے۔"

محدثین کے یہاں ان کی مخالفت حدیث کا ایسا چرچا تھا کہ ابتداء میں اس کی صدائے بازگشت امام احمد بن حنبل ؒ کے یہاں بھی سنائی دیتی تھی چنانچہ موصوف فرماتے تھے:

﴿کان أبویوسف منصفًا فی الحدیث فأما ابوحنیفة و محمد بن الحسن مخالفین للاثر﴾ (۵۱)

"ابویوسف ؒ حدیث میں انصاف پسند و منصف تھے لیکن ابوحنیفہ اور محمد بن الحسن حدیث واثر کے مخالف تھے۔"

چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی ؒ المتوفی ۷۴۸ء نے حقیقت حال پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

﴿کان یخالف الاحادیث ویأخذ بعموم القرآن﴾ (۵۲)

"موصوف کا احادیث کے خلاف کرنا عموم قرآن پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا (بظاہر حدیث کی مخالفت محسوس ہوتی ہے حقیقت میں وہ قرآنی نصوص پر عمل کرتے تھے)۔"

امام محمد ؒ کے متعلق محدثین کرام کا طرز عمل:

یہی وجہ ہے کہ محدثین نہ آئمہ احناف کی کتابیں پڑھتے نہ ان کی مجالس میں بیٹھتے تھے بلکہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ہی ان کے متعلق رائے قائم کرتے اور لوگوں کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتے تھے، چنانچہ حافظ ابن عدی

المتوفی ۳۶۵ھ کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں امام محمدؒ کی حدیث کی کتابوں کے متعلق رقمطراز ہیں:

﴿والاشتغال بحديثه شغل لا يحتاج إليه لانه ليس من أهل الحديث فينكر عليه﴾ (۵۳)

"اور امام محمدؒ کی حدیثوں کے مطالعہ میں لگے رہنا ایک ایسا کام ہے جس کی حاجت ہی نہیں کیونکہ وہ اہل حدیث میں سے نہیں اس لئے مطالعہ سے روکا جاتا ہے۔"

ذرا غور فرمائیں:

❶ جو عالم امیر المومنین فی الحدیث، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعی اور امام مالکؒ کا شاگرد ہو۔

❷ ائمہ حدیث اسے رواۃ مالک میں قوی قرار دیں۔

❸ ثقات حفاظ میں اس کا شمار ہو۔

❹ شافعیہ کے مقتداء مجتہد مطلق امام شافعیؒ کا استاد ہو۔

❺ امام شافعیؒ حدیث میں اس سے احتجاج کرتے ہوں، چنانچہ حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں:

﴿أما الشافعي رحمه الله فاحتج بمحمد بن الحسن في الحديث﴾ (۵۴)

"لیکن شافعیؒ تو حدیث میں محمد بن الحسن سے حجت پکڑتے ہیں۔"

❻ اذکیاء عالم میں اس کا شمار ہوتا ہو۔

اس پر اس قسم کے ریمارک پاس کرنا کیا حق و انصاف قرار دیا جاسکتا ہے، یہی طرز عمل عام محدثین نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف، امام زفر وغیرہم کے ساتھ روا رکھا ہے۔

انہی حقائق کے پیش نظر ائمہ احناف نے اصول فقہ کی کتابوں میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو ائمۂ حدیث، ہمارے ائمہ پر مبہم جرح کرتے ہیں، وہ جرح قابل اعتبار ولائق اعتناء نہیں، اس لئے کہ وہ مذہبی تعصب اور طرفداری پر مبنی ہوتی ہے، چنانچہ فخر الاسلام بزدوی المتوفی ۴۸۲ھ "کنز الوصول الی معرفۃ الاصول" میں رقم طراز ہیں:

﴿أما الطعن من أئمة الحديث فلا يقبل مجملا لان العدالة في المسلمين ظاهرة خصوصا في القرون الاولى فلو وجب الرد بمطلق الطعن لبطلت السنن﴾ (۵۵)

"لیکن ائمہ حدیث کی طرف سے مجمل و مبہم جرح و طعن قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ عدالت مسلمانوں میں ظاہر ہے (مسلمان ایمان کی بدولت عادل ہوتا ہے) خاص طور پر قرون اولیٰ (جس میں خیر کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے) اگر مطلق جرح و طعن کی بناء پر رد کیا جانے لگا تو سنن و آثار کا سارا ذخیرہ معطل اور بیکار ہو کر رہ جائے گا۔"

چنانچہ موصوف آگے بعض وجوہ طعن کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

﴿وقد يقع الطعن بسبب هو مجتهد مثل الطعن بالارسال و مثل الطعن بالاستكثار من فروغ مسائل الفقه فلا يقبل فإن وقع الطعن مفسراً بماهو فسق و جرح لكن الطاعن متهم بالعصبية والعداوة لم يسمع مثل طعن الملحدين في أهل السنة طعن من ينتحل مذهب الشافعي رحمه الله على بعض أصحابنا المتقدمين رحمهم الله﴾ (٥٦)

"❶ اور کبھی طعن اس سبب سے واقع ہوتا ہے کہ وہ ایسا مجتہد ہے کہ اس پر مثلاً ارسال کا طعن کیا جاتا ہے۔

❷ کثرت سے فقہ کے فروعی مسائل کے استخراج و استنباط کرنے پر جرح کی جاتی ہے، یہ طعن و جرح قابل قبول نہیں۔

❸ اور اگر طعن مفسر فسق و فجور کی تہمت کے ساتھ ہو لیکن طعن کرنے والے پر عصبیت و عداوت کی تہمت لگی ہو تو بھی طعن قابل سماعت نہیں جیسے ملحد و بے دینوں کا اہل سُنّت پر طعن کرنا۔

❹ اس طرح ان لوگوں کا جنہوں نے شافعی مذہب اختیار کیا ہمارے ائمہ متقدمین پر جرح کا حکم ہے۔"

اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ قدماء حنفیہ پر عداوت کی وجہ سے جو جرح و طعن کیا جاتا ہے وہ قابل التفا نہیں۔

امام محمد کے درسی افادات کی قدر وقیمت:

قاضی عیسیٰ بن ابان کا بصرہ میں جب انتقال ہوا تو ان کے کتب خانہ کی کتاب کا ورق ورق جدا جدا بکا، علامہ سمعا کتاب الأنساب میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

﴿ولمامات عيسى بن أبان و بيعت كتبه أوراقاً كل ورقة بدرهم أنه كان درس على محمد بن الحسن و علق العلل والفوائد على الحواشي﴾ (٥٧)

"اور (۲۲۱ھ) میں جب عیسیٰ بن امان کا انتقال ہوا، ان کی کتابیں ورق ورق کر کے فروخت کی گئیں، ہر ورق ایک درہم میں فروخت کیا گیا، اس لئے کہ موصوف نے امام محمد کے درس میں کتاب کے حاشیوں پر مسائل کی تحقیق اور فوائد لکھے تھے۔"

مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام محمدؒ کے درسی افادات کی اس دور میں کیا قدر و قیمت تھی۔

شکل و صورت اور حسن و جمال:

امام محمد بہت زیادہ حسین و جمیل تھے ان کے والد جب انہیں امام ابوحنیفہ کی مجلس درس میں لائے، انہوں نے فرمایا "لڑکے کے سر کے بال منڈوائیں، پرانے کپڑے پہنائیں تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں۔"(۵۸)

امام محمدؒ کا بیان ہے کہ والد نے میرا سر منڈایا پرانے کپڑے پہنائے تو حسن اور دوبالا ہوگیا۔(۵۹)

امام شافعیؒ کی امام محمدؒ سے پہلی ملاقات:

امام شافعی کا بیان ہے:

"میں نے پہلی بار جب امام محمد کو دیکھا ان کے پاس اہل علم بیٹھے تھے، میری نظر ان کے چہرے پر پڑی تو وہ سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا، پیشانی تو گویا ہاتھی دانت کی طرح روشن و صاف تھی، لباس سب سے بہتر تھا، ایک اختلافی مسئلہ پوچھا تو اپنا مذہب زور دار انداز میں پیش کیا، بیان کر کے تیر کی طرح گذر گئے"۔(۶۰)

عادات وخصائل اور کمالات وفضائل:

امام شافعیؒ ان کے عادات و خصائل اور کمالات و فضائل پر گوناگوں الفاظ میں متواتر روشنی ڈالتے رہے ہیں چنانچہ فرمایا:

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس سے کوئی اختلافی مسئلہ پوچھا ہو اور اسے ناگوار نہ ہوا ہو سوائے امام محمد کے"۔(۶۱)

حلال وحرام کے علل و اسباب اور ناسخ منسوخ کا بے نظیر عالم:

موصوف کا بیان ہے:

"میں نے امام محمد سے بڑھ کر کتاب اللہ کا فصیح و بلیغ عالم، حلال و حرام کا جاننے والا، اسباب و علل کا واقف، اور ناسخ منسوخ پر نظر رکھنے والا نہیں دیکھا، لوگ اگر انصاف سے کام لیں تو یقین کریں کہ انہوں نے امام محمد حسن الشیبانی کا نظیر نہیں دیکھا۔(۶۲)

امام محمد سے بڑھ کر کسی فقیہ کے پاس کبھی نہیں بیٹھا اور نہ فقہی زبان بولنے والا دیکھا وہ فقہ اور

اسباب علل فقہ کی ایسی باتیں جانتے تھے جن کو بیان کرنے سے بڑے بڑے لوگ عاجز تھے"۔
(۶۳)

امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے مابین امام شافعیؒ کا موازنہ:

امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ اور امام محمدؒ دونوں سے پڑھا اور سنا تھا اور انہیں ان کی ہمنشینی کا فخر حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ بتائیں ان میں کون زیادہ فقیہ تھا؟ فرمایا! محمد بن الحسن زیادہ فقیہ النفس تھے۔ (۶۴)

امام شافعیؒ امام محمد کی مجلس درس میں:

ابوعبید قاسم بن سلام کا بیان ہے:

"میں امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا امام شافعی بھی مجلس میں بیٹھے مسئلہ پوچھ رہے ہیں موصوف نے عمدہ جواب دے کر خاموش کر دیا اور درہم دے کر فرمایا، علم چاہتے ہو تو یہاں جمے رہو چنانچہ میں نے امام شافعی کو فرماتے ہوئے سنا، واللہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر علم قلمبند کیا ہے۔" (۶۵)

اس زمانے میں ایک بار شتر علم بہت زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ (۶۶)

امام شافعی کا اعتراف فضل وکمال:

امام شافعی کا قول ہے "امام محمد اگر نہ ہوتے تو مجھ پر علم کا ایسا انکشاف اور فیضان نہ ہوتا جیسا کہ اب ہوا ہے۔" (۶۷)

سبک روحی:

"امام شافعی فرماتے ہیں میں نے فربہ انسان محمد بن الحسن سے زیادہ سبک روح (چست اور مستعد) نہیں دیکھا"۔ (۶۸)

والدین کی میراث کا صحیح مصرف:

ابوعمرو بن عمرو شاگرد امام محمد کا بیان ہے:

"امام محمد نے فرمایا والدؒ نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے، ان میں سے پندرہ ہزار میں نے شعر و ادب پر اور پندرہ ہزار حدیث وفقہ پر خرچ کئے۔" (۶۹)

امام محمد کی کتابوں سے ائمہ لغت و ادب کا اعتناء:

موصوف نے حدیث وفقہ، عربیت و ادب میں ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ ائمہ لغت ان کے اقوال اپنی کتابوں میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں چنانچہ کوفی و بصری مکاتب فکر کے ترجمان وجامع، ابوعبید قاسم بن سلام لغوی بغدادی (۱۵۴-۲۲۴ھ / ۷۷۴-۸۳۸ء) اپنی کتابوں میں امام محمد کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ (۷۰)

امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ اپنے شیخ محمد بن شاذان المتوفی ۲۷۷ھ سے نقل کرتے ہیں کہ اخفش نحوی سعید بن مسعدہ المتوفی ۲۱۵ھ فرماتے تھے:

﴿ماوضع شئی قط یوافق ذلک إلا کتاب محمد بن الحسن فی الایمان فانه وافق کلام الناس﴾ (۷۱)

"کوئی چیز کسی چیز کے لئے اس طریقہ پر ہرگز وضع نہیں کی گئی کہ وہ اس کے مطابق ہو مگر امام محمد بن الحسن کی کتاب الایمان (جو قسموں کی بیان میں) ہے وہ عوام الناس کے کلام کے عین مطابق ہے۔"

امام لغت ابوعلی فارسی (۲۸۸-۳۷۷ھ / ۹۱۹-۹۸۷ء) جو مبرد لغوی کا ہمسر سمجھتا تھا امام محمدؒ کی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور انہیں عزیز رکھتا تھا چنانچہ یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ بغداد میں آگ لگی تو ابوعلی کا وہ سارا علمی سرمایہ جو اس نے ایک مرتبہ اپنے استاد سے دوران سبق قلمبند کیا تھا خاکستر ہو گیا، ایک صندوق میں صرف امام محمدؒ کی کتاب الطلاق کا آدھا حصہ بچ گیا تھا، اس ذخیرہ کے جلنے کا موصوف کو ایسا صدمہ تھا کہ اس نے دو دن تک کسی سے بات نہیں کی تھی"۔ (۷۲)

ائمہ لغت ونحو میں امام محمد کی کتابوں کی مقبولیت:

ابوعلی فارسی کا شاگرد ابوالفتح ابن جنی المتوفی ۳۹۲ھ "کتاب الخصائص" میں رقم طراز ہے:

﴿کذلک کتب محمد بن الحسن رحمة اللّٰه علیه ینتزع أصحابنا عنها العلل، لانهم یجدونها منثورة فی أثناء کلامه فیجمع بعضها إلٰی بعض بالملاطفة والرفق، ولا یجدله علة فی کلامه مسترخاة محررة، وهذا معروف من هذا الحدیث عند الحاجة غیر منکور﴾ (۷۳)

”اسی طرح محمد بن الحسن رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں جن سے ہمارے نحوی علتیں نکالتے ہیں، ان کے کلام میں علل منتشر جابجا پھیلی ہوئی ہیں، انہیں خوش اسلوبی اور سلیقہ سے ایک ایک کر کے جمع کیا جاتا ہے، ہم ان کے کلام میں علّت ایک جگہ پوری لکھی ہوئی نہیں پاتے، یہ بات نحویوں کی جماعت میں مشہور و مسلم ہے۔“

موصوف آگے لکھتے ہیں:

﴿لو كان لا يخاض في علم من العلوم إلا بما لابد من وقوع مسائله معينة محصلة لم يتم علم على وجه، ولبقي مبهوتا بلا لحظ و مخشوباً بلا صنعة، ألا ترى إلى كرة مسائل الفقه و الفرائض و الحساب و الهندسة وغير ذلك من المركبات المستصعبات (ذلك) إنما يمر في الفرط منها الجزء النادر الفرد، و إنما الانتفاع بها من قبل ماتقتنيه نفس من الارتياض بمعاناتها﴾ (۷۴)

”علوم میں سے کسی علم میں غور و خوض نہیں کیا جاتا مگر صرف انہی متعیّن موجود ناگزیر مسائل میں جن کا علم کسی طور حاصل نہ ہو تو انسان ان مسائل میں مبہوت و پریشان رہتا اور بے سمجھے بات کہتا ہے، کیا تم فقہ، فرائض، ریاضی اور ہندسہ وغیرہ کے بہت سے مرکبات اور مشکل مسائل کو نہیں دیکھتے کہ انسان ان پسر وقتاً فوقتاً اور کچھ دن گزر جانے کے بعد بھی اہم و نادر مسائل پر غور و فکر کرتا رہتا ہے اور ان سے وہ اس وقت فائدہ اٹھاتا ہے جب اس کا مذاق مشقت و ریاضت سے پختہ ہو جاتا ہے۔“

کوفہ اور بصرہ کی علمی مناسبت و چشمک اور فخر و ناز:

کوفہ و بصرہ کی علمی برتری و چشمک میں فراء (جو امام محمد کے خالہ زاد بھائی تھے)۔ (۷۵) کی کتابیں اور امام محمد کے ستائیس ہزار مسائل پیش کئے جاتے تھے، چنانچہ ابو علی حسن بن داؤد کا بیان ہے۔

﴿فخر أهل البصرة فأربعة كتب: كتاب البيان و التبيين للجاحظ، و كتاب الحيوان له، و كتاب سيبويه، و كتاب الخليل في (اللغة) العين۔

ولحن نفتخر بسبعة و عشرين ألف مسألة في الحلال و الحرام عملها رجل من أهل الكوفة، يقال له محمد بن الحسن قياسية عقلية، لا يسع الناس جهلها، و كتاب الفراء في المعاني و كتاب المصادر في القرآن، كتاب الوقف والابتداء فيه، و كتاب الواحد و الجمع فيه﴾ (۷۶)

"اہل بصرۃ کو چار کتابوں پر فخر و ناز ہے۔

❶ کتاب البیان والتبیین جاحظ کی اور اس کی،

❷ دوسری کتاب الحیوان،

❸ کتاب سیبویہ (نحو میں)

❹ اور لغت میں خلیل کی کتاب العین۔

امام محمدؒ کا عظیم کارنامہ:

اور ہم ان ستائیس ہزار حلال و حرام کے مسائل پر فخر کرتے ہیں جنہیں اہل کوفہ میں ایک شخص نے مرتب و مدون کیا جسے محمد بن الحسن کہا جاتا ہے یہ تمام مسائل قیاسی و عقلی ہیں جن سے لوگ بے نیاز نہیں رہ سکتے، اور فراء کی کتاب "معانی القرآن" "مصادر القرآن" "کتاب الوقف والابتداء" اور "کتاب الواحد والجمع فی القرآن" ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں کوفہ میں علوم قرآن و سنت اور لغت و نحو کے ایسے ماہر و ارباب کمال جمع تھے جن کی نظیر اسلامی قلمرو میں موجود نہیں تھی، مؤرخ اسلام شمس الدین الذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں یحییٰ بن اکثم سے ناقل ہیں وہ فرماتے تھے:

﴿کان فی الناس رؤساء، کان سفیان الثوری رأسا فی الحدیث و أبوحنیفة رأسأ فی القیاس و الکسائی رأسا فی القرأة، فلم یبق الیوم رأس فی فن من الفنون﴾ (۷۷)

"لوگوں میں چوٹی (کے ماہر فن اور بے نظیر) علماء تھے، چنانچہ حدیث کے فن میں سفیان ثوری لاثانی تھے، قیاس میں ابوحنیفہ تھے، قراءت کے فن میں کسائی تھے آج کوئی بھی ان فنون میں ایسا لاثانی و ماہر باقی نہیں رہا۔"

مذکورۂ بالا ائمہ فن کی شہادت و ارباب کمال کی تصریحات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علوم قرآن و سنت اور علوم لغت و عربیت میں امام محمدؒ کو امت مسلمہ میں کیسا بلند مقام حاصل ہے اور ان کے علمی کارنامے اور عظیم خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں جن کی روشنی سے سارا عالم فیض یاب ہے اور رہتی دنیا تک اہل علم ان سے رہنمائی پاتے رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

حاشیے

(۱) مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم، قسم التخصص فی علم الحدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی، کے مشرف ونگراں کی خدمت میں جب "روضۃ الازھار شرح کتاب الآثار" پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی گئی تو موصوف نے یہ تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا، جو نت نئی معلومات سے آراستہ ہے، اس سے ان شاء اللہ بہت سے علمی گوشے کھلیں گے اور طلبہ اور اہل علم کو فائدہ ہوگا۔ محمد حسین صدیقی۔

(۲) عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح و التعدیل، حیدرآباد دکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ ۱۲۷۱ھ، ص۵۹، ۱۱۸ (ترجمہ سفیان الثوری)

(۳) محمد بن احمد الذهبی، سیر اعلام النبلاء تحقیق شعیب الارنووط، ط:۲۰ بیروت: موسۃ الرسالہ، ۱۴۰۲ھ، ج۷ ص۱۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ط:۳، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۵ھ ج۱ص۱۷۸۔

(۴) الذهبی، تذکرۃ الحفاظ ۲۰۹/۱۔

(۵) ابن ابی حاتم، ص۱۱و۳۱ (ترجمہ مالک بن انس) و ج۱ص۳۲۴ ترجمہ حماد بن زید۔

(۶) ابن الصلاح ص۴۴۴

(۷) ابن ابی حاتم ۱۱ ص۵۹-۶۰۔ حسن بن عبدالرحمن الرامھرمزی، المحدث، الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب ط:۲: بیروت، دارالفکر ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۴ء ص۶۱۴۔ احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، بیروت دارالفکر العلمیہ، ب، ت، ج۱۴، ص۱۷۹۔ جمال دین یوسف المزی، تهذیب الکمال فی اسماء الرجال، بیروت، دارالماعون للتراث، ۱۴۰۲ھ = ۱۹۸۲ء، ج۱/ ۵۴۷ (ترجمہ سلیمان الاعمش)۔ الذهبی، تذکرۃ الحفاظ ط:۳، ج۱ص۱۱۰و۳۶۰ (ترجمہ محمد بن شهاب الزهری و یحیی بن آدم)

(۸) الذهبی، ج۵، ص۴۰۱

(۹) الرامھرمزی، ص۶۲۰

(۱۰) الخطیب البغدادی، ج۲ص۱۷۶

(۱۱) الذهبی، سیر اعلام النبلاء ج۹ص۱۳۵ (أخذ عنه الشافعی فاکثر جدا)۔

(۱۲) الذهبی ج۵ص۲۳۶ (ألفقه أصحاب محمد، ابوعبدالله الشافعی رحمهم الله۔)

(۱۳) محمد بن سعد، الطبقات الکبری، بیروت، دارصادر، ب ت، ج۷ص۳۳۶۔

(۱۴) احمد بن علی بن حجر العسقلانی، هدی الساری مقدمه فتح الباری، القاهره، ادارة الطباعة المنیریة ۱۳۴۷ھ ج۲ص۱۶۴۔

(۱۵) ابن سعد، ج۷ص۳۳۶۔

(۱۶) محمد بن رستم البدخشی، تراجم الحفاظ المستخرج من کتاب الانساب للسمعانی (مخطوطه) ورق ۱۱، ۳۶۱، راقم الحروف نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے۔

(۱۷) محمد زاھد بن الحسن الکوثری، تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ أبی حنیفۃ من الاکاذیب، القاھرہ، مطبعۃ تجلیۃ الأنوار ۱۹۴۲ء، ص ۱۸۲۔

(۱۸) الذھبی ج۸ ص ۵۲۔ (من أقرانہ.... محمد بن الحسن الفقیہ)

(۱۹) محمد بن عبداللّٰہ الحاکم النیسابوری، کتاب معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق معظم حسین، القاھرہ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۹۳۷ء ص ۴۴۔

(۲۰) ایضاً۔

(۲۱) حافظ الدین محمد المعروف ابن البزار الکردری، مناقب الامام اعظم، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ، ب ت، ج۲ ص ۱۲۰۔ یوسف بن عبدالبر، الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمہ، القاھرہ، مکتبۃ القدسی ۱۹۳۰ء ص ۲۵۔ الذھبی ج۸ ص ۵۷ ولہ مناقب الامام أبی حنیفۃ و صاحبیہ، مصر، دار الکتاب العربی، ص ۵۲۔

(۲۲) عبدالرحمان السیوطی تنویر الحوالک علی موطاء مالک، مصر، عبدالحمید احمد حنفی، ۱۳۵۳ھ ج۱ ص ۵۷، ج۲ ص ۱۵۔

(۲۳) الذھبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، سانگھل شیخوپورہ، المکتبۃ الاثریہ، ۱۳۸۲ھ ج۳ ص ۵۱۳ رقم ترجمہ ۷۳۷۴۔

(۲۴) ابن حجر العسقلانی، تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ، تحقیق ایمن صالح شعبان، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ، ص ۱۴۰۔

(۲۵) السیوطی، تنویر الحوالک ج۱ ص ۱۰۔

(۲۶) الحاکم النیسابوری ص ۱۱ و ۱۲۔ الخطیب البغدادی۔ کتاب الکفایہ فی علوم الراویۃ، حیدرآباد الدکن، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۷ھ۔ ص ۴۳۶۔ المزی، ج۱ ص ۵۔ ابوعمرو بن صلاح الدین، مقدمہ ابن الصلاح و محاسن الاصطلاح، تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن، القاھرہ، دارالمعارف، ۱۴۱۱ھ ص ۴۴۳۔ السیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، تحقیق عبدالوہاب عبداللطیف، المدینہ المنورہ، المکتبہ العلمیہ ۱۳۷۹ھ ص ۳۶۸۔ الذھبی، سیر اعلام النبلاء، ج۱۲ ص ۳۲۸، ۳۲۹۔

(۲۷) الخطیب البغدادی، الکفایہ، ص ۴۳۶

(۲۸) السیوطی، تدریب الراوی ص ۳۸۹۔

(۲۹) بحمد للہ ہم نے اپنی نگرانی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، سے قسم التخصص فی علم الحدیث میں ایک انڈونیشی طالب علم لطفی بن محمد یوسف الشافعی (اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور مزید کام کی توفیق بخشے) سے اس عنوان "ماروا ہ الشافعی عن مالک" پر ۱۹۹۹ء میں تحقیقی مقالہ لکھوا کر اس علمی خلاء کو جو باقی تھا پر کرایا ہے، اس پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ نے اس کو سند سے سرفراز کیا، جلد چھپ سکے تو اہل علم کو فائدہ پہنچے گا، وماذلک علی اللّٰہ بعزیز۔

(۳۰) مراتب الدیانہ۔ بحوالہ تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ۲۴۔ القاھرہ، دار الکتب محدیثہ ۱۳۸۵ھ ج ۱ ص ۱۱۱

(۳۱) ابن الصلاح ص ۱۸۳، ۱۸۴

(۳۲)الحاکم النیشاپوری ص۵۴، ۵۵

(۳۳)السیوطی، تدریب الراوی، مصر، دار الکتب الحدیثیہ ۱۳۸۸ھ ص۲۲۹۔

(۳۴)ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی، رسالۃ الی أهل مکہ فی وصف سننه، تحقیق عبدالفتاح ابوغدۃ، حلب، المطبوعات الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ ص۳۲۔ یہ رسالہ ثلاث رسائل فی علم مصطلح الحدیث کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۳۵)علی بن حزم الاندلسی، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر، مطبعۃ السعادۃ ۱۳۴۷ھ ج۵ص۹۷۔

(۳۶) محمد بن اسمعیل الامیر الیمانی، توضیح الافکار لمعانی تنقیح الأنظار، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، القاهرہ، مکتبہ الخالجی ۱۳۶۶ھ ج۱ص۲۹۱، ۲۹۲۔

(۳۷)احمد بن محمد الطحاوی، شرح معانی الآثار، لکھنو، مطبع مصطفائی ۱۳۰۰ھ ج۲ص۲۵۳ "باب الرهن بهلک فی یدالمرتهن۔"

(۳۸)احمد بن علی الجصاص، الفصول فی الاصول (مصور نسخه) ورق ۵۱۷- ۵۱۸۔

(۳۹)ایضاً ورق ۵۴۲- ۵۴۳۔

(۴۰)محمد بن طاهر المقدسی، شروط الائمہ الستۃ، القاهرۃ، ۱۳۵۷ھ ص۱۳۔ محمد بن موسی الحازمی، شروط الائمۃ الخمسۃ ص۴۹-۵۱۔ ابن الصلاح، ص۱۶۲۔ یحیی بن شرف النووی، ارشاد طلاب الحقایق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق، تحقیق عبدالباری فتح اللّٰہ السلفی، المدینۃ النورۃ، مکتبۃ الایمان، ۱۴۰۸ھ ص۱۱۹۔

(۴۱)الحازمی ص۵۱۔ ابن حجر العسقلانی، هدی الساری ج۱ص۴۔ السیوطی، تدریب الراوی ص۴۶، ۴۷۔ احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر، دمشق، دار الفیحا، ۱۴۱۴ھ ص۳۵۔

(۴۲)الحازمی، ص۵۱۔ ابن حجر، هدی الساری ج۱ص۴۔

(۴۳) الذهبی، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، تحقیق عبدالفتاح ابوغده، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ ۱۴۰۵ھ ص۸۰۔

(۴۴)ابن کثیر اختصار علوم الحدیث ص۳۷، ۳۸۔

(۴۵)البلقینی، محاسن الاصطلاح ص۱۶۵۔

(۴۶)احمد شاکر ص۳۷، ۳۸۔

(۴۷)تاریخ الاسلام، حوادث ۱۸۱ تا ۱۹۰، ص۳۶۱

(۴۸)عبدالکریم بن محمد السمعانی، الانساب، بیروت، دار الحنان، ۱۴۰۸ھ ج۴ص۴۳۱ (ترجمہ عیسی بن ابان)۔

(۴۹)صیمری ص۱۳۲

(۵۰)ایضاً۔

(۵۱)الخطیب البغدادی، ج۲ص۱۷۲۔

(۵۲)الذهبی، تاریخ الاسلام ص۳۶۱، حوادث ۱۸۱، ۱۹۰۔

(۵۳)عبداللہ بن عدی الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت، دارالفکر، ب ت، ج۶ص ۲۱۸۴۔
(۵۴)الذہبی، مناقب الامام أبی حنیفۃ و صاحبیہ، ص۵۹۔
(۵۵)فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی، کنز الوصول إلی معرفۃ الاصول، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ۱۳۸۷ھ ص۱۹۶۔
(۵۶)ایضاً ص۲۰۰۔ محمد احمد السرخسی، اصول السرخسی، حیدرآباد الدکن، لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ ۱۳۷۲ھ، ج۲ص۹۔
(۵۷)السمعانی ج۳ص ۴۸۴۔ (القاضی)
(۵۸)عبدالحی ابن العماد الحنبلی، شذرات الذہب فی أخبار من ذہب، بیروت، احیاء التراث العربی، ب، ت، ج۱ ص۳۲۲
(۵۹)ایضًا
(۶۰)ایضاً۔
(۶۱) حسین بن علی الصیمری، أخبار أبی حنیفۃ واصحابہ، ط: ۲، بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء ص۱۲۹۔ الخطیب البغدادی، ج۲ص۱۷۷۔ الذہبی، مناقب الامام ابی حنیفۃ و صاحبیہ، ص۵۱۔ ابن العماد، ج۱ص۳۲۲
(۶۲) ص۱۲۸۔ ابن العماد ج۱ص۳۲۲
(۶۳)الصیمری، ص۱۲۸۔ ابن العماد ج۱ص۳۲۲ - ۳۲۳
(۶۴)ابن العماد ج۱ص۳۲۳
(۶۵)ایضاً
(۶۶)ایضاً۔خطیب بغدادی ج۲ص۱۷۶۔صیمری ۱۲۸ص
(۶۷)ابن العماد۔صیمری ص۱۲۸
(۶۸)تاریخ البغداد ج۲ص۱۷۵۔الذہبی، مناقب الامام ابی حنیفۃ و صاحبیہ، ص۵۱
(۶۹)الخطیب البغدادی ج۲ص۱۷۳۔صیمری ص۱۳۹
(۷۰)رامھرمزی ص۲۵۱، المحدث الفاصل، طبع چارم۔اصول الجصاص ص۳۰ ج۱
(۷۱)ابوالفتح عثمان بن جنی، کتاب الخصائص، تحقیق محمد علی نجار، بیروت: دارالکتب العربی، ب، ت۔
(۷۲)یاقوت الرومی، معجم الادباء، دہلی کتاب بھون، کلاں محل، ب، ت ج۲ص۲۰۔
(۷۳)ابن جنی، کتاب الخصائص۔
(۷۴)ایضاً
(۷۵)وفیات الاعیان، ج۶ص۱۷۹۔تاریخ بغدادی، ج۱۴ص۱۵۲
(۷۶)تاریخ بغدادی ج۲ص۱۷۷۔الکردری، المناقب ج۲ص۱۵۹
(۷۷)سیر اعلام النبلاء ج۷ص۲۳۹(تذکرہ سفیان ثوری)

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ کتاب الآثار امام ابوحنیفہ کا دوسرا حصہ

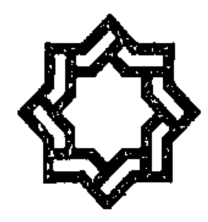
امام موصوف کی فقہی بصیرت اور معرفت رجال کے مباحث پر مشتمل ہے۔
اس میں مروی عنہ امام ابوحنیفہؒ کی علمی زندگی کے انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تعلق فن حدیث اور معرفت رجال سے ہے۔
یہ مقدمہ ۲۶ عنوانات پر مشتمل ہے مجھے امید ہے ان شاء اللہ اس سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوسکے گا اور معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔

محمد عبدالحلیم چشتی
۴؍صفر ۱۴۲۱ھ
بوقت سحر

سحرہا بار می گفتم حدیث آرزومندی
ندا آمد کہ واثق شو زالطاف خداوندی

عنوانات کی فہرست (حصّہ دوم)

- امام ابوحنیفہ سے مشہور ائمۂ فن کی روایت
- ائمۂ فن جرح وتعدیل کا اپنی تصانیف میں امام اعظم کے قول سے استدلال
- کسی محدث کی احادیث کو نظر انداز کرنے کا معیار
- امام اعظم ابوحنیفہ پر طعن وتشنیع کا ثمرہ
- متعارض احادیث وآثار میں ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر اور انہیں حل کرنے کے لئے ہر امام کے رہنما اصول
- اصول امام مالکؒ
- اصول امام شافعیؒ
- اصول امام احمدؒ
- اصول وقوائد امام ابوحنیفہؒ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ حدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت:

فقہی بصیرت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ فنون حدیث نہایت اہم عنصر ہے اور اسے نصف علم کی حیثیت حاصل ہے چنانچہ "امیر المؤمنین فی الحدیث" امام بخاری کے استاد حافظ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا قول ہے۔

﴿التفقه فی الحدیث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم﴾ (۱)

"علم حدیث میں تفقہ (فقہی بصیرت حاصل کرنا) آدھا علم ہے، اور معرفت رجال نصف علم ہے۔"

مذکورۂ بالا دونوں علموں میں اگر کسی کو دقت نظر و مہارتِ فن حاصل ہے اسے حدیث کا پورا علم حاصل ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں یہ دونوں باتیں بدرجہ اتم موجود ہیں، امام موصوف کی فقہی بصیرت اور تفقہ فی الحدیث کے متعلق مجتہد مطلق امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔

﴿الناس عیال علی أبی حنیفة فی الفقه﴾ (۲)

"فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔"

علامہ رامہرمزی نے اس بات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

﴿من أراد الفقه فهو عیال علی ابی حنیفة﴾ (۳)

"جو فقہ و فقہی بصیرت حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کے محتاج اور ان کی اولاد ہیں۔"

امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول کتب سیر وتراجم میں کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور اسے شہرت کا درجہ حاصل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں مطلوب و مقصود فقہی بصیرت ہے۔ حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ معرفۃ علوم الحدیث میں رقمطراز ہیں۔

﴿معرفة فقه الحدیث إذ هو ثمرة هذه العلوم وبه قوام الشریعة۔ فأما فقهاء الاسلام و أصحاب القیاس و الرأی والاستنباط و الجدل و النظر فمعروفون فی کل عصر وأهل کل بلد﴾ (۴)

"فقہ حدیث کی معرفت یہ ان علوم کا ثمرہ ہے اس سے شریعت کی بنیاد اور قوت قائم ہے لیکن فقہاء اسلام، اصحاب قیاس اور رائے و استنباط نیز ارباب جدل و نظر ہر زمانے میں ہر شہر میں معروف و مشہور ہیں۔"

سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ اپنی مجالس درس میں فقہی بصیرت حاصل کرنے پر زیادہ زور دیتے لیکن ان کے شاگرد اس پر دھیان نہیں دیتے تھے، چنانچہ علی بن خشرم کا بیان ہے۔

﴿کنا فی مجلس سفیان بن عیینة فقال یا أصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لا یقهرکم أصحاب الرأی ما قال أبو حنیفة شیئاً إلا ونحن نروی فیه حدیثاً أو حدیثین قال فترکوه وقالوا: عمرو بن دینار عمن؟﴾ (۵)

"ہم سفیان بن عیینہ کی مجلس میں حاضر تھے وہ فرماتے تھے اے طالبان حدیث، فقہ حدیث (یعنی فقہی بصیرت) سیکھو تاکہ تمہیں اصحاب رائے مغلوب نہ کریں، ابوحنیفہ نے کوئی بات نہیں کہی مگر یہ کہ ہم اس سلسلہ میں ایک دو حدیثیں بیان کرسکتے ہیں، موصوف نے یہ فرمایا اور اصحاب حدیث نے فقہ حدیث کو چھوڑ دیا اس پر توجہ نہ دی اور بولے، بتایئے عمرو بن دینار کن سے راوی ہیں؟"

امام ابویوسفؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں، (۶) اور دیگر ائمۂ مجتہدین اور حفاظ حدیث کی نظر میں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ حدیث کی اتباع وپیروی کرنے والے ہیں۔ (۷) حدیث میں انصاف پسند ہیں۔ (۸) ان کا بارہا کا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے زیادہ حدیث کی اچھی تفسیر وتشریح کرنے والا اور فقہ حدیث کے مقامات کو سمجھنے والا، اس کے اسرار ونکات تک رسائی پانے والا، ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا، چنانچہ امام قاضی ابویوسفؒ کا بیان ہے:

"میں نے کسی کو ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر تشریح کرنے والا اور نکات کی ان جگہوں کا جن کا تعلق فقہ حدیث سے ہوتا ہے، موصوف سے بڑھ کر نہیں دکھا۔"

﴿وربما ملت الی الحدیث، وکان هو أبصر بالحدیث الصحیح معنی﴾ (۹)

بارہا ایسا ہوا کہ میں حدیث دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوا لیکن حقیقت میں صحیح حدیث کی سمجھ اور پرکھ مجھ سے زیادہ انہیں حاصل تھی۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نظر صحیح حدیثوں پر کیسی گہری تھی، اور وہ فقہ حدیث تک رسائی میں اپنے تمام معاصرین میں سب سے ممتاز تھے۔

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ محض سلسلۂ اسناد سے حدیث کی صحت معلوم نہیں ہوتی، حاکم نیشاپوری

"معرفۃ علوم الحدیث" میں رقم طراز ہیں۔

صحیح حدیث کی معرفت وشناخت:

﴿إن الصحیح لا یعرف بروایته فقط وإنما یعرف بالفهم والحفظ وکثرة السماع﴾ (۱۰)

"صحیح حدیث محض اپنی سلسلۂ سند سے نہیں پہچانی جاتی اس کی صحت تین باتوں ① فہم وفراست ② حفظ ③ اور سماع سے معلوم کی جاتی ہے۔"

امام اعظم کی فہم وفراست اصابت رائے پر کم وبیش سب ہی کا اتفاق ہے حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہے ائمہ فن سے انہیں احادیث کا سماع حاصل ہے۔

معرفۃ رجال:

امام اعظم کی رواۃ حدیث کے مراتب پر گہری نظر تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ:

1. خیار تابعین سے روایت کرتے ہیں، اور
2. وہ زیادہ تر فقہاء امصار ہیں جن کا مرتبہ ہر اعتبار سے نہایت بلند ہے،
3. انہیں تقدم زمانی حاصل ہے اس لئے کہ ان کا تعلق خیر القرون سے ہے،
4. انہیں تقدم علمی وشرف رتبی بھی حاصل ہے کہ ان کی سند بھی عالی ہے، تقوی وپرہیزگاری میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔
5. ان کے شیوخ واساتذہ سیادت علمی سے ممتاز ہیں،
6. صحاح کی زیادہ تر حدیثوں کا دارومدار ان کی اسانید پر ہے۔ (جیساکہ آگے تفصیل سے آرہا ہے)
7. شیوخ حدیث کی سند اور فقہاء کی سند سے مروی حدیث کی ترجیح کا مسئلہ اصول حدیث کی کتابوں میں امام اعظم کے شاگرد وکیع بن الجراح کی سند سے آیا ہے۔ (۱۱)
8. ائمہ فن جرح وتعدیل کا امام اعظم کے قول سے سند پیش کرنا اس فن میں ان کی مہارت اور دقت نظر کی روشن دلیل ہے۔

کتاب الآثار:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار مجتہدین صحابہؓ وخیار تابعینؒ اور فقہاء امصار سے مروی تمام ابواب فقہ پر سنن وآثار کا سب سے پہلا مرتب، قدیم ترین ومعتبر ترین ذخیرہ ہے، چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے

سب سے پہلے سنن وآثار کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ "تبییض الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ" میں رقمطراز ہیں:

﴿من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها انه اول من ذون علم الشریعة و رتبه أبوابا، ثم تابعه مالک بن انس فی ترتیب الموطأ، ولم یسبق أبا حنیفة احد﴾ (۱۲)

ابوحنیفہؒ کے مناقب میں سے یہ منقبت (قابل تعریف کارنامہ) ہے جس میں وہ منفرد ہیں کہ وہ پہلے امام فن ہیں جس نے علم شریعت کی سب سے پہلے ترتیب وتدوین کی اور اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا، پھر امام مالکؒ نے موطأ کی ترتیب میں اس کی پیروی کی اور اس معاملہ میں موصوف پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

مجتہدین صحابہ وفقہاءِ امصار کے علمی سلسلہ کی کڑیاں:

اس علمی سلسلہ کی کڑیوں کو سمجھنا اور انہیں پیش نظر رکھنا چاہئے، اس سے کتاب الآثار کے علمی مقام کا بخوبی اندازہ کیا جاسکے گا، چنانچہ اس سلسلہ کی مختصر تاریخ ہدیۂ ناظرین ہے۔

عہد صحابہؓ میں مجتہدین صحابہ کی رائے کی پیروی:

مؤرخ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ "الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع" میں رقمطراز ہیں:

﴿کان العلماء بعد نبیهم صلی اللّٰه علیه وسلم ستة نفر الذین یفتون فیؤخذ بفتواهم، ویفرضون فیؤخذ فرائضهم، ویسنون فیؤخذ بسننهم، عمر بن الخطاب، وعلی بن أبی طالب، و عبداللّٰه بن مسعود، و أبی بن کعب، و زید بن ثابت، و أبوموسی الاشعری، فانفرد عمر، و انفرد معه عبداللّٰه بن مسعود، و زید بن ثابت، فکان عمر بن الخطاب إذا قضی برأیه قضاء و قضیا برأیهما قضاءً ترکا رأیهما لرأیه تبعاً۔

وانفرد علی بن أبی طالب و انفرد معه أبی بن کعب، و أبوموسی الاشعری فکان إذا قضی برأیه قضاء و قضیا برأیهما قضاء، ترکا رأیهما لرأیه تبعاً فکان من هؤلاء الستة بالکوفة ثلاثة و ثلاثة فی سائر الارض﴾ (۱۳)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد چھ مجتہدین صحابہ کرام تھے جن کا فتوی چلتا تھا اور ان کے فنون پر عمل کیا جاتا تھا اور ان کے مقرر کردہ حصص کے مطابق میراث تقسیم کی جاتی تھی، وہ راستے نکالتے اور انہی کے راستوں پر لوگ چلتے تھے، اور یہ حضرت عمر بن

خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم تھے، چنانچہ جن مسائل میں حضرت عمرؓ منفرد ہوئے ان کے ساتھ ایسے مسائل میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی اپنی جداگانہ رائے رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ نے جب اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کیا تو ان دونوں نے اپنی رائے کو چھوڑ کر ان کی رائے وفیصلہ کی پیروی کی، اور حضرت علی بن ابی طالب کسی مسئلے میں منفرد ہوئے تو ان کے ساتھ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنی مختلف ومنفرد رائے رکھتے تھے، پھر حضرت علیؓ جب اپنی رائے سے فیصلہ دیتے تو یہ دونوں (ان کے مقابلہ میں) اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔"

چھ مجتہدین صحابہ میں سے تین صحابی کوفی:

چنانچہ مذکورۂ بالا چھ علماء میں سے تین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا شمار فقہاء کوفہ میں رہا، اور دوسرے تین علماء و مجتہدین کا تعلق بقیہ اسلامی بلاد سے ہے۔

مذکورۂ بالا چھ صحابہؓ کا شمار ان مجتہدین صحابہؓ میں ہے جنہیں فقہ ونظر میں بلند مقام حاصل تھا جو عہدِ رسالت میں بھی فتویٰ دینے کے اہل تھے اور فتویٰ دیتے تھے چنانچہ مؤرخ ابن سعد ۱۶۸-۲۳۰ھ نے "طبقات الکبریٰ" میں ایک مستقل باب اس عنوان "ذكر من كان يفتي بالمدينة ويقتدى به من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم" سے قائم کیا ہے اس میں ان مجتہدین صحابہؓ کو نام بنام گنایا ہے۔[۱۴]

چھ مجتہدین صحابہؓ کی آراء میں اختلاف اور موافقت:

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے "کتاب العلل" میں حضرت مسروق المتوفی ۶۳ھ کا بیان نقل کیا ہے کہ:

﴿كان ستة من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يفتون الناس فيأخذون بفتياهم وإذا أقالوا قولا انتهوا الى قولهم: عمر، وعبدالله بن مسعود، وعلي، وزيد بن ثابت، و ابى بن كعب، و أبوموسى، و كان ثلاثة منهم يدع قوله لقول ثلاثة كان عبدالله يدع قوله لقول عمر، و كان ابوموسى، يدع قوله لقول علي، و كان زيد يدع قوله لقول أبي﴾[۱۵]

عہدِ رسالت میں چھ صحابہؓ:

❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴۰ق-۲۳ھ / ۵۸۴-۶۴۴ء)

(۰۰-۳۲ھ / ۰۰۰-۶۵۳ء)

❷ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۰۰-۳۲ھ / ۰۰۰-۶۵۳ء)

❸ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲۳ق-۴۰ھ / ۶۰۰-۶۶۱ء)

❹ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۰۰-۲۱ھ / ۰۰۰-۶۴۲ء)

❺ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۱-۴۵ھ / ۶۱۱-۶۶۵ء)

❻ حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ (۲۱-۴۴ھ / ۶۰۲-۶۶۵ء)

فتویٰ دیتے تو ان کے قول پر بات ٹھرتی ان میں تین صحابی اپنے قول اور فتوے کو تین صحابہ کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ کے مقابلے میں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں اور حضرت زیدؓ حضرت ابیؓ کے مقابلے میں اپنی رائے اور فتویٰ سے دستبردار ہو جاتے تھے۔

خلافت راشدہ اور عہد صحابہؓ میں رائے اور فتوے پر عمل:

اس سے معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ اور عہد صحابہؓ میں رائے اور فتویٰ پر عمل کیا جاتا تھا اور پیش آنے والے مسائل میں مجتہدین صحابہؓ کی تقلید کی جاتی تھی پھر بعض علماء کا یہ کہنا کہ تقلید دو سو برس بعد وجود میں آئی مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے یکسر خلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایسے بلند ترین فقیہ تھے کہ حضرت فاروق اعظم جیسے مجتہد اعظم اور خلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے بھی زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، چنانچہ ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ "الاحکام فی اصول الأحکام" میں رقمطراز ہیں۔

﴿وأما اختلافهما ولو تقصي يبلغ أزيد من مائة مسئلة﴾ [16]

"اور لیکن حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے مابین اختلافی مسائل کو شمار کیا جائے تو اس کی تعداد سو سے بھی زیادہ نکلے گی۔"

اسلامی دنیا کے چار مقبول و عظیم الشان فقہی مذاہب جو مذاہب اربعہ کے نام سے مشہور ہیں ان میں:
① عظیم ترین مذہب حنفی مذہب ہے پھر عظیم تر مذہب ② شافعی مذہب ③ مالکی مذہب اور ④ حنبلی مذہب ہے، مؤخر الذکر مذاہب ثلاثہ بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ اور فقیہان کوفہ کے مرہون منت ہیں، خاص طور پر امام محمد رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ شاگردوں کا فیض و ثمرہ ہیں، مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ "سیر أعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں:

فقہائے کوفہ:

﴿فأفقه أهل الكوفة علي و ابن مسعود وأفقه أصحابهما علقمة وأفقه أصحاب علقمة إبراهيم، وأفقه اصحاب إبراهيم حماد وأفقه أصحاب حماد أبوحنيفة وأفقه أصحابه أبويوسف وانتشر أصحاب أبي يوسف في الافاق، وأفقهم محمد وأفقه أصحاب محمد أبوعبدالله الشافعي رحمهم الله تعالٰى﴾ (۱۷)

"اہل کوفہ میں سب سے بڑھ کر فقیہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ ہیں اور ان دونوں مجتہدوں کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ علقمہ اور علقمہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابراہیم تھے، اور ابراہیم کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ حماد تھے اور حماد کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابویوسف تھے اور ابویوسف کے شاگرد سارے جہاں میں پھیل گئے اور ان شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ محمد تھے اور محمد کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابوعبداللہ الشافعی تھے۔"

مجتہدین صحابہ میں صرف تین صحابہ ہیں جن پر ابواب احکام کے علم کی انتہاء ہوئی چنانچہ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے۔

"احکام سے متعلق صحابہ رسولؐ کا علم تین صحابیوں پر منتہی ہوا، انہی سے وہ علم سیکھا اور روایت کیا گیا، وہ تین صحابہ حسب ذیل ہیں۔

1. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
2. حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
3. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

ان میں سے ہر ایک کے شاگرد تھے جو ان کے قول پر عمل کرتے اور اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے"۔ (۱۸)

شاگردان ابن مسعود، زید بن ثابت اور ابن عباس اپنے استادوں کے اقوال اور فتووں کے مقلد وناشر:

خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے بسند متصل علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان زینت کتاب کیا ہے کہ:

﴿لم يكن من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد له أصحاب يقومون له في الفقه إلا ثلاثة: عبدالله بن مسعود، و زيد بن ثابت، و ابن عباس، و كان لكل واحد منهم أصحاب يقومون لقوله ويفتون الناس﴾ (۱۹)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں کوئی ایک صحابی ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں اس کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے ہوں مگر صرف تین صحابی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد ان کے قول کو اختیار کرتے اور لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔"

مذکورۂ بالا مجتہدین صحابہؓ کے تلامذہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے موصوف کے فقہی مذہب اور فتووں کو قید تحریر میں لاکر محفوظ کیا۔

اسلامی دنیا میں سب سے پہلے کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب و فتاویٰ کی تشکیل و تدوین:

علامہ ابن القیم الجوزی المتوفی ۷۵۱ھ نے "اعلام الموقعین" میں امام محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

﴿لم يكن أحد له أصحاب معروفون حرروا فتياه و مذهبه غير ابن مسعود رضي الله عنه﴾ (۲۰)

"کوئی مجتہد صحابی ایسا نہ تھا سوائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جس کے مشہور و معروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے مذہب کو قید تحریر میں لائے ہوں۔"

سب سے پہلے تشکیل و تدوین مذہب و فتاویٰ کی سعادت صرف عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ کو حاصل ہے اور وہ بھی مرکز علم کوفہ میں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ و فنون کی تعلیمی خدمات اور عظیم کارناموں کی وجہ سے فقیہ کوفہ ابو عمرو عامر شعبی المتوفی ۱۰۳-۱۱۰ھ نے موصوف کے متعلق کہا ہے:

﴿ماكان من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أفقه صاحبًا من عبدالله بن

مسعود رضی اللہ عنہ﴾ (۲۱)

"صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (خلفاء راشدین کے بعد) کوئی صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر فقیہ نہ تھا۔"

اصول استنباط کی تشکیل وتدوین اور ائمہ مجتہدین اوران کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ:

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے تمام الواب میں غور وخوض کرنے اور شریعت کے اصول کی روشنی میں اسلامی معاشرہ میں پیش آنے والے مشکل مسائل کو حل کرنے کے اصول استنباط اور قواعد استخراج کی تشکیل وتدووین ائمہ مجتہدین کی مسائی جمیلہ کا ثمرہ ہے، چنانچہ شیخ عبدالقاہر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ "اصول الدین" میں رقمطراز ہیں:

﴿و أربعة من الصحابة تكلم فى جميع أبواب الفقه وهم على، و زيد و ابن عباس، و ابن مسعود، و هؤلاء الا ربعة متى أجمعوا فى مسئلة على قول فالامة فيها مجمعة على قولهم، غير مبتدع لا يعتبر خلافه فى الفقه، و كل مسئلة أختلف فيها هو لاء الاربعة فالامة فيها مختلفة، و كل مسئلة أختلف فيها على بقول عن سائر الصحابة تبعه فيها ابن أبى ليلى، و شعبة و عَبيدة السلمانى، و كل مسئلة انفرد فيها زيد بقول تبعه مالک، و الشافعى فى أكثره، و يتبعه خارجة بن زيد لا محالة، و كل مسئلة انفرد فيها ابن عباس بقول تبعه فيها عكرمة، و طاؤس و سعيد بن جبير و سعد، و كل مسئلة انفرد فيها ابن مسعود بقول تبعه فيها علقمة و الاسود و أبو الثور﴾ (۲۲)

"صحابہ میں سے چار صحابی۔

1. حضرت علی رضی اللہ عنہ۔
2. عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔
3. زید بن ثابت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔
4. عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

نے تمام الواب فقہ (شریعت) میں بحث کی ہے۔

یہ چار صحابی کسی مسئلہ میں کسی قول پر اتفاق کریں تو مبتدع کے سوا کہ فقہ میں اس کے اختلاف کا اعتبار نہیں، امت مسلمہ، ان کے قول پر مجتمع ہو جاتی ہے اور اسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کے قول کے مقابلہ میں اپنی رائے اور قول میں منفرد ہوں اس میں محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلی انصاری کوفی (۷۴-۱۴۸ھ / ۶۹۴-۷۶۵ء) عامر بن شرحبیل شعبی کوفی (۱۹-۱۰۳ھ / ۶۴۰-۷۲۱ء) اور عبیدہ بن عمرو سلمانی (۰۰-۷۲ھ / ۶۹۷ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت زید بن ثابت منفرد ہوئے اس میں امام مالک و شافعی ان کی اکثر پیروی کرتے ہیں اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ان کے فرزند خارجہ یقیناً انہی کے قول پر عمل کرتے ہیں، اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت ابن عباس منفرد ہوئے اس میں عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنیؒ (۲۵=۱۰۵ھ / ۶۴۵-۷۲۳ء) اور سعید بن جبیر کوفیؒ (۴۵-۹۵ھ / ۶۶۵-۷۱۴ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود منفرد ہوئے اس میں علقمہ بن قیس نخعی کوفی (۰۰-۶۲ھ / ۰۰-۶۸۱ء) اسود بن یزید نخعی کوفی (۰۰-۷۵ھ / ۰۰-۶۹۴ء) اور ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ بغدادی (۰۰-۲۴۰ھ = ۰۰-۸۵۴ء) ان کی پیروی کرتے ہیں"۔

امام اعظم رحمہ اللہ مجتہدین ومکثرین صحابہ کے علوم وروایات کے جامع:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بکثرت روایت کرنے والے حفاظ حدیث اور مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم ان کے نامور تلامذہ سے حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہے، چنانچہ مؤرخ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنی سند سے ربیع بن انس کا بیان نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی (۹۵-۱۵۸ھ / ۷۱۴-۷۷۵ء) کے پاس آئے وہاں اس کا وزیر عیسی بن موسی بیٹھا تھا اس نے خلیفہ سے کہا کہ امام موصوف اس وقت دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، منصور نے امام اعظمؒ سے پوچھا۔

﴿عمن أخذت العلم؟ قال عن أصحاب عمر عن عمر، وعن أصحاب علي عن علي، وعن أصحاب عبداللّٰه عن عبداللّٰه وما كان في وقت ابن عباس على وجه الارض أعلم منه قال لقد استوثقت لنفسك﴾ (۲۳)

"تم نے کن سے علم حاصل کیا؟ فرمایا میں نے عمرؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، حضرت علیؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانے میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، یہ سن کر اس نے کہا تم نے خود کو خوب پختہ عالم بنایا۔"

امام اعظم رحمہ اللہ کی تحصیل حدیث کا زمانہ:

علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے "سیر أعلام النبلاء" میں تصریح کی ہے کہ موصوف نے حدیث کی تحصیل ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں کی ہے وہ لکھتے ہیں:

﴿أن الامام أباحنيفة طلب الحديث و أكثر منه في مئة ومابعدها﴾ (۲۴)

"بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں حدیث کی تحصیل کی اور بہت زیادہ کی ہے۔"

مؤرخ ذہبی کے مذکورۂ بالا بیان سے امام اعظم رحمہ اللہ کی۔

1. طلب حدیث۔
2. حدیث کی کثرت طلب۔

❸ اور طلب حدیث کے زمانے کی تعیین سے ایک محقق کے لئے بہت سے علمی گوشے کھل جاتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذکورۂ بالا بیان سے ان کے علوم میں وسعت و تنوع اور جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں مجتہدین صحابہ و مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم کے جامع تھے اور ان کے پاس احادیث و آثار کا سرمایہ دیگر ائمہ کی بنسبت زیادہ وسیع تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کا نامور فقہاء امصار میں سے چار سے راست روایت و استفادہ:

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس زمانے کی اسلامی دنیا اور اس کے علمی مرکز کے فقیہان امصار میں سے تین ائمہ عصر اور فقہاء دوراں عطاء بن ابی رباح مکی المتوفی ۱۱۴ھ [۲۵] طاؤس بن کیسان المتوفی ۱۰۱ھ [۲۶] اور مکحول شامی المتوفی ۱۱۲ھ [۲۷] گویا کہ یمن، مصر، شام کے فقہاء سے راست روایت و استفادہ کیا ہے۔ [۲۸]

ان تین فقہاء امصار سے کتاب الآثار اور جامع المسانید میں روایتیں موجود ہیں، اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم کوفہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ امام کی شخصیت بلاد اسلامی کے علمی مرکزوں کے نامور حفاظ و مشہور فقہاء امصار کے علوم کی جامع ہے، اور دینی قیادت و سیادت اور امامت اسی کو حاصل رہتی ہے جو دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کرتا ہے، مجتہدین ائمہ میں یہ سعادت و قبولیت بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ کو نصیب ہے ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔

یاد رکھئے یہی مرکزی شہر تھے جہاں پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فقہ و حدیث کا بازار گرم تھا اور معمول بہا سنت کا وہ ذخیرہ جس سے احکام کا استخراج و استنباط کیا جاسکتا تھا انہی فقہاء و حفاظ میں موجود و محفوظ تھا۔

علم آثار و سنن میں ائمہ متقدمین و متاخرین کے درمیان بنیادی فرق:

ائمہ متقدمین کی نظر ذخیرہ سنن و آثار پر متاخرین کے مقابلے میں زیادہ وسیع اور گہری تھی، چنانچہ امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ "رفع الملام عن الائمہ الأعلام" میں فرماتے ہیں:

﴿بل الذين كانوا قبل جمع هذه الدواوين كانوا أعلم بالسنة بكثير لانه كثيرا مما بلغهم وصح عندهم قد لا يبلغنا إلا عن مجهول أو باسناد منقطع أو لا يبلغنا بالكلية﴾ [۲۹]

"بلکہ وہ علماء فقہاء جو حدیث کی کتابوں کی تدوین و تشکیل (صحاح و سنن) سے پہلے تھے وہ متاخرین کی نسبت سنت و آثار کے زیادہ بڑے عالم تھے اس لئے بہت سی وہ حدیثیں جو متقدمین کو پہنچی ہیں اور ان کے نزدیک صحیح تھیں وہ ہمیں

❶ مجہول راوی کے ذریعہ پہنچی۔
❷ یا منقطع سند سے پہنچی ہیں۔
❸ یا بالکل ہی نہیں پہنچی ہیں (اس لئے قدماء کی نظر میں سنن و آثار کا ذخیرہ زیادہ ہے اور وہ متاخرین کے مقابلہ میں زیادہ بڑے عالم ہیں۔)"

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی روایات و آثار سے ان کے تلامذہ اور ائمۂ کبار حفاظ حدیث کا اعتناء:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کا ان سے حدیثیں بکثرت سماع کرنا اور اپنی سند سے روایتیں بیان کرنا۔
حافظ محمد بن جعفر مطری (۲۶۵-۳۶۰ھ) کے متعلق حاکم نیشاپوری "تاریخ نیسابور" میں رقمطراز ہیں۔

﴿شيخ العدالة و معدن الورع و المعروف بالسماع و الرحلة و الطلب على الصدق و الضبط و الاتقان﴾ (۳۰)

"موصوف صفت عدالت میں ممتاز اور کانِ ورع و تقویٰ تھے، سماع حدیث، وطلب حدیث کی خاطر سفر کرتے، راست گوئی اور ضبط و اتقان کی صفت سے آراستہ تھے۔"

موصوف مطری امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی مرویات کو اپنی سند سے بیان کرتے تھے چنانچہ ان کے شاگرد حافظ ابوالعباس احمد بن عقدۃ (۲۴۹-۳۳۲ھ) کے متعلق علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ نے کتاب "الأنساب" میں تصریح کی ہے۔

ابوالعباس بن عقدۃ کوفی نے "احادیث ابی حنیفہ" اور دوسرے محدثین کی حدیثوں کو موصوف کی سند سے بیان کیا ہے۔ (۳۱)

چوتھی صدی ہجری تک حفاظ و ائمۂ حدیث کے یہاں احادیث و آثار ابوحنیفہؒ کا حفظ و مذاکرہ:

چوتھی صدی ہجری تک محدثین میں ائمۂ فن کی حدیثوں کو یاد کرنے اور ان کا مذاکرہ کرنے کا سلسلہ قائم تھا چنانچہ ان میں امام اعظمؒ کی حدیثوں کو یاد کرنے ان کا مذاکرہ کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کا چلن تھا۔
حاکم نیشاپوری "معرفۃ علوم الحدیث" کی انچاسویں نوع میں جس کا عنوان مندرجۂ ذیل ہے۔

﴿معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين ممن يجمع حديثهم للحفظ و المذاكرة و التبرك بهم من الشرق و الغرب﴾ (۳۲)

"مشہور ائمۂ ثقات تابعین جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ اور برکت حاصل کرنے کے لئے جمع کی

جاتی ہیں اور ان ائمۂ ثقات کا جن کی مشرق سے مغرب تک دھوم اور شہرت ہے۔"

اہل کوفہ کے تذکرہ میں امام أعظم ابوحنیفہ کے نام کی صراحت موجود ہے جو اس امر کی نہایت روشن دلیل ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک محدثین جس طرح ائمۂ فن کی حدیثوں کو یاد کرتے ان کا مذاکرہ کرتے اسی طرح وہ امام أعظم کی حدیثوں اور روایتوں کو یاد کرتے، ان کا مذاکرہ کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔

مشہور ائمۂ ثقات میں امام ابوحنیفہؒ کا شمار:

مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ امام أعظم کا شمار ائمہ ثقات میں تھا، نیز یہ بھی کہ محدثین وحفاظ حدیث کے یہاں امام ابوحنیفہ کی کتاب الآثار ومسانید میں منقولہ احادیث وآثار کو یاد کیا جاتا اور ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا اس لئے کہ کتاب الآثار ان کے تلامذہ میں متداول ومعمول بہا رہی ہے [۳۳] اس کی احادیث وآثار سے محدثین وحفاظ کے یہاں اعتناء پایا جاتا ہے اور ائمۂ فن کے یہاں ان کی کتاب کو قبول عام حاصل تھا۔

اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ امام أعظم رحمہ اللہ کی مرویات کا سلسلۂ سند چوتھی صدی ہجری تک محدثین وحفاظ حدیث میں جاری وساری تھا، چنانچہ بعد کے زمانے میں مشہور حفاظ ومسندین کے ثبت میں کتاب الاثار کی سند بھی منقول ہے۔

امام ابوحنیفہ کی بعض اسانید زمرۂ أصح الأسانید میں:

1. أبو حنيفه عن عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس،
2. أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر کو زمرۂ اسانید میں شمار کیا گیا ہے۔ [۳۴]

جس طرح مالک عن نافع عن ابن عمر صحیح ترین سند ہے [۳۲] یہی حکم ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر کا ہونا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ کی عالی صفت سے آراستگی:

ائمہ اربعہ میں امام أعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہاں اسانید میں دوسرے ائمہ کی بنسبت واسطے کم پائے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف تابعی ہیں ان کی حدیثیں "ثنائی" یعنی بعض بدو واسطہ اور بعض "وحدان" بیک واسطہ مروی ہیں، دیگر ائمہ جیسے امام مالک کہ وہ تبع تابعی ہیں ان کے یہاں سند میں واسطے بڑھ جاتے ہیں، اور امام اوزاعی بھی تبع تابعی ہیں ان کے یہاں بھی واسطے زیادہ پائے جاتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں وحدان پائی جاتی ہیں، ان کے معاصرین امام مالک اور امام اوزاعی کے یہاں وحدان (بیک واسطہ روایت) نہیں پائی جاتی ہے۔

اصول حدیث کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ کی آراء ونظریات سے ائمہ فن کا اعتناء:

اصول حدیث کی کتابوں میں ائمہ فن قدماء و متاخرین کا اپنی تصانیف میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نظریات وآثار سے اعتناء و بحث کرنا یہ اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ اصول حدیث کی کتابوں میں موصوف کے نظریات کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا شمار بلند پایہ حفاظ حدیث میں کیا جاتا ہے تذکرۃ الحفاظ کے موضوع پر کم وبیش ہر کتاب میں موصوف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس باب میں ان کی ثقاہت بھی مسلم ہے چنانچہ حافظ احمد بن عبداللہ العجلی (۱۸۲-۲۶۱) نے تاریخ الثقات میں موصوف کا تذکرہ کیا ہے جو ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ (۳۵)

ائمہ جرح وتعدیل کے یہاں امام ابوحنیفہ کا مقام:

اس امر کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ متشدد ائمہ جرح وتعدیل کے طبقہ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ، رابعہ میں کسی امام متشدد سے امام ابوحنیفہ کی جرح نقل نہیں کی گئی بلکہ ائمہ فن سے امام اعظم کی توثیق منقول ہے۔

چنانچہ طبقہ اولیٰ میں امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (۸۰-۱۶۰) اور سفیان ثوری (۹۷-۱۶۱ھ / ۷۴۲-۸۱۴ء) کا شمار ہے اور شعبہ کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

﴿لولا شعبة لما عرف الحديث بالعراق﴾ (۳۶)

"شعبہ اگر نہ ہوتے تو حدیث کا عراق میں کوئی جاننے والا نہ ہوتا۔"

لیکن جرح کرنے میں شعبہ، سفیان ثوری سے زیادہ سخت اور تیز ہیں، شعبہ اولاً خود کوفی المذہب اور امام اعظمؒ کے پیرو ہیں۔ (۳۷)

ثانیاً امام بخاریؒ کے استاد ابوالولید طیالسی (۱۳۳-۲۲۷ھ) کا بیان ہے۔

﴿كان شعبة حسن الذكر لابى حنيفة، كثير الدعاء له ماسمعته قط يُذكر بين يديه إلا دعاله﴾ (۳۸)

"شعبہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے اور ان کے حق میں بہت دعا کرتے تھے، میں نے نہیں سنا کہ ان کے سامنے جب کبھی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا ہو مگر انہوں نے موصوف کے لئے دعا نہ کی ہو۔"

اور یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ کا بیان ہے۔

﴿هذا شعبة بن الحجاج يكتب إليه أن يحدث ويأمره وشعبة شعبة﴾ (۳۹)

”یہ شعبہ بن الحجاج امام ابوحنیفہؒ کو لکھتے تھے کہ حدیث بیان کریں اور انہیں اس کے بیان کرنے کا حکم دیتے تھے، اور شعبہ تو شعبہ ہیں۔“

امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ کسی سے کہیں اور اسے حکم دیں خیال فرمائیں وہ کس درجہ کا محدث و حافظ حدیث ہوگا۔

طبقہ ثانیہ: طبقہ ثانیہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰-۱۹۸ھ / ۷۲۷-۸۱۲ء) اور عبدالرحمان بن مہدی (۱۳۵-۱۹۸ھ / ۷۵۲-۸۱۸ء) داخل ہیں، یحییٰ القطان کے متعلق امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

﴿ما رأيتُ يعيني مثل يحيى بن سعيد القطان﴾ (۴۰)

”میری آنکھوں نے یحییٰ بن القطان کا مثیل و نظیر نہیں دیکھا۔“

اور حافظ عصر امامِ حدیث و علل علی بن المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) کا بیان ہے۔

﴿ما رأيت أحدا أعلم بالرجال منه﴾ (۴۱)

”میں نے یحییٰ سے بڑھ کر رجال کا عالم نہیں دیکھا۔“

یحییٰ بن القطان جرح کرنے میں ابن مہدی سے زیادہ سخت ہیں، ابن عبدالبر نے الانتقاء میں یحییٰ کا یہ قول بصراحت نقل کیا ہے:

﴿يحيى بن سعيد يقول لا نكذب الله عزوجل، كم من شئى حسن قاله أبو حنيفة، وربما استحسنا الشئ من رأيه وأخذنا﴾ (۴۲)

”ہم جھوٹ نہیں بولتے، واللہ بہت سی اچھی باتیں ابوحنیفہؒ نے کہی ہیں اور ہم نے ان کی بہت سی باتوں کو اچھا سمجھا اور ان پر عمل کیا۔“

اور یحییٰ بن معین کا بیان ہے:

﴿كان يحيى بن سعيد يذهب في الفتوى مذهب الكوفيين﴾ (۴۳)

”یحییٰ بن سعید القطان کوفیوں کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان بھی حنفی مذہب کے پیرو تھے۔

طبقہ ثالثہ: طبقہ ثالثہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن معین (۱۵۸-۲۳۳ھ / ۷۷۵-۸۴۸ء) اور امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ / ۷۸۰-۸۵۵ء) داخل ہیں۔

اور یحییٰ بن معین کے متعلق علی بن مدینی کا بیان ہے:

﴿انتهى علم الناس على يحيى بن معين﴾ (۴۴)

"علماء متقدمین کا علم یحییٰ بن معین پر ختم ہے۔"

اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

﴿يحيى بن معين أعلمنا بالرجال﴾ (۴۵)

"یحییٰ بن معین ہم میں رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں۔"

اور یحییٰ امام احمدؒ کی نسبت زیادہ سخت ہیں وہ فرماتے تھے:

﴿ما رأيت أحدًا اقدمه على وكيع، وكان يفتي برأى أبي حنيفة﴾ (۴۶)

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ میں اسے وکیع پر ترجیح دوں، وہ ابوحنیفہؒ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔"

یحییٰ بن معین سے امام ابوحنیفہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

﴿ثقة، ما سمعت احدا ضعفه﴾ (۴۷)

"ابوحنیفہ ثقہ ہیں، میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے موصوف کو ضعیف کہا ہو۔"

یحییٰ بن معین بھی حنفی تھے، موصوف نے امام محمدؒ سے الجامع الصغیر نقل کی تھی۔ (۴۸)

طبقہ رابعہ: طبقہ رابعہ میں امام حافظ کبیر ابوحاتم محمد بن ادریس حنظلی رازی (۱۹۵-۲۷۷ھ) اور محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ / ۸۱۰-۸۷۰ء) کا شمار ہے اور ابوحاتم رازی جرح کرنے میں امام بخاری کے مقابلے میں زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں، اسی طرح علی بن المدینی کو بھی متشدد سمجھا جاتا ہے ان سے بھی کوئی جرح منقول نہیں، امیر المومنین فی الحدیث شعبہ سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین سے امام اعظم کی توثیق منقول ہے اور تینوں ائمۂ فن جرح وتعدیل ابوحنیفہ کے مقلد وپیرو تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ائمۂ فن حدیث وجرح و تعدیل ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے، اس سے بڑھ کر امام ابوحنیفہؒ کی ثقاہت کی اور کونسی روشن دلیل ہوسکتی ہے، یہ وہ ائمۂ فن ہیں جن کی اجتہادی آراء واقوال سے فن رجال کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور راویانِ حدیث وآثار کی ثقاہت کے

فیصلے کئے جاتے ہیں اور انہی کے اقوال وآثار کی تقلید کی جاتی ہے۔
مذکورۂ بالا ائمۂ فن کی توثیق وروایت اور اکابر علماء کی امام اعظم سے عقیدت ومحبت اور پیروی کے بعد کوئی متساہل اگر امام اعظم کی جرح کرتا ہے تو وہ سراسر تعصب کا شکار ہے جیسے امام مالک، امام شافعی، امام بخاری، نسائی اور دیگر ائمۂ فن پر جرح وحرف گیری کی گئی ہے، بھلا کوئی انہیں خاطر میں لاتا اور در خور اعتناء سمجھتا ہے؟

امام ابوحنیفہ سے مشہور ائمۂ فن کی روایت:

ان کی نشاندہی علی بن المدینی نے کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

﴿أبو حنيفة روى عنه الثوري، وابن المبارک، و حماد بن زيد، و هشيم، ووكيع بن الجراح، وعباد بن العوام، وجعفر بن عون وهو ثقة لا باس به﴾ (۴۹)

"ابوحنیفہ سے سفیان ثوری (۹۷-۱۶۱ھ = ۷۱۶-۷۷۸ء) ابن المبارک (۱۱۸-۱۸۱ھ = ۷۳۶-۷۹۷ء) حماد بن زید (۱۱۶-۱۹۷ھ = ۷۱۷-۷۹۰ء) ہشیم (۱۰۴-۱۸۳ھ = ۷۲۲-۷۹۹ء) وکیع بن الجراح (۱۲۹-۱۹۷ھ = ۷۴۶-۸۱۲ء) عباد بن العوام (۱۱۸-۱۸۵ھ = ۷۳۶-۸۰۱ء) جعفر بن عون (....-۲۰۶ھ = ...-۸۲۱ء) نے روایت کی ہے اور ابوحنیفہ ثقہ ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

ائمۂ فن جرح وتعدیل کا اپنی تصانیف میں امام اعظم کے قول سے استدلال:

ائمۂ فن جرح وتعدیل کا اپنی تصانیف میں امام اعظم کا قول اپنی سند سے نقل کرنا امام موصوف کی ثقاہت اور ان فنون میں مہارت وامامت کی روشن دلیل ہے چنانچہ امام ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کتاب العلل میں فرماتے ہیں:

﴿حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبويحيى الحماني قال سمعت أباحنيفة يقول: مارأيت أحدا أكذب من جابر الجعفي ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح﴾ (۵۰)

"میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔"

اور حافظ عبداللہ بن عدی جرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے "الکامل فی اضعفاء الرجال" میں اس بات کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

﴿مارأيت فيمن لقيت أفضل من عطاء بن أبي رباح ولا لقيت أكذب من جابر الجعفي﴾ (۵۱)

"میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا اور میں جن سے ملا ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔"

کسی محدث کی احادیث کو نظر انداز کرنے کا معیار:

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی امام فن کی دو چار دس روایت پر کلام ہو یا اس سے دو چار چھ غلطیاں ہو جائیں تو اس سے اس کے علم پر حرف نہیں آتا، نہ اس کی علمی شان میں کوئی فرق آتا ہے، اساطین علم اور ائمہ فن سے بھی دو چار دس جگہ غلطیاں ہو جاتی ہیں اس سے ان کی علمی قدر و منزلت اور جلالت شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، ورنہ علم کا دروازہ بند ہو جائے گا، یہ حق و انصاف کے سراسر خلاف ہے، چنانچہ ابو حاتم بستی المتوفی ۳۵۴ھ حافظ عبدالملک العرزمی المتوفی ۱۴۵ھ کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں۔

﴿کان عبدالملک من خیار أهل الکوفة و حفاظهم، والغالب علی من یحفظ و یحدث من حفظه أن یهم ولیس من الانصاف ترک حدیث شیخ ثبت صحت عدالته، لو سلکنا هذا المسلک للزمنا ترک حدیث الزهری و ابن جریج و الثوری و شعبة لانهم أهل حفظ و إتقان و کانوا یحدثون من حفظهم ولم یکونوا معصومین حتی لا یهموا فی الروایات۔

بل الاولٰی فی مثل هذا قبول مایروی الثبت من الروایات وترک ماصح أنه وهم فیه مالم یفحش وذالک منه، حتی یغلب علی صوابه، فإذا کان کذالک استحق الترک حینئذ﴾ (۵۴)

"عبدالملک بن ابی سلیمان عرزمی اہل کوفہ میں بہترین محدثین اور ان کے بہترین حفاظ حدیث میں سے تھے، جس پر حفظ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنی یادداشت و حفظ سے حدیث بیان کرتا ہے وہم لاحق ہو جاتا ہے اور یہ انصاف کی بات نہیں کہ ایسے متقن شیخ کی حدیث کو جس کی عدالت صحیح ہو اس سے روایات میں کچھ وہم واقع ہو جائے تو اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے، اگر ہم اس روش پر چلنے لگے تو ہم پر لازم ہو جائے گا کہ ہم زہری، ابن جریج، ثوری اور شعبہ کی حدیثوں سے دست بردار ہو جائیں اس لئے کہ وہ اہل حفظ و اتقان سے تھے، اور وہ اپنے حافظہ کے بل بوتے پر حدیثیں بیان کرتے تھے وہ معصوم نہ تھے کہ روایات میں ان سے وہم نہ ہوتا ہو۔

بلکہ ایسی صورت میں احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ ایسے متقن کی روایات کو قبول کیا جائے اور ایسی

روایات کو چھوڑ دیا جائے جن میں صحیح طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں وہم ہوا ہے اور وہم اس سے حد فاحش تک نہ پہنچے کہ اس کا درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہو کر رہ جائے، جب ایسا ہو جائے تو اس وقت وہ چھوڑنے کے لائق ہو جاتا ہے۔"

یہ معیار ہے جس پر کسی محدث کو اور اس کی روایات کو نظر انداز کیا جاتا ہے چنانچہ محقق عبدالعزیز بخاری المتوفی ۷۳۰ھ "کشف الاسرار" میں رقم طراز ہیں:

﴿ليس كل من اتهم بوجه ساقط الحديث مثل عبدالله بن لهيعة ومثل الحسن بن عمارة ومثل سفيان الثوري وغيرهم وأنه قد طعن في كل واحد منهم بوجه، ولكن علو درجتهم في الدين، و تقدم رتبتهم في العلم و الورع، منع من قبول ذالك الطعن في حقهم، و من ردّ حديثهم به إذلو رد حديث أمثال هولاء بطعن كل أحد انقطع طريق الرواية و اندرس الاخبار، إذلم يوجد بعد الانبياء عليهم السلام من لا يوجد فيه أدنٰى شئى مما يجرح به إلّا من شاء الله تعالٰى. فلذالك لم يلتفت إلى مثل هذا الطعن ويحمل على أحسن الوجوه وهو قصد الصيانة كماذكر﴾ (۵۳)

"ہر وہ عالم جسے کسی وجہ سے متہم کیا گیا اس کی روایت قابل اعتبار نہ رہے جیسے عبداللہ بن لہیعہ، حسن بن عمارۃ اور سفیان ثوری وغیرہ ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی وجہ سے حرف گیری کی گئی ہے، لیکن دین میں ان کے بلند مراتب اور علم وتقوی میں ان کے رتبہ ومقام کی عظمت ان کے حق میں ان کی طعن وتشنیع کو قبول کرنے اور ان کی حدیث کو رد کرنے سے مانع ہے اس لئے کہ اگر ان جیسے بلند پایہ حفاظ ومحدثین کی حدیث کو ہر ایک کی طعن وتشنیع سے رد کیا گیا تو روایت کا راستہ بند ہو جائے گا اور سلسلۂ روایت ہی مٹ جائے گا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد شاذ ونادر کوئی ہو جس پر ادنٰی سی جرح بھی نہ کی گئی ہو، اس لئے اس قسم کی جرح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور اس جرح کا بہت اچھا محمل نکالا جاتا ہے اور مُقصد اس قسم کے طعن سے ان کی حفاظت کرنا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔"

امام ابوحنیفہ کی جن چند حدیثوں پر ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ دار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ کو اعتراض ہے تو۔
اولاً علماء نے ان کے جواب دئیے ہیں۔
ثانیاً پانچ دس حدیثوں پر کلام ہر مجتہد اور امام فن کے یہاں موجود ہے، کوئی امام بھی معصوم نہیں، نبی نہیں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ پر طعن و تشنیع کا ثمرہ:

باایں ہمہ فضل و کمال اور قبولیت و شہرت امام اعظمؒ پر بہت طعن و تشنیع کی گئی، مستقل کتابیں اور رسالے لکھے گئے، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا اس کے متعلق محقق عبد العزیز المتوفی ۷۳۰ھ شرح اصول بزدوی میں تحریر فرماتے ہیں:

﴿وقد طعن الحساد فی حقه بهذا الجنس كثيراً حتى صنفوا فی طعنه كتباً و رسائل ولكن لم يزده طعنهم إلا شرفًا و علوًا و رفعةً بين الانام و سموًا، فشاع مذهبه فی الدنيا واشتهر وبلغ أقطار الارض نور علمه و انتشر﴾ (۵۴)

"اور حاسدوں نے امام اعظم کے متعلق اس قسم کے بے سروپا اعتراضات بہت کئے ہیں لیکن اس طعن و تشنیع نے ان کی عزت و شرف میں اضافہ کیا اور خلق خدا میں ان کی سرفرازی اور بلندی کو بڑھایا، چنانچہ امام کا مذہب دنیا میں خوب پھیلا، پھلا پھولا اور چار دانگ عالم میں ان کے علم کی روشنی پہنچی اور ان کے علم کی نشر و اشاعت ہوئی۔"

متعارض احادیث و آثار میں ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر اور انہیں حل کرنے کے لئے ہر امام کے رہنما اصول:

فقیہ ہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ / ۱۱۷۶- ۱۸۲۴ء) نے متعارض احادیث و آثار کو حل کرانے میں ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر فتاوی عزیزی میں جس کا عنوان "بیان مأخذ مذاہب أربعہ" ہے، پیش کیا اور تعارض و اختلاف کو حل کرنے کے لئے جو بنیادی اصول ہر امام کے پیش نظر رہے ہیں ان کی طرف رہنمائی ہے اہل علم اور طلبہ دونوں کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے، وہ ہدیہ ناظرین ہے:

﴿أن المجتهدين الباحثين عن دلائل الا حكام الشرعية و مأخذها لمار أوا أحاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم متعارضة و آثار الصحابة و التابعين مختلفة، و هى أعم الماخذ و أكثرها فى الاحكام، تحيروا واختلف آرائهم فى وجه التفصى عن هذا التعارض و الاختلاف۔

فالذى اختار مالك رحمه الله تحكيم أهل المدينة لان المدينة بيت الرسول، وموطن خلفائه، ومسكن أولاد الصحابة و أهل البيت و مهبط الوحى، و أهلها أعرف بمعانى الوحى فكل حديث أو أثر يخالف علمهم، لابد أن يكون منسوخا اؤمأولا أو مخصصًا أو محذوف القصة فلا يعتنى به۔

والذى اختاره الشافعى رحمه الله تحكيم أهل الحجاز، واشتغل بالدراية مع ذالك، وحمل بعض الروايات على حالة، و بعضها على حالة أخرى، و سلك مسلك التطبيق مهما أمكن، ثم لما ارتحل إلى مصر و العراق، وسمع روايات كثيرة عن ثقات تلك البلاد، وترجح عنده بعض تلك الروايات على عمل أهل الحجاز، فحدث فى مذهبه قولان القديم و الجديد۔

وأما الذى اختاره أحمد بن حنبل رحمه الله إجراء كل حديث على ظاهره لكنه خصص بمواردها مع اتحاد الملة، وجاء مذهبه على خلاف القيا س و اختلاف الحكم مع عدم الفارق ولذالك نسب مذهبه إلى الظاهرية،

وأما الذى اختاره أبو حنيفة و تابعوه هو أمر بين جداً،

و بيانه أنا إذا تتبعنا فوجدنا فی الشريعة صنفين من الاحكام، صنف هی القواعد الكلية المطردة المنعكسة، كقولنا "لاتزر وازرة وزر أخرى"، وقولنا "الغنم بالغرم"، وقولنا "الخراج بالضمان"، وقولنا "العتاق لا يحتمل الفسخ" وقولنا "البيع يتم بالايجاب و القبول" وقولنا "البينة على المدعی و اليمين على من انكر" ونحو ذالک مما لا يحصی،

وصنف وردت فی حوادث جزئية و أسباب مختصة كأنها بمنزلة الاستثناء من تلک الكليات، فالواجب على المجتهد أن يحافظ على تلک الكليات ويترک ماوراءها لان الشريعة فی الحقيقة عبارة عن تلک الكليات۔

و الاحكام المخالفة لتلک الكليات لاندری أسبابها و مخصصاتها على اليقين فلا يلتفت إليها۔

مثال ذالک أن البيع يبطل بالشروط الفاسدة، قاعدة كلية، وماورد فی قصة جابر أنه اشترط الحملان إلى المدينة فی بيع الجمل قصة شخصية جزئية، فلايكون معارضا لتلک الكلية، و كذا حديث المصراة لاتعارض القاعدة الكلية التی ثبتت فی الشرع قطعاً، وهی قولنا "الغنم بالغرم" ونحو ذالک من المسائل۔

ولزم من هذا ترک العمل باحاديث كثيرة وردت على هذا النسق الجزئ، لكنهم لايبالون بهذا بل يعدون الاجتهاد و المحافظة على الكليات و درج الجزئيات فی تلک الكليات، مهما أمكن، هذا الكلام إجمالی له تفصيل طويل لايسع الوقت له و الله الهادی ﷺ (۵۵)

"مجتہدین جو دلائل احکام شرعیہ اور اس کے مآخذ سے بحث کرنے والے ہیں انہوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں تعارض ہے اور آثار صحابہ وتابعین بھی باہم مختلف ہیں حالانکہ وہ حدیثیں اور آثار عام طور پر ماخذ کی حیثیت رکھتے اور بیشتر احکام ان سے ثابت ہوئے ہیں، تو مجتہدین کو حیرت ہوئی کہ اس اختلاف وتعارض سے بچنے اور چھٹکارا حاصل کرنے کی صورت وتدبیر کیا کی جاسکتی ہے؟ چنانچہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک امام کی رائے اور نقطۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہوا، اور ہر ایک کی حقیقت تک رسائی میں نقطۂ نظر مختلف رہا۔"

اصول امام مالک:

"چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے عمل و تعامل اہل مدینہ کو معیار قرار دیا اس لئے کہ

① مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے اور،

② آپ کے خلفاء کا وطن ہے،

③ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال اور آپ کے صحابہؓ کی اولاد کا مسکن ہے،

④ یہ وحی الٰہی کے نازل ہونے کی جگہ ہے اور،

⑤ اہل مدینہ وحی الٰہی کے معانی کے زیادہ آشنا ہیں، چنانچہ ایسی حدیث و اثر کو جو اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہوتا ہے وہ اسے:

① منسوخ،

② یا مؤوّل،

③ یا مخصص،

④ یا محذوف القصہ سمجھتے ہیں اور اس سے اعتناء نہیں کرتے۔

اصول امام شافعیؒ:

امام شافعیؒ نے ایسے موقع میں اہل مکہ کے تعامل کو حکم و سند بنایا لیکن فہم و روایت سے کام لے کر حدیث و اثر کا محل و مصداق جدگانہ قرار دیا حتی الامکان روایتوں کے مابین تطبیق دی پھر مصر و عراق میں جب آئے اور اہل مصر اور اہل عراق کے ثقات سے بہت زیادہ حدیثیں سنیں تو موصوف نے بعض روایات کو اہل حجاز کے عمل پر ترجیح دی، اس وجہ سے امام شافعی کے مذہب میں دو قول ہو گئے ایک قول قدیم ہوا، اور ایک قول جدید۔

اصول امام احمدؒ:

لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ہر حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر برقرار رکھا، البتہ علّت و سبب کے متحد ہونے کی صورت میں حدیث کو اس کے حادثہ کے ساتھ وابستہ رکھا، اس لئے امام احمد کا مذہب خلاف قیاس قرار پایا اور اس مذہب میں وجہ فرق نہ پائے جانے کے باوجود اختلاف موجود ہے اس لئے اس مذہب کی ظاہریہ کی طرف نسبت کی گئی۔

اصول وقوائد امام ابوحنیفہؒ :

اس اختلافی صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بہت صاف اور سادہ ہے، اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہم نے جب شرعی احکام میں جستجو اور تتبع کیا تو ہم نے شریعت میں دو قسم کے احکام پائے۔

ایک قسم قواعد کلیہ کی پائی یہ نہایت جامع ومانع ہیں مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ "لا تزر وزارة وزر اخرىٰ" کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور ہمارا یہ کہنا کہ "الغنم بالغرم" ضمان تاوان کی وجہ سے آتا ہے اور ہمارا یہ کہنا کہ "العتاق لا يحتمل الفسخ" عتاق، غلام کی آزادی تبدیلی وفسخ کا احتمال نہیں رکھتی، اور ہمارا یہ کہنا کہ "البيع يتم بالا يجاب و القبول" خرید وفروخت کا معاملہ ایجاب وقبول سے پورا ہوجاتا ہے، اور ہمارا یہ کہنا کہ "البينة على المدعي و اليمين على مَن انكر" گواہ کا پیش کرنا مدعی پر لازم ہے اور قسم منکر پر ہے اور اس طرح کے بیشمار قواعد کلیہ ہیں۔

اور دوسری قسم احکام کی وہ ہے جن کا تعلق جزئی واقعات سے ہے اور وہ خاص اسباب کے تحت اور خاص حالات میں پیش آتے ہیں، قسم اول کے قواعد کلیہ کے مقابلہ میں ان کی حیثیت استثنائی ہے، لہٰذا مجتہد پر لازم ہے کہ وہ قواعد کلیہ کی پابندی کرے، انہیں ملحوظ رکھے اور جو امور ان قواعد کلیہ کے خلاف ہوں ان کو نظر انداز نہ کرے اس لئے کہ شریعت درحقیقت انہی قواعد کلیہ سے عبارت ومراد ہے۔

ان قواعد کلیہ کے خلاف جو احکام پائے جاتے ہیں ان کے اسباب ومخصصات ہمارے خیال میں یقینی طور پر ثابت نہیں اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ جب بیع میں فاسد شرطیں لگائی جائیں تو وہ بیع باطل ہوجاتی ہے۔

چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت میں جو یہ آیا کہ انہوں نے اونٹ فروخت کیا اور شرط کی کہ یہ اونٹ مدینہ تک ہمارے تصرف میں رہے گا، یہ قصہ ایک جزئی واقعہ ہے، قواعد کلیہ کے معارض ومخالف نہیں ہوگا، اسی طرح "حديث مصراة" قاعدہ کلیہ کے جو قطعی طور پر شریعت میں ثابت ومحقق ہے اور وہ ہمارا قول "الغنم بالغرم" ضمان تاون کی وجہ سے آتا ہے، کے مخالف ومعارض ہے اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں۔

ان اصول کے تحت بہت سی ایسی حدیثوں پر عمل سے صرف نظر کرنا لازم آتا ہے جن میں جزئی

واقعات کا ذکر آتا ہے جو حنفی مذہب کے کسی قاعدہ کلیہ کے خلاف ہیں لیکن حنفی علماء اس امر کی پرواہ نہیں کرتے ان کی تمام تر توجہ مجتہد کے اجتہاد پر اور ان قواعد کلیہ کی محافظت پر مبذول رہتی ہے کہ اس طرح جہاں تک ممکن ہوسکے جزئیات ان قواعد کلیہ کے تحت داخل رہیں، یہاں ہم نے ان قواعد کلیہ کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل بہت لمبی چوڑی ہے یہاں اس کے تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں۔"

امام اعظم ابوحنیفہ کے اس قاعدۂ کلیہ کا ذکر ابوبکر ابن العربی المعافری المتوفی ۵۴۳ھ نے "کتاب القبس فی شرح موطاء مالک بن انس" میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

﴿عندہ (أبی حنیفة) خبر الواحد اذا خالفت الاصول سقط فی نفسه وقد مهدنا ذالک فی أصول الفقه﴾ (۵۶)

"ابوحنیفہ کے یہاں خبر واحد اگر اصول کلیہ کی مخالفت کرے تو وہ خود لائق اعتبار نہیں رہتی اور ہم نے اصول فقہ میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔"

حافظ ابن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ "الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء" میں رقم طراز ہیں۔

﴿کثیر من أهل الحدیث استجازوا الطعن علی أبی حنیفه لرده کثیرًا من أخبار الاحاد العدول لانه کان یذهب فی ذالک إلی عرضها علی ما اجتمع علیه من الاحادیث و معانی القرآن فماشذ عن ذالک رده و سماه شاذا .... وکان مع ذالک محسودا لفهمه وفطنته﴾ (۵۷)

"بہت سے اہل حدیث امام اعظم پر اس وجہ سے کہ وہ ایسی بہت سی اخبار احاد کو جو ثقہ و عادل راویوں سے مروی ہوں رد کرتے ہیں، طعن و تشنیع کرنے میں حد اعتدال سے نکل گئے،

موصوف کا اصول یہ ہے کہ اخبار احاد کو معانی قرآن اور ان روایتوں اور حدیثوں پر پیش کرتے ہیں جو اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں چنانچہ جو روایت ان سے موافقت نہیں رکھتی اور ان سے جدا رہتی ہے اس کو قبول نہیں کرتے اور اس روایت کو شاذ کا نام دیتے ہیں، اور جو حدیث و روایت سنت و قرآن کے بیان کردہ اصول کلیہ کے مطابق نہیں اسے وہ شاذ کہہ کر رد کرتے ہیں۔۔ ...اس کے باوجود ان کی فطانت اور فہم و فراست پر حسد کیا جاتا ہے۔"

مذکورۂ بالا ائمۂ فن حافظ مغرب ابن عبدالبر القرطبی" مالکی المتوفی ۴۶۳ھ اور مورخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی

الشافعی المتوفی ۷۴۸ھ کی تصریحات سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وہ احادیث واثار جن میں عموم ومعانی قرآن سے مطابقت پائی جاتی ہے، وہ مقبول ومعمول بہا ہوتی ہیں اور جو حدیثیں عموم ومعانی قرآن سے مطابقت وموافقت نہیں رکھتی ہیں وہ شاذ کہلاتی ہیں اور شاذ حدیثیں اگرچہ ان کی سند صحیح ہوں قابل عمل نہیں، جن اہل علم کے پیش نظر یہ اصول نہیں وہ حقیقت حال سے واقف نہیں، وہی یہ بات کہتے ہیں کہ حنفیہ صحیح حدیثوں کے خلاف کرتے ہیں، اور یہ خلاف حقیقت بات ہے۔

مذکورۂ بالا اصول اور قواعد کلیہ جن اہل علم کے پیش نظر نہیں وہ پیشوایانِ ملت، خاص طور پر امام اعظم پر صحیح سند سے مروی حدیثوں پر عمل نہ کرنے کا الزام دھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ قیاس کے مقابلہ میں قصداً احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں، ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸) فرماتے ہیں:

﴿ومن ظن بأبی حنیفة أوغیره من ائمة المسلمین أنهم متعمدون مخالفة الصحیح لقیاس أوغیره وقد أخطاء علیهم، و تکلم إما بظن أوبهوی، فهذا أبوحنیفة یعمل بحدیث التوضی بالنبیذ فی السفر مخالفة للقیاس، و بحدیث القهقهة فی الصلاة مع مخالفته للقیاس لاعتقاده صحتهما، وإن کان أئمة الحدیث لم یصححوها۔ وقد بینا هذا فی رسالة رفع الملام عن أئمة الاسلام لایخالف حدیثاً صحیحا بغیر عذر، بل لهم نحو عشرین عذراً﴾ (۵۸)

"اور جو شخص امام ابوحنیفہ اور ان کے سوا دوسرے ائمہ مسلمین کی نسبت یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ قیاس وغیرہ کی بنا پر جان بوجھ کر حدیث کی مخالفت کرتے ہیں، تو یہ اس کا ان پر افترا ہے، یہ بات اس نے ظن اور گمان سے یا ہویٰ وہوس سے کہی ہے، یہ امام ابوحنیفہ قیاس کی مخالفت کرتے ہوئے حدیث کی وجہ سے سفر میں نبیذ سے وضو کرنے کے قائل ہیں اور اس طرح وہ حدیث کی وجہ سے نماز میں قہقہہ کو مفسد نماز سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات قیاس کے سراسر خلاف ہے، اس لئے کہ امام ابوحنیفہ کا یقین اور اعتقاد ہے کہ اس باب میں یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں حالانکہ دوسرے ائمہ ان حدیثوں کو صحیح نہیں مانتے ہیں۔

"ہم نے اس بات کو "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام" میں وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ائمہ اسلام میں سے کوئی امام بغیر عذر کے صحیح حدیث کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ ان کے پاس حدیث چھوڑنے کے تقریباً بیس عذر ہوتے ہیں۔"

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مجتہدین فقہاء کے یہاں سنن وآثار کے جانچنے، پرکھنے اور سمجھنے کے

اصول اور ہیں اور محدثین کے یہاں اصول اور ہیں، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اصول حدیث کی کتابوں کے آغاز میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ "نخبۃ الفکر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

﴿فان التصانيف فى اصطلاح أهل الحديث قد كثرت و بسطت و اقتصرت﴾ (۵۹)

"اہل حدیث کی مصطلحات میں کثرت سے کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، مبسوط بھی اور مختصر بھی۔"

لہٰذا یہ اصول محدثین کے یہاں جاری و ساری ہیں، مجتہدین فقہاء میں مقبول و متداول نہیں، مجتہدین ائمہ فقہاء کے اصول جداگانہ ہیں، محدثین کے اصول ان کے یہاں معمول بہا اور مقبول نہیں پھر بھی ائمہ فن نے اصول حدیث کی کتابوں میں امام اعظم کے نظریات و آراء سے اعتناء کیا ہے جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح اور تقریب الراوی کے مطالعہ سے عیاں ہے۔



حاشیے

(۱)حسن بن عبدالرحمٰن الرامھرمزی، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب ط: ۳ بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۴ھ، ص۳۲۔

(۲)محمد بن احمد الذھبی، تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبدالسلام تدمری، بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ۔ حوادث ووفیات ۱۴۱-۱۶۰، ص۲۰۷۔ خطیب نے تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۳۴۶ میں یہ فقرہ یوں نقل کیا ہے۔

(۳)احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد بیروت، دارالکتب العلمیہ، ب ت، ج ۱۳ص ۳۴۔

(۴) محمد بن عبداللّٰہ الحاکم النیسابوری، معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق معظم حسین القاھرہ، مطبعۃ دارالکتب المصریہ، ۱۹۳۷ء ص ۶۳۔

(۵)ایضاً ص ۶۵-۶۶

(۶)الذھبی، سیر اعلام النبلاء، ج۵ص ۲۳۶، (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)۔

(۷)الخطیب البغدادی، ج۲ص ۱۷۶(ترجمہ محمد بن الحسن الشیبانی)

(۸)ایضاً ص ۱۷۹

(۹)ایضاً ج ۱۳ص ۳۴۰ (ترجمہ نعمان بن ثابت)

(۱۰)الحاکم، ص ۵۹۔ النوع التاسع عشر من علوم الحدیث۔

(۱۱)ایضاً ص ۱۱۔

(۱۲)علامہ جلال الدین سیوطی، تبییض الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ، حیدر آباد دکن، مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۱۶ھ، ص ۳۶ (نئے نسخے سے اس عبارت کو اڑا دیا گیا ہے)

(۱۳)الخطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی و السامع، تحقیق محمود الطحان، الریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۳ھ ج۲ ص ۲۸۸ (معرفۃ الشیوخ الذین تروی عنھم الاحادیث الحکمیہ و المسائل الفقھیہ) احمد بن حنبل، کتاب العلل ج۱ص ۱۹۷

(۱۴)محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دارصادر۔ ۱۴۰۵ھ ج۲ ص ۳۳۴۔ الذھبی، سیر اعلام النبلاء ج۲ص ۳۳۴۔ احمد بن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۳۲۸ھ ج۱ص ۵۶۲ (۲۸۸۰)۔ منصور بن احمد السمعانی، قواطع الادلہ فی الاصول، تحقیق محمد حسن، مکہ، عباس احمد الباز، ھ، ج۲ص ۲۵-۲۶۔ السوطی، تدریب الراوی فی شرح التقریب النواوی، تحقیق عبدالوھاب عبداللطیف، بیروت دارالکتب الحدیثہ، ۱۳۸۵ھ ج۲ص ۱۲۹۔ (ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان، معاذ بن جبل)

(۱۵)احمد بن حنبل، کتاب العلل و معرفۃ الرجال، استانبول، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ج۱ص ۱۹۷۔ ابن سعد ج۲ص ۱۰۹-۱۱۰ (مطبۃ بریل)۔ العجلی، ص ۲۷۸ (۸۸۶)۔ علی بن محمد بن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۳۴۷ھ ج۶ص ۶۷۔

(۱۶)ابن حزم، ج٦ص٦١۔

(۱۷)الذہبی، ج۵ص۲۳٦ (ترجمۃ حماد بن ابی سلیمان۔)

(۱۸) ابوعمرو ابن الصلاح الشہزوری، مقدمہ ابن الصلاح تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن ط: ۲ القاہرہ، دارالمعارف، ۴۹۳ (النوع التاسع و الثلاثون، معرفہ الصحابۃ رضی اللّٰہ عنہم اجمعین)۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء ج۲ص۴۳۸ و ترجمہ زید بن ثابت رقم۸۵۔ عبدالقادر بلدران تہذیب تاریخ دمشق ط:۳ بیروت، احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ ج۵ص۴۵۲۔

(۱۹) الخطیب البغدادی، الجامع ج۲ص۲۸۹۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء ج۲ص۴۳۸ (ترجمہ زید بن ثابت رقم۸۵)

(۲۰) محمد بن ابی بکر بن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین، تحقیق عبدالرؤف سعد، بیروت، دارالجیل، ب ت۔ ج۱ص۲۰۔

(۲۱)ابواسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی، طبقات الفقہاء، بغداد، المکتبۃ العربیہ، ۱۳۵٦ھ ص٦۰۔

(۲۲)عبدالقاہر بن طاہر البغدادی، اصول الدین، استانبول، مطبعۃ الدولہ ۱۳۴٦ھ، ص۳۱۱۔

(۲۳)الخطیب البغدادی، ج۱۳ص۳۳۴۔

(۲۴)الذہبی ج٦ص۳۹٦۔

(۲۵)کتاب الآثار، مطبوعۃ: الرحیم اکیڈمی ص۳۳۹، ص۳۲٦، ص۳۷۷، ص۱۸۰، ص۲۲۵، ص۲۷۱، ص۲۴۷ وغیرہ۔ او ایضاً انظر تذکرۃ الحفاظ

(۲٦)کتاب الآثار ص۳۵۰، ص۲۴۴، ص۲۳۳ وغیرہ

(۲۷)ابن حجر، الایثار عجرفۃ رواۃ الآثار ص۲۱۲

(۲۸)الحاکم النیشاپوری ص۱۹۸-۱۹۹۔ ابن الصلاح ص۲۷۰ (النوع الرابع و التسعون)

(۲۹)احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحرانی، رفع الملام عن الائمۃ الاعلام، دمشق، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۹٦۳ء ص۱۲۔

(۳۰)السمعانی ج۵ص۳۲۵ (مطری)۔

(۳۱)ایضاً۔

(۳۲)الحاکم نیشاپوری ص۲۴۵ ذکر "النوع التاسع والاربعین من علوم الحدیث"۔

(۳۳)ایضاً ص۵۳

(۳۴)محمد عبدالرشید النعمانی، مکانۃ الامام أبی حنیفۃ فی الحدیث، دارالبشائر الاسلامیہ ۱۴۱۵ھ ص۸۲-۸۳

(۳۵)العجلی ص۲۵۰ (۱۹۹۳)

(۳٦)الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۹۳ (شعبہ رقم ترجمہ ۱۸۷)

(۳۷)الذہبی، میزان الاعتدال ج۱ص۵۹۳ (ترجمہ حماد بن سلمہ رقم ترجمہ ۲۲۵۱)

(۳۸)ابن عبدالبر، الانتقاء ص۱۲۶۔ الصیمری، أخبار أبی حنیفة و اصحابه ص۸۰۔

(۳۹)ایضاً ص۱۲۷۔

(۴۰)الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۲۹۸ (رقم نمبر ۲۸۰۔)

(۴۱)ایضاً۔

(۴۲)الخطیب البغدادی ج۱۳ص۳۳۵۔

(۴۳)ایضاً ج۱۳ص۳۳۶۔ ابن عبدالبر ص۱۳۶۔ المزی ج۲ص۱۴۱۷۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۳۰۷۔ الموفق مناقب الامام الاعظم، ج۲ص۳۱۔

(۴۴)الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۳۳۰

(۴۵)ایضاً۔

(۴۶)ابن عبدالبر ص۱۳۶۔

(۴۷)ایضاً ص۱۲۷۔

(۴۸)الصمیری ص۱۲۹۔ الذہبی مناقب الامام ابی حنیفه وصاحبیه ص۱۵

(۴۹) ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضله، قاهره، دارة الطباعة المنیریه ۱۹۲۷ء، ج۲ ص۱۴۹۔ المزی، ج۲ ص۱۴۱۵-۱۴۱۶۔

(۵۰) محمد بن عیسی الترمذی، صحیح الترمذی، بشرح ابن العربی المالکی، مصر، مطبعة الصاوی، ۱۳۵۲ھ، ج۱۳ص۲۰۹۔

(۵۱) عبدالبر ابن عدی الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال ج۱ ص۵۳۷۔ محمد بن عمرو العقیلی، کتاب الضعفاء الکبیر، بیروت: دارالکتب العلمیه ج۳ص۱۹۶۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضله، ج۲ص۱۳۵۔

(۵۲) ابوحاتم محمد بن حبان البستی، کتاب الثقات، بیروت دارالفکر، ۱۴۱۰ھ، ج۷ ص۹۷-۹۸۔ السمعانی، ج۳ص۱۲۸۔

(۵۳)عبدالعزیز البخاری، کشف الاسرار، کراچی، الصدف پبلشر ج۳ص۷۶۳۔

(۵۴)عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار، ج۳ص۷۶۳

(۵۵)عبدالعزیز الدهلوی، فتاوی عزیزی، دهلی، مطبع مجتبائی ۱۳۴۱ھ، ص۴۲۔

(۵۶)محمد بن عبداللّٰه بن احمد، کتاب القبس فی شرح موطاء مالک بن انس، تحقیق محمد عبداللّٰه، بیروت، دارالعرب الاسلامی، ۱۹۹۲ء ج۲ص۸۱۷۔

(۵۷)ابن عبدالبر، الانتقاء، ص۱۴۹۔

(۵۸)ابن تیمیه، رفع الملام عن الائمة الاعلام، دمشق ط:۲، منشورات المکتبه الاسلامی ۱۳۸۲ھ ص۱۳۔

(۵۹)ابن حجر، شرح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر، تحقیق محمد عوض، محمد عباس الصباغ ط:۲، دمشق الکتبة المدنی ۱۴۱۰ھ ص۱ تا ۵

بَابُ صَلاَةِ الْخَوْفِ

خوف کی نماز کا بیان

صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت کب ہوئی

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک آپ نے سب سے پہلے یہ نماز غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی ہے۔ اب اختلاف اس مسئلہ میں ہوا کہ غزوۂ ذات الرقاع کب ہوا ہے تو اس میں چار اقوال ہیں ① ۴ھ ② ۵ھ ③ ٦ھ ④ ۷ھ، یہی بات علامہ زیلعیؒ نے کہی ہے وقال الزیلعیؒ روی بسندہ عن جابر ﷺ قال اول ماصلی النبی ﷺ صلوٰۃ الخوف فی غزوۃ ذات الرقاع ثم صلاھا بعد ذلک بعسفان وبینھما اربع سنین، وقال الواقدی ھذا عندنا اثبت من غیرہ اس بارے میں علامہ ابن قیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ اختلاف کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے غزوۂ عسفان میں پڑھی ہے اور یہ استدلال کرتے ہیں۔[۱]

روایت ابی عیاش الزرقی سے جس میں آتا ہے کنا بعسفان فصلی بنا الظھر وعلی المشرکین یومئذ خالد بن الولید فقالو القد اعجبا عنھم غفلۃ فنزلت صلوٰۃ الخوف بین الظھر والعصر۔

اب بھی صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت ہے یا ختم ہوئی؟

اس میں دو مذہب ہیں:

❶ جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وتابعین وجمہور فقہاء وائمہ اربعہؒ کے نزدیک صلوٰۃ الخوف اب بھی مشروع ہے۔

❷ علامہ مزنی شافعی، امام ابو یوسف (حنفی)، حسن بن زیاد (حنفی) ابراہیم بن علیہ کے نزدیک اس کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔[۲]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

قرآن کی یہ آیت مبارکہ ہے وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ الخ کہ كُنْتَ فِيهِمْ میں آپ کو خطاب ہے۔ اس لئے آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

جمہور فقہاء کا استدلال

قولہ علیہ السلام صلوا کما رأیتمونی اصلی: اس کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اقتداء میں اُمت بھی پڑھے گی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد پڑھی ہے جیسے کہ:

1. ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے: افھم غزا مع عبدالرحمٰن بن سمرۃ فصلی بنا صلوٰۃ الخوف۔
2. وروی ان علیا صلاھا یوم صفین۔
3. وروی ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ باصبھان و صلاھا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فی حرف المجوس بطرسان ومعہ الحسن بن علی و حذیفۃ بن الیمان و عبداللہ بن عمرو بن العاص [۳] بقول علامہ کاسانیؒ کے صحابہ کا اجماع ہے اس کی مشروعیت پر۔ [۴]

جواب

جمہور علماء پہلے مذہب والوں کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں جگہ جگہ پر آپ ﷺ کو ہی خطاب کیا جاتا ہے مگر اس سے مراد حکم عام ہوتا ہے۔ مثلاً خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ اور بھی قرآن میں متعدد مقامات ہیں جس میں خطاب تو مثلاً آپ ﷺ کو ہے لیکن حکم پوری اُمت کو ہے بالاتفاق۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ ممکن ہے کہ امام ابویوسف وغیرہ کی مراد یہ ہو کہ صلوٰۃ الخوف ایک جماعت کے ساتھ حضور ﷺ کے زمانہ کے ساتھ مختص تھی اب کئی جماعات ہو سکتی ہیں۔ [۵]

۱۹۴

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ صَلَاةِ الْخَوْفِ قَالَ اِذَا صَلَّى الْاِمَامُ بِاَصْحَابِهٖ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَ الْاِمَامِ وَطَائِفَةٌ بِاِزَاءِ الْعَدُوِّ، فَيُصَلِّي الْاِمَامُ بِالطَّائِفَةِ الَّذِيْنَ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ تَنْصَرِفُ الطَّائِفَةُ الَّذِيْنَ صَلَّوْا مَعَ الْاِمَامِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّتَكَلَّمُوْا حَتّٰى يَقُوْمُوْا مَقَامَ اَصْحَابِهِمْ۔ وَتَاْتِي الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَيُصَلُّوْنَ مَعَ الْاِمَامِ الرَّكْعَةَ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَنْصَرِفُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّتَكَلَّمُوْا حَتّٰى يَقُوْمُوْا فِيْ مَقَامِ اَصْحَابِهِمْ وَتَاْتِي الطَّائِفَةُ الْاُوْلٰى حَتّٰى يُصَلُّوْا رَكْعَةً وُحْدَانًا ثُمَّ يَنْصَرِفُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ مَقَامَ اَصْحَابِهِمْ وَتَاْتِي الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى حَتّٰى يَقْضُوْا

الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ عَلَيْهِمْ وُحْدَانًا﴾

”حضرت ابراہیمؒ نے نماز خوف کے بارے میں فرمایا امام لوگوں کے ساتھ جب جماعت کرے تو ان میں سے ایک جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور ایک جماعت دشمن کے مقابل رہے، امام اس جماعت کے ساتھ جو اس کے پیچھے ہے ایک رکعت پڑھے گا پھر وہ جماعت جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لی ہے، بغیر بات کئے (دشمن کے مقابلہ میں) اپنے ساتھیوں کی جگہ کھڑی ہو جائے گی اور دوسری جماعت آکر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے گی پھر یہ بات چیت کئے بغیر یہاں سے چلے جائیں گے اور ان لوگوں کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں گے اور پھر پہلی جماعت آکر دوسری رکعت اکیلے پڑھے گی پھر وہاں سے جا کر اپنے ساتھیوں کی جگہ پر کھڑی ہو جائے گی اور دوسری جماعت آکر اپنی باقی ماندہ دوسری رکعت اکیلے پڑھے گی۔“

لغات: اَلْخَوْفُ: خاف (س) خَوْفًا وخَيْفًا ومَخَافَةً وخِيفَةً وَتَخَوَّفَ گھبرانا، احتیاط کرنا۔ ڈرنا (ہفت اقسام میں اجوف ہے)

يَتَكَلَّمُوا: باب تَفَعُّلْ سے تَكَلَّمَ تَكَلُّمًا وتِكِلاَّمًا الرَجُلُ كَلْمَةً وبِكَلْمَةٍ بات کہنا۔

مَقَام: کھڑے ہونے کی جگہ۔ مرتبہ (جمع) مَقَامَات (اَلْمُقَام) کھڑا ہونا۔ کھڑے ہونے کی جگہ۔ کھڑے ہونے کا زمانہ۔

تشریح

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اپنی کتاب اوجز المسالک میں صلوٰۃ الخوف کے صحیح ہونے کے لئے چار شرطیں بیان کی ہیں ان شرطوں کے بغیر نماز خوف پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

❶ دشمن کے ساتھ مقابلہ جائز اور مشروع طریقہ سے ہو۔
❷ دشمن بالکل مقابل اور سامنے نظر آنے لگے۔
❸ حالت نماز میں دشمنوں سے قتال نہ کرے۔
❹ پورا لشکر ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر مصر ہو ورنہ الگ الگ دو اماموں کے ساتھ نماز پڑھنا بہتر ہے۔[۱۳]

جیسے کہ ابتداء میں گزرا کہ صلوٰۃ الخوف کے پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں اور سب ہی جائز ہیں۔ بعض، بعض پر ترجیح دی ہے۔

صلوٰۃ خوف کے پڑھنے کے چھ طریقہ مشہور ہیں۔

پہلا طریقہ

امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، ابراہیم نخعی وغیرہ کے نزدیک افضل طریقہ یہ ہے کہ امام دو جماعت بنالے، پہلی جماعت کو دو رکعت والی نماز میں ایک رکعت اور تین اور چار چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھائے، پھر یہ جماعت سجدے میں چلی جائے گی، پھر دوسری جماعت آئے گی اور امام اس کو تین اور دو رکعت والی نماز میں ایک اور چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے۔ پھر پہلی جماعت آکر اپنی بقیہ نماز لاحق کی طرح (یعنی بلا قراءت) پوری کرے گی اور اس کے بعد دوسری جماعت اپنی بقیہ نماز مسبوق کی طرح (یعنی قراءت) سے پوری کر کے سلام پھیرے گی۔[۱۴]

دوسرا طریقہ

امام اسحاق بن راہویہ، امام طاؤس بن کیسان، مجاہد بن جبیر، امام قتادہ، امام حکم بن عتیبہ، امام عطاء بن ابی رباح وغیرہ۔

صلوٰۃ خوف کی ایک رکعت ہے۔[۱۵]

تیسرا طریقہ

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، وغیرہ، کے نزدیک امام پہلے طائفہ (جماعت) کو ایک رکعت پڑھا کر انتظار کرتا ہے اور یہ طائفہ اسی وقت اپنی باقی نماز پوری کرے۔ پھر یہ طائفہ دشمنوں کے مقابلہ میں چلا جائے پھر طائفہ ثانیہ آکر امام کی اقتداء کرے پھر امام اس کو ایک رکعت پڑھا کر انتظار کرتا رہے، یہاں تک کہ یہ طائفہ اپنی بقیہ نماز پوری کرے پھر امام دوسرے طائفہ کے ساتھ سلام پھیرے۔[۱۶]

چوتھا طریقہ

حسن بصری، سلیمان بن قیس یشکری، یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ کے نزدیک امام طائفہ اولیٰ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ طائفہ دشمنوں کے مقابلہ میں چلا جائے اور طائفہ ثانیہ آجائے امام ان کو بھی دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ان احباب کے نزدیک امام کو چار رکعت پڑھنا ضروری ہے اور باقی قوم کو دو رکعت لازمی ہوگی۔[۱۷]

پانچواں طریقہ

امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، منصور ابن معتمرؒ، مجاہد ابن جبیرؒ، وغیرہ کے نزدیک تمام فوج کی دو صفیں بنائی جائیں گی اور پھر دونوں صفوں کے لوگ اپنے اپنے ہتھیار کے ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نیت باندھ لیں جب امام پہلا سجدہ کرے گا تو صف اوّل کے لوگ امام کے ساتھ سجدہ کریں پس جب امام اور صف اوّل سجدہ سے فارغ ہو جائے تو صف ثانی سجدہ کرے۔ پھر صف اوّل پیچھے ہٹ جائے اور صف ثانی آگے بڑھ جائے اور پھر امام دونوں صفوں کو دوسری رکعت پڑھائے اور جب امام دوسری رکعت کے لئے سجدہ کرے تو صف ثانی جو اب امام سے متصل ہے وہ بھی امام کے ساتھ سجدہ کرے اور صف اوّل والے پیچھے کھڑے ہو کر انتظار کرتے رہیں، جب امام دوسری صف والوں کے ساتھ سجدہ سے سر اٹھائے تو پہلی صف والے اپنا سجدہ کریں پھر اس کے بعد سب لوگ امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اس صورت میں امام، مقتدی سب کے لئے دو دو رکعات ہو جائیں گی۔

چھٹا طریقہ

امام ابو یوسفؒ کے ایک قول کے مطابق نیز امام طحاویؒ کا بھی رجحان یہی ہے کہ اگر دشمن قبلہ کی جانب ہو تو امام دونوں طائفوں کو ایک ساتھ نماز پڑھائے اور پہلی رکعت میں طائفۂ اولیٰ امام کے ساتھ سجدہ کرے اور جب طائفۂ اولیٰ امام کے ساتھ سجدہ سے فارغ ہو جائے تو طائفۂ ثانیہ سجدہ کرے پھر اس کے بعد طائفۂ ثانیہ صف اولیٰ میں چلی جائے اور طائفۂ اولیٰ صف ثانی میں آجائے، پھر امام دوسری رکعت دونوں طائفوں کو ایک ساتھ پڑھائے اور پھر پانچویں طریقہ والا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور اگر دشمن قبلہ کی جانب نہ ہو تو پھر یہ چھٹے مذہب والے پہلے مذہب والا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

احناف کے مذہب کو ترجیح

ہر مذہب والوں نے اپنے اپنے طریقہ کی وجوہ ترجیح بیان کی ہیں۔ مگر کچھ غور کیا جائے تو احناف کا مذہب قرآن اور احادیث کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔ مختلف وجوہات کی بناء پر۔ یہ وجوہات مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی کتاب التعلیق الصبیح میں نقل کی ہیں۔

❶ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں امام کو مقتدی کا انتظار نہیں کرنا پڑتا، بخلاف جمہور کے کہ ان کے مذہب میں امام مقتدیوں کا انتظار کرتا ہے۔ گویا کہ امام مقتدی اور مقتدی امام بن جاتا ہے۔

❷ قرآن کی آیت کے بھی زیادہ قریب ہے، آیت یہ ہے: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

مَّعَكَ آگے ہے وَلْيَاخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ [۱۸] اس سے معلوم ہوا کہ ایک طائفہ دشمن کے مقابلہ میں رہے گا اور فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ اس سے بھی احناف کے اس قول کی تائید ہو رہی ہے کہ ایک طائفہ پہلی رکعت کے دو سجدے کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے۔ جمہور کے مطابق نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان کے نزدیک تو دو سجدے کرنے کے بعد وہ طائفہ وہی دوسری رکعت پڑھے گا مِنْ وَّرَآئِكُمْ کیسے ہو گا۔

وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ اس سے معلوم ہوا کہ امام لشکر کو دو طائفہ پر تقسیم کرے گا ایک طائفہ امام کے ساتھ پڑھے گا اور دوسرا طائفہ دشمن کے مقابلہ میں رہے گا۔ یہ بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر احناف یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت سے بھی مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے۔

۳ جمہور کے مذہب میں طائفہ اولیٰ دوسری رکعت امام سے پہلے پڑھتا ہے حالانکہ حدیث میں تو آتا ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا رکع فارکعوا و اذا سجد فاسجدوا۔ [۱۹] کہ "امام تو اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو" اور یہ بات احناف کے مذہب کے مطابق ہے۔

۴ جمہور کا مذہب خود ان کے اپنے اصول کے بھی خلاف ہے کہ امام تو مقتدی کا انتظار کر رہا ہے، قیام یا جلوس کی حالت میں اور مقتدی نماز میں مشغول ہیں۔ یہ ان کے مذہب میں بھی صحیح نہیں کہ امام تو اس وقت نماز کے افعال میں نہیں کیوں کہ امام یا تو بیٹھا ہو گا یا کھڑا ہو گا اور مقتدی اس کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہوں گے۔

۵ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ لا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام۔ [۲۰] کہ امام سے پہلے رکوع اور سجدہ کرنے کو منع کیا گیا ہے مگر ان کے مذہب میں امام سے پہلے مقتدی رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں اور احناف کے مذہب میں یہ بات لازم نہیں آتی۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۳/۳۴۰، اوجز المسالک ۱/۳۵۹، معارف السنن ۵/۳۶۔

(۲) فتح الباری صحیح بخاری۔ مزید وضاحت سیرۃ مصطفیٰ ۱/۳۴۲ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

(۳) پہلی روایت ابوداؤد ۱/۱۷۷، دوسری سنن الکبری ۳/۲۵۲، تیسری فتح الملہم ۲/۳۷۹۔

(۴) بدائع الصنائع، وکذا معارف السنن ۵/۳۶۔

(۵) فتح الملہم ۲/۳۷۹۔ المبسوط، ملتقی الابحر، وغیرہ میں ہے کہ امام ابویوسفؒ نے منسوخ ہونے کے قول سے رجوع کر لیا تھا اب باتفاق احناف جائز ہے۔

(۶) بخاری۔ مسلم۔

(۷) نسائی۔ طحاوی۔

(۸) نسائی، ابوداؤد، طحاوی۔

(۹) طحاوی، نسائی۔

(۱۰) امداد الفتاح۔

(۱۱) عمدۃ القاری ۳/ ۳۴۳، وکذا اوجز المسالک۔

(۱۲) بذل المجہود ۲/ ۲۴۵۔

(۱۳) اوجز المسالک ۲/ ۲۶۴۔

(۱۴) تحفۃ الاحوذی ۱/ ۹۴ ۳ نیل الاوطار ۳/ ۲۰۷، بذل المجہود ۲/ ۲۴۵، ہدایہ ۱/ ۱۵۷۔

(۱۵) طحاوی

(۱۶) عمدۃ القاری

(۱۷) نیل الاوطار

(۱۸) سورۃ النساء آیت ۱۰۲

(۱۹) مشکوٰۃ ۱/ ۱۰۱۔

(۲۰) مشکوٰۃ ۱/ ۱۰۱۔



۱۹۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا مِثْلُ ذٰلِكَ۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ وَاَمَّا الطَّائِفَةُ الْاُوْلٰی فَيَقْضُوْنَ رَكْعَتَهُمْ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ لِاَنَّهُمْ اَدْرَكُوْا اَوَّلَ الصَّلٰوةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهُمْ قِرَاءَةٌ وَاَمَّا الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی فَاِنَّهُمْ يَقْضُوْنَ رَكْعَتَهُمْ بِقِرَاءَةٍ لِاَنَّهَا فَاتَتْهُمْ مَعَ الْاِمَامِ وَهٰذَا كُلُّهٗ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

”حضرت حارث بن عبدالرحمٰنؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں:

امام محمدؒ نے فرمایا ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں کہ البتہ پہلی جماعت دوسری رکعت بغیر قراءت کے پڑھے گی اس لئے کہ یہ لاحق ہیں ان کو اوّل نماز امام کے ساتھ مل چکی تھی لہٰذا امام کی قراءت ان کے لئے بھی قراءت ہے رہی دوسری جماعت تو وہ دوسری رکعت قرأت کے ساتھ پوری کرے گی۔ اس لئے کہ یہ مسبوق ہے ان سے یہ رکعت امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی تھی۔ یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔“

لغات: اَلطائِفة: مونث طَائِف جماعت۔ گروہ، ٹکڑا کسی چیز کا۔ وہ لوگ جو ایک مذہب یا رائے کے ہوں (جمع) طائفات، طَوَائف۔

فَيَقْضُوْنَ: قَضٰی (ض) قَضَاءً الشیء مضبوطی سے بنانا — الصلوۃ نماز اداء کرنا — الدین قرض ادا کرنا۔ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔

فَاتَتْهُمْ: فَاتَ (ن) فَوْتًا وَفَوَاتًا الْاَمْرُ گزرنا، وقت جاتا رہنا — ہٗ الْاَمْرُ حاصل کرنے میں ناکام رہنا۔ (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔

تشریح

احناف کے مذہب کا استدلال

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس اثر سے ہے مگر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی رائے سے تو نہیں فرمائی ہوگی بلکہ آپ ﷺ سے ضرور سنی ہوگی۔ تو یہ قول بمنزلہ مرفوع حدیث کے ہے۔ صاحب مبسوط وغیرہ نے احناف کے مذہب کے استدلال کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو پیش کیا ہے جس میں آتا ہے۔

ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال غزوت مع رسول اللہ ﷺ قبل نجد فوازینا العدو فصا ففنا لھم فقام رسول اللہ ﷺ یصلی لنافقامت طائفۃ معہ واقبلت طائفۃ علی العدو فرکع رسول اللہ ﷺ بمن معہ وسجد سجدتین ثم انصرفوا مکان الطائفۃ التی لم تصل فجاءوا فرکع رسول اللہ ﷺ بھم رکعۃ وسجد سجدتین الخ۔ (۱)

صاحب احکام القرآن (جصاص ؒ) نے اور بھی کئی روایات نقل کر کے فرمایا ہے:

فاتفق ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابن عمر رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ و حذیفۃ رضی اللہ عنہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ صلی باحدی الطائفتین رکعۃ والطائفۃ الاخری مواجھون العدو ثم صلی بالطائفۃ الاخری رکعۃ وان احدامنھم لم یقض صلاتہ قبل فراغ رسول اللہ ﷺ۔ (۲)

حارث بن عبدالرحمٰن کے مختصر حالات زندگی: ان کی کنیت ابوہند الہمدانی کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن سعد بن ابی ذہب الدوسیؒ ہیں جو اہل مدینہ میں سے ہیں کیوں کہ وہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اگر ان کو مدینہ والا نہ مانا جائے تو اب یہ روایت مقطوع ہو جائے گی کہ درمیان میں مجاہد یا کسی اور کا کوئی واسطہ ہوگا۔

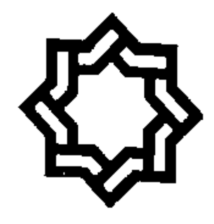
اساتذہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بلاواسطہ مجاہد وغیرہ۔

تلامذہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ، محمد بن قیس الاسعدیؒ، ہارون بن صالح الہمدانیؒ وغیرہ ہیں۔ ابن حبانؒ وغیرہ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

---

(۱) یہ الفاظ بخاری کے ہیں اس حدیث کا مفہوم صحاح ستہ میں موجود ہے (بخاری ۱/۱۲۸)

(۲) احکام القرآن للامام ابوبکر جصاص ۲/۲۶۰



۱۹۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي الْخَوْفَ وَحْدَهُ قَالَ يُصَلِّيْ قَائِمًا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَرَاكِبًا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيُؤْمِ اَيْنَمَا كَانَ وَجْهُهُ لاَ يَسْجُدُ عَلٰى شَيْءٍ لِيُؤْمِ اِيْمَاءً وَيَجْعَلُ سُجُوْدَهُ اَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِهٖ وَلاَ يَدَعِ الْوُضُوْءَ وَالْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے جب ایسے شخص کے بارے میں (پوچھا گیا) جو نماز خوف تنہا پڑھے تو اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا، اگر اس طرح نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو قبلہ رخ سواری پر نماز پڑھ لے، اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اشارے سے بغیر سجدے کے جس طرف منہ ہو نماز پڑھ لے، اشارہ کرے گا اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے گا اور وضوء اور دونوں رکعات میں قرأت کو نہیں چھوڑے گا امام محمدؒ نے فرمایا ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: مُسْتَقْبِلٌ: باب استفعال سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے بمعنی سامنے ہونے والا۔ توجہ کرنے والا۔ سامنے کرنے والا۔ مقابلہ کرنے والا۔

اَلْقِبْلَةُ: قَبِلَ کا اسم نوع۔ جہت۔ اور اسی سے ہے قِبْلَةُ الْمُصَلِّي اس جہت کے لئے جدھر نماز پڑھتا ہے۔ کعبہ۔

اَلْقِرَاءَةُ: (مصدر) پڑھنے کی کیفیت (جمع) قِرَاءَاتٌ۔

يَجْعَلُ: جَعَلَ (ف) جَعْلاً بنانا۔ پیدا کرنا۔ اور دینے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے اِجْعَلْ لِيْ لِسَانَ صِدْقٍ مجھ کو نیک نامی دے۔

تشریح

اَلرَّجُلِ يُصَلِّي الْخَوْفَ وَحْدَهُ قَالَ يُصَلِّيْ قَائِمًا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ آدمی اکیلے نماز پڑھے اس کے بارے میں فرمایا کہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔

اس بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ:

فان اشتد الخوف صلوا رکبانا فرادیٰ یؤمون بالرکوع والسجود الی ای جهة شاء واذا لم یقدروا علی

التوجہ الی القبلۃ۔لقولہ تعالیٰ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا وسقط التوجہ للضرورۃ۔[1]

کہ اگر خوف دشمن کا بہت زیادہ ہو جائے اور اس طریقہ سے نماز ادا نہ کر سکیں تو اب لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں گے چھوڑیں گے نہیں۔

مگر اس صورت میں بھی کوشش کی جائے گی کہ زمین پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی جائے اگر اس کا موقع نہ ملے تو اب سواری پر قبلہ رخ نماز پڑھنے کی کوشش کی جائے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اب سواری پر اس کا رخ جس طرف بھی ہو نماز ادا کر لی جائے گی کیوں کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو تم کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔ سواری پر یہ نماز الگ الگ ادا کی جائے گی شیخینؒ کے نزدیک۔

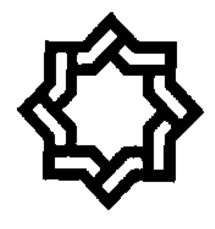
مگر امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سواری پر جماعت کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا کہ لیس بصحیح لانعدام الاتحاد فی المکان۔[2] کہ صحت اقتداء کے لئے اتحاد مکان کا ہونا شرط ہے اور وہ جب یہاں معدوم ہے تو اب جماعت کے ساتھ نماز کیسے ادا کی جا سکتی ہے۔[3]

---

(۱) ہدایہ ۱/۱۶۰

(۲) ہدایہ ۱/۱۶۰

(۳) ہدایہ مع فتح القدیر



باب صلٰوۃ من خاف النفاق

نفاق سے ڈرنے والے کی نماز

۱۹۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَوَّابُ التَّيْمِيّ" عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً اَتَاهُ فَقَالَ اِنِّيْ اَتَخَوَّفُ عَلٰى نَفْسِيَ النِّفَاقَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَمَا صَلَّيْتَ قَطُّ حَيْثُ لَا يَرَاكَ أَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ بَلٰى! قَالَ! فَاِنَّ الْمُنَافِقَ لَا يُصَلِّيْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ﴾

"حضرت جواب تیمیؒ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب ان کے پاس آئے اور ان سے عرض کیا کہ مجھے اپنے اوپر نفاق کا خطرہ ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کیا تم نے کبھی کسی ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھی جہاں تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہ دیکھ رہا ہو؟ تو انہوں نے جواباً کہا کیوں نہیں، فرمایا پس منافق ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھتا جہاں اللہ کے سوا کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔"

لغات: اَتَخَوَّفُ: باب تَفَعُّلْ سے واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ بمعنی۔ گھبرانا، ڈرنا (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔

نَفْسِيْ: اَلنَّفْسُ (مصدر) روح "خون" کہا جاتا ہے دَفَقَ نَفْسُهٗ اس کا خون اچھل کر نکلا۔ "بدن" کہا جاتا ہے۔ هُوَ عَظِيْمُ النَّفْسِ یعنی وہ بڑے جسم کا ہے۔ نظر بد۔ شخص۔ (نفسی میں "ی" نسبت کی ہے)۔

اَلنِّفَاقَ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے نَافَقَ يُنَافِقُ مُنَافَقَةً وَنِفَاقًا فِيْ دِيْنِهٖ دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا۔ صفت مُنَافِقٌ۔

تشریح

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے یہ جواب دیا تھا اس لئے کہ منافقین اولاً نماز پڑھتے ہی نہ تھے اور اگر وہ پڑھتے تو صرف وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور دکھانے کے لئے نماز میں شامل ہوتے

تھے۔ لہٰذا تنہائی میں نماز پڑھنے والا شخص لازمی طور سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہی عبادت کر رہا ہے اور یہ مومن کا وصف ہے نہ کہ منافق کا۔

اسی طرح ایک موقع پر حضرت قتادہؒ نے جواب دیا تھا۔ عن قتادة ﷺ یراؤن الناس قال واللہ لولا الناس ما صلی المنافق ولا یصلی الا ریاء وسمعة۔ "منافق لوگوں کو دکھلانے میں اپنے اعمال کو" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم اگر لوگ نہ آتے تو منافقین کبھی نماز نہ پڑھتے اور جب بھی یہ پڑھتے ہیں تو دکھلاوے کے لئے۔

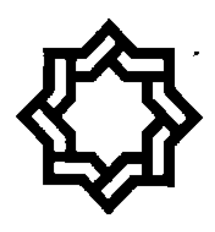
حضرت جواب التیمیؒ کے مختصر حالات: ان کا نام عبداللہ التیمی کوفی ہے۔

تلامذہ: رزام بن سعیدؒ، ابوحنیفہؒ وغیرہ ہیں۔ ان کو یحییٰ بن معینؒ، وغیرہ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ الایثار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جواب جیم کے زبر اور واو مشدد کے ساتھ ہے۔ اور ان کا پورا نام عبداللہ التیمی الکوفیؒ ہے۔

اساتذہ: ان کے یزید بن شریک التیمی الکوفیؒ والد ابراہیم ہیں اور تلامذہ میں سے ابواسحٰق السبیعی اور المسعودیؒ وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو ضعیف کہا ہے محمد بن عبداللہ بن نمیر نے اور سفیان ثوریؒ نے ترک کر دیا ہے۔ فلم یاخذ عنه

حافظ ابن حجرؒ نے ان کو ضعیف کرنے کی کوشش کی حالانکہ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ یحییٰ بن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اسی طرح ابن عدی نے کہا کہ ارله حدیثا منکرا اسی طرح امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان سے روایت نقل کی ہے اور کوئی جرح نہیں کی۔ اسی طرح امام نسائی نے فضائل علی رضی اللہ عنہ میں ان سے روایت لی ہے۔

مزید حالات کے لئے ① فتح الباری، ② تہذیب التہذیب، ③ میزان الاعتدال، ④ تذکرۃ الحفاظ۔



باب تشمیت العاطس

چھینکنے والے کو جواب دینے کا بیان

۱۹۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ الرَّجُلُ فَقَالَ: "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ" فَقُلْ یَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَاِیَّاكَ، وَلْیَقُلِ الَّذِیْ عَطَسَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكَ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جب کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو تم اس کے جواب میں "یرحمنا اللہ وایاک" (یعنی اللہ تعالیٰ ہم پر اور تم پر رحم کرے) کہو اور چھینکنے والا پھر اس کے جواب میں "یغفر اللہ لنا ولک" کہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے)۔

لغات: عَطَسَ: (ن ض) عَطْسًا وَعُطَاسًا: چھینکنا — الصبح پو پھٹنا۔ روشن ہونا۔

تَشْمِیْتٌ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ شَمَّتَ الْعَاطِسَ وَشَمَّتَ عَلَیْهِ: یَرْحَمُكَ اللّٰهُ: کہہ کر دعا کرنا۔ یا یہ دعا کرنا کہ "ایسی حالت میں مبتلا نہ ہو جس پر کسی کو شماتت کا موقع ملے"۔

اَلْحَمْدُ: (مصدر) تعریف۔ تعریف کیا ہوا۔

تشریح

اِذَا عَطَسَ الرَّجُلُ جب آدمی کو چھینک آئے ایک دوسری روایت میں آتا ہے ان اللّٰہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب۔[1] اللہ چھینکنے والے کو پسند کرتا ہے اور جمائی والے کو ناپسند کرتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ چھینک کی وجہ سے دماغ کا بوجھ ہٹ جاتا ہے اور فہم و ادراک کی قوت صاف ہو جاتی ہے۔ یہ دراصل صحت و نشاط اور توانائی کی علامت ہے۔ تو اس صحت جسمانی کا شکر ادا کرنے کے لئے شریعت نے خود ہی طریقہ بتایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ "الحمد للہ" کہے۔

فَقَالَ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ کہ چھینکنے والا الحمد للہ کہے۔ ایک دوسری روایت میں الحمدللّٰہ رب العالمین کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ نیز ایک حدیث میں الحمدللّٰہ علی کل حال کے الفاظ بھی منقول ہیں۔[2] یہ سب ہی الفاظ کہنے کی

اجازت ہے لہٰذا ایک سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔

فَقُلْ یَرْحَمُنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکَ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کے جواب میں سننے والا یرحمنا اللّٰہ وایاک کہے، ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔ اذا عطس احدکم فلیقل الحمدللّٰہ ولیقل لہ اخوہ او صاحبہ یرحمک اللّٰہ۔[۳] کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ تو الحمد للہ کہے اور اس کا بھائی یا دوست یرحمک اللّٰہ کہے۔

وَلْیَقُلِ الَّذِیْ عَطَسَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکَ چھینکنے والا پھر یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکَ کہے ایک دوسری روایت میں آتا ہے یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم کہے، ان دونوں جملوں میں سے جو چاہے کہہ دے البتہ بعض محدثین ان دونوں کو جمع کرنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔

چھینک کا جواب دینا بعض اہل الظاہر کے نزدیک فرض عین ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سُنّت علی الکفایہ ہے۔[۵] لیکن افضل یہ ہے کہ ہر ایک کہے اور جمہور کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجلس میں سے کسی ایک نے بھی جواب دیا تو سب کے ذمہ سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔

---

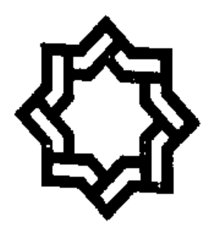
(۱) بخاری و مسلم

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ جو چھینکنے والا الحمدللّٰہ علی کل حال کہتا ہے تو وہ داڑھ اور کان کے درد میں کبھی مبتلا نہیں ہوگا۔

(۳) بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۴) بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۵) التعلیق الممجد شرح مؤطا محمدؒ



باب صلاة یوم الجمعة و الخطبة

جمعہ کی نماز اور خطبہ کا بیان

اس باب میں جمعہ اور خطبہ کے احکام و آداب بیان کئے جائیں گے۔

جمعہ: (بضم الجیم) اکثر اور فصیح لغت میں اور لغت حجاز میں اس طرح ہے۔ مگر بسکون میم بھی لغت عقیل کے یہاں پڑھا جاتا ہے اور بفتح المیم بنو تمیم کے نزدیک ہے اور علامہ زجاج ؒ نے (بکسر المیم) بھی نقل کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس دن کو "یوم العروبۃ" کہا جاتا تھا۔ اور زمانۂ اسلام میں اس کو جمعہ کہا جانے لگا۔ اس کی وجوہات علماء نے مختلف بیان کی ہیں جو سب ہی مراد ہو سکتی ہیں۔ مثلاً [۱]

سمي بالجمعة لان الخلائق يجمع فيه کہ اس کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا کہ اس دن میں تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع کی جائے گی۔

علامہ طیبی ؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عظیم الشان باتیں واقع ہوئیں یا ہوں گی۔ [۲] بعض کہتے ہیں کہ سمي الجمعة لانها من الجمع فان اهل الاسلام يجتمعون في كل اسبوع مرة کہ جمعہ سے ماخوذ ہے اس کے معنی اکٹھا ہونے کے ہیں کہ ہر ہفتہ ایک مرتبہ مسلمان اس دن میں جمع ہوتے ہیں۔ [۳] بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ کا نام جمعہ کعب بن لوی نے رکھا۔ [۴]

۱۹۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ رضي الله عنه قَالَ حَدَّثَنَا غَيْلَانُ وَاَيُّوْبُ بْنُ عَائِذٍ الطَّائِيّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَرْبَعَةٌ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمُ الْمَرْاَةُ وَالْمَمْلُوْكُ، وَالْمُسَافِرُ، وَالْمَرِيْضُ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ ؒ فَاِنْ فَعَلُوْا اَجْزَاَهُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ﴾

"حضرت محمد بن کعب قرظی ؒ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا چار (افراد) پر جمعہ (فرض) نہیں ہے ① عورت ② غلام ③ مسافر ④ بیمار، امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا اگر یہ لوگ پڑھ لیں تو جمعہ ہو جائے گا، امام محمد ؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔"

لغات: لَاجُمُعَةَ: اَلْجُمْعَةِ وَالْجُمُعَةِ: ہفتہ کا ساتواں دن (جمع) جُمَعٌ وَجُمُعَاتٌ۔
اَلْمَمْلُوْكُ: مَلَكَ (ض) مَلْكًا وَمِلْكًا وَمُلْكًا وَمَلَكَةً وَمُمْلَكَةً وَمَمْلِكَةً وَمَمْلُكَةً اَلشَّیْءَ مالک ہونا۔ مَمْلُوْک مفعول ہے۔ بمعنی غلام (جمع) مَمَالِیْک۔

تشریح

مسئلہ کی وضاحت سے پہلے جمعہ کی شرطوں کا جاننا ضروری ہے جن سے مذکورہ مسئلہ واضح ہوجائے گا کہ احناف کے نزدیک جمعہ کے لئے بارہ شرطیں ہیں چھ وجوب کے لئے اور چھ صحت کے لئے۔

وجوب کی چھ شرطیں یہ ہیں:

① آزاد ہونا ② مرد ہونا ③ پاؤں اور آنکھوں کا سالم ہونا ④ مقیم ہونا ⑤ تندرست ہونا ⑥ بالغ ہونا۔

صحت کے لئے چھ شرطیں یہ ہیں۔

① بادشاہ یا اس کا نائب ہونا ② خطبہ کا ہونا ③ شہر ④ اذن عام کا ہونا ⑤ جماعت کا ہونا ⑥ وقت کا ہونا۔

فارسی کے شاعر نے اپنے اس شعر میں تمام شرطیں جمع کردی ہیں ؎

شرط وجوب عقل و اقامت بلوغ دان ۔۔۔ بے عذری است مردی و آزادی بعد ازاں
سلطان و وقت و خطبہ و جماعت ہم اذن و شہر ۔۔۔ پاوش پے ادا کن و مگزار رائیگاں

اسی کو عربی شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

حر، صحیح، بالبلوغ، مذکر ۔۔۔ مقیم و ذو عقل لشرط وجوبھا
ومصر وسلطان ووقت و خطبة ۔۔۔ واذن کذا جمع لشرط ادائھا

عورت: جیسے کہ وجوب شرط میں بیان ہوا کہ مرد ہو، تو اب عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے عن طارق بن شہاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة عبد مملوک، او امرأة، او مریض۔[۲]

غلام: اس میں دو مذہب ہے۔

پہلا مذہب: ائمہ اربعہ، جمہور فقہاء وغیرہ کے نزدیک غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

دوسرا مذہب: امام اوزاعیؒ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ وغیرہ کے نزدیک غلام پر واجب ہے۔

ان سب پر جمعہ لازم نہیں اگر یہ لوگ جمعہ پڑھ لیں تو بالاتفاق ہوجائے گا۔

حضرت غیلان کے مختصر حالات: غیلان بن اشعث المحاربی الکوفی ہیں۔ ان سے امام مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، وغیرہ

روایت نقل کرتے ہیں۔

اساتذہ: ان کے اساتذہ میں ابووائل شقیق بن سلمۃ"، ابو اسحاق السبیعی"، اسماعیل بن ابی خالد"، علقمۃ بن مرثد"، ایاس بن سلمۃ بن الاکوع"، لیث بن ابی سلیم"، قتادہ"، سماک بن حرب"، سلمان بن بردۃ"، ابی الزبیر المکی"، اور قیس بن وہب" وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: شعبۃ"، یعلی بن حارث"، سفیان ثوری"، شریک"، علی بن عاصم الواسطی" وغیرہ ہیں۔ ان کا شمار ثقات میں کیا جاتا ہے۔ ان سے امام مسلم"، ابوحافظ، علامہ شافی"، ابن ماجہ" نے اپنی روایت نقل کی ہے۔

وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی۔ مزید حالات کے لئے خلاصہ، تہذیب التہذیب دیکھئے۔

حضرت ایوب بن عائذ الطائی کے مختصر حالات: یہ ایوب بن عائذ بن مریم الطائی" ہیں۔ یہ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، کے راوی ہیں۔

اساتذہ: قیس بن مسلم"، بکیر بن الاخنس"، اور شعبی" وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: عبدالواحد بن زیاد"، سفیان ثوری"، سفیان بن عیینہ" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یحیی بن معین"، نسائی، ابوحاتم العجلی" وغیرہ سب نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری" فرماتے ہیں صدوق، اور اپنی صحیح میں امام بخاری" نے ان سے روایت بھی لی ہے۔ مزید حالات کے لئے مقدمہ فتح الباری، تہذیب التہذیب دیکھی جائے۔

حضرت محمد بن کعب القرظی کے مختصر حالات: محمد بن کعب القرظی المدنی ثم کوفی تابعی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب ۲۳۸/۲ میں ذکر کیا ہے ولد فی حیاۃ النبی ﷺ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، ابی ذر رضی اللہ عنہ، اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: حکم بن عتیبہ"۔ یزید بن ابی زیاد"، ابن عجلان"، موسیٰ بن عبیدۃ"، محمد بن المنکدر"، عاصم بن کلیب"، ایوب بن موسیٰ"، وغیرہ ہیں۔

ابن سعد" ان کے بارے میں فرماتے ہیں کان ثقۃ ورعا کثیر الحدیث۔ ابن عون" نے کہا ما رایت احدا اعلم بتاویل القرآن من القرظی ابن حبان" کہتے ہیں کان من افاضل اھل المدینۃ علما و فقھا

وفات: ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ انتقال اس طرح ہوا کہ وعظ فرما رہے تھے چھت گر گئی اس میں اشکال ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال تھی۔

---

(۱) تفسیر مظہری (۲) طیبی شرح مشکوٰۃ (۳) تفسیر ابن کثیر

(۴) معارف السنن ۳۰۲/۴، ۳۰۳، ۳۰۴ اس کی بحث باب الفصل یوم الجمعۃ والعیدین میں بیان ہو چکی ہے۔

(۵) بیہقی، دار قطنی۔

۲۰۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَهٗ عَنِ الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ اَمَا تَقْرَأُ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ بَلٰى، وَلٰكِنِّيْ لَا اَدْرِيْ كَيْفَ هِيَ؟ قَالَ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا فَالْخُطْبَةُ قَائِمًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ! وَبِهٖ نَأْخُذُ اِلَّا اَنَّهَا خُطْبَتَانِ بَيْنَهُمَا جَلْسَةٌ خَفِيْفَةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جمعہ کے خطبہ کے بارے میں پوچھا (کہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے گا یا بیٹھ کر) تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورۂ جمعہ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا کیوں نہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ خطبہ کیسے پڑھا جائے گا؟ فرمایا "وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا" (جب بعض لوگوں نے تجارت یا تماشہ کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھر گئے اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا) جمعہ کا خطبہ کھڑا ہو کر دیا جائے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں البتہ دو خطبے ہوں گے اور دونوں کے درمیان مختصر سا جلسہ ہوگا یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اَلْخُطْبَة: تقریر۔ گفتگو۔ خُطْبَةُ الْكِتَابِ کتاب کا دیباچہ۔

خَطَبَ: (ن) خُطْبَةً وَخَطْبًا وَخِطَابَةً وعظ کہنا۔ تقریر کرنا، لیکچر دینا۔ حاضرین کے سامنے خطبہ پڑھنا۔

تِجَارَةً: (مصدر) تَجَرَ (ن) تَجْرًا وَتِجَارَةً وَتَاجَرَ وَاَتْجَرَ وَاِتَّجَرَ سوداگری کرنا۔

جَلْسَةٌ: اَلْجَلْسَةُ۔ اَلْجُلُوْس کا اسم مَرَّة ہے ایک بیٹھک۔ باب ضرب سے۔

تشریح

فَالْخُطْبَةُ قَائِمًا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھے۔ صحت اداء جمعہ کی ایک شرط خطبہ بھی ہے۔ آپ نے کبھی بھی جمعہ کی نماز بغیر خطبہ کے نہیں پڑھائی۔ اگر خطبہ ضروری نہ ہوتا تو آپ ایک آدھ مرتبہ خطبہ کو چھوڑ دیتے۔ اور یہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے گا۔ اس میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام شافعیؒ اور ایک روایت امام احمدؒ کی ہے دونوں خطبوں کو کھڑے ہو کر پڑھنا شرط ہے۔
دوسرا مذہب: امام مالکؒ ایک روایت امام شافعیؒ کی کہ قدرت رکھنے والے کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ دینا واجب ہوگا۔

جمہور فقہاء کا استدلال

قرآن کی اس آیت: فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ سے ہے۔ ذکر سے مراد خطبہ ہے۔
تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، ایک روایت امام احمدؒ کہ خطبہ میں قیام سُنّت ہے۔[1]

استدلال احناف

علامہ بدرالدین عینیؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے عن ابی سعید الخدری، ان النبی ﷺ جلس ذات یوم علی المنبر وجلسنا حولہ، کہ آپ ﷺ ایک دن منبر پر بیٹھے اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھے۔[2]
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ (جب وہ بڑھاپے کی حالت میں پہنچ گئے تھے) بیٹھ کر خطبہ پڑھ دیتے تھے صحابہ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، اسی طرح کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نقل کی جاتی ہے۔[3]

قولہ، خُطْبَتَانِ: دو خطبے ہوں۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ من شرائط الجمعۃ الخطبۃ لان النبی ﷺ ماصلی الجمعۃ بدون الخطبۃ فی عمرہ کہ جمعہ کے شرائط میں سے خطبہ بھی ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی جمعہ کی نماز بغیر خطبہ کے نہیں پڑھی۔ پھر اس میں دو مذہب ہیں۔
پہلا مذہب امام شافعیؒ کا ہے کہ دونوں ہی خطبے واجب ہیں۔
دوسرا مذہب امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ جمہور فقہاء کا ہے کہ پہلا خطبہ واجب ہے اور دوسرا خطبہ بطور تکمیل کے ہے۔ کیوں کہ نصیحت وغیرہ تو ایک ہی خطبہ سے ہو جاتی ہے۔

امام شافعی کا استدلال

صلوا کمارایتمونی اصلی- ایسی نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو تو آپ نے دو ہی خطبے دیئے تھے۔ خُطْبَتَانِ
بَيْنَهُمَا جَلْسَةٌ خَفِيفَةٌ- دو خطبے ہوں گے اور دونوں کے درمیان مختصر سا جلسہ بھی ہوگا۔ اس میں دو مذہب ہیں۔
امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام احمدؒ کی ایک روایت، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ ابوثورؒ ابن المنذرؒ وغیرہ اور جمہور

فقہاء فرماتے ہیں کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سُنّت ہے کیوں کہ جب خطبہ سُنّت ہے تو درمیان میں بیٹھنا بھی سنت ہی ہوا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ فرض ہے اسی لئے درمیان میں جلسہ کرنا بھی فرض ہوا۔ (۴)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی فرضیت کے قائل امام شافعیؒ ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔(۵)

---

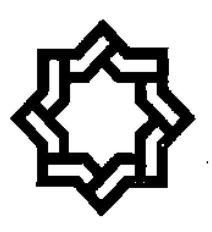
(۱) بدائع الصنائع، عمدۃ القاری، فتح الملہم ۲/ ۴۰۲، بذل المجہود ۲/ ۱۸۱۔

(۲) اوجزالمسالک ۱/ ۳۴۰

(۳) اوجزالمسالک ۱/ ۳۳۹

(۴) عمدۃ القاری ۳/ ۳۰۹، فتح الملہم ۲/ ۴۰۳، بذل المجہود ۲/ ۸۱

(۵) قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ کی بھی ایک روایت فرضیت کی نقل کی ہے جس کو علماء مالکیہ نے شاذ کہا ہے۔



باب صلاۃ العیدین

عیدین کی نماز کا بیان

عیدین۔ عید کی تثنیہ ہے عاد یعود سے ماخوذ ہے۔ یہ اصل میں عود تھا، واؤ کے سکون اور ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے واو کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا اس کی جمع قانون کے اعتبار سے اعواد آتی ہے، مگر "عود" بمعنی لکڑی جب اس کی جمع اعواد آتی ہے تو فرق کرنے کے لئے اس کی جمع اعیاد آتی ہے۔

عید کو عید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہے لوٹنا، تو یہ بھی ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔ یا اس کا معنی عود ہے (بمعنی خوشبودار لکڑی) سے ماخوذ ہے کہ اس دن بھی عود لکڑی عرب میں کثرت سے جلائی جاتی تھی۔ یہ ایک دعا ہے کہ خدا کرے کہ یہ دن تمہاری زندگی میں بار بار آئے یا تکبیرات کا اس دن میں بار بار اعادہ ہوتا ہے۔

مشروعیت: اس کی مشروعیت بعض کے نزدیک ۲ھ میں ہوئی [1] اور بعض کے نزدیک ۱ھ میں ہوئی ہے۔ [2]

۲۰۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ" قَالَ سَاَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الرَّجُلِ يَخْرُجُ اِلَى الْمُصَلّٰى فَيَجِدُ الْاِمَامَ قَدْ اِنْصَرَفَ اَيُصَلِّيْ؟ قَالَ لَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُصَلِّيَ وَاِنْ شَاءَ صَلّٰى قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ يَخْرُجْ اِلَى الْمُصَلّٰى اَيُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِهٖ كَمَا يُصَلِّي الْاِمَامُ؟ قَالَ لَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اِنَّمَا صَلٰوةُ الْعِيْدِ مَعَ الْاِمَامِ فَاِذَا فَاتَتْكَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَا صَلٰوةَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حمادؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابراہیمؒ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو عید گاہ جائے اور امام کو سلام پھیرتا ہوا پائے کیا اب وہ نماز پڑھے گا؟ فرمایا اس پر نماز پڑھنا لازم نہیں اگر چاہے تو پڑھ لے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ عید گاہ نہ جائے تو کیا گھر میں امام کی طرح نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں عید کی نماز امام کے ساتھ ہی ہوتی ہے لہٰذا اگر امام کے ساتھ نہ ملے تو اب نماز عید نہ پڑھے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: سَاَلْتُ: سَاَلَ (ف) سُؤَالًا وَسَاَلَةً وَمَسْاَلَةً وَتَسْاَلًا۔: مانگنا۔ درخواست کرنا۔ سَاَلْتُ واحد متکلم فعل

ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مہموز العین ہے)

اَلْمُصَلّٰی: عید گاہ۔

فَیَجِدُ: (ض) وَجْدًا و وُجْدًا و وِجْدَۃً و وُجُوْدًا و وِجْدَانًا المطلوب پانا۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)

بَیْتِہٖ: البیت (جمع) بُیُوْتٌ وَ اَبْیَاتٌ (جمع الجمع) بُیُوْتَاتٌ وَ اَبَابِیْتَ اور بقول بعض بیوتات اور ابابیت اشراف کے لئے مختص ہیں۔ تصغیر بُیَیْتٌ گھر، مکان، شرافت بیت الرجل اہل عیال۔

تشریح

فَاِذَا فَاتَتْکَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَا صَلٰوۃَ اگر امام کے ساتھ نماز نہ ملے تو اب نماز عید نہ پڑھے۔ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے متعدد اقوال ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر کسی کی عید کی نماز فوت ہوجائے تو اس کی قضا نہیں [۳] امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے قصدًا بغیر عذر کے نہیں پڑھی تو اب قضاء نہیں اگر کوئی عذر تھا تو اب قضاء کرلے۔

اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے چار قول ہیں۔

❶ جس پر لازمی نہیں تھی مثلاً بچہ، غلام، مسافر، عورت وغیرہ اور یہ لوگ اگر تنہا تنہا نماز پڑھ لیں تو یہ ان کے نزدیک مستحب ہے۔ یہ قول راجح ہے۔

❷ تنہا نہ پڑھیں بلکہ ان کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔

❸ تنہا اور جماعت دونوں طرح پڑھنا مکروہ ہے۔

❹ اگر عذر کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو تو اب جماعت کے ساتھ پڑھیں اور اگر بلا عذر فوت ہوئی ہو تو اب تنہا تنہا پڑھیں۔

امام شافعی کے نزدیک ان لوگوں کو امام نماز کی قضاء کروائے اگرچہ یہ وہ لوگ ہی کیوں نہ ہوں جن پر نماز لازمی نہیں ہوتی جیسے منفرد، غلام، عورت، مسافر وغیرہ۔

امام احمدؒ کے نزدیک نماز کی قضاء کی جائے گی۔ ایک روایت یہ ہے کہ پھر امام کو اختیار ہے کہ چار رکعات پڑھائے۔ یا دو رکعت، دوسری روایت میں یہ ہے کہ چار ہی رکعت پڑھائی جائے گی۔ [۴]

---

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شرح احیاء، انوار ساطعہ۔ (۲) بحر الرائق، در مختار۔

(۳) ملکی قول امام مالکؒ کا ابن رشدؒ نے نقل کیا ہے۔

(۴) فتویٰ طرفین کے قول پر ہے کیوں کہ عید کی نماز کے لئے چند شرائط بھی ہیں جو ابتداء میں بیان کی جاچکی ہیں جو تنہا آدمی پوری نہیں کرسکتا اس لئے اس کی قضاء نہیں ہوگی اگرچہ اس نے جان کر ہی نماز فوت کیوں نہ کی ہو؟

۲۰۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ" عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ قَاعِدًا فِيْ مَسْجِدِ الْكُوْفَةِ وَمَعَهٗ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَّانِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاَبُوْمُوْسٰى الْاَشْعَرِيِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمُ الْوَلِيْدُ بْنُ عُقْبَةَ ابْنُ اَبِيْ مُعِيْطٍ وَهُوَ اَمِيْرُ الْكُوْفَةِ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ اِنَّ غَدًا عِيْدُكُمْ فَكَيْفَ اَصْنَعُ؟ فَقَالَا: اَخْبِرْهُ يَا اَبَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَاَمَرَهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنْ يُصَلِّيَ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ وَاَنْ يُكَبِّرَ فِي الْاُوْلٰى خَمْسًا وَفِي الثَّانِيَةِ اَرْبَعًا، وَاَنْ يُوَالِيَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ، وَاَنْ يَخْطُبَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَاْخُذُ وَلَا بَاْسَ اَنْ يَّخْطُبَهَا قَائِمًا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے کہ ولید بن عقبۃ بن ابی معیط جو ان دنوں امیر کوفہ تھے وہ آگئے اور کہا کل آپ لوگوں کی عید کا دن ہے میں کیسے کروں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوعبدالرحمٰن (یہ حضرت عبداللہ کی کنیت ہے) ان کو بتلا دیجئے کہ کیسے کریں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں پانچ تکبیرات اور دوسری میں چار تکبیرات کہیں۔ دونوں قراءت پے در پے کریں اور نماز کے بعد سواری پر خطبہ دیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر کھڑے ہو کر سواری پر سوار ہوئے بغیر خطبہ دیا جائے، تب بھی کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔"

لغات: قَاعِدًا: اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ قَعَدَ (ن) قُعُوْدًا و مَقْعَدًا کھڑے سے بیٹھنا (— قُعُوْدًا) کھڑے ہونا۔ قَعَدَ بِهٖ بٹھانا۔ قَعَدَ عَنْ حَاجَتِهٖ پیچھے رہنا۔

مَسْجِدِ الْكُوْفَةِ: کوفہ کی مسجد۔ اَلْمَسْجِدُ وَالْمَسْجَدُ سجدہ گاہ عبادت گاہ (جمع) مساجد۔

فَخَرَجَ: خَرَجَ (ن) خُرُوْجًا و مَخْرَجًا من موضعه: نکلنا — فِي الْعِلْمِ فائق ہونا۔ — بِهٖ: نکالنا — عَلَيْهِ

جنگ کے لئے نکلنا۔

عِیْدُکُمْ: اَلْعِیْد عید۔ ہروہ دن جس میں کسی صاحب فضل یا کسی بڑے واقعہ کی یاد مناتے ہوں۔ کہا گیا ہے کہ اس کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر سال لوٹ کر وہ دن آتا ہے۔ اور اصل اس کی عود ہے اور اس کی جمع قاعدہ کے مطابق اعواد ہونی چاہیے تھی۔ مگر عود بمعنی لکڑی کی جمع سے فرق کے لئے اس کی جمع اعیاد آتی ہے۔ العید باب بار آنے والی بیماری یا غم وغیرہ۔

تشریح

عیدین کی نماز میں کتنی زائد تکبیرات ہیں؟

اس میں آٹھ مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ اور امام سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک تکبیرات عیدین چھ ہیں یعنی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے تین اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ و احمدؒ اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ، عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کے نزدیک چھ پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں اور یہ تکبیرات قراءت سے پہلے ہوں گی۔

تیسرا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک بارہ تکبیریں زائد ہوں گی۔ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ، ان کے نزدیک بھی یہ تکبیرات قراءت سے پہلے ہوں گی۔

ائمہ ثلاثہ میں صرف معمولی سا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ و احمدؒ کہتے ہیں کے ایک تکبیر، تکبیر تحریمہ کی تھی اور امام شافعیؒ ایک تکبیر تحریمہ کی مستقل مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک ایک زائد ہوگی۔ اس طرح ان حضرات کے درمیان صرف ایک تکبیر کا اختلاف ہوگا اس لئے ہم دلائل میں صرف دو مذہب شمار کریں گے ایک ائمہ ثلاثہ کا دوسرا احناف کا۔

چوتھا مذہب: حضرت انسؓ مغیرہ بن شعبہؓ، ابن عباسؓ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کا ہے ان کے نزدیک دونوں رکعتوں میں سات سات تکبیریں زائد ہیں۔

پانچواں مذہب: صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک ایک روایت کے مطابق پہلی میں چھ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں زائد ہوں گی۔

چھٹا مذہب: ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، مسروقؒ، اسودؒ،

شعبیؒ، ابوقلابہؒ وغیرہ کے نزدیک دونوں رکعات میں چار چار تکبیرات زائد ہے۔

ساتواں مذہب: حضرت علیؓ وغیرہ کے نزدیک عید الفطر کی پہلی رکعت میں چھ اور دوسری رکعت میں پانچ (یہ کل گیارہ ہوئیں) اور عید الاضحیٰ میں پہلی رکعت میں تین اور دوسری رکعت میں دو (یہ کل پانچ ہوئیں)۔

آٹھواں مذہب: یحییٰ بن یعمر کے نزدیک عید الفطر میں گیارہ اور عید الاضحیٰ میں نو زائد ہوں گی۔[1]

دلائل ائمہ ثلاثہ

❶ عن كثير بن عبد الله بن عمر بن عوف عن ابيه عن جده ؓ ان النبی ﷺ كبر فی العيدين فی الاولى سبعا قبل القراءة وفی الثانية خمسا قبل القراءة۔[2] نبی اکرم ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں قراءت سے پہلے اور دوسری میں پانچ تکبیریں قراءت سے پہلے کہیں۔

❷ عن عبد الله ؓ بن عمرو بن العاص ؓ قال قال النبی ﷺ التكبير فی الفطر سبع فی الاولٰى وخمس فی الاخرة والقراءة بعدهما كلتيهما۔[3]

❸ عن عائشة رضی الله تعالٰى عنها ان رسول الله ﷺ كان يكبر فی الفطر والاضحى فی الاولٰى سبع تكبيرات وفی الثانية خمسا۔

دلائل احناف

❶ عن ابی عبد الرحمٰن قاسم قال حدثنی بعض اصحاب رسول الله ﷺ قال صلى بنا النبی ﷺ يوم عيد فكبر اربعا اربعا ثم اقبل علينا بوجهه حين انصرف فقال لا تنسوا كتكبير الجنازة واشار باصبعه وقبض ابهامه۔[4]

ابوعبدالرحمٰن قاسمؒ کہتے ہیں کہ مجھے بعض صحابہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی تو چار چار تکبیریں کہیں، نماز سے فارغ ہو کر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بھول نہ جانا عید کی تکبیریں جنازہ (کی نماز) کی طرح چار ہیں ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند کر لیا۔

❷ عن مكحول قال حدثنی رسول حذيفة وابی موسٰى رضی الله تعالٰى عنهما ان رسول الله ﷺ كان يكبر فی العيدين اربعا اربعا سوى تكبير الافتتاح۔[5]

مکحولؒ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قاصد نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے سوائے تکبیر تحریمہ کے۔

جوابات

ائمہ ثلاثہ کی پہلی روایت جس کے بارے میں امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے حدیث حسن وھو احسن شیءروی فی ھذا الباب کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس باب میں جتنی بھی روایات مروی ہیں ان میں سب سے اچھی ہے۔ مگر اس روایت میں کثیر بن عبداللہؒ ہے۔ جس کے بارے میں امام احمدؒ نے فرمایا کہ لایساوی شیئا اس کی حدیث کوئی چیز نہیں ہے۔ امام نسائیؒ اور دار قطنیؒ فرماتے ہیں متروک الحدیث امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں رکن من ارکان الکذب کہ جھوٹ کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔[۶] ابن حبان کا قول نصب الرایہ میں اس طرح ہے۔

روی عن ابیہ عن جدہ نسخۃ موضوعۃ لایحل ذکرھا فی الکتب ولا الروایۃ عنہ الا علی جھۃ التعجب۔[۷]
اس نے اپنے باپ دادا کی سند سے ایک موضوع اور منگھڑت نسخہ روایت کیا ہے جس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ اظہار تعجب کے طور پر ہو۔[۸]

ائمہ ثلاثہ کی نقل کردہ دوسری حدیث کے بارے میں ائمہ اسماء الرجال فرماتے ہیں کہ اس میں عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی ہے جس کے بارے میں علامہ نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بذاک القوی علامہ ابوحاتمؒ اور ابن عدیؒ کہتے ہیں واما سائر حدیثہ عن عمرو بن شعیب وھی مستقیمۃ فھو ممن یکتب حدیثہ قلت ثم خلطہ بمن بعد فوھم۔[۹]

تیسری روایت میں ابن لہیعہ ہے اس کی بھی علماء نے تضعیف کی ہے۔

جواب احناف

ائمہ ثلاثہ نے بھی احناف کی روایت پر رد اور اشکالات کئے ہیں۔ احناف اس کے علاوہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس مسئلہ پر اتفاق ہوگیا تھا جیسے کہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں قبض رسول اللہ ﷺ والناس مختلفون فی التکبیر علی الجنائز فکانوا علی ذلک (الاختلاف) حتی قبض ابوبکرؓ فلما ولی عمرؓ ورأی اختلاف الناس فی ذلک شق ذلک علیہ جدا فارسل الی رجال عن اصحاب رسول اللہ ﷺ فقال انکم معاشر اصحاب رسول اللہ متی تختلفون علی الناس یختلفون من بعدکم ومتی تجتمعون علی امر یجتمع الناس علیہ فانظروا امرا تجتمعون علیہ فکانما ایقظھم فقالوا نعم ما رایت یا امیر المؤمنین فاشر علینا فقال عمرؓ بل اشیروا انتم علی فانما انا بشر مثلکم فتراجعوا الامر بینھم فاجمعوا امرھم علی ان یجعلوا التکبیر علی الجنائز مثل التکبیر فی الاضحی والفطر اربع تکبیرات فاجمع امرھم علی ذلک۔[۱۰]
یہ عبارت بتارہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہوگیا کہ عیدین میں چار چار تکبیریں ہوں گی

احناف عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ تکبیرات نمازوں سے زائد چیزیں ہیں اور جو چیز عام معمول سے زائد ہو تو اس میں اقل ماثبت پر عمل کرنا چاہئے جیسے کہ احناف نے اقل والی روایت کو لیا ہے۔

علامہ ابن رشدؒ مالکی نے بڑے انصاف کی بات فرمائی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تکبیرات عید کی مقدار کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع صحیح ثابت نہیں ہے۔ جیسے کہ امام احمدؒ بھی فرماتے ہیں کہ لیس یروی عن النبی ﷺ فی التکبیر فی العیدین حدیث صحیح اور اس میں اختلاف افضلیت کا ہے احناف کے نزدیک دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہو جائے گی۔[11]

---

(۱) نیل الاوطار۔

(۲) ترمذی۔

(۳) ابوداؤد ۱/ ۱۶۳۔

(۴) طحاوی ۲/ ۴۰۰

(۵) طحاوی ۲/ ۴۰۰۔

(۶) تہذیب التہذیب ۸/ ۴۲۲۔

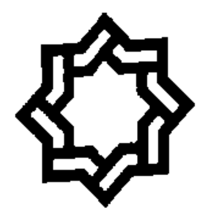
(۷) تہذیب التہذیب ۸/ ۴۲۲۔

(۸) نصب الرایۃ ۲/ ۲۱۷۔

(۹) میزان الاعتدال ۲/ ۴۵۲۔

(۱۰) طحاوی ۱/ ۲۳۹ (باب التکبیر علی الجنائز کم ھو)۔

(۱۱) فتح القدیر باب صلوٰۃ العیدین فی الفروع قبیل تکبیر التشریق ۱/ ۴۲۸۔



۲۰۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ: كَانَتِ الصَّلٰوةُ فِي الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَقِفُ الْاِمَامُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَيَدْعُوْا وَيُصَلِّيْ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ہوتی ہے پھر نماز کے بعد امام سواری پر سوار ہو کر کھڑے ہو کر دعا کرے اور نماز عیدین بغیر اذان واقامت کے ہوتی ہے۔"

لغات: يَقِفُ: (ض) وَقْفًا وَوُقُوْفًا۔ ٹھہرنا۔ چپ چاپ کھڑا ہونا ــــ فی المسألة شک کرنا۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)

رَاحِلَة: من الابل سواری کے لائق اونٹ، سفر و بار برداری کے لئے مضبوط اونٹ و اونٹنی (تا مبالغہ کے لئے ہے) (جمع) رَوَاحِل۔

فَيَدْعُوْا: دَعَا (ن) دُعَاءً وَدَعْوٰى ہ پکارنا غبت کرنا۔ مدد طلب کرنا۔ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)

اَذَان: اَذَّنَهٗ (ن) اَذْنًا وَاَذَّنَ تاذینًا بالصلٰوۃ اذان دینا۔

تشریح

كَانَتِ الصَّلَاةُ فِي الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ہوتی ہے۔ عیدین کا خطبہ نماز سے پہلے ہوگا یا بعد میں اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت سفیان ثوریؒ، اور اوزاعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابوثورؒ، جمہور علماء کے نزدیک عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہوگا اور اگر کسی نے نماز سے پہلے پڑھا تو یہ مکروہ ہے۔ (۱)

دوسرا مذہب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مروان رضی اللہ عنہ، زیاد رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نزدیک خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے گا۔ (۲)

پہلے مذہب والوں کے دلائل

❶ روایت ابن عمر کان النبی ﷺ ثم ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ یصلون العید قبل الخطبة۔ (۳)

❷ روایت جابر بن عبد اللّٰہ قام النبی ﷺ یوم الفطر فبدأ بالصلوٰۃ قبل الخطبۃ۔ (۴)

❸ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قال شھدت العید مع النبی ﷺ وابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ، فکلھم کانوا یصلون العید قبل الخطبۃ۔ (۵)

❹ روایت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یخرج یوم الاضحی ویوم الفطر فیبدا بالصلوٰۃ فاذا صلی صلوتہ اقبل علی الناس۔ (۶)

ویصلی بغیر اذان ولا اقامۃ نماز پڑھائے گا بغیر اذان اور اقامت کے۔ اس میں بھی دو مسلک ہیں۔

پہلا مسلک: جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین، ائمہ اربعہ کے نزدیک بغیر اذان اور اقامت کے عید کی نماز ہوگی۔

دوسرا مسلک: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ہشام رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان سب کی ایک ایک روایت کے مطابق اذان ہوگی۔ (۷)

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں ولا نعلم فی ھذا خلافا ممن یعتد بخلافہ الا انہ روی عن ابن الزبیر انہ اذن واقام وقیل اول من اذن فی العید ابن زیاد وھذا دلیل علی انعقاد الاجماع قبلہ علی انہ لا یسن لھا اذان ولا اقامۃ الخ (۸) گویا کہ اجماع ہے کہ عید کی نماز بغیر اذان واقامت کے ہوگی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں اصطلاحی اذان اور اقامت تو نہیں ہوگی یعنی "اعلام بطریق مخصوص" مگر نفس اعلان تو ہو سکتا ہے جیسے کہ صلوٰۃ کسوف، استسقاء وغیرہ کے لئے ہوتا ہے۔ (۹)

---

(۱) مبسوط سرخسی۔

(۲) اوجز المسالک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اثر ہے مگر قاضی عیاضؒ نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے۔

(۳) بخاری، مسلم۔

(۴) نسائی۔

(۵) بخاری، مسلم۔

(۶) بخاری کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس کی بھی تخریج کی ہے۔

(۷) فتح الباری ۳۷۷/۲۔

(۸) المغنی ۲۳۵/۲۔

(۹) کوکب الدری ۲۰۶/۱۔



باب خروج النساء فی العیدین و رؤیۃ الھلال

عیدین میں عورتوں کے جانے اور چاند دیکھنے کا بیان

۲۰۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْكَرِيْمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ يُرَخَّصُ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوْجِ فِي الْعِيْدَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُعْجِبُنَا خُرُوْجُهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِلَّا الْعَجُوْزُ الْكَبِيْرَةُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا عیدین (یعنی) عیدالفطر اور عید الاضحی میں عورتوں کو (گھروں سے) نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ امام محمدؒ نے فرمایا عورتوں کا عیدین کے لئے جانا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا الایہ کہ بوڑھی عورتیں ہوں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: یُرَخَّصُ: باب تفعیل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ بمعنی ممانعت کے بعد اجازت دینا۔

اَلْخُرُوْج: باب نصر کا مصدر ہے۔ نکلنا۔

لَایُعْجِبُنَا: باب افعال سے واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف "نا" ضمیر متکلم ہے۔ "لا" نافیہ ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ ہم کو پسند نہیں ہے۔ یا ہم کو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

تشریح

عورتیں عید گاہ جاسکتی ہیں یا نہیں؟

اس میں چند مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، وغیرہ کے نزدیک عورتوں کو مطلقاً اجازت ہے۔

دوسرا مذہب: حضرت عروہ رضی اللہ عنہ، قاسمؒ، النخعیؒ، یحییٰ الانصاریؒ۔

تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابویوسفؒ، وغیرہ کے نزدیک جوان عورتیں عیدگاہ نہ جائیں بوڑھی عورتیں جاسکتی ہیں۔

چوتھا مذہب: امام شافعیؒ بوڑھی عورتوں کے بارے میں عیدگاہ جانے کو مستحب فرماتے ہیں۔ (۱)

جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء اپنے اس مسئلہ کے بارے میں کہ "جوان عورتیں نہیں جاسکتی بوڑھی عورتیں جاسکتی ہیں" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کو پیش فرماتے ہیں لو ادرک رسول اللہ ﷺ ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔ (۲)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز میں شرکت کی اجازت اسلام کے ابتداء میں تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ دشمنوں کو مسلمانوں کی کثرت دکھانا مقصود تھا۔ (۳)

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات جو امام طحاویؒ نے کہی اور دوسری بات یہ کہ وہاں امن کا دور تھا اب یہ دونوں باتیں ختم ہوچکی ہیں۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں واما العجائز فرخص لھن الخروج فی العیدین کہ بوڑھی عورتوں کو عیدین کی نماز کے لئے رخصت دی گئی ہے۔ مزید فرماتے ہیں ولا یباح للشواب منھن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ نھی الشواب عن الخروج ولان خروجھن الی الجماعۃ سبب الفتنۃ والفتنۃ حرام وما ادی الی الحرام فھو حرام۔ (۴) کہ جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جوان عورتوں کے نکلنے سے منع فرمایا ہے اور دوسری بات یہ کہ جوان عورتوں کا جماعت کے لئے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں اور جوان عورتیں سب کے لئے تمام نمازوں میں جانا منع ہے۔ (۵)

درالمختار میں ہے کہ آج کل فساد زمانہ کی بناء پر بوڑھی عورتوں کو بھی اجازت نہ دی جائے یہی بہتر ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔ (۶)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں نماز جمعہ بر طفل و بندہ و زن و مسافر و مریض واجب نیست..... نماز عید را شرائط وجوب ادا مثل نماز جمعہ است۔ (۷)

کہ جمعہ اور عید کی نماز بچہ، غلام، عورت، مسافر اور مریض پر واجب نہیں ہے۔ نیز عید کی نماز بلا جماعت تنہا پڑھنا

بھی درست نہیں ہے جماعت شرط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں۔ جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہ ہے فساد و فتنہ کے خوف کی وجہ سے۔ عہد رسالت میں ان کو نکلنے کی اجازت تھی حصول تعلیم کے لئے جواب باقی نہیں رہی۔ (۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوۃ لظھور الفساد کذا فی الکافی وھو المختار۔

کہ اس زمانہ میں فتویٰ اسی پر ہے کہ عورتوں کا نمازوں میں جانا مکروہ ہے۔ فساد کے ظہور کی وجہ سے۔ (۹)

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں ولا یحضرن الجماعات ..... قال المصنفؒ فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی الصلوات کلھا لظھور الفساد کہ عورتیں جماعت کی نماز میں حاضر نہ ہوں فساد کے ظہور کی وجہ سے کیونکہ اللہ نے فرمایا وقرن فی بیوتکن یعنی اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صلوتھا فی قعر بیتھا افضل..... وبیوتھن خیر لھن۔ (۱۰)

حضرت عبدالکریم بن ابی المخارقؒ کے مختصر حالات: یہ عبدالکریم بن ابی المخارق ابوامیہ البصری المعلم ہیں۔ (میزان الاعتدال ۲/۶۴۶)۔

یہ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، کے راوی ہیں اور امام بخاریؒ نے بھی تعلیقاً ان سے روایت کی ہے۔

اساتذہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک، عمرو بن سعید بن العاص، حسان بن بلال، عبداللہ بن الحارث بن نوفل، مجاہد، نافع و ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: عطاءؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابن جریجؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ، وغیرہ ہیں۔

ان کے بارے میں مقدمہ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ھو متروک عند ائمۃ الحدیث حالانکہ یہ بات کسی طور سے بھی صحیح نہیں۔ جب کہ ابوالولیدؒ کہتے ہیں کہ یہ بخاری کے رجال میں بہت ہی وقعت والے ہیں۔ امام بخاریؒ نے کتاب التہجد میں ان سے روایت لی ہے۔

اسی طرح علامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں بانہ من رجال البخاری اور جب کہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ نے ان سے روایت نقل کی ہے تو اب ان کے ثقہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

وفات: ۱۲۷ھ یا ۱۲۶ھ میں انتقال ہوا۔

مزید حالات کے لئے لسان المیزان اور میزان الاعتدال دیکھئے۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات: یہ نسیبہ بفتح نون بنت کعب، اُمّ عطیہ الانصاریہ ہیں جو جلیلہ القدر صحابیہ ہیں۔ یہ صحاح ستہ کی راوی ہیں۔

اساتذہ: یہ آپ ﷺ سے بھی روایت نقل کرتی ہیں اور کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کرتی ہیں۔

تلامذہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ، محمد رضی اللہ عنہ، حفصہ رضی اللہ عنہا اور عبدالملک بن عمیرؒ، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیہؒ، علی بن الاقمرؒ، ام شراحیلؒ، وغیرہ ہیں یہ غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں اور مریضوں کا علاج کرتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ مزید حالات کے لئے الجرح والتعدیل ۹/۴۶۵، الاستبصار ۳۵۵، الاستیعاب ۴/۱۹۴۸، اسدالغابۃ ۷/۲۸۰، تہذیب الکمال ۱۶۹۸، تہذیب التہذیب ۱۲/۴۵۵، خلاصہ تذہیب الکمال ۴۹۶، تاریخ الاسلام ۳/۱۰۱، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) معارف السنن ۴/۴۴۵، عمدۃ القاری ۳/۳۹۵، فتح الملہم ۲/۴۳۸۔

(۲) مؤطامالک ۱۸۴ (باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد) بخاری ۱/۱۲۰، مسلم ۱/۱۸۳۔

(۳) معانی الآثار۔

(۴) بدائع الصنائع ۱/۱۵۷۔

(۵) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۳/۶۷۔

(۶) فتاویٰ شامی ۱/۵۲۹۔

(۷) مالابدمنہ ۵۵۔

(۸) اشعۃ اللمعات ۲۳۳۔

(۹) فتاویٰ عالمگیری ۱/۵۶۔

(۱۰) البحر الرائق ۱/۳۵۷۔



۲۰۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ قَوْمٍ شَهِدُوْا اَنَّهُمْ رَاَوْاهِلَالَ شَوَّالٍ فَقَالَ حَمَّادٌ سَاَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: اِنْ جَاءُوْا صَدْرَ النَّهَارِ فَلْيُفْطِرُوْا وَلْيَخْرُجُوْا وَاِنْ جَاءُوْ آخِرَ النَّهَارِ فَلَايَخْرُجُوْا وَلَا يُفْطِرُوْا حَتّٰى الْغَدِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اِلَّا فِيْ خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ يُفْطِرُوْنَ وَيَخْرُجُوْنَ مِنَ الْغَدِ اِذَا جَاءُوْ مِنَ الْعَشِيِّ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے مروی ہے اس قوم کے بارے میں جنہوں نے شوال کا چاند دیکھنے کی گواہی دی ہو حمادؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے فرمایا اگر وہ لوگ دن کے ابتدائی حصہ میں آجائیں تو لوگوں کو روزہ افطار کر کے عید کی نماز کے لئے چلے جانا چاہئے۔ اور اگر وہ لوگ دن کے آخر میں آئیں تو دوسرے دن نماز کے لئے نکلیں گے اور افطار کریں گے امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں سوائے ایک بات کے اور وہ یہ کہ اگر چاند دیکھنے کی اطلاع شام کو دی تو اس دن تو افطار کر لیں گے اور نماز عید کیلئے دوسرے دن نکلیں گے یہی بات امام ابوحنیفہؒ نے فرمائی ہے"

لغات: قَوْم: لوگوں کی جماعت (جمع) اقوام و اَقَاوِم وَاَقَائِم وَاَقَاوِیْم۔ قَوْمُ الرَّجُلِ قریبی رشتہ دار جو ایک دادا میں شریک ہوں۔

شَهِدُوْا: شَهِدَ (س) شَهِدَ (ک) شَهَادَةً عند الحاكم لِفُلَانٍ اَوْعَلٰى فُلَانٍ گواہی دینا صفت (شاہد) (جمع) شُهَّدٌ و شُهُوْدٌ و اَشْهَادٌ۔

صَدْرُ النَّهَار: دن کا ابتدائی حصہ۔ "صدر" ہر چیز کا سامنے سے اوپر کا حِصَّہ سینہ۔ ہر چیز کا ابتدائی حِصَّہ۔ ہر چیز کا ایک ٹکڑا۔ تم کہتے ہو اَخَذْتُ صَدْرًا مِنْهُ میں نے اس میں سے ایک حصہ لے لیا۔ صَدْرُ الْقَوْم رئیس۔ الصدر الأعظم وزیر اعظم (جمع) صدور۔

فَلْيُفْطِرُوْا: فَطَرَ (ن ض) فَطْرًا و فِطْرًا و فُطُوْرًا الصائم روزہ دار کا افطار کرنا۔ فعل امر جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔

تشریح

فَقَالَ اِنْ جَاءُوْا صَدْرَ النَّهَارِ فَلْيُفْطِرُوْا وَلْيَخْرُجُوْا وَاِنْ جَاءُوْ آخِرَ النَّهَارِ فَلَايَخْرُجُوْا وَلَا يُفْطِرُوْا حَتّٰى الْغَدِ

فرمایا کہ وہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں آجائیں تو لوگوں کو روزہ افطار کر کے عید کی نماز کے لئے چلے جانا چاہئے۔ اور اگر لوگ دن کے آخر میں آئیں تو دوسرے دن نماز کے لئے نکلیں گے اور افطار کریں گے۔

اس میں مسئلہ یہ بیان ہو رہا ہے۔ کہ اگر عید الفطر کی اطلاع تیس رمضان کو زوال سے پہلے پہلے ملی تو اب عید الفطر کی نماز اسی دن زوال سے پہلے پہلے ادا کر لی جائے گی۔ کیوں کہ عید کی نماز کا وقت زوال تک ہی ہوتا ہے اس پر ابن رشدؒ (مالکی) نے فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ عید کی نماز کا وقت طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس تک رہتا ہے۔

علامہ شوکانیؒ کی عبارت یہ ہے ھی من بعد انبساط الشمس الی الزوال ولا اعرف فیه خلافا الخ۔

حَتّٰی الْغَدِ کہ عید الفطر کی نماز اگر کسی عذر کی بناء پر پہلے دن زوال سے پہلے ادا نہیں کی گئی تو اب دوسرے دن ادا کی جائے گی۔ جیسے کہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔ فشھدوا عند رسول اللہ ﷺ بعد زول الشمس انھم رأوا الھلال اللیلة الماضیة اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

عن ابی عمیر بن انس حدثنی عمومتی من الانصار من اصحاب رسول اللہ ﷺ قالوا اعمی علینا ھلال شوال فاصبحنا صیاما فجاء رکب من آخر النھار فشھدوا ان یخرجوا الی عیدھم من الغد۔ (۱)

یہ تو عید الفطر کے بارے میں ہے۔ اور اگر عید الاضحی کی نماز کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن رہ جائے تو اس کو دوسرے دن پڑھ لے اور اگر دوسرے دن بھی عذر ہو تو پھر تیسرے دن پڑھنے کی بھی اجازت ہے پہلے عید الفطر میں کہ اس میں دوسرے دن کی اجازت تھی عذر کی وجہ سے تیسرے دن کی اجازت نہیں ہے اگرچہ عذر ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

فان کان عذر یمنع من الصلوٰة فی یوم الاضحی صلاھا من الغد وبعد الغد ولا یصلیھا بعد ذلک لان الصلوٰة موقتة بوقت الاضحیة فقید بایامھا لکنه مسئی فی التاخیر من غیر عذر۔ (۲)

"اگر کوئی عذر ہو جو پہلے دن عید الاضحی کی نماز کے پڑھنے سے مانع ہو تو دوسرے دن یا تیسرے دن نماز پڑھ لے کیوں کہ یہ نماز قربانی کے ساتھ مقید ہے تو اس کا وقت بھی قربانی کے ایام کے ساتھ مقید ہو گا۔ لیکن بلا عذر تاخیر کرنے والا برا ہو گا۔"

دوسرے دن کی نماز پڑھی جائے گی وہ ادا ہو گی یا قضاء اس کے بارے میں فقہاء کے دونوں قول ملتے ہیں۔

(۱) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دار قطنی، طحاوی، مصنف ابن ابی شیبہ یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔
(۲) ہدایہ (باب العیدین)۔

باب من یطعم قبل ان یخرج الی المصلی

عید گاہ جانے سے پہلے کھانے کا بیان

۲۰۶

﴿مُحَمَّدٌ" قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ كَانَ يُعْجِبُهٗ اَنْ يَّطْعَمَ شَيْئًا قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَ الْمُصَلّٰى يَعْنِيْ يَوْمَ الْفِطْرِ﴾

"حضرت حمادؒ نے فرمایا کہ ابراہیمؒ کو یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھالیں۔"

لغات: يَطْعَمُ: طَعِمَ (س) طَعْمًا و طَعَامًا الطعام: کھانا (—— طَعْمًا) الغُصْنَ ایک درخت کی ٹہنی کا دوسرے درخت کی ٹہنی میں گھس جانا۔

قَبْلَ: پہلے، آگے۔اور یہ ظرف زمان ہے۔

يَوْمَ الْفِطْرِ: فطر و یوم الْفِطْرِ ماہ رمضان المبارک کے بعد عید۔

تشریح

كَانَ يُعْجِبُهٗ اَنْ يَّطْعَمَ قَبْلَ اَنْ يَّأْتِيَ الْمُصَلّٰى یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ (عید الفطر) میں عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھالیں۔

اس بارے میں جمہور کا مسلک یہی ہے کہ نماز سے پہلے کچھ کھالینا مسنون ہے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے۔

روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ لا یغدو یوم الفطر حتی یاکل تمرات۔[1] کہ آپ ﷺ عید کے دن جب تک چھوارے نہ کھالیتے عید گاہ کی طرف نہیں جاتے تھے۔

شامی میں ہے کہ طاق عدد کھاتے یہ مستحب ہے۔[2]

اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے:

❶ کہ بندے کا ہر عمل اللہ کی رضا، خوشنودی کے لئے ہوتا ہے ایک ماہ بندہ نے روزہ رکھا اب عید کے دن کھانے پینے

کی اجازت ملی تو اس نے صبح ہی سے کھانا شروع کر دیا تاکہ اللہ کا حکم افطار کا جو ہے وہ پورا ہو جائے۔

❷ یا دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے مساکین کو صدقۂ فطر دیا جاتا ہے تاکہ وہ کچھ کھا پی لیں تو جب یہ دوسرے کے کھلانے کے لئے سبب بن رہا ہے۔ تو یہ خود بھی اس پر عمل کر لے تو اچھا ہے۔

❸ تیسری وجہ مولانا بنوریؒ نے انور شاہ کشمیریؒ سے یہ نقل کی ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ روزہ رکھنا تو اس دن حرام کیا گیا تو فوراً کھا پی لے تاکہ روزے کی صورت بھی باقی نہ رہے۔[۳]

عبارت یہ ہے وھذا القدر من الامساک التشبہ ایضا بالصوم۔[۴] جیسے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ اربع لم یکن یدعھن النبی ﷺ صیام عاشوراء والعشراء (ای صیام عشر ذی الحجۃ)[۵] ذی الحجۃ کے دس روزے رکھتے تھے حالانکہ دسویں دن تو عید الاضحی ہوتی ہے۔ اس دن تو روزہ رکھنا حرام ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عید الاضحی کے دن نماز سے پہلے کچھ نہیں کھایا جاتا اس معمولی سے امساک کو بھی روزہ سے تعبیر کر دیا گیا۔ تو عید الفطر کے دن نماز سے پہلے کھانے کو فرمایا گیا تاکہ یہ بھی صورتاً روزہ میں شمار نہ ہو جائے اور شریعت نے جو اس دن روزہ کو حرام فرمایا ہے اس کے زمرے میں یہ صورتاً شمار نہ ہو جائے۔

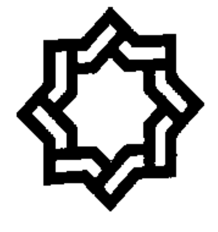
(۱) بخاری۔

(۲) شامی ۱/۷۷۶، کبیری ۵۲۴، البحر الرائق ۲/۱۵۸۔

(۳) معارف السنن ۴/۴۵۱۔

(۴) معارف السنن ۴/۴۵۱۔

(۵) نسائی ۱/۳۲۸۔



۲۰۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهُ كَانَ يَطْعَمُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ يَّخْرُجَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يَرْجِعَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ عیدالفطر میں نکلنے سے پہلے کچھ کھایا کرتے تھے اور عیدالاضحیٰ میں واپس آنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے۔"

لغات: یَوْمَ الْاَضْحٰی: قربانی کا دن۔

یَرْجِعُ: رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا و مَرْجَعًا و مَرْجَعَةً و رُجْعٰی و رُجْعَانًا واپس آنا۔ لوٹنا۔

تشریح

پہلا مسئلہ

اِنَّهُ كَانَ يَطْعَمُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ يَّخْرُجَ عیدالفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھالے (اس مسئلہ کی وضاحت اس سے پہلے اثر میں تفصیل سے آگئی ہے)۔

دوسرا مسئلہ

وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يَرْجِعَ اور عیدالاضحیٰ میں واپس آنے سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک یہی بات مسلم ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھائے جیسے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔ روایت بریدہ رضی اللہ عنہ میں ہے کان رسول اللہ ﷺ لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتی یرجع۔[1] مسند احمد میں ہے فیاکل من اضحیتہ (ترجمہ) کہ آپ ﷺ عیدالفطر کے دن کچھ کھالیا کرتے تھے اور عیدالاضحیٰ میں واپس آکر کھاتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ اپنی قربانی سے کھاتے تھے۔

مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ والاضحی لا یاکل فیہ حتی یرجع اذا کان لہ ذبح لان النبی ﷺ کان یاکل من ذبیحتہ واذا لم یکن لہ ذبح لم یبال ان یاکل۔[2]

مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں صحیح یہی ہے کہ جو قربانی کر رہا ہے یا نہیں کر رہا عیدالاضحیٰ کے دن عید کی نماز کے بعد

ہی کھائے۔[۳]

علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے کچھ کھالیا تو بلا کراہت کے جائز ہوگا، بعض نے کراہت کا قول بھی نقل کیاہے۔ مراد مکروہ تنزیہی ہے۔[۴]

عید الاضحی میں نماز کے بعد کھانے کی وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ کی طرف سے ضیافت ہے توسب سے پہلے قربانی کے گوشت کو کھائے تاکہ اللہ کی ضیافت میں شرکت ہوجائے۔

کبیری میں ہے۔ والمستحب یوم الاضحی تاخیر الاکل الی مابعد صلوٰۃ لمافی الترمذی کان علیہ السلام لایخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتی یصلی وقیل ھذا فی حق من یضحی لافی حق غیرہ والاول اصح والا اصح انہ یکرہ الاکل قبل الصلوٰۃ ھنا۔[۵]

---

(۱) ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان۔

(۲) معارف السنن ۴/۴۵۱۔

(۳) معارف السنن، ۴/۴۵۱۔

(۴) مجمع الانہر ۱/۱۷۵ عبارت یہ ہے ولا یکرہ الاکل قبلھا فی المختار ای تحریمًا۔

(۵) کبیری ۵۲۴۔



باب التکبیر فی ایام التشریق

ایام تشریق میں تکبیر کہنے کا بیان

عرفہ کے دن سے جو تکبیرات کہی جاتی ہیں اس کو تکبیرات ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ تشریق ذی الحجہ کے تین دن ۱۱-۱۲-۱۳ تاریخ کو کہتے ہیں ان کو تشریق اس لئے کہا جاتا ہے کہ تشریق کے معنی ہوتے ہیں گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دھوپ میں خشک کرنا چوں کہ ان دنوں میں عرب میں بھی قربانی کے گوشت کو دھوپ میں خشک کیا جاتا تھا اس لئے ان کو ایام تشریق کہتے ہیں۔

الفاظ تکبیرات ایام تشریق اس بارے میں علامہ عینیؒ نے بنایہ میں سات اقوال نقل کئے ہیں مگر صحیح ترین قول وہ ہے جس کو ہدایہ نے نقل کیا ہے یعنی اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد، کہتے ہیں کہ جب اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلہ میں جنّت سے حضرت جبرئیلؑ مینڈھا لائے تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر جب اسمٰعیل علیہ السلام کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد۔ (۱)

۲۰۸

﴿مُحَمَّدٌ﴾ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلِیِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ کَانَ یُکَبِّرُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ یَّوْمِ عَرْفَةَ اِلٰی صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَلَمْ یَکُنْ اَبُوْحَنِیْفَةَ یَاْخُذُ بِهٰذَا وَلٰکِنَّهٗ کَانَ یَاْخُذُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یُکَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ یَوْمَ عَرْفَةَ اِلٰی صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ یَوْمِ النَّحْرِ یُکَبِّرُ فِی الْعَصْرِ ثُمَّ یَقْطَعُ﴾

”حضرت ابراہیمؒ حضرت علی ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نوتاریخ کی فجر کی نماز سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھا کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کرتے

ہیں کہ نویں تاریخ کی فجر سے تکبیر شروع کرے گا اور قربانی کے دنوں کے آخری دن کی عصر تک تکبیر کہے گا پھر ختم کردے گا۔"

لغات: یُکَبِّرُ: باب تفعیل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ اس کے مصادر تکبیرًا وکِبّارًا آتے ہیں۔ اللہ اکبر کہنا ــــ الشیء بڑا بنانا۔

ایام التشریق: یہ مصدر ہے۔ عید الاضحیٰ کے بعد تین دن۔ اس لئے کہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت خشک کیا جاتا ہے۔ التشریق عید کی نماز، اس لئے کہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

تشریح

اَنَّہٗ کَانَ یُکَبِّرُ مِنْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ کہ تکبیر کہی جائے گی نویں تاریخ کی فجر سے لے کر ایام تشریق کی عصر کی نماز تک۔
اس عبارت میں تکبیرات تشریق کا بیان ہو رہا ہے۔ فقہاء میں اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ سُنّت ہے یا واجب۔

بعض کتب احناف میں[۲] اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک سُنّت ہے۔

دیگر کتب احناف میں[۳] اس کو واجب کہا گیا ہے۔ اس بارے میں علامہ ابن ھمامؒ نے فرمایا ان الاکثر علی الوجوب۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں الصحیح انہ واجب۔ من صلٰوۃ الفجر من یوم عرفۃ الی صلٰوۃ العصر من یوم النحر "تکبیر کہی جائے گی عرفہ کے فجر سے دسویں تاریخ کی عصر تک"۔ علامہ عینیؒ نے اس بارے میں تقریبًا دس اقوال نقل کئے ہیں۔ اختلاف فقہاء کی بنیاد صحابہ رضی اللہ عنہ کا آپس کا اختلاف ہے۔

❶ امام ابوحنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ، علقمہؒ، اسودؒ، حسن بصریؒ، ایک قول امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک تکبیرات کی ابتداء یوم عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے لے کر یوم نحر یعنی دسویں تاریخ کی عصر تک ہوگی۔ (آٹھ نمازوں میں)

❷ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، ابوثورؒ، اسحاقؒ وغیرہ کے نزدیک تکبیرات کی ابتداء عرفہ کی فجر سے لے کر ایام تشریق کی مغرب تک ہوگی۔ بعض احنافؒ فرماتے ہیں کہ یہ عبادت ہے اور عبادت میں احتیاط اسی میں ہے، کہ اکثر کو لیا جائے[۴]

❸ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک قول کے مطابق نویں کی فجر سے لے کر دسویں کی ظہر تک (یعنی سات نمازوں میں ہوگی)

❹ ایک ایک قول ابن عمر رضی اللہ عنہ، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا، عمر بن عبدالعزیزؒ یحییٰ انصاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، کا مشہور قول، ایک روایت امام ابویوسفؒ وغیرہ کے نزدیک دسویں تاریخ کی ظہر سے لے کر ایام تشریق کی نماز فجر تک (یعنی پندرہ نمازوں میں ہوگی)

❺ امام شافعیؒ کا ایک قول سفیان بن عیینہؒ کا ایک قول اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر محرم نہ ہو تو نویں کی فجر سے ۱۳ کی عصر تک (یعنی ۲۳ نمازوں میں تکبیر کہے) اور اگر محرم ہو تو دسویں کی ظہر سے ۱۳ کی عصر تک (سترہ نمازوں میں تکبیر کہے)

❻ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر عرفہ سے شروع کر کے آخر ایام تشریق کی عصر تک

❼ بعض علماء کے نزدیک یوم نحر کی ظہر سے ابتداء کرے یوم نفر کی ظہر تک۔

❽ امام شافعی کے چوتھے قول کے مطابق دسویں تاریخ کی مغرب سے لے کر آخر ایام تشریق کی نماز فجر تک (یعنی اٹھارہ نمازوں میں تکبیر کہی جائے)

❾ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ دسویں تاریخ کی مغرب سے لے کر آخر ایام تشریق کی عصر تک۔

❿ ابن بشر مالکیؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یوم نحر کی ظہر سے یوم رابع کی ظہر تک (یعنی سولہ نمازوں میں تکبیر کہی جائے)

یہ تکبیرات صاحبین کے نزدیک فرض کے تابع ہیں جو شخص بھی فرض پڑھے گا تو ان تکبیرات کا کہنا اس پر واجب ہوگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت مسافر ہو یا مقیم جماعت کے ساتھ نماز پڑھے یا منفرد۔(۵)

مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عمرؓ، سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ کا ایک قول اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے مقیم ہونا۔ جماعت کے ساتھ نماز کا ہونا۔ شہری ہونا یہ تین شرائط ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر منفرد اور دیہاتی پر یہ تکبیرات کہنا واجب نہیں ہوں گی۔

---

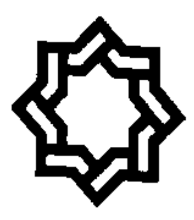
(۱) مبسوط، فتاویٰ قاضی خان۔

(۲) مبسوط اور علامہ ابن عابدینؒ وغیرہ۔

(۳) جامع صغیر، تمرتاشی، شرح بزدویؒ، قاضی خانؒ، وغیرہ، درمختار نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴) احناف کا فتویٰ بھی صاحبینؒ کے اس قول پر ہی ہے کذافی الدر المختار، خلاصہ، طحطاوی۔

(۵) یہاں پر بھی فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔



باب السجود فی "ص"

سورۃ "ص" کے سجدے کا بیان

۲۰۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَسْجُدُ فِيْ "ص" وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَسْجُدُ فِيْهَا۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنَّا نَرَى السُّجُوْدَ فِيْهَا وَنَاْخُذُ بِالْحَدِيْثِ الَّذِيْ رُوِيَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ﴾

"حضرت ابراہیمؒ سورت "ص" میں سجدہ نہیں کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۃ "ص" میں سجدہ نہیں کیا کرتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں لیکن ہم اس سورت میں سجدہ کے قائل ہیں اور اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جو آپ ﷺ سے مروی ہے۔"

لغات: يَسْجُدُ: سَجَدَ(ن)سُجُوْدًا: فروتنی سے جھکنا۔ عبادت کے لئے زمین میں پیشانی رکھنا۔

نَرىٰ: رَأىٰ يَرىٰ رَأْيًا وَرُؤْيَةً وَرَاءَةً وَرِئْيَانًا بصارت یا بصیرت سے دیکھنا۔ یَریٰ کی اصل یرأی ہے لیکن اصل استعمال نادر ہی ہوتا ہے۔ (ہفت اقسام میں ناقص یائی مہموز العین ہے)

الحدیث: (جمع) احادیث وحِدْثان وحُدْثان بمعنی "خبر" علم الحدیث نبی کریم ﷺ کے قول افعال احوال بتانے والا علم۔

تشریح

یہ باب مصنفؒ نے سجدہ تلاوت کے متعلق باندھا ہے۔ پہلی بات جو اس باب میں اہم ترین ہے وہ یہ کہ سجدہ تلاوت واجب ہے یا سُنّت؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحٰق بن راہویہؒ، داؤد ظاہریؒ وغیرہ کا ہے وہ حضرات فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سُنّت ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد وغیرہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ (۱)

جمہور علماء کا استدلال

❶ حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال قرأت علی النبی ﷺ فلم یسجد۔

❷ حدیث الاعرابی۔ ھل علی غیرھا قال لا الا ان تطوع۔

احناف کا استدلال

حدیث ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال قال النبی ﷺ اذا تلا ابن آدم آیۃ السجدۃ فسجد اعتز الشیطان یبکی امر ابن آدم بالسجود فسجد فلہ الجنۃ و امرت بالسجود فلم اسجد فلی النار دوسری بات یہ ہے کہ قرآن نے ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو سجدہ نہیں کرتے۔ مذمت ترک واجب پر ہوگی۔ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْہِمُ الْقُرْآنُ لَا یَسْجُدُوْنَ۔

جمہور کے دلائل کے جوابات

پہلی حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں فی الفور سجدہ نہ کرنے کی نفی ہے ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت کسی عذر کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا ہو بعد میں کر لیا ہو دوسری بات یہ ہے کہ بیان جواز کے لئے ہوگا کہ فوراً سجدہ کرنا ضروری نہیں بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

حدیث اعرابی کا جواب

فرائض کی نفی ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز فرض نہیں ہے احناف بھی سجدہ تلاوت کو فرض تو نہیں کہتے ہیں بلکہ واجب کہتے ہیں۔

یا اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں ان واجبات کا بیان آپ ﷺ نے کیا تھا جو ابتداء بندے کی طرف شریعت کی طرف سے واجب ہوں اور جو خود بندہ اسباب کے ذریعہ سے واجب کرلے اس کا بیان نہیں ہے۔ سجدۂ تلاوت تو بندہ آیت تلاوت کر کے خود اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔

علماء احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ تمام آیات پر غور کیا جائے تو وہ تین طرح کی ہیں:

❶ بعض میں تو صریحاً سجدہ کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً: فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا، وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

❷ دوسری وہ قسم ہے کہ جس میں سجدہ کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے مثلاً: اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا

سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔

۳ تیسری وہ قسم ہے کہ جس میں سجدہ نہ کرنے والوں کے مذمت کی گئی ہے مثلاً: فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُوْنَ۔

تو یہ تینوں باتیں یعنی صریح حکم کا ہونا، اور کافروں کی مخالفت اور پیغمبروں کی اتباع اور مستحق مذمت ہونا یہ باتیں وجوب کو ثابت کرنے والی ہیں۔

اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَسْجُدُ فِيْ "ص" سب سے پہلے یہاں یہ بحث ضروری ہے کہ قرآن میں سجدے کتنے ہیں تو اس بارے میں علامہ عینیؒ نے بارہ مذاہب نقل کئے ہیں۔

۱ احناف کے نزدیک چودہ ہیں۔

۲ ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، ابن جبیرؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کا قدیم قول ہے کہ قرآن میں گیارہ سجدے ہیں۔

۳ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اسحاق رضی اللہ عنہ، لیث بن سعدؒ، ابن المنذرؒ، ابن شریحؒ شافعی، ابن وہبؒ، ابن حبیب مالکیؒ، امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک پندرہ سجدے ہیں۔

۴ ابو ثورؒ وغیرہ کے نزدیک چودہ ہیں مگر سورت نجم میں نہیں۔

۵ امام احمدؒ کا ایک قول امام شافعیؒ کا صحیح قول یہ ہے کہ ان کے نزدیک سورت "ص" کے بجائے سورت "حج" کے دو سجدے ہیں۔

۶ مسروقؒ وغیرہ کے نزدیک بارہ ہیں ان کے نزدیک سورت "حج" سورت "ص" اور سورت "انشقاق" کا سجدہ نہیں ہے۔

۷ عطاء خراسانیؒ کے نزدیک تیرہ ہیں کہ دوسرا "حج" اور "انشقاق" کا سجدہ نہیں ہے۔

۸ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجود عزائم پانچ ہیں۔ ① اعراف ② بنی اسرائیل ③ نجم ④ انشقاق ⑤ اقراء۔

۹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار ہیں ① الم تنزیل ② حم تنزیل ③ نجم ④ اقراء۔

۱۰ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین ہیں ① الم تنزیل ② نجم ③ اقراء۔

۱۱ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار ہیں ① الم تنزیل ② حم تنزیل ③ اعراف ④ بنی اسرائیل۔

اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَسْجُدُ فِيْ "ص" بہت سے مذاہب سے واضح ہوا کہ امام شافعی اور احناف اس بارے میں تو متفق ہیں کہ قرآن میں سجدے چودہ ہیں مگر اس میں معمولی سا اختلاف ہے کہ احناف کہتے ہیں سورت "حج" میں ایک سجدہ؟

اور سورت "ص" میں بھی ایک سجدہ ہے مگر امام شافعی فرماتے ہیں کہ سورت "حج" دو سجدے ہیں اور سورت "ص" میں سجدہ نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل

حدیث ابن عباس " ص "لیس من عزائم السجود و قد رأیت النبی ﷺ یسجد فیھا۔ (۴)

احناف کے دلائل

سورت حج میں آیت سجدہ ہونے کی دلیل:

روایت خارجۃ بن مصعب عن ابی حمزۃ عن ابن عباس قال فی الحج سجدۃ۔

روایت سفیان عن عبدالکریم عن مجاھد قال السجدۃ التی فی آخر الحج انما ھی موعظہ ولیست سجدۃ۔ (۵)

سورت "ص" میں سجدہ کی دلیل:

روایت مجاھد قلت ابن عباس اسجد فی " ص "فقرأ و من ذریتہ داؤد و سلیمان حتی فی فھداھم اقتد فقال ابن عباس نبیکم صلی اللّٰہ علیہ وسلم فمن امر ان یقتدی بھم۔ (۶)

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے بارے میں انبیاء کرام کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا۔

امام فخرالرازیؒ نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرام کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے اندر یکجائی طور پر وہ اخلاق و خصائل حمیدہ موجود تھے جو دوسرے انبیاء میں متفرق طور پر تھے۔

روایت ابن عباسؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سجد فی " ص "فقال اسجدھا داؤد علیہ السلام توبۃ و نسجدھا شکرا۔ کہ آپ ﷺ نے بطور توبہ سجدہ کیا اور ہم بطور شکر کرتے ہیں۔

جواب

سورت حج میں دوسرے سجدہ کے بارے میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت میں ہے پہلا سجدہ صلوۃ ہے کیونکہ اس میں ساتھ میں رکوع کا بھی ذکر ہے۔ جیسے کہ قرآن میں دوسری جگہ پر آتا ہے۔

یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین۔ اس میں بھی سجدہ تلاوت مراد نہیں ہے۔ پہلا سجدہ نماز

کا ہے اسی لئے ابن عباس فرماتے ہیں: السجدة الثانيه فی الحج لتعلیم الصلوة۔

اور امام شافعیؒ جو سورت "ص" کے بارے میں ابن عباسؓ کی روایت پیش کی تھی کہ " ص" لیس من عزائم السجود اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں آگے آتا ہے وقد رایت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یسجد فیها فالعمل بفصل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اولی من العمل بقول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ (۷)

دوسرا جواب یہ ہے کہ روایت ابی سعید میں آتا ہے قال رایت رؤیا بتلاوت سورت " ص" فلما بلغت السجدة رایت الدواة والقلم وکل شئی بحضر فی القلب ساجدا قال فقصصها النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فلم یزل یسجد بها۔ (۸)

کہ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورت ص لکھ رہا ہوں جب میں سجدہ کی آیت پر پہنچا تو دوات وقلم اور ہر وہ چیز جو میرے پاس تھی سب کو سجدے میں پایا۔ جب میں نے یہ قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سورت "ص" کا سجدہ کرتے رہے۔

---

(۱) بذل المجہود ۲/ ۳۱۴، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۲۲، نووی ۱/ ۳۱۵ اوجز المسالک ۲/ ۳۰۷، عمدۃ القاری ۳/ ۵۰۵، زرقانی ۱/ ۳۷، بدائع الصنائع ۱/ ۱۸۰۔

(۲) بذل المجہود ۲/ ۳۱۴، عمدۃ القاری، اوجز المسالک ۲/ ۳۷۷، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۲۳۔

احناف کے نزدیک چودہ ہیں ① آخر اعراف ② رعد ③ نحل ④ بنی اسرائیل ⑤ مریم ⑥ سورۂ حج کا پہلا سجدہ۔

(۳) بخاری، ابوداؤد۔

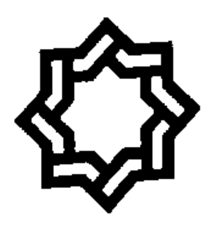
(۴) نسائی۔

(۵) تعلیق الصبیح ۲/ ۲۷۔

(۶) بخاری۔

(۷) عمدۃ القاری ۳/ ۵۰۸۔

(۸) امام احمدؒ فی مسندہ، حاکم فی مستدرک۔



۲۱۰

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّا الْهَمَدَانِیُّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ سَجْدَةِ ص سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَنَحْنُ نَسْجُدُهَا شُکْرًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سورۂ "ص" کے سجدے کے بارے میں فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ توبہ کے طور پر کیا تھا اور ہم اسے شکر کے طور پر کریں گے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: تَوْبَة: مصدر ہے تاب (ن) تَوْبًا و تَوْبَةً و تَابَةً و مَتَابًا و تَتْوِبَةً اِلَی اللّٰہ گناہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔ نادم و پشیمان ہونا۔ صفت (تائب) —— اللّٰہ علیہ بخش دینا اور دوبارہ مہربان ہونا۔ صفت (تواب) (ہفت اقسام میں اجوف ہے)

شُکْرًا: مصدر ہے۔ شَکَرَ (ن) شُکْرًا و شُکُوْرًا و شُکْرَانًا الرَّجُلَ وَلَهٗ (و باللام افصح) شکریہ ادا کرنا۔ شکر کرنا۔ بہتر سلوک پر تعریف کرنا۔ صفت (شاکر) جمع شَاکِرُوْنَ۔

تشریح

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورت ص میں سجدہ ہے اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ منفرد نہیں ہیں بلکہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ امام مالکؒ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابو یوسفؒ امام محمد بن حسن شیبانیؒ وغیرہ بھی ہیں۔(۱)

دوسری طرف امام شافعیؒ عامر شعبیؒ وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں امام طحاویؒ نے بروایت مرفوع نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ "ص" پر سجدہ فرمایا اور اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی اثر موجود ہیں کہ انہوں نے اس پر سجدہ کیا ہے۔(۲)

اور اثر بالا میں بھی یہ فرمایا جارہا ہے کہ سورۂ "ص" کے سجدہ میں اگرچہ داؤد علیہ السلام کی توبہ کا تذکرہ ہے مگر ہم اس پر شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کریں گے۔ جب نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمادیا تو اب اس جگہ پر بھی سجدہ کرنا ہوگا جیسے کہ احناف کا مذہب ہے۔

فائدہ

کونسی آیت پر سورۂ ”ص“ میں سجدہ کیا جائے گا۔
محققین کے نزدیک یہ سجدہ حُسْنِ مَآبٍ پر کیا جائے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں وفی ” ص“ عند حسن ماٰب وھو اولی من قول الزیلعی عند اناب۔[۳]
علم الفقہ میں ہے سورۂ ”ص“ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت...... وحسن ماب، اس آیت میں ”وحسن مآب“ کے لفظ پر سجدہ ہے بعض علماء نے جو ”اناب“ کے لفظ پر سجدہ کو فرمایا یہ قول محقق نہیں۔[۴]

سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ

عند ابی حنیفة ؒ ومالک ؒ فھی سجدة واحدة بین تکبیرتین تکبیر الھوی للسجود و تکبیر الرفع منه فلیس لھا تکبیر احرام ولا تشھد ولا سلام والتکبیر تان مسنونتان ویسبح فیھا کما یسبح فی الصلوة۔[۵]
سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ ہے ایک تکبیر تو سجدے کو جاتے ہوئے اور ایک تکبیر سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے کہی جاتی ہے اور سجدہ تلاوت کے لئے نہ تو تکبیر تحریمہ ہے اور نہ تشہد ہے اور نہ ہی سلام ہے......الخ۔

حضرت عمر بن ذر الہمدانیؒ کے مختصر حالات: یہ عمر بن ذر بن عبد اللہ المرہبی الکوفی ہیں۔ یہ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، کے راوی ہیں۔

اساتذہ: سعید بن جبیرؒ، اور اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔

تلامذہ: وکیعؒ، ابن مہدیؒ، ابونعیمؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے بارے میں علامہ عجلیؒ فرماتے ہیں کان ثقة بلیغا، قطانؒ، ابن معینؒ، نسائیؒ، دار قطنیؒ وغیرہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے، ابوحاتمؒ نے کہا صدوق۔

وفات: ان کا انتقال ۱۵۳ھ میں ہوا۔

نوٹ: عن ابیہ، مراد ذر بن عبد اللہ الہمدانی المرہبی کوفی ہیں ان کے حالات باب الوتر میں گزر چکے ہیں۔ اس طرح سعید بن جبیر کے حالات باب الوضوء مما غیرت النار میں گزر چکے ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات بھی باب الوضوء میں گزر چکے ہیں۔

---

(۱) المنتخب الافکار ۱/ ۴۴۵۳۔ (۲) طحاوی ۲۱۲۔ (۳) درمختار ۱/ ۷۱۶۔ (۴) علم الفقہ ۲/ ۱۹۵۔
(۵) جواہر التفاسیر الاستاذ مصطفیٰ محمد الملیحی ۱۴۵۔

باب القنوت فی الصلاۃ

نماز میں قنوت پڑھنے کا باب

لفظ قنوت کے علامہ عینیؒ نے دس معنی ابن عربیؒ سے نقل کئے ہیں۔ مثلاً ① طول القیام ② طول القیام فی الصلوۃ ③ طاعت ④ تواضع ⑤ سکوت ⑥ دعاء یہاں یہ آخری معنی مراد ہے[1] ⑦ خشوع وخضوع ⑧ عبادت ⑨ دوام الطاعت ⑩ اقامت۔ بعض نے ان دس معنی کو ان اشعار میں جمع کیا ہے ؎

ولفظ القنوت اعدد معانیه تجد	مزیدًا علی عشر معانی مرضیة
دعا خشوع والعبادة طاعة	اقامتها اقرار نا بالعبودیة
سکوت صلوة والقیام طوله	کذلک دوام الطاعة الرابح النیة

۲۱۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّ اِبْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کَانَ یَقْنُتُ السَّنَةَ کُلَّهَا فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر میں رکوع سے پہلے سارے سال دعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: یَقْنُتُ: قَنَتَ (ن) قُنُوْتًا۔ اطاعت کرنا۔ نماز میں کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاکساری کرنا۔ مگر یہاں پر مراد دعاء قنوت کا پڑھنا ہے۔

الوتر: اَلْوَتْرُ والوِتْرُ بے جوڑ، طاق۔ بدلہ یا بدلہ لینے میں ظلم، جمع اوتار۔ مگر یہاں پر مراد نماز وتر ہے۔

تشریح

قنوت پورے سال پڑھی جائے گی۔ یا نہیں؟ اس میں تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوموسیٰ اشعریؒ، براء بن عازبؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، حسن بصریؒ، امام ابوحنیفہؒ، اور امام احمدؒ، عبیدہ سلمانیؒ وغیرہ، کا مذہب یہ ہے کہ قنوت وتروں میں سارا سال پڑھی جائے گی۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ اور ایک روایت امام احمدؒ کی یہ ہے کہ قنوت صرف رمضان میں نصف کے بعد سے پڑھی جائے گی۔

تیسرا مذہب: امام مالکؒ کا، ایک مذہب ان کا یہ ہے کہ قنوت صرف رمضان میں مسنون ہے۔ مگر ابن رشد نے کہا ہے کہ پورے سال ہی پڑھنا چاہئے۔ [۲]

امام شافعیؒ کا استدلال

روایت عمرؓ اجمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی لم عشرین لیلۃ من الشھر یعنی رمضان ولا یقنت بھم الا فی النصف الباقی۔ [۳]

روایت محمد بن سیرینؒ عن بعض اصحاب النبی ﷺ ان ابی بن کعب امھم وکان یقنت فی النصف الاخیر من رمضان۔

احناف کا استدلال

روایت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، انھم قالوا ارا عنا صلوۃ النبی ﷺ باللیل فقنت قبل الرکوع، یہ مطلقاً ہے تو مراد پورا سال ہوگی۔ اسی طرح دوسری روایت میں مختلف الفاظ آئے ہیں مثلاً کان یقنت فی الوتر، وقنت فی وترہ، وکان یقول فی وترہ، کہ وتر میں قنوت پڑھتے تھے ظاہر ہے کہ وتر تو پورے سال ہی ہوتی ہے۔ اس لئے قنوت بھی پورے سال ہوگی۔

امام شافعیؒ کے استدلالات کا جواب

اُبی بن کعبؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں قنت فی نصف الاخر من رمضان میں "قنت" سے طول القیام بالقرأۃ مراد ہے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ قنوت طول القیام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے اس کے خلاف مروی ہے اس لئے قنوت سے طول القیام مراد لیں گے۔ [۳]

دوسری بات یہ ہے کہ ان کی سند میں انقطاع ہے کیوں کہ حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، جب کہ حسن بصریؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ (۴)

(۱) عمدۃ القاری ۳/ ۲۴۴ فتح الباری ۴/ ۴۰۹، المغرب ۲/ ۱۳۴، مفردات راغب ۴۲۴۔

(۲) لامع الدراری ۲/ ۵۲، اوجز المسالک ۱/ ۳۹۸، ۲/ ۲۰ ابذل المجہود ۲/ ۳۲۶، امانی الاحبار ۴/ ابدایۃ المجتہد ۱/ ۲۰۴۔

(۳) بدائع الصنائع ۱/ ۱۷۳۔

(۴) بذل المجہود ۲/ ۲۹، تعلیق الصبیح ۲/ ۱۰۲، بدائع الصنائع، عینی وغیرہ۔



۲۱۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ: اَنَّ الْقُنُوْتَ فِي الْوِتْرِ وَاجِبٌ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ قَبْلَ الرُّكُوْعِ فَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ وَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَرْكَعَ فَكَبِّرْ اَيْضًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَيَرْفَعُ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى قَبْلَ الْقُنُوْتِ كَمَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَضَعُهُمَا وَيَدْعُوْا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ وتر میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے۔ خواہ رمضان کا مہینہ ہو یا غیر رمضان کا آپ جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ کریں تو اللہ اکبر کہیں اور جب رکوع کرنے کا ارادہ ہو تب بھی اللہ اکبر کہیں امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، دعاء قنوت سے پہلے والی تکبیر میں اسی طرح ہاتھ اٹھائے گا جس طرح تکبیرۃ الاولیٰ میں اٹھائے تھے۔ پھر ہاتھ باندھ کر دعا پڑھے گا۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: وَاجِبٌ: (فاعل) بمعنی لازم اور جائز، ممکن، ممتنع کے مقابل پر بھی بولا جاتا ہے۔

وَجَبَ: (ض) وُجُوْبًا وَجِبَةً الشیءُ ثابت ہونا۔ لازم ہونا۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)۔

اَلرُّكُوْعُ رَكَعَ (ف) رَكْعًا وَرُكُوْعًا مصدر ہے۔ سر جھکانا۔ پشت خم کرنا — الی اللہ اللہ کے سامنے پست ہونا۔

يَرْفَعُ رَفَعَ (ف) رَفْعًا۔ الشیءَ اٹھانا۔

تشریح

ان القنوت فی الوتر واجب فی شهر رمضان وغیرہ۔ واجب کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے تین روایات منقول ہیں۔

❶ امام ابوحنیفہؒ سے حماد بن زیدؒ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ اس کو فرض کہتے تھے یہی مذہب امام زفرؒ، ابن العربیؒ، ابن بطالؒ، اصبغؒ وغیرہ کا ہے۔

❷ واجب ہے: یہی امام ابوحنیفہؒ کی ظاہری روایت ہے[1] اور یہی مذہب، سعید بن المسیبؒ، ابوعبیدۃ بن عبداللہؒ بن مسعودؒ اور ضحاکؒ وغیرہ کا ہے۔

❸ سُنّت ہے: یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، صاحبینؒ، وغیرہ کا ہے۔ ان تینوں قولوں میں تطبیق

اس طرح دی جاتی ہے کہ وتر عملاً فرض ہے۔ اعتقاداً واجب ہے اور ثبوتاً سُنّت ہے۔ (۲)

جمہور علماء کا استدلال

❶ حدیث عبادة بن الصامت ﷛ ان اللّٰہ کتب علیکم فی کل یوم و لیلة خمس صلٰوت اگر وتر کو واجب مان لیں تو پانچ کی جگہ چھ نمازیں فرض ہو جائیں گی۔

❷ روایت ابن عمر، ان رسول اللّٰہ ﷺ او تر علی البعیر۔ (۳)

❸ حدیث معاذ ﷛ ان اللّٰہ افترض علیھم خمس صلٰوت فی کل یوم و لیلة۔

امام صاحب ؒ کا استدلال

آٹھ صحابہ ﷡ کی روایت آتی ہے وتر کے وجوب کے سلسلہ میں ① حضرت عقبہ بن عامر ﷛ ② حضرت خارجہ بن حذیفہ ﷛ ③ حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ ④ حضرت ابوبصرہ غفاری ﷛ ⑤ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ﷛ ⑥ حضرت ابوسعید الخدری ﷛ ⑦ حضرت عمرو بن العاص ﷛ ⑧ حضرت عبداللہ بن عمر ﷛۔

روایت عقبہ بن عامر ﷛ عن رسول اللّٰہ ﷺ قال ان اللّٰہ عزوجل زادکم صلوة ھی لکم خیر من حمر النعم الوتر وھی لکم فیمابین صلاة العشاء الی طلوع فجر۔ (۴)

روایت خارجہ بن حذیفہؓ خرج علینا رسول اللّٰہ فقال ان اللّٰہ زاد احد کم بصلاة ھی لکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیمابین العشاء و الفجر۔ (۵)

روایت عبداللّٰہ بن عباسؓ، قال خرج النبی ﷺ مستبشرا قال ان اللّٰہ تعالٰی قد زاد کم صلاة و ھی الوتر۔ (۶)

روایت ابوبصرہ غفاری ﷛، سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول ان اللّٰہ تعالٰی زاد کم صلوة و ھی الوتر و صلوھا فیمابین صلوة العشاء الی صلاة الصبح۔ (۷)

روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، امرنا رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ تعالٰی زاد کم صلاتا و ھی الوتر۔ (۸)

روایت ابوسعید الخدری ﷛ قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ تعالٰی زاد کم صلاة و ھی الوتر۔ (۹)

روایت ابن عمر ﷛، قال خرج رسول اللّٰہ ﷺ محمرًا وجھہ یجر رداءہ فصعد المنبر فحمد اللّٰہ واثنی علیہ ثم قال یاایھا الناس ان اللّٰہ تعالٰی زاد کم صلاة الی صلاتکم و ھی الوتر۔ (۱۰)

ان سارے دلائل کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ وتر کے وجوب کے قائل ہیں۔

رکوع سے پہلے وتر ہے

قبل الرکوع۔ رکوع سے پہلے وتر ہے۔

اس میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ دعاقنوت رکوع سے پہلے پڑھنا چاہیے یا بعد میں اس میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام شافعیؒ، احمدؒ وغیرہ کے نزدیک قنوت کا محل وتر اور فجر دونوں میں بعد الرکوع ہے۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ کا ہے جیسا کہ پہلے مذہب گزرا کہ ان کے نزدیک وتر میں تو قنوت مشروع نہیں ہے ہاں فجر میں ان کے نزدیک قنوت ہے اور وہ بعد الرکوع ہے۔

تیسرا مذہب: حضرت ابن عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابوموسیٰ الاشعریؓ، انس بن مالکؓ، براء بن عازبؓ، ابن عباسؓ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک وتر میں قبل الرکوع ہے اور فجر میں قنوت (یعنی قنوت نازلہ) بعد الرکوع ہے۔

امام شافعیؒ واحمدؒ کا استدلال

روایت علیؓ ان النبی ﷺ کان یقول فی آخر وترہ اللھم انی اعوذ برضاک عن سخطک۔ [1]

احناف کا استدلال

❶ حدیث اُبی بن کعبؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع۔ [2]

❷ حدیث ابن مسعودؓ، ان النبی ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع۔ [3]

❸ حدیث ابن عباسؓ اوتر النبی ﷺ بثلاث فقنت فیھا قبل الرکوع۔ [4]

❹ حدیث ابن عمر ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات ویجعل القنوت قبل الرکوع۔ [5]

❺ حدثنا عاصمؓ، قال سالت انس بن مالکؓ عن القنوت فقال قد کان القنوت قلت قبل الرکوع اوبعدہ، قال قبلہ، قال فان فلانًا اخبرنی عنک انک قلت بعد الرکوع فقال کذب انما قنت رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع شھرا۔ [6] عاصم احولؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا قنوت ہوتی تھی میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ فرمایا رکوع سے پہلے میں نے کہا فلاں شخص نے مجھے بتایا کہ آپ فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد قنوت ہے فرمایا اس نے غلط کہا ہے رکوع کے بعد آپ ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی تھی۔

۶ عن الاسود قال صحبت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ستۃ اشھر فکان یقنت فی الوتر قبل رکوع۔[۷]
حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں چھ ماہ رہا وہ وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے۔

۷ عن الاسود ان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کان لا یقنت فی شیء من الصلوت فی الوتر قبل الرکوع۔[۸]
حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

۸ قال علقمۃ ان ابن مسعود و اصحاب النبی ﷺ کانو ایقنتون فی الوتر قبل الرکوع۔[۹]
حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے۔

فاذا اردت ان تر کع فکبر جب قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہہ الخ۔
مطلب یہ ہے کہ قنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھا کر دوبارہ باندھے جائیں گے۔ تکبیر کہنے کے بارے میں امام طحاویؒ فرماتے ہیں واما التکبیر فی القنوت فی الوتر فانھا تکبیرۃ زائدۃ فی تلک الصلوۃ وقد اجمع الذین یقنتون قبل الرکوع معھا۔[۱۰] لیکن قنوت وتر کی تکبیر اس نماز میں ایک زائد تکبیر ہے اور جو حضرات قنوت قبل الرکوع کے قائل ہیں ان کا اس پر اجماع ہے کہ اس تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی ہوگا۔ فاخذ رفع یدیہ۔
رفع یدین کے بارے میں حضرت اسود فرماتے ہیں۔

۱ قال عن عبداللہ رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیہ اذا قنت فی الوتر۔[۱۱] حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قنوت کے وتر کے لئے رفع یدین کیا کرتے تھے۔

۲ عن ابی عثمان کان عمر رضی اللہ عنہ عنہ یرفع یدیہ فی القنوت۔[۱۲]

۳ امام بخاریؒ فرماتے ہیں انه کان یقرء فی آخر رکعۃ من الوتر قل ھو اللہ احد ثم رفع یدیہ فیقنت قبل الرکعۃ[۱۳] امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے پھر رفع یدین کرتے ہیں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے۔

دوبارہ ہاتھ باندھنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھا جائے۔ کیوں کہ عقلاً اس میں تین صورتیں ممکن ہیں۔

۱ ہاتھ اٹھائے رکھیں جیسے کہ دعا میں اٹھاتے ہیں۔
۲ ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں جیسے کہ قومہ میں ہوتا ہے۔

③ ہاتھوں کو باندھ لیا جائے جیسے کہ قیام میں ہوتا ہے۔

پہلی صورت اچھی نہیں کیوں کہ نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا۔ رہی دوسری اور تیسری صورت اس میں اگر قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے تو رکوع سے پہلے کی حالت میں ہاتھ باندھے ہوئے تھے اس لئے قنوت میں ہاتھ باندھے جائیں گے۔ اور اگر بعد رکوع یعنی قنوت نازلہ والی صورت ہے تو اب یہ قومہ کی حالت میں ہوتا ہے اور قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا سُنّت ہے اس لئے قنوت نازلہ میں بھی ہاتھ نہ باندھنا بہتر ہوگا۔

کن الفاظ کے ساتھ دعائے قنوت پڑھنا چاہئے

① احناف کے نزدیک سورت حفد اور سورت خُلع کا پڑھنا بہتر ہے۔

سورۃ حفد اللھم انا نستعینک سے ونخلع ونترک من یفجرک تک اور سورۃ خلع اللھم ایاک نعبد سے آخر تک۔

یہ دونوں سورتیں پہلے قرآن میں موجود تھیں ان کی تلاوۃ منسوخ ہوگئی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نسخہ میں یہ دونوں سورتیں موجود تھیں اس لئے احناف کہتے ہیں اس کو پڑھنا بہتر ہے۔ [14] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو یہی قنوت سکھائی تھی۔

② امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک قنوت نازلہ والے الفاظ بہتر ہیں۔ اللھم اھدنا فیمن ھدیت الخ۔ [15]

③ امام مالکؒ کے نزدیک سورت حفد، سورت خُلع کے ساتھ ساتھ قنوت نازلہ کو بھی ملالینا چاہئے۔ [16]

④ روایت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے الفاظ یہ ہیں۔ اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ [17]

اگر اس کے علاوہ کوئی بھی دعا پڑھ لے تو جائز ہو جائے گی۔ مثلاً ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ یا اللھم اغفرلی ہی صرف پڑھ لے۔

---

(۱) یہی بات مبسوط، عنایہ، کافی، خانیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ (۲) شرح مجمع۔ (۳) بخاری ومسلم۔ (۴) طبرانی۔
(۵) ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، طبرانی۔ (۶) دارقطنی، طبرانی۔ (۷) احمد، حاکم، طحاوی۔
(۸) دارقطنی۔ (۹) طبرانی۔ (۱۰) دارقطنی۔
(۱۴) ابوداؤد بیہقی عن معاویۃ بن صالح۔ مصنف بن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اتقاق سیوطی ۲/۲۶۔
(۱۵) اصحاب سنن اربعہ۔ مسند احمد۔ ابن حبان۔ حاکم۔ بیہقی دارمی مع اختلاف۔
(۱۶) میزان مذاہب لالبع الداروی ۲/۵۳ میں مذکور ہیں۔ (۱۷) اصحاب سنن اربعہ۔

۲۱۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّ اِبْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لَمْ یَقْنُتْ هُوَ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا یَعْنِیْ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔﴾

"حضرت ابراہیمؒ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فجر کی نماز میں کبھی دعاء قنوت نہیں پڑھی اور نہ ان کے کسی اور ساتھی نے یہاں تک کہ وہ دنیا رخصت ہو گئے۔"

لغات: فَارَقَ: باب مفاعلہ سے واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے، بمعنی جدا ہونا۔
أصحابه: صَاحِبٌ کی جمع الجمع ہے۔ بمعنی۔ ساتھی۔ ایک ساتھ زندگی بسر کرنے والے۔ مالک، وزیر، گورنر۔

تشریح

فجر کی نماز میں قنوت پڑھی جائے گی یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: شافعیہ، مالکیہ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، ابن جریر طبریؒ وغیرہ کے نزدیک فجر میں پورے سال قنوت پڑھی جائے گی۔ البتہ ان میں آپس میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ امام مالکؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کے نزدیک قبل الرکوع قنوت فجر ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک بعد الرکوع ہے۔

دوسرا مذہب: احناف، حنابلہ، سفیان ثوریؒ، عامر شعبیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کے نزدیک فجر میں قنوت مشروع ہی نہیں ہے البتہ جب مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو تو فجر میں قنوت نازلہ عارضی طور پر پڑھی جاتی ہے۔[1]

دلائل مذہب اوّل

❶ حدیث ابو ہریرةؓ كان النبی ﷺ يقول حين يفرغ من صلوة الفجر من القراءة ويكبر ويرفع رأسه ويقول سمع الله لمن حمده، ثم يقول وهو قائم اللهم انج الوليد بن الوليد۔[2]

❷ وروی ان النبی ﷺ كان يقنت فی صلوة الفجر وكان يدعو اعلی قبائل۔[3]

❸ حديث ابو هريرةؓ قال لانا اقربكم صلوة برسول ﷺ فكان ابو هريرةؓ يقنت فی الركعة الاخرة من صلوة الصبح بعدما يقول سمع الله لمن حمده فيدعو اللمؤمنين ويلعن الكفار

جوابات

❶ مذہب ثانی والے ان سب احادیث و آثار کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کو ہم محمول کریں گے قنوت نازلہ پر۔

❷ یا جیسے کہ پہلے گزرا ہے کہ یہ منسوخ ہوگا حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوری حدیث یہ ہے حدثنا عاصم قال سالت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن القنوت فقال کانت القنوت قلت قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ قلت فان فلانا اخبرنی عنک انک قلت بعد الرکوع فقال کذب انما قنت رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع شھرا۔[4] عاصم احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا رکوع سے پہلے میں نے کہا فلاں شخص نے مجھے بتایا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد قنوت ہے فرمایا اس نے غلط کہا رکوع کے بعد تو آپ ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی تھی۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قنت النبی ﷺ شھرا یدعوا علی عصیتہ و ذکوان فلما ظھر علیھم ترک القنوت فقال الطحاوی فھذا ابن مسعود یخبر ان قنوت النبی ﷺ انما کان من اجل من کان یدعوا علیہ وانہ ﷺ قد کان ترک ذلک فصار القنوت منسوخا۔[5]

اگر شافعی امام نے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی تو حنفی مقتدی کیا کرے؟

اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ اس صورت میں امام کی متابعت کرے اور قنوت پڑھے۔

دوسرا قول: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فجر میں قنوت پڑھنا یا نہ پڑھنا دونوں، احادیث سے ثابت ہیں دونوں حکم ظنی ہیں جب کہ امام کی اتباع قطعی ہے۔ اس لئے قطعی چیز پر عمل کریں گے اور ظنی کو چھوڑ دیں گے۔

طرفینؒ فرماتے ہیں قنوت فجر منسوخ ہے اور منسوخ میں اتباع نہیں ہوتی۔

طرفینؒ کے نزدیک مقتدی اس صورت میں کیا کرے اس بارے میں بھی دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ کہ مقتدی خاموش کھڑا رہے قنوت میں بھی متابعت نہیں کرے مگر قیام میں متابعت کرنا واجب ہے۔[6]

دوسرا قول: یہ ہے کہ مقتدی بیٹھ جائے تاکہ پوری مخالفت ظاہر ہو جائے۔ مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ خاموش کھڑا رہے یہ بہتر ہے[7] کیوں کہ جب وہ اس کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی اتباع کرے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ کہ امام تو اسی لئے ہوتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ امام کے علاوہ فعل کر

رہاہے اگرچہ یہ کثیر نہیں جس کی وجہ سے اس کی نماز کا فساد آئے قلیل عمل تو ضرور ہے اس کی وجہ سے کراہت تو آہی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

(۱) امانی الاحبار ۴/۲۰، ۲۱، ۲۲، نووی ۱/۲۳۷، اوجز المسالک ۱/۳۹۸، بذل المجہود، ۲/۳۲۶، عمدة القاری ۳/۱۳۵، فتح الملہم ۲/۲۳۴۔

(۲) مسلم۔

(۳) بدائع الصنائع ۱/۳۷۳۔

(۴) بخاری ۱/۱۳۶ باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ وھکذافی عمدة القاری ۲/۱۳۵۔

(۵) ھذاکلہ فی فتح القدیر ۱/۳۰۶، بدائع الصنائع ۱/۲۷۳ و عمدة القاری ۳/۱۳۵، تعلیق الصبیح ۲/۱۰۲۔

(۶) ہدایہ۔

(۷) فتاویٰ قاضی خان۔



۲۱۴

﴿مُحَمَّدٌ" قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ بَهْرَامٍ عَنْ اَبِى الشَّعْثَاءِ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ قَالَ: اَحَقٌّ مَابَلَغَنَا عَنْ اِمَامِكُمْ اَنَّهُ يَقُوْمُ فِى الصَّلٰوةِ وَلَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا يَرْكَعُ: قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِىْ بِذٰلِكَ اِبْنُ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَلْقُنُوْتَ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ﴾

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ بات سچ ہے جو ہم تک تمہارے امام کے بارے میں پہنچی ہے کہ وہ فجر کی نماز میں قیام کرتے ہیں اور قرآن کی تلاوت اور رکوع نہیں کرتے امام محمدؒ نے فرمایا اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد فجر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا تھا۔"

لغات: أَحَقٌّ: ہمزہ استفہام کا ہے حَقَّهُ (ن) حَقًّا حق میں غالب ہونا۔ حق الامر ثابت کرنا۔ —— الخبر حقیقت پر مطلع ہونا۔ حَقَّ (ض) حَقًّا عليه ان يَفْعَلَ كذا واجب ہونا (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)

مَابَلَغَنَا: ما موصولہ ہے۔ "نا" ضمیر متصل ہے۔ بَلَغَهُ (ن) بُلُوْغًا پہنچنا —— الثمر پکنا —— الغلام بالغ ہونا۔

تشریح

یہاں پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی فجر کی نماز میں قنوت کے قائل نہیں تھے، جیسے کہ روایت میں آتا ہے، حدثنا ابراهيم بن مرذوق قال ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث قال حدثنا شعبة ثنا قتادة عن ابى مجلز قال صليت خلف ابن عمر الصبح فلم يقنت۔ (۱)

اسی طرح دوسری جگہ پر جب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے یہی جواب دیا عن تميم بن سلمة قال سئل ابن عمرؓ عن القنوت فذكر مثله۔ (۲)

ایک اور جگہ پر ابن عمرؓ کا یہ مقولہ بھی ملتا ہے۔ قال ارائتم قيامكم عند فراغ الامام من السورة هذا القنوت والله انه لبدعة ما فعله رسول الله ﷺ غير شهر ثم تركة ارايتم رفعكم فى الصلوة والله انه لبدعة مازاد رسول الله ﷺ على هذا قط فرفع يديه حيال منكبيه۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا دیکھو جو تم نماز فجر میں امام کے سورت سے فارغ ہونے کے بعد قنوت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہو اللہ تعالیٰ کی قسم یہ بدعت ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک

مہینہ سے زیادہ نہیں کیا۔ پھر اسے ترک کر دیا اور دیکھو جو تم نماز میں ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتے ہو اللہ کی قسم یہ بھی بدعت ہے۔ آپ ﷺ صرف کندھوں تک رفع یدین کرتے تھے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ، اس طرح صحابہ اور تابعین کی بڑی جماعت قنوت کی قائل نہیں تھی۔ (۴)

حضرت صلت بن بہرام ؒ کے مختصر حالات: یہ صلت بن بہرام التیمی الکوفی ابوہاشم ؒ ہیں۔

اساتذہ: زید بن وہب ؒ، ابی الشعثاء ؒ ابی وائل ؒ، ابراہیم النخعی ؒ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: ابوحنیفہ ؒ، نعیم بن میسرۃ ؒ، سفیان بن عیینہ ؒ، مروان بن معاویہ ؒ وغیرہ ہیں۔

ان کے بارے میں ابن عیینہ ؒ فرماتے ہیں کان اصدق اھل الکوفۃ۔ ابن حبان۔ یحیی بن معین اور امام احمد ؒ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابوحاتم فرماتے ہیں صدوق لیس لہ عیب الا الارجاء

ان کا انتقال ۱۴۷ھ میں ہوا۔

حضرت ابوالشعثاء ؒ کے مختصر حالات: یہ سلیم بن اسود بن حنظلہ ابوالشعثاء المحاربی الکوفی ؒ ہیں یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عمرو رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری، طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: ان کے بیٹے اشعث ؒ، ابراہیم النخعی ؒ، حبیب بن ابی ثابت ؒ، عبدالرحمن بن الاسود ؒ، جامع بن شداد ؒ، ابواسحاق السبیعی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کے بارے میں یحیی بن معین ؒ، عجلی ؒ، نسائی ؒ، ابن خراش ؒ، وغیرہ فرماتے ہیں کہ ثقۃ، میمونی ؒ نے امام احمد ؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے ثقۃ، ابوحاتم ؒ فرماتے ہیں لا یسئل عن مثلہ ابن عبدالبر ؒ نے کہا اجمعوا علی انہ ثقۃ ان کا انتقال ۸۲ھ میں عبدالملک یا ابوالولید کے زمانہ میں ہوا۔

---

(۱) طحاوی۔

(۲) طحاوی، آثار السنن۔

(۳) مجمع الزوائد ۲/۱۳۷۔

(۴) قلائد الازھار۔ ۳/۱۶۲۔ ۳/۱۶۶۔

۲۱۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یُرَ قَانِتًا فِی الْفَجْرِ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا اِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا قَنَتَ (فِیْهِ) یَدْعُوْا عَلٰی حَیٍّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ لَمْ یُرَ قَانِتًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ وَاَنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لَمْ یُرَ قَانِتًا بَعْدَهٗ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم کو فجر میں دعا قنوت پڑھتے نہیں دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ سوائے ایک مہینے کے کہ جس میں آپ نے دعاء قنوت پڑھی آپ ﷺ مشرکین کے کچھ قبیلوں کے لئے بددعا کر رہے تھے نہ آپ کو اس سے پہلے (دعاء) قنوت پڑھتے دیکھا گیا نہ اس کے بعد (فجر میں) یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے (اسی) طرح حضرت ابوبکرؓ نے بھی قنوت نہیں پڑھی یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔"

لغات: لَمْ یُرَ: واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول نفی جحد بلم ہے۔ باب فتح یفتح سے اس کے مصادر یہ ہیں۔ رَاْیًا وَرُؤْیَةً وَرَاءَةً وَرِئْیَانًا بصارت یا بصیرت سے دیکھنا (ہفت اقسام میں ناقص یائی مہموز الفاء ہے)۔

یَدْعُوا: دَعَا(ن) دُعَاءً وَدَعْوٰی ہ پکارنا رغبت کرنا۔ مدد طلب کرنا۔ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔

تشریح

❶ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے انما قنت شهرا یدعوا علی احیاء من العرب ثم ترکه۔[۱]

❷ اسی طرح ایک دوسری جگہ پر یہ روایت بھی ملتی ہے۔ عن انس رضی اللہ عنہ کان رسول اللّٰه ﷺ لا یقنت فی صلاة الصبح الا ان یدعو القوم او علی قوم۔[۲]

❸ اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے قال لم یقنت رسول اللّٰه ﷺ فی الصبح الا شهرا ثم ترکه لم یقنت قبله ولا بعده[۳]

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں ایک ماہ قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا۔ نہ اس سے پہلے کبھی پڑھا تھا اور نہ پھر بعد میں پڑھا۔

❹ روایت اُم سلمة رضی اللّٰه تعالٰی عنها، ان النبی ﷺ نهی عن القنوت فی صلوة الصبح۔[۴] اُمّ المؤمنین

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے سے ممانعت کر دی تھی۔

۵ ابو مالک سعید بن طارق رضی اللہ عنہ بن الاشیم الاشجعی عن ابیہ قال صلیت خلف النبی ﷺ فلم یقنت و صلیت خلف ابی بکر رضی اللہ عنہ فلم یقنت و صلیت خلف عمر رضی اللہ عنہ فلم یقنت و صلیت خلف عثمان رضی اللہ عنہ، فلم یقنت و صلیت خلف علی رضی اللہ عنہ فلم یقنت ثم قال یابنی انہا بدعۃ۔(۵)

حضرت طارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، سب کے پیچھے نماز پڑھی لیکن کسی نے قنوت نہیں پڑھی، پھر کہا بیٹا یہ تو بدعت ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ شوافع کی احادیث چار قسم کی ہیں۔

۱ مطلقاً ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دعاء قنوت پڑھی، اس میں تو کسی کا بھی نزاع نہیں کیوں کہ قنوت تو فی نفسہ ثابت ہے۔

۲ دوسری وہ احادیث ہیں جو مقید ہیں کہ آپ نے صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھی ہے۔ اس کو ہم ایک ماہ قنوت کے پڑھنے پر محمول کرتے ہیں۔

۳ تیسری وہ احادیث جو براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں کہ آپ نماز فجر اور نماز مغرب میں قنوت پڑھتے تھے(۶) اس کا جواب تو یہ ہے کہ اس کو تو امام شافعیؒ خود بھی نہیں مانتے فماھو جوابھم عن المغرب فھو جوابنا عن الفجر۔

۴ وہ حدیث جس میں تصریح ہے کہ آپ نے فجر میں قنوت پڑھی ہے۔ روایت انس بن مالک قال مازال رسول اللہ ﷺ یقنت فی الفجر اس میں ابو جعفر عیسیٰ بن حاباں رازی راوی ہے اس کے بارے میں علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کان یخلط، یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کان یخطئ، امام احمدؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث۔(۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر میں قنوت نہیں ہے۔ جو آپ ﷺ نے پڑھی ہے وہ عارضی طور سے پڑھی تھی۔ اصل قنوت وتر میں ہے جو پورا سال پڑھی جاتی ہے۔

---

(۱) طحاوی۔
(۲) صحیح ابن خزیمہ۔
(۳) طحاوی، مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی۔
(۴) بیہقی، دار قطنی۔
(۵) ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، طحاوی۔
(۶) مسلم۔
(۷) دار قطنی، عبد الرزاق، حاکم طحاوی، بیہقی۔
(۸) التحقیق۔

۲۱۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهُ صَحِبَهُ سَنَتَیْنِ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ فَلَمْ یَرَهُ قَانِتًا فِی الْفَجْرِ حَتّٰی فَارَقَهُ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ: وَاِنَّ اَهْلَ الْکُوْفَةِ اِنَّمَا اَخَذُوا الْقُنُوْتَ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَنَتَ یَدْعُوْا عَلٰی مُعَاوِیَةَ حِیْنَ حَارَبَهُ وَاَمَّا اَهْلُ الشَّامِ فَاِنَّمَا اَخَذُوا الْقُنُوْتَ عَنْ مُعَاوِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَنَتَ یَدْعُوْا عَلٰی عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ حِیْنَ حَارَبَهُ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ اِبْرَاهِیْمَ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتلاتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ سفرو حضر میں دو سال رہے لیکن انہوں نے انہیں فجر میں دعاء قنوت پڑھتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ان سے رخصت ہو گئے حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اہل کوفہ نے قنوت (نازلہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لیا وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے موقع پر قنوت (نازلہ) پڑھتے تھے اور اہل شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے موقعہ میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم حضرت ابراہیمؒ کے اس قول کو پسند کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: صَحِبَهُ: (س) صُحْبَةً و صَحَابَةً و صِحَابَةً و صَاحَبَهُ مُصَاحَبَةً: ساتھی ہونا۔ دوستی کرنا۔ ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔

السَّفَرُ: مسافت کو طے کرنا۔ غروب آفتاب کے کچھ بعد کا وقت (جمع) اسفار۔

حَارَبَهُ: باب مفاعلہ سے واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ مصدر اس کے حِرَابًا و مُحَارَبَةً آتے ہیں۔ لڑائی کرنا۔ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح

فجر میں جو قنوت پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تاویل یہاں پر یہ کی جارہی ہے کہ وہ قنوت نازلہ ہوتی تھی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہو۔ خواہ دشمن اسلام کی طرف سے ہو یا کوئی بلا مصیبت ہو جیسے طاعون وغیرہ تو فجر میں قنوت نازلہ پڑھی جاتی ہے اور یہ احناف کے نزدیک صرف فجر میں دوسری رکعت میں بعد الرکوع مشروع ہے۔

جیسے کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔

واما القنوت فی الصلوۃ کلھا للنوازل فلم یقل، بہ الا الشافعیؒ وکانھم حملوا ماروی عنہ علیہ الصلوۃ السلام انہ قنت فی الظھر والعشاء کمافی مسلم وانہ قنت فی المغرب ایضا کمافی البخاری علی النسخ انہ۔[1]

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرھا من الصلوۃ الجھریۃ اوالسریۃ الخ۔[2]

قنوت نازلہ اگر امام مقتدی سب کو یاد ہو تو امام اور مقتدی سب آہستہ پڑھیں اور اگر مقتدیوں کو یاد نہ ہو تو اب بہتر یہ ہے کہ امام زور سے پڑھے بیٹھے ہوئے کھڑے ہوئے مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔

دعائے قنوت کے وقت میں شیخینؒ کے نزدیک ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔اور امام احمدؒ کے نزدیک ہاتھ کا نہ باندھنا بہتر ہے۔

قنوت نازلہ کی مشہور دعا یہ ہے۔

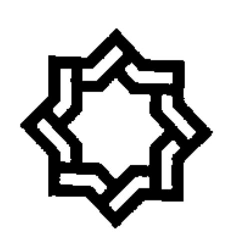
اللھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما اعطیت وقنا شرما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارک ربنا وتعالیت نستغفرک ونتوب الیک وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم اللھم اغفرلنا وللمؤمنین والمؤمنات اللھم العن الکفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیائک اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم باسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین۔

نوٹ: بعض فقہاء نے دوسری دعاؤں کا بھی کچھ اضافہ فرمایا ہے۔

---

(۱) شامی ۲/۱۱۱ اس کے جواز پر فتح القدیر شرح المنیہ، حاشیہ الاشباہ مراقی الفلاح، درالمختار، وقال فی مراقی الفلاح ان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الفجر وھو قول الثوریؒ، واحمدؒ ۶۲۔

(۲) شامی ۲/۱۱۰ مصری ۱/۶۲۸۔



باب المرأة تؤم النساء وكيف تجلس فی الصلوة

عورت کی امامت اور نماز میں اس کے بیٹھنے کا بیان

۲۱۷

﴿مُحَمَّدٌ" قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ" عَنْ اِبْرَاهِيْمَ" عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَتَقُوْمُ وَسْطًا قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُعْجِبُنَا اَنْ تَؤُمَّ الْمَرْاَةُ فَاِنْ فَعَلَتْ قَامَتْ فِيْ وَسْطِ الصَّفِّ مَعَ النِّسَاءِ كَمَا فَعَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیم" اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رمضان میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں اور درمیان (صف) میں کھڑی ہوتی تھیں۔ امام محمد" نے فرمایا ہمیں یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ عورت امامت کرے اگر کرے تو وہ عورتوں کی صف کے درمیان میں اس طرح کھڑی ہوگی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہوتی تھیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ" فرماتے ہیں۔"

لغات: تَؤُمُّ: اَمَّ (ن) اِمَامَةً واَمًّا واِمَامًا۔ القوم وبالقوم: امام بننا۔ تؤم واحد مونث غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)

وَسْطِ: باب (ض) سے مصدر ہے۔ وَسَطَ يَسِطُ وَسْطًا وسِطَةً المكان او القوم بیچ میں بیٹھنا (ہفت اقسام میں معتل واوی یعنی مثال ہے۔)

تشریح

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ۔

کیا عورتوں کی نماز کی جماعت جائز ہے؟

عورتوں کی جماعت کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب امام احمدؒ، امام شافعیؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کا ہے یہ حضرات استحباب کے قائل ہیں۔
دوسرا مذہب امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کا ہے ان کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے احناف کی کتب فقہ میں بھی کراہیت کا قول ملتا ہے۔ مثلاً درمختار، ہدایہ لا یعجبنا ان تؤم المرأۃ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ عورت امامت کرے علماء نے عورتوں کی مستقل جماعت کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے۔ خواہ فرض ہو یا نفل جیسے کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

﴿ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ لانھا لا تخلوا عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ﴾

"مکروہ ہے عورتوں کے لئے تنہاء جماعت کرنا کیوں کہ یہ حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ کہ ان کے امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا اور یہ مکروہ (تحریمی) ہے جیسا کہ برہنوں کا حکم ہے" مکروہ ہونے کی وجہ علماء یہ بیان فرماتے ہیں کہ عورتوں کی امام یا تو صف کے آگے کھڑی ہوگی یا درمیانِ صف میں اگر آگے کھڑی ہو تو زیادتی کشف کی وجہ سے مکروہ ہوگی اور اگر درمیان صف میں کھڑی ہو تو نبی کریم ﷺ کی ہمیشہ عادت رہی ہے کہ آگے کھڑے ہوتے تھے۔ آگے کھڑا ہونا واجب ہے اس کے خلاف بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔

مگر علامہ بدرالدین عینیؒ اور علامہ ابن ہمامؒ اس کی کراہت کا انکار کرتے ہیں۔[۳] اور فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُمّ ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ سے عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت ہے تو کراہت کے کیا معنیٰ؟

حضرت عائشہؓ کی روایت ان عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امتھن وقامت بینھن فی صلاۃ مکتوبۃ[۳]

روایت اُمّ سلمہؓ قالت امتنا اُم سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی صلاۃ العصر فقامت بیننا۔[۴]

روایت اُمّ ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی ﷺ لما غزا بدرا قالت قلت یا رسول اللہ ائذن لی فی الغزو معک امرض مرضا کم لعل اللہ ان یرزقنی شھادۃ قال قری فی بیتک فان اللہ عزوجل یرزقک الشھادۃ قال فکانت تسمی الشھیدۃ قال وکانت قد قراءت القرآن فاستاذنت النبی ﷺ ان تتخذ فی دارھا موذنا فاذن لھا قال وکانت برت غلاما لھا وجاریۃ فقاما الیھا باللیل فغماھا بقطیفۃ لھا حتی ماتت وذھبا فاصبح عمر ؓ فقام فی الناس فقال، من کان عندہ من ھذین علم او من احدھما فلیجئ بھما فامر بھما فصلبا فکان اول مصلوب فی المدینۃ[۵]

ان روایات کی روشنی میں یہ دونوں محقق فرماتے ہیں کہ کراہت نہیں ہے اور غالباً امام محمدؒ کا رجحان بھی یہی ہو اکہ

وجہ سے انہوں نے یہ فرمایا لایعجبنا ان تؤم المرأۃ کہ ہم کو اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ عورت امامت کرے امام محمد کا اسلوب بھی کتاب الآثار میں یہی ہے کہ لایعجبنا سے خلاف اولی مراد لیتے ہیں۔

تو عورتوں کی مستقل جماعت خلاف اولی ہوئی ان حضرات کے نزدیک اور دوسرے فقہاء احناف مکروہ تحریمی کہتے ہیں جیسے کہ صاحب ہدایہ کی تحقیق گزری ہے یہی بات علامہ طحطاوی نے ان الفاظ میں فرمائی و تکرہ تحریما جماعۃ النساء لان الامام ان تقدمت لزم زیادۃ الکشف وان وقفت وسط الصف لزم ترک المقام مقامہ وکل منہما مکروہ کمافی العنایۃ وھذا یقتض عدم الکرھۃ الخ۔[6] اگر عورت حافظہ ہو تو اس کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع فرماتے تھے کہ حافظہ اپنے قرآن کو یاد رکھنے کی غرض سے تراویح پڑھا سکتی ہے مگر ان شرائط کے ساتھ:

1. آواز گھر سے باہر نہ جائے۔
2. اس کے لئے باقاعدہ عورتوں کو بلایا نہ جائے۔
3. دو تین سے زائد عورتیں نہ ہوں۔

مگر ہمارے زمانہ میں اس سے پرہیز کرنا افضل ہوگا فتنہ سے بچنے کے لئے یہی بات خلاصۃ الفتاویٰ میں ملتی ہے۔

وفی خلاصۃ الفتاویٰ امامۃ المرأۃ للنساء جائزۃ الا ان صلاتھن فرادیٰ افضل فان فصلت قامت فی وسط الصف۔[7]

اگر عورت جماعت کروائے تو صف کی درمیان میں کھڑی ہو کیونکہ اس میں کشف عورت کم ہوگا اور یہی ترتیب ہوتی تھی جب حضرت عائشہؓ نے نماز پڑھائی تھی۔ جیسے کہ حدیث میں آتا ہے۔ فقامت بنھین وسطا کہ درمیانی صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔

نوٹ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات باب الغسل من الجنابۃ میں گزر چکے ہیں۔

(۱) ہدایہ (باب الامامۃ)۔
(۲) یہی بات مولانا عبدالحیؒ نے تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء میں تحریر کی ہے۔
(۳) دارقطنی، بیہقی وغیرہ۔
(۴) مصنف عبدالرزاق، دارقطنی۔
(۵) ابوداؤد۔
(۶) طحطاوی علی الدر ۱/ ۲۴۴۔
(۷) خلاصۃ الفتاویٰ ۱/ ۱۴۷۔

۲۱۸

﴿مُحَمَّدٌ" قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" عَنْ حَمَّادٍ" عَنْ اِبْرَاهِيْمَ" فِى الْمَرْأَةِ تَجْلِسُ فِى الصَّلٰوةِ قَالَ تَجْلِسُ كَيْفَ شَاءَتْ. قَالَ مُحَمَّدٌ" : اَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ تَجْمَعَ رِجْلَيْهَا فِىْ جَانِبٍ، وَلاَ تَنْتَصِبُ اِنْتِصَابَ الرَّجُلِ﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے عورت کے نماز میں بیٹھنے کے بارے میں مروی ہے فرمایاوہ جس طرح چاہے بیٹھ سکتی ہے۔امام محمدؒ نے فرمایاہمیں یہ پسند ہے کہ وہ اپنے پاؤں ایک جانب کرے،اور مرد کی طرح پاؤں کھڑانہ کرے۔"

لغات: تَجلس: جَلَسَ (ض)جُلُوْسًاو مَجْلِسًا: بیٹھنا۔ تجلس واحد مونث غائب فعل مضارع معروف کاصیغہ ہے۔

شَاءَتْ: شَاءَ يَشَاءُ شَيْئًا و مَشِيْئَةً و مَشَاءَةً و مَشَائِيَةً چاہنا۔ تعجب کے موقع پر "ماشاء اللہ" کہاجاتا ہے۔ (ہفت اقسام میں اجوف واوی مہموز العین ہے)۔

تَجْمَعُ: جَمَعَ (ف)جَمْعًا المتفرق اکٹھا کرنا۔جمع کرنا،کہاجاتا ہے جُمِعَتْ الجمعة جمعہ کی نماز قائم کی گئی۔

تشریح

قَالَ مُحَمَّدٌ" اَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ تَجْمَعَ رِجْلَيْهَا فِىْ جَانِبٍ الخ۔

عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے گی اس بارے میں دو مذہب ملتے ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ،امام نخعیؒ وغیرہ کا ہے کہ مرد کی طرح بیٹھے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین وغیرہ کا ہے کہ عورت کے لئے تشہد میں تورک مسنون ہے۔تورک کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر بائیں ران اور سرین زمین پر رکھ کر بیٹھے،کیوں کہ اس صورت میں ستر زیادہ ہوگا[1] جوکہ عورتوں کے بارے میں مطلوب ہے۔

دوسری روایت میں آتا ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ مر علی امراتین تصلیان فلما قضتا صلاتهما دعاهما فقال الشمعان اذا سجد تما فضما بعض اللحم الی الارض فان المراة لیست فی ذلک کالرجل لان السترواجب فکان حفظ الستر اولی من القعود المسنون اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ستر کی وجہ سے عورت تورک کرے

گی۔

سوال: علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں کہا ہے کہ اُمّ درداءؓ مردوں کی طرح بیٹھی تھیں تو اس طرح کی عورتوں کو بیٹھنا اچھا ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

دل ھذا علی ان المستحب للمرأۃ ان تجلس کما یجلس الرجل وبہ قال النخعیؒ وابو حنیفۃؒ ومالکؒ۔

جواب: علامہ عینیؒ نے تو عمدۃ القاری میں یہ مذکورہ صورت نقل کی ہے مگر شرح ہدایہ میں جب یہ مسئلہ آیا تو انہوں نے فرمایا وھو قول النخعیؒ ومالکؒ الخ۔

ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی نادر روایت ہو جس کی طرف عمدۃ القاری میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ظاہر روایت وہی ہے جو ہدایہ میں ہے اس کے مطابق علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

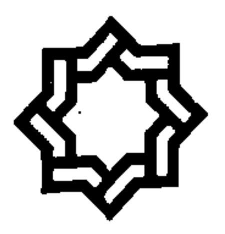
(تقعد فی صلاتھا کاستر مایکون لھا) لما روینا ان النبی ﷺ قال لتلک ضمی بعض اللحم الی الارض ولان مبنی حالھا علی التستر فی خروجھا فکذلک فی صلاتھا ینبغی ان تستر بقدر ما تقدر علیہ قال علیہ السلام المرأۃ عورۃ مستورۃ۔[۲]

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: فاما المرأۃ فانھا تقعد کاستر مایکون لھا فتجلس متورکۃ لان مراعاۃ الستر اولی من مراعاۃ سنۃ القعدۃ۔[۳] عورتوں کے لئے ایسا بیٹھنا چاہئے جس میں زیادہ پردہ کی صورت ہو تو یہ حالت تورک کی ہے کیونکہ پردہ کی رعایت مقعدہ سے زیادہ اولیٰ ہے جو کہ سُنّت ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: المرأۃ تنخفض فلا تبدی عضدیھا و تلصق بطنھا بفخدیھا لانہ استر۔

---

(۱) اس بارے میں ابوداؤد میں ایک روایت بھی ہے۔
(۲) مبسوط للسرخسی ۱/۱۹۸۔
(۳) بدائع الصنائع ۱/۲۱۱۔



باب صلاۃ الامۃ

باندی کی نماز کا بیان

۲۱۹

﴿مُحَمَّدٌ" قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ" عَنْ حَمَّادٍ" عَنْ اِبْرَاهِیْمَ" فِی الْاَمَةِ قَالَ تُصَلِّیْ بِغَیْرِ قِنَاعٍ وَلَاخِمَارٍ وَاِنْ بَلَغَتْ مِائَةَ سَنَةٍ وَاِنْ وَلَدَتْ مِنْ سَیِّدِهَا﴾

"حضرت ابراہیم" نے باندی کے بارے میں فرمایا کہ وہ بغیر اوڑھنی اور دوپٹے کے نماز پڑھے گی خواہ وہ سو سال کی عمر کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے اور اُمّ ولد (یعنی آقا کے بچے کی ماں) کیوں نہ ہو۔"

لغات: الامَة: باندی۔

قناع: اوڑھنی۔

خِمَار: دوپٹہ۔

بَلَغَتْ: بَلَغَهٗ(ن) بُلُوْغًا پہنچنا —— الثمرُ پکنا —— الغلام بالغ ہونا۔

وَلَدَتْ: وَلَدَتْ تلدُلِدَةً وِ وِلَادًا و وِلَادَةً و اِلَادَةً و مَوْلِدًا الْاُنْثٰی جننا۔ صفت والد و والدۃ (ہفت اقسام میں مثال ہے)

تشریح

نماز کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نمازی اپنے ستر کو چھپائے جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے، یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔[1]

مفسرین حضرات کا اتفاق ہے کہ زینت سے مراد ستر کا چھپانا ہے اور "مَسْجِدٍ" سے مراد نماز ہے۔ اور خُذُوْا امر کا صیغہ ہے فرضیت کے لئے ہے۔

عام عورتوں کے لئے تو ستر پورا بدن ہے سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پاؤں کے جیسے کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وبدن الحرة كلها عورة الا وجهها وكفيها لقوله عليه السلام المرأة عورة مستورة واستثناء العضوين للابتلاء بابدائهما قال ﷺ وهذا تنصيص على ان القدم عورة ويروى انها ليست بعورة وهو الاصح۔ [۳]

کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے کے اور دونوں ہتھیلیوں کے اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورت مستورہ ہے اور ان دونوں عضو کا استثناء ان دونوں کے ظاہر ہونے کی ابتلاء کی وجہ سے ہے یہ صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ متن کا یہ قول اس بات پر تنصیص ہے کہ عورت کا قدم بھی ستر ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ ستر نہیں ہے اور یہی اصح ہے۔

مگر باندی کا حکم عام عورت سے مختلف ہے کیونکہ اس کو آزاد عورتوں سے مشابہت کرنے کو بھی منع فرمایا گیا ہے تاکہ فرق رہے کہ یہ آزاد عورت ہے اور یہ باندی ہے اور دوسری بات یہ کہ باندی کو اپنے آقا کے کام کاج کے سلسلہ میں گھر سے باہر بھی جانا ہوتا ہے اگر باندی کا بھی یہی ستر ہے تو حرج واقع ہوگا۔ علامہ طحطاوی" نے حاشیہ در مختار میں اس مسئلہ کو مزید واضح کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ باندی کے ستر کے اعضاء آٹھ ہیں۔

① ② دونوں رانیں، ③ ④ دونوں سرین یہ چار ستر کے اعضاء ہوئے ⑤ قبل، ⑥ دبر، ⑦ پیٹ، ⑧ پیٹھ، بخلاف آزاد عورت کے کہ اس کے اعضاء ستر بیس ہیں۔

① ② دونوں پنڈلیاں (ٹخنوں سمیت) ③ ④ دونوں پستان، ⑤ ⑥ دونوں کان، ⑦ ⑧ دونوں بازو، ⑨ ⑩ دونوں گھٹنے، ⑪ ⑫ دونوں ہتھیلیاں، ⑬ ⑭ دونوں پاؤں کا باطنی حصہ، ⑮ سینہ، ⑯ سر، ⑰ بال، ⑱ گردن، ⑲ ⑳ دونوں ہتھیلیوں کا ظاہری حصہ۔ [۳]

تو اب خلاصہ یہ ہوا کہ عام عورت کی بغیر دوپٹہ کے نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس کا سر اور بال یہ دونوں اس کے ستر میں داخل ہیں، بخلاف باندی کے کہ اس کی نماز ہو جائے گی کیوں کہ یہ دونوں چیزیں اس کی ستر میں داخل نہیں ہیں۔

یہی حکم اُمّ ولد کے لئے بھی ہوگا کیوں کہ وہ بھی باندی رہتی ہے جب تک کہ آقا زندہ رہے آقا کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوتی ہے۔

علامہ سرخسی" اسی بارے میں فرماتے ہیں:

وللامة ان تصلی بغیر قناع لحدیث عمر ﷺ انه كان اذا رأى جارية متقنعة علاها بالدرة وقال القى عنك الخمار يا دفار اتتشبهين بالحرائر (وكذالك المكاتبة والمدبرة وام الولد) لان الرق قائم فيهن فليس لرء وسهن حكم العورة۔ [۴]

---

(۱) آیت نمبر ۳۱ سورۃ الاعراف۔ (۲) ہدایہ (باب شروط الصلوۃ التی تتقدمها)۔
(۳) حاشیہ در مختار۔ (۴) مبسوط ۲۱۲/۱۔

۲۲۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ يَضْرِبُ الْاِمَاءَ اَنْ يَتَقَنَّعْنَ يَقُوْلُ لَا تَتَشَبَّهْنَ بِالْحَرَائِرِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ لَا نَرٰى عَلَى الْاَمَةِ قِنَاعًا فِيْ صَلَاةٍ وَلَا غَيْرِهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ باندیوں کو اوڑھنی کے اوڑھنے پر مارا کرتے تھے (اور) فرماتے تھے کہ تم آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار مت کرو امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، لونڈی کے لئے دوپٹے کو نہ نماز میں ضروری سمجھتے ہیں اور نہ نماز کے باہر یہی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: يَضْرِبُ: ضَرَبَ (ض) ضَرْبًا۔ الشيءَ: متحرک ہونا ـــــ ہ مارنا۔
بِالْحَرَائِرِ یہ جمع ہے حُرَّةٌ کی بمعنی شریف عورت، آزاد عورت۔ حَرَّ (س) حَرَارًا۔ اَلْعَبْدُ آزاد ہونا۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)۔

تشریح

باندی کے ستر کے بارے میں ابھی گزرا ہے کہ سر اور بال وغیرہ اس کے ستر میں داخل نہیں تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے صرف اہل ظواہر کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ آزاد عورت اور باندی کا ستر ایک ہی ہے جیسے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آتا ہے کہ عن النبی ﷺ انہ قال لا یقبل اللہ صلوۃ حائض الا بخمار۔[1] اس حدیث میں لفظ حائض (بالغہ ہونا) عام ہے کہ آزاد ہو یا باندی یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ بخلاف جمہور فقہاء کے ان کے نزدیک باندی کا ستر آدمی کے ستر کی طرح ہے مگر اس میں پیٹھ اور پیٹ داخل ہے۔[2] جمہور فقہاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے باندی کو آزاد عورت کے ساتھ مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے حتی کہ ایک موقعہ پر جب ایک باندی کو آزاد عورت کے مشابہ پایا تو اس کو سزا دینے کا ارادہ بھی فرمایا اور فرمایا کہ خبردار اپنی باندیوں کو آزاد عورتوں سے مشابہ مت بناؤ۔[3]

(۱) ابوداؤد۔ (۲) امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے بقول حافظ عراقی (مالکی) (۳) مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ۔

۲۲۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْمَرْاَةِ تَكُوْنُ فِي الصَّلٰوةِ فَتُرِيْدُ الْحَاجَةَ جَوَابُهَا اَنْ تَصْفِقَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَتَرْكُ ذٰلِكَ مِنْهَا اَحَبُّ اِلَيْنَا﴾

"حضرت حمادؒ حضرت ابراہیمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت اگر نماز میں ہو اور اسے کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تالی بجائے (یعنی سیدھے ہاتھ کا اوپر کا حصہ اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے) امام محمدؒ نے فرمایا اس کا بھی چھوڑنا ہم کو پسند ہے۔"

لغات: الْمَرْاَة: عورت۔

تَكُوْنُ: کان (ن) کونًا وکِیَانًا وکینُونَۃً الشیءُ نو پیدا ہونا۔ واقع ہونا۔ پایا جانا۔ ہونا۔ کان افعال ناقصہ میں سے ہے۔ مبتداء و خبر کو نصب دیتا ہے۔ اور خبر کو مبتداء کے لئے ثابت کرتا ہے۔ (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔

تَصْفِقُ: صَفَقَہٗ (ن ض) صَفْقًا تھپکی لگنا۔ تالی بجانا صَفَقَ البَابَ دروازہ بند کرنا۔ کھولنا۔ (ضد)۔

جَوَابُهَا: جَوَابٌ (جمع) اَجْوِبَۃٌ وَجَوَابَات۔

تشریح

جوابہا ان تصفق: اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تالی بجائے۔

اگر عورت بھی جماعت میں شریک ہو اور امام کوئی غلطی کرے تو وہ امام کو کس طرح متنبہ کرے گی اس بارے میں ائمہ اربعہ کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور ایک روایت امام مالکؒ کی ہے کہ عورت امام کو متنبہ کرنے کے لئے تالی بجائے یعنی دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ کا کہ مرد اور عورت دونوں تسبیح پڑھیں یعنی سبحان اللہ کہیں۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء کہ تسبیح مردوں کے لئے اور تالی عورتوں کے لئے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورت کی آواز لوگوں کے دلوں کے لئے فتنہ کا سبب بن جاتی ہے اس لئے شریعت نے ان کے لئے اذان،

اقامت، نماز میں زور سے قراءت وغیرہ کرنے کو منع فرمایا ہے۔[۱]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

وہ بھی اسی طرح حدیث سے استدلال کرتے ہیں یعنی التسبیح للرجال والتصفیق للنساء اور یہ فرماتے ہیں کہ اس میں عورتوں کے لئے یہ حکم بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عورتوں کو تنبیہ اور زجر اور تالی بجانے کی مذمت ہے اور یوں کہاجارہاہے کہ تصفیق یہ تو عورتوں والا کام ہے اس سے بچو اور تم بھی تسبیح کیا کرو۔

جواب: دوسری روایت میں صیغۂ امر کے ساتھ آیا ہے یعنی فلیسبح الرجال ولتصفق النساء[۲] جب امر کے صیغہ کے ساتھ یہ بات آگئی تو اب وہ تاویل جو امام مالکؒ نے کی اس کی تردید ہوجاتی ہے[۳] قال محمد و ترک ذلک منها احب الینا کہ دونوں کو جمع نہ کرے یعنی تسبیح اور تالی دونوں کو جمع نہ کرے کیوں کہ جب ایک کافی ہو تو ایک ہی پر اکتفا کرلیاجائے کہ مرد تسبیح پر اکتفاء کریں اور عورتیں تالی پر اکتفاء کریں۔ دونوں کو جمع کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔[۴]

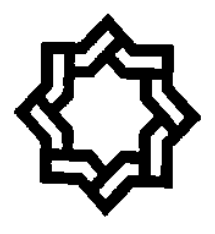
---

(۱) فتح الباری ۳/۶۲۔

(۲) نسائی ۲/۱۸۴، بخاری ۱/۹۷ اوغیرہ۔

(۳) معارف السنن ۳/۴۴۲۔

(۴) تعلیق علی کتاب الآثار لابی الوفاء الافغانی ۱/۶۱۷۔



باب الصلوۃ فی الکسوف

سورج گرہن کی نماز کا بیان

کسوف کہتے ہیں سورج گرہن کو اور خسوف کہتے ہیں چاند گرہن کو امام لغت علامہ ثعلبیؒ کے قول سے یہی مستفاد ہے اور اسی کو علامہ جوہریؒ نے اصح کیا ہے۔ اسی کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے ؎

حملت امرا عظیما فاصطبرت له وقمت فیه بامرالله یاعرا

الشمس طالعة لیست بکاسفة تبکی علیک نجوم الیل والقمرا

کعب بن مالکؓ کے اس شعر سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

فتغیر القمر المنیر لفقده والشمس قد کسفت وکادت تافل

اور بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ کسوف وخسوف دونوں کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے یہی بات امام بخاریؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتی ہے۔ بل یقول کسفت الشمس او خسفت و اورد فیه الروایة الدالة علی استعمال کل منهما فی کل منهما۔[1]

ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ اگر سورج پورا گرہن ہوجائے تو خسوف ورنہ کسوف وقیل بعض علی العکس بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ ابتداء گرہن کو کسوف اور انتہا کو خسوف کہتے ہیں۔[2]

مشروعیت: یہ ادلہ اربعہ سے ثابت ہے۔

قرآن: ومانرسل بالآیات الا تخویفا۔

حدیث: اذا رایتم شیئا من هذه الافزاع فافزعوا الی الصلوة۔

اجماع: فان الامة قد اجتمعت علیهما من غیر انکار احد۔

قیاس بھی ہے کہ جب سورج پر یہ تغیر آسکتا ہے تو انسان تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے ایسے وقت میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور رجوع میں سب سے اعلیٰ شکل نماز کی ہے۔

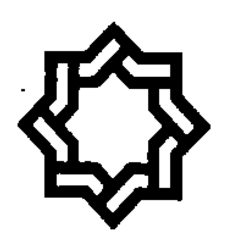
آپ ﷺ کے زمانہ میں کسوف کئی بار ہوا۔ اسحاق بن راہویہؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ وغیرہ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں یہ کئی بار ہوا۔[3] مگر جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آپ کے زمانہ میں

صرف ایک ہی بار پیش آیا جس دن آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔
یہ تو ممکن نہیں کہ ہر بار کسوف کے موقع پر حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا ہو۔
اور علامہ یوسف بنوریؒ نے مشہور ماہر فلکیات علامہ محمود پاشا مصریؒ کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قواعد ریاضیہ کی روشنی میں کسوف شمس آپ کے زمانہ مبارک میں ایک بار ہی بنتا ہے۔ (۴)

یہ کون سے سن میں ہوا

حاشیہ باجوری میں ہے کہ کسوف شمس ۲ھ میں ہوا۔
ابن حبانؒ اور ملا علی قاریؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ عمل جمادی الاخری ۵ھ میں ہوا تاریخ الخمیس والی رائے یہ ہے کہ یہ عمل جمادی الاخری ۶ھ میں ہوا۔
بعض نے ۹ھ بتایا ہے۔ شرح احیاء میں ہے کہ مدینہ منورہ میں ماہ ربیع الاول یا رمضان یا ذی الحجہ تاریخ ۱۰ یا ۱۴ یا ۱۴ کو سن ۱۰ھ میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۱) عمدۃ القاری ۳/۶۸۔
(۲) شرح مسلم للنووی ۱/۲۹۵۔
(۳) نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام بحوالہ معارف السنن ۵/۵۔
(۴) نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام بحوالہ معارف السنن ۵/۵۔



۲۲۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" عَنْ حَمَّادٍ" عَنْ اِبْرَاهِيْمَ" قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ (وَلَا لِحَيَاتِهٖ) ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ كَانَ الدُّعَاءُ حَتّٰى انْجَلَتْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَلَا نَرَى اِلَّا رَكْعَةً وَّاحِدَةً فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَتَيْنِ عَلٰى صَلَاةِ النَّاسِ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَنَرٰى اَنْ يُّصَلُّوْا جَمَاعَةً فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ وَلَا يُصَلِّيْ جَمَاعَةً اِلَّا الْاِمَامُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِهِمُ الْجُمُعَةَ فَاَمَّا اَنْ يُّصَلِّيَ النَّاسُ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فَلَا وَاَمَّا الْجَهْرُ بِالْقِرَاءَةِ فَلَمْ يَبْلُغْنَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيْهَا وَبَلَغَنَا اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ جَهَرَ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ بِالْكُوْفَةِ وَاَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ لَّا يُجْهَرَ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ وَاَمَّا كُسُوْفُ الْقَمَرِ فَاِنَّمَا يُصَلِّي النَّاسُ وُحْدَانًا وَلَا يُصَلُّوْنَ جَمَاعَةً لَا الْاِمَامُ وَلَا غَيْرُهٗ وَكَذٰلِكَ الْاَفْزَاعُ كُلُّهَا وَاِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ سَاعَةٍ لَا يُصَلِّيْ فِيْهَا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَنِصْفِ النَّهَارِ اَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَا صَلٰوةَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ وَلٰكِنِ الدُّعَاءُ حَتّٰى تَنْجَلِيَ اَوْ تَحِلَّ الصَّلٰوةُ فَيُصَلِّيْ وَقَدْ بَقِيَ مِنَ الْكُسُوْفِ شَيْءٌ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک دن سورج گرہن ہوا یہ وہ دن تھا جس دن آپ کے صاحب زادے ابراہیم کا انتقال ہوا لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس کی طلاع ملی تو آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھا اور فرمایا سورج اور چاند اللہ جل شانہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں گرہن کسی کی موت یا (زندگی) کی وجہ سے نہیں لگتا پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور دعا کی یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کے قائل ہیں جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے۔ سورج گرہن میں (لوگ) جماعت سے نماز پڑھیں گے اور وہی نماز پڑھائے جو جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے۔ لوگوں کے اپنی اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کے ہم قائل نہیں ہیں۔ اور قراءت کے بارے میں

ہمیں آپ ﷺ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے زور سے قراءت پڑھی ہو۔"

ہمیں یہ روایت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پہنچی ہے کہ انہوں نے کوفہ میں زور سے قراءت پڑھی تھی ہمیں یہ زیادہ پسند ہے کہ زور سے قراءت نہ پڑھی جائے۔

چاند گرہن میں لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں گے جماعت سے نہیں نہ امام نہ کوئی اور، اسی طرح دوسری پریشانیوں یا آفات کے موقعے پر بھی۔ اگر سورج گرہن ایسے وقت میں ہوا جس وقت نماز پڑھنا منع ہے مثلاً طلوع الشمس یا زوال یا عصر کے بعد تو ان اوقات میں نماز نہیں پڑھائی جائے گی۔ البتہ اس وقت تک دعاء کی جائے گی جب تک کہ گرہن ختم نہ ہو جائے یا نماز پڑھنا جائز ہو جائے تو نماز پڑھی جائے گی اگر گرہن کا کچھ حصہ باقی ہو۔

لغات: اِنْکَسَفَتِ الشمس: آفتاب میں گہن لگنا۔

عَھْد: (مصدر) ہو فا۔ ضمان۔ امان۔ ذمہ۔ دوستی۔ وصیت، میثاق۔ قسم۔ شاہی فرمان (جمع) عُھُوْدٌ

مَاتَ: (ن) مَوْتًا مرنا۔ (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔

اٰیات: (جمع) آیَۃٌ بمعنی علامت، عبرت۔ نشانی۔

اَلْجَھْرُ: جَھَرَ (ف) جَھْرًا و جِھَارًا و جَھْرَۃً۔ اَلْاَمْرُوَ بِالْاَمْرِ اعلان کرنا ــــ بالقول آواز بلند کرنا ــــ الصوت بلند کرنا۔

تَنْجَلِی: باب انفعال سے واحد مونث غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ بمعنی ظاہر ہونا۔ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔

تشریح

کیا سورج گرہن کے دن خطبہ ہوگا؟

خطب الناس خطبہ دیا ہے۔

اس میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: امام شافعیؒ، اسحٰقؒ، جریرؒ وغیرہ کا ہے کہ خطبہ کا ہونا مستحب ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ، احمدؒ کا ہے کہ خطبہ نہیں ہوگا۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

آپ نے جو حکم دیا وہ نماز و تکبیر اور صدقہ دینے کا حکم دیا ہے خطبہ کا حکم نہیں دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر خطبہ ہوتا تو سورج گرہن کے دوران ہوتا آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا وہ سورج گرہن کے ختم ہونے کے بعد دیا۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں و لا خطبة فیها عندنا۔[1]

ان الشمس و القمر اٰیتان من اٰیات اللّٰہ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ اٰیتان من اٰیات اللّٰہ یخوف بهما عباده کہ یہ دونوں اللہ کی نشانیاں ہیں جن سے حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں۔

اس پر ہمارے زمانے کے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ چاند اور سورج گرہن کا اپنا ایک نظام ہے جو حساب و تقویم والے پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں دن فلاں وقت میں ہوا ہے وہ تو اپنے حساب کے اعتبار سے گرہن ہوا اب اس وقت میں یہ کہنا کہ نماز پڑھو اور استغفار کرو اور اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تو کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے کہ ان چیزوں کا حکم دیا جائے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ پہلی قوموں پر عذاب کی جو شکل ہوتی تھی وہ بھی عام معروف روزمرہ کی چیزوں سے ہوتی تھی۔ مثلاً قوم نوح پر وہی پانی جو عام طور سے استعمال کیا جاتا ہے اسی کی زیادتی سے اس قوم کو ہلاک کیا گیا۔
قوم عاد پر وہی ہوا جو استعمال میں آتی ہے اس کی زیادتی سے اس قوم کو ہلاک کیا گیا تو اب اسی طرح گرہن بھی اگر اپنے معروف حد سے بڑھ جائے تو ہلاکت اور عذاب کی شکل بن سکتا ہے اس لئے اس وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اہل ہیئت فرماتے ہیں کہ گرہن کا وقت بہت ہی نازک وقت ہوتا ہے کیوں کہ اس وقت چاند سورج اور زمین کے درمیان حائل ہو چکا ہوتا ہے تو سورج اور زمین دونوں اپنی طرف ایک دوسرے کو کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایک جانب کی کشش غالب آجائے تو پھر سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اس لئے اس وقت میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے کو فرمایا گیا۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ وقت عبرت کا ہے اگرچہ طبعی اور عادت کی بناء پر بھی ہوا ہو کہ اتنی بڑی مخلوق پر تغیر جب آسکتا ہے تو پھر انسان پر کیوں تغیر نہیں آسکتا۔ جیسے بقول شاعر ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

قال محمد و به ناخذ و لا نری الا رکعة واحدة فی کل رکعة و سجدتین علی صلاة الناس فی غیر ذلک۔
امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو پسند کرتے ہیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کئے جائیں۔ جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے۔

سورج گرہن میں کتنے رکوع اور سجدے ہوں گے؟

اس بارے میں فقہاء کے پانچ مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابوثورؒ، لیثؒ، علماء حجاز وغیرہ کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع اور دو رکعت میں چار رکوع اور چار سجدے ہوں گے۔

دوسرا مذہب: طاؤس بن کیسانؒ، حبیب بن ابی ثابتؒ، عبدالملک بن جریجؒ وغیرہ کہتے ہیں ہر رکعت میں چار چار رکوع ہوں گے۔ لہٰذا دو رکعت میں آٹھ رکوع ہو جائیں گے۔

تیسرا مذہب: امام قتادہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ کے نزدیک ہر رکعت میں تین تین رکوع ہوں گے۔ لہٰذا دو رکعت میں چھ رکوع ہو جائیں گے۔

چوتھا مذہب: محمد بن جریرؒ، یحییٰ بن راہویہؒ، سعید بن جبیرؒ وغیرہم، ان اصحاب کے نزدیک رکوع و سجدے کی کوئی حد مقرر نہیں جب تک سورج، چاند، کا گرہن ختم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک رکوع سجدہ کا تکرار ہوتا رہے۔

پانچواں مذہب: عبداللہ بن زبیرؓ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہ، عام نمازوں کی طرح دو رکعت میں دو ہی رکوع ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک ایک ہی رکوع اور دو سجدے ہوں گے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو رکوع اور دو سجدے ہوں گے دلائل صرف ان ہی دو مذاہب کے دیئے جائیں گے۔

استدلال ائمہ ثلاثہ

❶ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ قالت ان الشمس خسفت علی عھد النبی ﷺ فصلی فبعث منادیا الصلوۃ جامعۃ فتقدم فصلی اربع رکعات (ای رکوعات) فی رکعتین۔ (۷)

❷ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ قال انخسفت الشمس علی عھد النبی ﷺ فصلی والناس معہ فقام قیاما طویلا نحوا من قراءۃ البقرہ ثم رکع رکوعا طویلا ثم رفع فقام قیاما طویلا ثم رکع رکوعا طویلا وھو دون الرکوع الاول ثم رفع ثم سجد۔ (۸)

اسی طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (۹) حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ اور (۱۰) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۱۱) جابر رضی اللہ عنہ (۱۲) کی روایت سے استدلال فرماتے ہیں۔

احناف کا استدلال

❶ حدیث ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ خسفت الشمس علی عھد رسول اللہ ﷺ فخرج یجر رداءہ حتی انتھی الی المسجد وثاب الیہ الناس فصلی بھم رکعتین [۱۳] (وفی روایۃ)فصلی رکعتین کما تصلون۔[۱۴]

❷ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا (وفی روایۃ)صلی حین انکسفت الشمس مثل صلوتنا یرکع ویسجد۔[۱۵]

❸ حدیث سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصلی فقام کاطول قیام ما قام بنا فی صلوۃ قط مانسمع لہ صوتا ثم رکع بنا کاطول رکوع ما رکع بنا فی صلوۃ قط مانسمع لہ صوتا ثم سجد بنا کاطول سجود ما سجد بنا فی صلوۃ قط الخ۔[۱۶]

❹ اسی طرح قبیصہ بن مخارق ہلالیؓ وغیرہ کی روایت آتی ہے۔[۱۷]

❺ حدیث محمود بن لبید رضی اللہ عنہ۔[۱۸]

❻ حضرت عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔[۱۹]

❼ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ۔[۲۰]

❽ مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ۔[۲۱]

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کے جوابات

پہلا جواب: صاحب ہدایہ تو یہ فرماتے ہیں حال الکشف علی الرجال لقربھم فکان الترجیح کہ حضرت عائشہؓ بالکل پیچھے تھیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بچے ہونے کی وجہ سے پیچھے تھے تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ وغیرہ آگے صف میں تھے اس لئے ان کا قول زیادہ معتبر ہوگا۔[۲۲]

دوسرا جواب: جو سب سے اچھا جواب ہے جو صاحب بدائع الصنائع“ ۔ حضرت شیخ الہند“ ۔ حضرت انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اس نماز کے بعد حکم دیا۔

فاذا رایت من ذلک شیئا فصلوا کاحدث صلاۃ مکتوبۃ صلیتموھا۔[۲۳]

کہ اس میں حکم دیا کہ ایک ہی رکوع کیا جائے اور اس نماز کسوف کو فجر کی نماز کی طرح ادا کرو (یعنی ایک ہی رکوع ہے)۔

تیسرا جواب: یہ دیا جاتا ہے کہ آپ نے کافی طویل رکوع فرمایا تھا تو درمیانی صفوں کے صحابہ نے یہ خیال کرکے سر

اٹھایا کہ ایک رکوع سے اٹھ چکے ہوں گے مگر جب سر اٹھا کر دیکھا کہ ابھی تک آپ ﷺ رکوع میں ہی ہیں تو انہوں نے دوبارہ رکوع کر لیا ان کے پیچھے والوں نے یہ سمجھا کہ یہ دوسرا رکوع ہے۔(۲۴)

وجہ ترجیح مذہب احناف کی

❶ احناف کی نماز عام نماز کی طرح ہے۔

❷ احناف کے پاس قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایات ہیں بخلاف ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے پاس صرف فعلی روایات ہیں قولی کوئی روایت نہیں ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ قولی حدیث مقدم ہوتی ہے فعلی حدیث پر۔

❸ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک ہی رکوع کے ساتھ نماز کسوف پڑھائی تھی۔اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک ہی رکوع کے ساتھ نماز کسوف پڑھائی۔(۲۵)

نریٰ ان یصلوا جماعۃ فی کسوف الشمس ولا یصلی جماعۃ الا الامام الذی یصلی بھم الجمعۃ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور وہی امام نماز پڑھائے گا جو جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے۔

سورج گرہن کی جماعت بغیر اذان اور اقامت کے ہوگی۔اور جماعت کی نماز وہ پڑھائے گا جو سلطان ہو یا سلطان کا نائب ہو یا قاضی ہو یا قاضی کا نائب ہو۔یا کم از کم جمعہ کی نماز پڑھانے والا خطیب ہو جیسے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں جب گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے خود نماز پڑھائی اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود پڑھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود پڑھائی تھی۔اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ ء خلافت میں خود پڑھائی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ جب بصرہ کے امیر تھے تو انہوں نے خود پڑھائی(۲۶) یا کم از کم جمعہ یا عیدین کی نماز پڑھانے والا نماز پڑھائے(۲۷) کیوں کہ اس کے لئے جمعہ والی تمام شرائط ہیں خطبہ کے علاوہ۔

اگر خلیفہ یا نائب خلیفہ وغیرہ نماز نہ پڑھائے تو اب کیا کیا جائے گا اس بارے میں فتاویٰ ہندیہ میں ہے الا اذا امرھم الامام الاعظم بذلک فحینئذ ان یصلوا بجماعۃ یؤمھم فیھا امام حیھم فی مسجدھم۔(۲۸)

اگر خطیب جمعہ حاضر نہ ہو تو لوگ اپنی اپنی نماز الگ الگ پڑھیں گے تاکہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ہر ایک اپنے مسلک کے امام کو آگے کرنے کی کوشش کرے گا اس سے بچنے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی نماز پڑھ لے۔(۲۹)

فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ الجھر بالقراء فلم یبلغنا ان النبی ﷺ جھر بالقراءۃ فیھا الخ۔

صلوۃ کسوف میں قراءت جہراً ہوگی یا سراً اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، لیث بن سعدؒ، جمہور فقہاء کے نزدیک اس میں قراءت بالسر مسنون ہے۔

دوسرا مذہب: امام احمدؒ بن حنبلؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ، ابن خزیمہؒ، امام طحاویؒ، ابن عربیؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، ابن المنذرؒ وغیرہ کے نزدیک اس میں قراءت بالجہر ہوگی۔ (۳۰)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ (۳۱)

❷ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ جس میں وہ فرماتے ہیں فقام قیاما طویلا نحوا من قراءۃ سورۃ البقرۃ۔ "نحوًا" دلالت کررہا ہے کہ قراءت سراً تھی۔ (۳۲)

❸ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ قال صلیت الی جنب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم کسفت الشمس فلم اسمع لہ قراءۃ۔ (۳۳)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا ان النبی ﷺ صلی صلاۃ الکسوف وجھر بالقراءۃ فیھا۔ (۳۴)

جواب: خود حضرت عائشہؓ سے اس روایت کے خلاف یعنی سراً والی روایت بھی منقول ہے وہ روایت یہ ہے۔ فحرذت قراءتہٗ فرایت انہ قرأ، سورۃ البقرۃ الخ کہ میرے اندازے کے متعلق پہلی رکعت میں سورت بقرہ اور دوسری رکعت میں سورت آل عمران کے بقدر پڑھی بعض متاخرین علماء احناف فرماتے ہیں کہ اصل تو احناف کے نزدیک سراً ہی ہے ہاں اگر مقتدیوں کے اکتا جانے کا خوف ہو تو جہر بھی کیا جاسکتا ہے۔

واما کسوف القمر فانما یصلی الناس وحدانا۔

چاند گرہن میں لوگ اکیلے اکیلے ہی نماز پڑھیں گے۔ چاند گرہن کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک جماعت مشروع نہیں۔ پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابوثورؒ، وغیرہ کے نزدیک جماعت مشروع ہے۔ (۳۵)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

عمومی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور یہ حضرات صلوۃ خسوف کو صلوۃ کسوف پر قیاس کرتے ہیں مثلاً ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد ولکنھما اٰیتان من اٰیات اللّٰہ عزوجل فاذا رایتموھما فصلوا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

آپ کے زمانہ میں جب جمادی الاخری ۴ھ میں چاند گرہن ہوا تو آپ نے جماعت کا اہتمام نہیں کیا[۳۶] ہدایہ میں ہے لیس فی خسوف القمر جماعۃ۔[۳۷]

وکذلک الافزاع کلھا کہ جب بھی پریشانی ہو تو نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہئے کیوں کہ قرآن میں آتا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اور طلب اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعہ۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بھی آپ کو کوئی پریشانی ہوتی آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر آندھی آتی تو آپ ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔[۳۸]

واذا انکسفت الشمس فی ساعۃ لا یصلی فیھا کہ فجر کے بعد اور زوال کے وقت اور عصر کی نماز کے بعد جن اوقات میں نوافل پڑھنا منع ہے، ان اوقات میں سورج گرہن کی نماز پڑھنا بھی منع ہوگی۔ علامہ کرخیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں ولا یصلی للکسوف فی الاوقات الثلاثۃ التی تکرہ فیھا الصلوۃ لانھا تطوع کسائر التطوعات۔[۳۹] مگر امام شافعیؒ کے نزدیک ان اوقات میں جائز ہوگی جیسے کہ نماز جنازہ، نماز طواف، اور وہ نماز جو آدمی اپنے اوپر لازم کرے سب ان کے نزدیک ان اوقات میں پڑھ سکتا ہے۔ تو یہ بھی ان کے نزدیک پڑھ سکتا ہے۔[۴۰]

---

(۱) ان میں سے اکثر اقوال عمدۃ القاری ۳/۶۸۔۴ بہترین تحقیق ہے دیکھیں قلائد الازہار ۳/۲۱۸، ۲۱۵ میں نعت الفقہاء ۸۱۳ فتح الباری ۴۳۶/۲۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۱/۲۹۵ کتاب کسوف بذل المجہود ۲/۲۱۹، المغرب ۲/۲۱۹۔

(۳) نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام بحوالہ معارف السنن ۵/۵۔

(۴) بدائع الصنائع ۱/۲۸۶۔

(۵) نخب الافکار ۳/۲۶۳، ۲۸۳ بحوالہ ایضاح، الطحاوی، معارف السنن ۵/۲ عمدۃ القاری قلائد الازہار ۳/۲۱۲، ۲۰۱۔ ہدایۃ المجتہد ۲۰۳۔ زاد المعاد ۱۲۶۔ سبل السلام ۲/۹۲۔

(۶) مسلم ۱/۲۹۶ بخاری مع تغیر یسیر ۱/۱۴۵ ہدایہ الاول۔

(۷) بخاری ۱/۱۴۳ باب صلوۃ الکسوف جماعۃ۔

(۸) مسلم ۱/۲۹۸ کتاب الکسوف۔

(۹) بخاری ۱/۱۴۳ و مسلم ۱/۲۰۰۔

(۱۰) نسائی ۱/۲۱۸ باب کیف صلوۃ الکسوف۔

(۱۱) مسلم ۱/۲۹۷۔

(۱۲) بخاری (باب الصلوۃ فی کسوف القمر) ۱/۱۴۵۔

(۱۳) نسائی ۱/ ۲۲۳ وفی روایۃ ابن حبان مثل صلوتکم (آثار السنن)۔
(۱۴) نسائی (باب کیف صلوۃ الکسوف) ۱/ ۲۱۹، ۲۲۰، مسند احمد ۴/ ۲۷۱، اسنادہ صحیح (آثار السنن ۲۶۴۔
(۱۵) نسائی (باب کیف صلوۃ الکسوف) ۱/ ۲۱۹، ابوداؤد ۱/ ۱۶۸۔
(۱۶) نسائی باب کیف صلوۃ الکسوف ۱/ ۲۱۹ ابوداؤد ۱/ ۱۶۸۔
(۱۷) مسند احمد۔ (۱۸) طحاوی ۱/ ۱۹۴۔ (۱۹) طحاوی ۱/ ۱۹۴۔ (۲۰) طحاوی ۱/ ۱۹۴۔
(۲۱) فتح القدیر ۱/ ۴۳۴، تعلیق الصبیح ۲/ ۱۷۷ اس جواب کو رد کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض پیچھے والوں کو غلط فہمی تھی تو اس کو نماز کے بعد اس غلط فہمی کو دور کیوں نہ کر لیا گیا صحابہ تو بہت زیادہ نماز کا اہتمام کرنے والے تھے اور ہمیشہ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہی رہے یہ کیسے ممکن ہے۔
(۲۲) بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۱ و معارف السنن ۵/ ۱۸۔
(۲۳) اس جواب کو درس ترمذی للشیخ تقی عثمانی میں کمزور کہا گیا ہے کیوں کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت انہ صلی فی کسوف فقرء ثم رکع ثم قرء ثم رکع ثم سجد سجدتین والاخری مثلھا کے الفاظ منقول ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں رکوع کے درمیان قراءت بھی ہوئی تھی۔
(۲۴) مجمع الزوائد ۲/ ۲۰۶، ۲۰۷، طحاوی ۱/ ۱۶۳۔
(۲۵) قلائد الازھار۔ (۲۶) قلائد الازھار ۳/ ۲۳۸۔ (۲۷) بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۱۔
(۲۸) فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۶۳۔
(۲۹) بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۱، البحر الرائق ۲/ ۱۶۷۔
(۳۰) نخب الافکار ۳/ ۳۰۲، معارف السنن ۵/ ۲۹ المدونہ ۱/ ۱۵۵، شرح زرقانی بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۸۱، در مختار ۱/ ۵۹۰، مبسوط سرخسی ۲/ ۶۶، کتاب الام ۱/ ۲۱۶، بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۲، نووی ۱/ ۲۹۶، فتح الباری ۲/ ۵۵۰، امام محمد کے بارے میں صاحب بدائع" نے اضطراب نقل کیا ہے۔ عام روایات پر ان کا قول امام ابوحنیفہ" کے ساتھ مذکور ہے۔
(۳۱) نسائی کتاب الکسوف باب ترک الجہر فیھا بالقراۃ فیھا ۱/ ۲۲۲۔
(۳۲) بخاری ۱/ ۱۴۳ باب صلوۃ الکسوف جماعۃ، مسلم ۱/ ۲۹۸ کتاب الکسوف۔
(۳۳) ازہار السنن۔
(۳۴) ترمذی ۱/ ۱۰۰ وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔
(۳۵) عمدۃ القاری ۵/ ۳۰۳، معارف السنن ۵/ ۲۸ قیل جماعۃ وغیرہ۔
(۳۶) عمدۃ القاری ۵/ ۳۰۳۔ (۳۷) ہدایہ۔ (۳۸) بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۲۔
(۳۹) مبسوط للسرخسی" ۲/ ۷۶ وکذا بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۲ وکذا البحر الرائق۔
(۴۰) کتاب الام ۱/ ۲۱۵۔

باب الجنائز و غسل المیت

جنازوں کا اور مردے کو نہلانے کا بیان

جنائز یہ جمع ہے جنازۃ کی اس میں جیم کا ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ مگر جیم کا کسرہ زیادہ فصیح ہے بعض کہتے ہیں کہ جیم کے فتح کے ساتھ جنازۃ، یہ میت کو کہتے ہیں اور جیم کا کسرہ جنازہ وہ تختہ جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے بعض نے اس کے برعکس بھی فرمایا ہے یہ تو مفرد ہونے کی صورت میں تھا مگر جمع میں سب کا اتفاق ہے کہ جنائز جیم کے فتح کے ساتھ ہی ہے۔ (☆)

جنازہ: کالغوی معنی جنز یجنز۔بجز (ض) سے ماخوذ ہے بمعنی چھپانا۔

نماز جنازہ کب شروع ہوئی

نماز جنازہ، مدینہ منورہ میں ہجرت کے سال سے شروع ہوئی۔ اور جو مکہ میں انتقال فرما گئے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ (۱)

۲۲۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ ؒ عَنْ حَمَّادٍ ؒ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ ؒ قَالَ يُغْسَلُ الْمَيِّتُ وِتْرًا! اِثْنَتَيْنِ بِمَاءٍ وَوَاحِدَةً بِالسِّدْرِ وَهِيَ الْوُسْطٰى وَيُجَمَّرُ وِتْرًا وَلَا يَكُوْنُ اٰخِرُ زَادِهٖ اِلَى الْقَبْرِ نَارًا يُتْبَعُ بِهَا وَيَكُوْنُ كَفْنُهٗ وِتْرًا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اِلَّا فِيْ خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ اِنْ شِئْتَ جَعَلْتَ كَفْنَهٗ وِتْرًا وَاِنْ شِئْتَ شَفْعًا﴾

۲۲۴

﴿بَلَغَنَا عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اِغْسِلُوْا ثَوْبَيَّ هٰذَيْنِ وَكَفِّنُوْنِيْ فِيْهِمَا فَهٰذَا شَفْعٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیم ؒ نے فرمایا مردے کو طاق بار غسل دیا جائے گا۔ دو بار پانی سے اور ان کے درمیان ایک بار

بیری سے اور طاق بار دھونی دی جائے گی اور قبر میں جاتے ہوئے اس کا آخری توشہ ایسی آگ نہیں ہونا چاہئے جو اس کے ساتھ لے جائی جائے۔ اس کو طاق کپڑوں میں کفن دیا جائے گا امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ سوائے ایک بات کے اور وہ یہ کہ تم چاہو تو اس کے کفن کو طاق کردو اور چاہو تو جفت کر دو۔"

ہمیں یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے ان دو کپڑوں کو دھو کر مجھے ان دونوں میں کفن دے دینا یہ دو کپڑے جفت تھے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: یغسل: غَسَلَ (ض) غَسْلاً و غُسْلاً۔ الشیءَ: پانی سے میل کچیل دور کرنا ــــ ہ: تکلیف دہ طریقے سے مارنا۔ بہت جماع کرنا۔

وِتْرًا: طاق۔ بے جوڑ۔

اَلسِدْر: بیر کا درخت (جمع) سُدُوْر۔

اَلْوُسْطٰی: اوسط کا مونث۔ (جمع) وُسَط متوسط۔ معتدل۔ درمیان۔

اَلْقَبْر: (مصدر) انسان کے دفن کرنے کی جگہ (جمع) قُبُور قَبَرَ (ن ض) قَبْرًا و مَقْبَرًا المیت میت کو دفن کرنا۔

کَفَنَہٗ: کَفَن (جمع) اکفان۔

تشریح

یُغْسَلُ الْمَیِّتُ وِتْرًا میت کو طاق بار غسل دیا جائے گا، غسل میت فرض ہے یا سنت اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: اس بارے میں جمہور علماء علامہ نوویؒ، ابن حجرؒ، عبدالحق محدث دہلویؒ، ابن ہمامؒ، بدرالدین عینیؒ وغیرہ نے ایک مرتبہ غسل دینے کے فرض کفایہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ [۲]

دوسرا مذہب: علامہ ابن رشدؒ نے کہا کہ مذہب مالکی میں بعض علماء کے نزدیک غسل میت فرض ہے اور بعض کے نزدیک سنت کفایہ ہے۔ [۳]

اسی طرح علامہ قرطبیؒ نے غسل میت کے سنت کفایہ ہونے کو ترجیح دی ہے علامہ عینیؒ نے اس کا مطلب یہ نقل کیا ہے کہ یہ بات اب زیادہ واضح ہوگئی ہے کیوں کہ خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہوتا واجب ہی ثابت ہوتا ہے۔ [۴]

غسل کتنی بار دیا جائے

میت کو ایک بار غسل دینا تو جمہور کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور تین بار غسل دینا سنت ہے اور اگر تین بار میں پاکی
حاصل نہ ہو تو زیادہ بھی دیا جائے گا مگر اس صورت میں بھی طاق عدد کا لحاظ رکھنا مستحب ہو گا مثلاً پانچ، سات مرتبہ۔
شامی میں ہے کہ بلا عذر تین مرتبہ سے زیادہ کرنا مکروہ ہے۔ (۵)

اِثْنَتَیْنِ بِمَاءٍ وَوَاحِدَۃً بِالسِّدْرِ دو بار پانی سے ایک بار بیری سے اس بارے میں ائمہ کے چار مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک پہلی مرتبہ سادے پانی سے غسل دیا جائے اور دوسری مرتبہ بیری کے پانی
سے اور پھر تیسری مرتبہ کافور ملے ہوئے پانی سے غسل دیا جائے۔

دوسرا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک بیری کے پانی کے جھاگ سے میت کا صرف سر اور داڑھی دھوئی جائے پھر تین
مرتبہ سادہ پانی سے غسل دیا جائے البتہ آخری مرتبہ پانی میں کافور اور بیری کے پتے ملا کر غسل دیا جائے۔

تیسرا مذہب: امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک ہر مرتبہ کے غسل میں تین بار پانی ڈالا جائے گا۔ ہر مرتبہ پہلی بار بیری کا پانی
دوسری بار سادہ پانی اور پھر تیسری مرتبہ میں ماء کافور سے غسل دیا جائے گا۔

نوٹ: کیوں کہ بعض ائمہ کے نزدیک جب پانی میں کوئی چیز مل جائے تو وہ پانی مقید بن جاتا ہے اور غسل ماء مطلق سے
ہونا ضروری ہے اس لئے انہوں نے تیسری مرتبہ سادے پانی کے استعمال کو فرمایا تاکہ ہر مرتبہ کے نہلانے میں ماء مطلق
کا بہانا پایا جائے اور غسل صحیح ہو جائے کیوں کہ حدیث میں کافور اور بیری سے بھی غسل دینے کو فرمایا گیا ہے اس لئے یہ
تاویل کرنی پڑی۔

چوتھا مذہب: امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک بقول ابن ہمامؒ کے پہلی دو مرتبہ بیری کے پانی سے نہلایا جائے گا پھر
تیسری مرتبہ کافور ملا کر غسل دیا جائے گا کیوں کہ ایک روایت میں آتا ہے انه کان یاخذ الغسل من اُم عطیه یغسل
بالسدر مرتین والثالث بالماء والکافور۔ (۶)

اور بقول شیخ الاسلام کے پہلے مرتبہ سادے پانی سے اور پھر دوسری مرتبہ بیری کے پانی سے اور تیسری مرتبہ کافور
والے پانی سے غسل دیا جائے گا۔ (۷)

بِالسِّدْرِ۔ بیری کا پانی۔ بیری کے پانی سے غسل دیا جائے اس بارے میں منقول دلیل تو حضرت اُمّ عطیہؓ کی
روایت ہے اس میں حکم ہے کہ بیری کے پانی سے غسل دو۔ (۸)
عقلی دلیل یہ ہے کہ بیری کے پتے دافع عفونت ہوتے ہیں۔ اس سے لاش جلدی خراب نہیں ہوتی اور اس سے
جسم کا میل وغیرہ خوب صاف ہو جاتا ہے۔

وَیُبَخَّرُ وِتْرًا۔ طاق مرتبہ دھونی دی جائے گی۔
میت کو دھونی اس لئے دی جاتی ہے کہ قبر کے اندر موذی جانور کیڑے وغیرہ اس کی بو سے بھاگ جائیں۔ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ میت کو دھونی تین موقعوں پر دی جائے گی:

❶ روح نکلتے وقت تاکہ بدبو وغیرہ دور ہو جائے۔
❷ غسل دیتے وقت۔
❸ کفن پہنانے کے وقت۔[9]

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ دھونی طاق بار دی جائے گی ایک، تین یا پانچ مرتبہ پانچ مرتبہ سے زیادہ نہیں دی جائے گی اس میں طاق کا لحاظ رکھنا چاہئے کیوں کہ ان اللّٰہ وتر یحب الوتر۔[10]

قبرستان میں آگ لے کر نہیں جانا چاہئے

وَلَایَکُوْنُ فِی اُخِرُہٗ ذَادِہٖ اِلَی الْقَبْرِ نَارًا کہ اس کا آخری توشہ آگ نہیں لے جانا چاہئے۔
اس بارے میں حدیث شریف میں بھی ممانعت ہے کہ جنازے کے پیچھے آگ وغیرہ نہ لے جاؤ اور اس میں تفاؤل یہ ہے کہ اے اللہ ہم اس کے ساتھ آگ نہیں لے جارہے تو بھی اس کو قبر اور جہنم کی آگ سے محفوظ فرما اور اس میں مشابہت ہوتی ہے، نصاریٰ، مجوسی اور جنوں کے ساتھ۔[11]
اس کی مذمت کتنی احادیث اور آثار میں آتی ہے مثلاً:
حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں آتا ہے:

قال قال ام لا نتبع الجنازہ بصوت ولا بنار ولا یمشی امامھا۔
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ کے ساتھ نہ کوئی آواز (نوحہ کیا جائے) اور نہ ہی آگ لے جائی جائے اور نہ کوئی جنازے سے آگے چلے۔
سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے اثر میں آتا ہے:
سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول لا تشھبو اباھل الکتاب کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جنازے کے ساتھ آگ لے جا کر اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔
اسی طرح ابو ہریرۃؓ، حضرت حسن بصریؒ، امام شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابن سیرینؒ ان سب کی وصیت میں یہ بات ملتی ہے کہ ان کے جنازے کے ساتھ آگ نہ لی جائے۔

سوال: غسل والے پانی کو بھی تو آگ پر گرم کیا جاتا ہے۔ یہ بھی تفاؤلاً منع ہونا چاہئے۔

جواب: وہ طہارت کے لئے کیا جاتا ہے۔ شیخ جرجانیؒ فرماتے ہیں یہ علت صحیح نہیں کیوں کہ دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے میں کفن دینا بالاتفاق جائز ہے (دھوبی بھی تو بھٹی میں کپڑا ڈالتے ہیں)۔

بَلَغَنَا عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِیْقِ اَنَّہٗ قَالَ اِغْسِلُوْا ثَوْبِیْ ھٰذَیْنِ الخ۔
اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز حدیث نمبر ۲۲۷ میں آ رہی ہے۔

(☆) ھذا کلہ من مغرب ۱/۹۶۔

(۱) عمدۃ القاری ۴۱/۳، بذل المجھود ۱۷۵/۴، تعلیق الصبیح ۱۹۰/۲، لسان العرب ۳۲۴/۵، الکوکب الدری ۱۶۳/۲، المجموع ۹۳/۵ اوجز المسالک ۴۲۰/۲، فتح الملہم ۴۶۵/۲۔

(۲) عمدۃ القاری ۴۰/۴، تعلیق الصبیح ۲۳۱/۲، اشعۃ اللمعات ۷۱۵/۱، فتح القدیر ۴۴۷/۱، اوجز المسالک ۱۹۵/۴، فتح الباری ۱۰۳/۳۔

(۳) بدایۃ المجتہد ۱۹۳/۱۔

(۴) عینی ۴۰/۴، تعلیق الصبیح ۲۳۱/۲۔

(۵) درمختار ۱۹۵/۵۔

(۶) ابوداؤد ۴۴۹/۲ (باب کیف غسل المیت) بیہقی ۳۹۵/۳، بیہقی ۲۱/۳۔

(۷) وکذا عمدۃ القاری ۴۶/۴ مگر شرح مسلم للنوویؒ ۳۰۴/۱ میں امام نوویؒ کو مغالطہ ہوا وہ فرماتے ہیں وقال ابو حنیفہ لا یستحب، یہ بات غلط ہے جیسا کہ شیخ الاسلام کے بقول امام صاحب کے نزدیک کافور کے پانی سے غسل دیا جائے گا۔

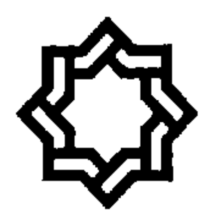
(۸) صحاح ستہ۔

(۹) فتح القدیر۔

(۱۰) بدائع الصنائع ۳۰۷/۱ وکذا تبیین الحقائق، نہایہ، وکذا بحر الرائق ۱۷۱/۱۔

(۱۱) قلائد الازہار ۲۶۵/۳۔

(۱۲) مصنف بن ابی شیبہ۔



۲۲۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَیْمَانَ عَنْ اِبْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ سَأَلَهٗ عَنِ الْمِسْكِ یُجْعَلُ فِیْ حُنُوْطِ الْمَیِّتِ قَالَ اَوَلَیْسَ مِنْ اَطْیَبِ طِیْبِكُمْ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ﴾

"حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میت کی خوشبو میں مشک ڈال دی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کیا مشک تمہاری بہترین خوشبو میں سے نہیں ہے؟ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔"

لغات: سَأَلَهٗ: سَأَلَ (ف) سُؤَالاً و سَآلَةً و سَأَلَةً و مَسْأَلَةً و تَسْآلاً: طلب کرنا، مانگنا۔ درخواست کرنا۔ (ہفت اقسام میں مہموز العین ہے)۔

اَلْمِسْک: مشک۔ کستوری۔ یہ ایک جانور کا خون ہے۔ جو اس کی ناف میں جمع ہوتا ہے اور اس جانور کو غَزَالُ الْمِسْک کہتے ہیں اور مشک کے ٹکڑے کو مِسْکَۃٌ کہتے ہیں (جمع) مِسَکٌ۔

حُنُوْط: الحِنَاط و الحُنُوط ایک قسم کی مرکب خوشبو جو مردوں کے جسم اور کفن پر لگاتے تھے۔

تشریح

"حنوط" کہتے ہیں ہر وہ خوشبو جو مردے کو لگائی جاتی ہے مگر علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

قال الباجی الحنوط ما یجعل فی جسد المیت و کفنه من طیب مسک و عنبر و کافور و کل ماله ریح لا لون فالقصد صیانة المیت لئلا یظهر منه ریح مکروهة دون التجمل باللون۔[1]

کہ حنوط وہ خوشبو ہے جو (مشک و کافور سے مرکب ہو اور) میت کے جسم اور کفن میں لگائی جاتی ہے ہر وہ خوشبو جس میں خوشبو ہو مگر رنگ نہ ہو۔ مقصد اس سے میت کی حفاظت کرنی ہے کہ اس سے بدبو ظاہر نہ ہو اور اس رنگ سے مزین کرنا نہ ہو۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: الحنوط عطر مرکب من اشیاء طیبة و لا باس لسائر الطیب غیر الزعفران و بهذا یعلم جهل من یجعل الزعفران فی الکفن عند رأس المیت فی زماننا۔[2]

حنوط وہ خوشبو ہوتی ہے جو مختلف خوشبوؤں سے بنائی جاتی ہے۔ زعفران اور ورس کے علاوہ خوشبو کے استعمال میں

کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ دونوں زندوں کی خوشبوئیں ہیں تو مردوں کے لئے زعفران کے استعمال میں نہی وارد ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوا جو بعض جہلاء مردے کے سر کے پاس کفن پر زعفران لگاتے ہیں یہ غلط ہے۔

مبسوط میں ہے کہ میت کی پیشانی، ناک، ہتھیلیاں، گھٹنے اور قدم جن کو اعضاء مساجد کہا جاتا ہے ان پر حنوط (یعنی خوشبو) لگائی جائے گی۔ (۳)

استدلال

روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال یوضع الکافور علی موضع سجود المیت۔ (۴)

روایت ابووائل ؒ قال کان عند علی مسک فاوصی ان یحنط بہ وقال ھو فضل حنوط رسول اللہ ﷺ (۵)

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وہ حنوط بچا ہوا رکھا تھا جس سے آپ ﷺ کو لگایا گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے یہی حنوط لگایا جائے۔

یہ خوشبو لگائی جاتی ہے ان اعضاء کی تعظیم کی وجہ سے کہ یہ ان اعضاء پر سجدہ کیا کرتا تھا۔ اور اس کی وجہ سے یہ اعضاء جلدی نہیں سڑیں گے۔

حضرت عاصم بن سلیمان ؒ کے مختصر حالات: ان کا نام عبدالرحمٰن الاحول ہے۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: ان کے استادوں میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ، صفوان رضی اللہ عنہ، حسن بصری ؒ، عبداللہ بن سرجس ؒ، عمرو بن سلمۃ ؒ، الجرمی ؒ، بکر بن عبداللہ المزنی ؒ، ابی الولید البصری ؒ، ابی عثمان النہدی ؒ، ابن سیرین ؒ وغیرہ۔

تلامذہ: سفیان ثوری ؒ، شعبہ، امام ابوحنیفہ ؒ، قتادہ ؒ، سلیمان التیمی، سفیان بن عیینہ ؒ، ابن ابی ہند ؒ، حماد بن زید ؒ، حفص بن غیاث ؒ، جریر ؒ، زہیر ؒ، عبداللہ بن المبارک ؒ وغیرہ ہیں قال احمد ثقۃ من حفاظ الحدیث اسی طرح یحییٰ بن معین ؒ نے ان کو ثقہ فرمایا ہے۔ اسی طرح ابوزرعۃ العجلی، ابن عمار، بزار، ابن حبان، المدینی، سب نے ہی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

ان کا انتقال ۱۴۱ھ یا ۱۴۲ھ میں ہوا مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۵/ ۴۲، ۴۳۔

نوٹ: ابن سیرین کے حالات باب مایقطع الصلاۃ میں گزر چکے ہیں اسی طرح ابن عمر ؓ کے حالات، باب المسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

---

(۱) زرقانی شرح المؤطا مالک ۱/ ۱۵۲۔
(۲) بحرالرائق ۲/ ۱۷۳۔
(۳) مبسوط سرخسی، بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۸۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی۔
(۵) مصنف بن ابی شیبہ، طبقات ابن سعد، بیہقی۔

۲۲۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ يُكْرَهُ اَنْ يُجْعَلَ فِيْ حُنُوْطِ الْمَيِّتِ زَعْفَرَانٌ اَوْ وَرْسٌ قَالَ وَاجْعَلْ فِيْهِ مِنَ الطِّيْبِ مَا اَحْبَبْتَ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا یہ مکروہ سمجھا جاتا ہے کہ میت کی خوشبو میں زعفران یا ورس ڈالا جائے فرمایا اس میں جو خوشبو پسند ہو ملالو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔"

لغات: وَرْسٌ: اَلْوَرْس: ایک قسم کی گھاس تل کے مانند ہے جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں۔

زَعْفَرَانٌ: زعفران، کیسر (جمع) زَعَافِرُ زعفران الحدید لوہے کا زنگ۔

الطِّيْب: خوشبو۔ (جمع) اَطْيَاب و طُيُوْب حلال۔ کہا جاتا ہے ھٰذا طِيْبٌ لَكَ یعنی یہ تمہارے لئے حلال ہے۔ ہر چیز سے افضل۔

تشریح

وَرْسٌ ایک خوشبودار گھاس ہے جو پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ یمن کی مشہور خوشبو تھی[1] اور یہ رنگنے کے کام بھی آتی ہے۔

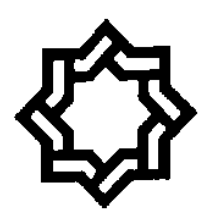
يُكْرَهُ اَنْ يُجْعَلَ فِيْ حُنُوْطِ الْمَيِّتِ مکروہ ہے کہ میت کی خوشبو میں زعفران یا ورس ڈالا جائے۔

اس کی وجہ یہ آچکی ہے کہ روی عن النبی ﷺ.....انہ نهی الرجال عن الزعفران الخ دوسری وجہ یہ گزر چکی ہے کہ یہ خوشبو زندوں کی ہے۔ خوشبو میت کو لگانا یہ مستحب اور سُنّت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا باس بسائر الطیب غیر الزعفران الورس فی حق الرجل.......ولا باس بهما فی حق النساء۔[2]

(۱) مغرب ۲/۲۴۶، وکذافی قسطلانی شرح بخاری۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۷۱۔



۲۲۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ عَائِشَةَ اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا رَاَتْ مَيِّتًا يُسَرَّحُ رَاْسُهٗ فَقَالَتْ عَلَامَ تَنْصُوْنَ مَيِّتَكُمْ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا نَرٰى اَنْ يُسَرَّحَ رَاْسُ الْمَيِّتِ وَلَا يُؤْخَذَ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا يُقْلَمَ اَظْفَارُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک میت کو دیکھا کہ اس کے سر میں کنگھی کی جارہی ہے توانہوں نے فرمایاتم اپنے مردوں کے کنگھی کیوں کرتے ہو؟ امام محمدؒ نے فرمایاہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اس کی کنگھی کی جائے یا اس کے بال یاناخن کاٹے جائیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: رَاَتْ: رَاٰی یَرٰی رَاْیًا وَرُؤْیَۃً وَرَاءَۃً وَرِئْیَانًا: بصارت یابصیرت سے دیکھنا۔ یَرٰی کی اصل یَرْاٰی ہے لیکن اصل کااستعمال نادر ہی ہوتاہے۔ رَاَت واحد مونث غائب فعل ماضی معروف ہے۔(ہفت اقسام میں ناقص یائی مہموز العین ہے)

یُسَرَّحُ: اَلشَّعْرُ کنگھا کرنا۔باب تفعیل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول کاصیغہ ہے۔

لَا یُقْلَمُ: قَلَم(ض)قَلْمًا وَقَلَّمَ الشیءَ کاٹنا — اَلظُّفُرُ ناخن تراشنا مَنْفِیْ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔

تشریح

تَنْصُوْنَ: نصوت الرجل، انصوہ نصوا سے ماخوذ ہے یعنی پیشانی پکڑ کر کھینچنا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ کنگھی کرنے میں بالوں کو کھینچا جاتاہے اس لئے اس سے مردے کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور یہ چیز برائے زینت ہوتی ہے اور میت اس سے اب مستغنی ہوچکاہے یہ چیزیں دنیا کی زینت ہیں اور آخرت کی زینت تونیک اعمال ہیں [1] اس لئے علماء نے اس کو مکروہ تحریمی لکھاہے [2] اسی حکم میں داڑھی کے بال کی کنگھی کرنے کو علماء نے شمار فرمایاہے۔

لَا نَرٰی اَنْ یُسَرَّحَ رَاْسُ الْمَیِّتِ وَلَا یُؤْخَذَ مِنْ شَعْرِہٖ یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اس کی کنگھی کی جائے۔یا اس کے بال کاٹے جائیں۔

اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ وغیرہ کا کہ میت کے بالوں میں کنگھی نہیں کی جائے گی بلکہ بالوں کے دو حصے کر کے سینہ کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ وغیرہ کے نزدیک بالوں میں کنگھی کی جائے گی۔ اور تین چوٹیاں بنا کر پیچھے ڈال دی جائیں گی۔[۳]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

پہلے مذہب والوں کا استدلال اسی حدیث عائشہؓ سے ہے۔[۴]

وَلَا یُقْلَمَ اَظْفَارُہٗ۔ مردے کے ناخن کو بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح نہ بغل کے بال اکھاڑیں اور نہ زیر ناف بال مونڈیں بلکہ جس حالت میں انتقال ہوا ہے اس کو اسی طرح دفن کر دیا جائے۔[۵]

اگر ناخن یا بال وغیرہ بے علمی میں کاٹ لیا تو اب اس کو کفن میں ہی رکھ دیا جائے۔[۶]

---

(۱) نور الدرایہ شرح ہدایہ قسط ۱۳/ ۱۳مغرب ۲/ ۲۱۴،بدائع الصنائع ۱۰۳۱۔

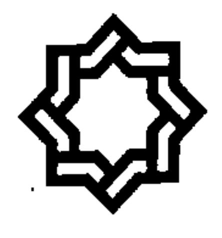
(۲) شامی ۱/ ۱۶۰۰البحر الرائق ۲/ ۱۷۳۔

(۳) المغنی ۲/ ۲/ ۷ ۴،بدائع الصنائع ۱/ ۱۷۳۔

(۴) یہ روایت مصنف عبد الرزاق میں بھی دیکھیں حدیث نمبر ۶۲۳۲، ۲/ ۷ ۴۳ باب شعر المیت واظفارہ۔

(۵) محیط، وکذا البحر الرائق ۲/ ۱۷۳، فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۶۸۔

(۶) نصب الرایہ۔



۲۲۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كُفِّنَ فِيْ حُلَّةٍ يَمَانِيَّةٍ وَقَمِيْصٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ نَرٰى كَفَنَ الرَّجُلِ ثَلٰثَةَ اَثْوَابٍ وَالثَّوْبَانِ يُجْزِيَانِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یمنی پوشاک اور قمیص میں کفن دیا گیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ مرد کے کفن میں تین کپڑے ہوں گے۔ دو کپڑے بھی کافی ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔"

لغات: حُلَّةٍ يَمَانِيَةٍ: یمنی پوشاک قَمِيْص کرتا (مذکر و مونث) (جمع) اَقْمِصَة و قُمُصٌ و قُمْصَان

تشریح

نَرٰى كَفَنَ الرَّجُلِ ثَلٰثَةَ اَثْوَابٍ وَالثَّوْبَانِ يُجْزِيَانِ۔ مرد کے کفن میں تین کپڑے ہوں گے۔

❶ ازار سر سے پاؤں تک۔

❷ لفافہ ازار سے چار (۴) گرہ زیادہ۔

❸ قمیض بغیر آستین اور کلی کے گردن سے پاؤں تک۔ دو کپڑے بھی کافی ہیں۔

میت کو کفن دینا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ اور یہ اس کے مال کی ادائیگی قرض، میراث، وصیت پر بھی مقدم ہوگا۔ (۱)

دوسری بات یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا کفن تین قسم پر ہے۔

① کفن سُنّت ② کفن کفایت ③ کفن ضرورت۔

مردوں کے کفن مسنون میں کتنے کپڑے ہوں گے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مردوں کے لئے تین کپڑے ہیں۔ (۲)

صرف امام مالکؒ پانچ کے استحباب کے قائل ہیں۔ (۳)

تین کپڑوں کے تعیّن میں ائمہ کا اختلاف

امام شافعیؒ، احمدؒ کے نزدیک تینوں ہی لفافے طے ہوں گے۔

احناف کے نزدیک تین کپڑے یہ ہوں گے ① لفافہ ② ازار ③ قمیض۔
امام مالک تین کپڑے قمیض اور عمامہ کے علاوہ کہتے ہیں۔

امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا استدلال

❶ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کفن رسول اللہ ﷺ فی ثلاث ریاطبیض سحولیہ۔[۴]

❷ اسی طرح حدیث عائشہؓ کفن النبی ﷺ فی ثلاثۃ اثواب بیض یمانیۃ لیس فیھا قمیص ولا عمامۃ۔[۵]

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال

❶ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال کفن رسول اللہ ﷺ فی ثلاثۃ اثواب نجرانیۃ الحلۃ ثوبان وقمیصہ الذی مات فیہ۔[۶]

❷ روایت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال کفن النبی ﷺ فی ثلثۃ اثواب قمیص و ازار و لفافۃ۔[۷]

❸ روایت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اذا انا مت فاجعلوا فی آخر غسلی کافوراً و کفنونی فی بردین وقمیص فان النبی ﷺ فعل بہ ذلک۔[۸]

❹ اسی طرح روایت متن بھی ہے۔ ان النبی ﷺ کفن فی حلۃ یمانیۃ وقمیص۔[۹]

❺ روایت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ المیت یقمص ویوزر ویلف بالثوب الثالث فان لم یکن الا ثوب واحد کفن فیہ۔[۱۰]

عقلی دلیل یہ ہے کہ جس طرح آدمی عادۃً اپنی زندگی میں انہی تین لباس پر اکتفاء کرتا ہے تو اسی طرح مرنے کے بعد بھی ہونا چاہئے۔[۱۱]

امام شافعیؒ و احمدؒ کے دلائل کا جواب

حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ میں جو قمیص کی نفی آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زندوں کی طرح آستین اور کلیوں والی سلی ہوئی قمیص نہیں ہوگی ایسی قمیص کی تو احناف بھی نفی کرتے ہیں۔[۱۲]

سوال: احناف کی اس تاویل پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کو آپ نے اپنی قمیص عطا فرمائی تھی کفن کے لئے اس میں آستین وغیرہ تھی۔

جواب: اگر پہلے سے کوئی قمیص وغیرہ تیار ہو اور برکت کے لئے اس کو پہنایا جائے جیسے کہ یہاں پر آپ ﷺ کی قمیص

مبارک تھی تو اب ایسی قمیص کی سلائی اور آستین نکالنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۱۳)

وَالثَّوْبَانِ يُجْزِيَانِ دو کپڑے ہوں تو تب بھی جائز ہے۔اس بارے میں صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں۔

فان اقتصروا على ثوبين جاز و الثوبان ازار ولفافة هذا كفن الكفاية لقول ابى بكر رضی اللہ عنہ الخ۔ (۱۴)

کہ اگر دو کپڑوں پر بھی اکتفاء کر لیا تو جائز ہے اور یہ کپڑے ازار اور لفافہ ہوں گے اور یہ کفن کفایت ہے۔ بعض کتابوں میں حضرت ابوبکر کا واقعہ تفصیلی آتا ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت لما احتضر ابو بكر تمثلت بهذا:

البيت اعاذل ما يغني الحذار عن الفتى　　　اذا خرجت يوما وضاق بها الصدر

فقال لها يابنية۔

ليس كذلك والكن قولي وجاءت سكرة الموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيد ثم قال انظروثوبي هذين فاغسلوهما ثم كفنوني فيهما فان الحي احوج الى الجديد منهما۔ (۱۵)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے یہ شعر پڑھا: اے ملامت گر! آدمی کو چوکنا رہنا کچھ فائدہ مند نہیں جب جان نکلنے کے وقت ہچکی لگ جائے۔ اور سینہ تنگ ہو جائے، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹی اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہو موت کی بیہوشی تو ضرور آکر رہے گی یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ پھر فرمایا دیکھو یہ میرے دو کپڑے ہیں ان کو دھو کر مجھے انہیں کپڑوں میں کفنا دینا کیوں کہ زندہ کو بہ نسبت مردے کے نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔

اگر دو کپڑوں میں کفن دیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے جیسے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن مبارک تین کپڑوں پر مشتمل تھا تو افضل یہی ہوگا۔

دوسرا کفن کفایت: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ مردوں کے لئے دو کپڑے ہیں ازار اور لفافہ اور عورت کے لئے تین یعنی ازار، لفافہ اوڑھنی یا کفنی (کرتہ)۔

تیسرا کفن ضرورت: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو بھی میسر آجائے کم از کم اتنا تو ہو کہ جس سے پورا جسم ڈھک جائے۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو اس کو سر کی طرف اوڑھا کر پاؤں کی طرف گھاس وغیرہ ڈال دی جائے۔

❶ ازار:

طول ...... اڑھائی گز

عرض ...... سوا گز سے ڈیڑھ گز تک

اندازہ پیمائش	......	سر سے پاؤں تک
کیفیت	......	چودہ، پندرہ یا سولہ گرہ کا کپڑا ہو تو یہ ڈیڑھ پاٹ کا ہوگا

❷ لفافہ:

طول	......	پونے تین گز
عرض	......	سوا گز سے ڈیڑھ گز تک
اندازہ پیمائش	......	ازار سے چار گرہ زیادہ
کیفیت	......	چودہ، پندرہ یا سولہ گرہ کا کپڑا ہو تو یہ ڈیڑھ پاٹ کا ہوگا

❶ کُرتا:

طول	......	اڑھائی یا پونے تین گز
عرض	......	ایک گز
اندازہ پیمائش	......	گردن سے پاؤں تک
کیفیت	......	چودہ گرہ یا ایک گز عرض کا ہو تو دوہرا کر کے بیچ میں اتنا چاک کھولیں کہ اس میں میت کا سر داخل ہو سکے

نوٹ: مرد کے کفن مسنون میں تقریباً کل دس گز کپڑا لگتا ہے۔

مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ

پہلے لفافہ بچھا کر اس پر ازار بچھا دو پھر کرتہ (قمیص) کا نچلا حصہ نصف بچھاؤ اور اوپر کا باقی حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دو پھر میت کو اٹھا کر اس بچھے ہوئے کفن پر لٹا دو اور قمیص کا جو نصف حصہ سرہانے کی طرف رکھا تھا اس کو سر کی طرف الٹ دیں کہ قمیص کا سوراخ (گریبان) گلے میں آجائے اور پیروں کی طرف بڑھا دیں اس طرح قمیص پہنا چکیں تو غسل کے بعد جو تہ بند میت کے بدن پر ڈالا گیا تھا وہ نکال دو اس کے سر اور داڑھی پر عطر (خوشبو) لگا دو پھر پیشانی، ناک اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور لگا دو۔

اس کے بعد ازار کا بایاں کنارہ میت کے اوپر لپیٹ دو پھر دایاں لپیٹ دو یعنی بایاں کنارہ نیچے رہے اور دایاں اوپر پھر لفافہ اسی طرح لپیٹو کہ بایاں کنارہ نیچے اور دایاں اوپر رہے پھر کپڑے کی کتر سے کفن کے سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں اور بیچ میں کمر کے نیچے کو بھی ایک کتر نکال کر باندھ دیں تاکہ ہوا یا ہلنے جلنے سے کفن کھل نہ جائے۔

عورتوں کا کفن مسنون

اس بارے میں پہلا مذہب جمہور فقہاء مثلاً احناف ؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ ، شعبیؒ ، اوزاعیؒ ، نخعیؒ ، اسحاقؒ ، ابوثورؒ کا ہے۔ ان کے نزدیک پانچ کپڑے ہوں گے۔

① کُرتی ② ازار ③ اوڑھنی ④ لفافہ ⑤ ایک پٹی جو چھاتیوں کے باندھنے کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی سینہ بند۔

دوسرا مذہب امام مالکؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سات کپڑے ہوں گے۔

① ازار ② قمیص ③ خمار ⑦ چار لفافے۔[16]

تعیّن میں اختلاف

صحیح روایت ائمہ تو یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

ایک روایت امام شافعیؒ کی تین لفافے، ایک ازار ایک خمار۔

دوسری روایت امام شافعیؒ کی دو لفافے ایک ازار ایک خمار۔

امام احمدؒ کی ایک روایت قمیص، مسز لفافہ، مقنعہ۔

ایک وہ کپڑا جس سے دونوں رانوں کو باندھا جائے۔

جمہور کا استدلال

روایت لیلی بنت قائف ثقفیہ ؓ قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ عند وفاتها فکان اول ما اعطانا الحفا ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم جت بعد فی الثوب الاخر قالت و رسول اللہ ﷺ جالس عند الباس معه کفنها ینا ولناها ثوبا ثوبا۔[18]

عورت کے لئے اس کفن کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ زندگی میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے ان پانچ کپڑوں کو پہن کر نکلتی ہے لہٰذا مرنے کے بعد بھی اسی طرح کپڑوں کے ساتھ قبر تک پہنچایا جائے۔

---

(۱) عنایۃ شرح ہدایہ۔

(۲) عمدۃ القاری ۵۵/۸، فتح الملہم ۴۸۷/۳، بذل المجہود ۱۹۴/۹ و جز المسالک ۴۳۲/۳۔

(۳) شرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ للدسوقی ۴۱۷/۱۔

(۴) سنن ابی داؤد ۱۰۶، باب ماجاء فی کفن النبی ﷺ۔

(۵) جامع ترمذی۔

(٦) سنن ابی داؤد ۲/۴۴۹ باب فی الکفن۔

(۷) رواہ ابن عدی فی الکامل ۷/۱۵۱۱۔

(۸) مستدرک ۳/۵۷۸۔

(۹) کتاب الآثار ۴۶ باب الجنائز وغسل المیت۔

(۱۰) مؤطا امام مالک ۲۰۶ باب ماجاء فی کفن المیت۔

(۱۱) ہدایہ۔

(۱۲) رد المحتار ۱/۵۷۸، فتح القدیر ۲/۷۹ فصل فی التکفین، البحر الرائق ۲/۱۷۵، کتاب الجنائز میں اس پر بڑی اچھی تحقیق کی ہے دیکھیں قلائد الازھار ۳/۲۸۷۔

(۱۳) کوکب الدری ۱۷۴، ۱۷۵ باب مایستحب من الاکفان۔

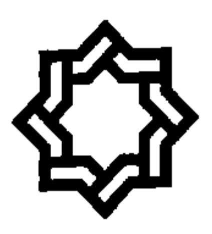
(۱۴) ہدایہ۔

(۱۵) امام احمد کتاب الزہد۔

(۱٦) اوجز المسالک ۲/۴۳٦۔ شرح الکبیر۔

(۱۷) سنن ابوداؤد۔ مسند امام احمد۔

(۱۸) ہدایہ۔



باب غسل المرأة و كفنها

عورت کے غسل اور کفن کا بیان

۲۲۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ" عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ" فِى الْمَرْاَةِ تَمُوْتُ مَعَ الرِّجَالِ قَالَ يَغْسِلُهَا زَوْجُهَا وَكَذٰلِكَ اِذَا مَاتَ الرَّجُلُ مَعَ النِّسَاءِ غَسَلَتْهُ اِمْرَاَتُهُ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ" لَا يَجُوْزُ اَنْ يَغْسِلَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ نَاْخُذُ اِنَّ الرَّجُلَ لَا عِدَّةَ عَلَيْهِ وَكَيْفَ يَغْسِلُ اِمْرَاَتَهُ وَهُوَ يَحِلُّ لَهُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اُخْتَهَا وَيَتَزَوَّجَ اِبْنَتَهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِاُمِّهَا﴾

۲۳۰

﴿بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَحْنُ كُنَّا اَحَقُّ بِهَا اِذَا كَانَتْ حَيَّةً فَاَمَّا اِذَا مَاتَتْ فَاَنْتُمْ اَحَقُّ بِهَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے منقول ہے اس عورت کے بارے میں جو مردوں کے ساتھ مرے (عورتیں موجود نہ ہوں) اسے اس کا شوہر غسل دے گا۔ اسی طرح اگر مرد مرجائے اور عورتیں ہی عورتیں ہوں مرد نہ ہوں تو اسے اس کی بیوی غسل دے گی۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا مرد کے لئے اپنی بیوی کو غسل دینا جائز نہیں امام محمدؒ نے فرمایا ہم امام ابوحنیفہؒ کے قول ہی کو اختیار کرتے ہیں کہ مرد پر عدت نہیں بھلا اس کے لئے یہ کیسے حلال ہوگا کہ اپنی بیوی کو غسل دے حالانکہ اس کے لئے اس کی بہن اور بیٹی سے شادی کرنا جائز ہوگیا ہے بشرطیکہ اس کی ماں سے دخول نہ کیا ہو۔"

"ہمیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب وہ بیوی زندہ تھی تو ہم اس کے زیادہ حق دار تھے جب وہ مرگئی تو اب تم اس کے زیادہ حق دار بن گئے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔"

لغات: تَمُوْتُ: مَاتَ(ن)مَوْتًا: مرنا۔واحد مونث غائب فعل مضارع معروف۔(ہفت اقسام میں اجوف ہے)

یَغْسِلُهَا: غَسَلَ (ض) غَسْلاً وغُسْلاً الشیء پانی سے میل کچیل دور کرنا۔ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف۔

یَحِلُّ: حَلَّ (ض) حَلاًّ الشیء حلال ہونا۔

الدَّینُ: ادائیگی کا وقت پہنچنا۔

الرجُلُ: احرام سے نکلنا۔

اَحَقُّ: اسم تفضیل ھو اَحَقُّ مِنْ فلانٍ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فلاں سے زیادہ حق دار ہے۔کبھی بغیر شرکت کے صرف خصوصیت کے معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔جیسے زَیْدٌ اَحَقُّ بمالِهٖ زید اپنے مال کا حق دار ہے کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں۔

حَیَّۃٌ: زندہ عورت۔

مَاتَتْ: مَاتَ(ن)مَوْتًا مرنا واحد مونث غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔(ہفت اقسام میں اجوف ہے)

تشریح

میت کو غسل دینے والے کی کئی شرطیں ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مغسول میت کی طرف حلال ہو لہٰذا مرد مردوں کو اور عورت عورتوں کو غسل دے گی۔اور مرد عورتوں کو اور عورت مردوں کو غسل نہ دے،اگر کسی عذر کی بناء پر غسل دے دیا جائے تو غسل درست ہو جائے گا۔

قال محمد وبقول ابی حنیفة ناخذ ان الرجل لا عدة علیه وکیف یغسل امراته وهو یحل له ان یتزوج ابنتها الخ۔

امام محمدؒ نے فرمایا ہم امام ابوحنیفہؒ کے قول ہی کو اختیار کرتے ہیں کہ مرد پر عدت نہیں بھلا اس کے لئے یہ کیسے حلال ہوگا کہ اپنی بیوی کو غسل دے حالانکہ اس کے لئے اس کی بہن اور بیٹی سے شادی کرنا جائز ہو گیا ہے۔

اس مسئلہ میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک خاوند اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔[1]

دوسرا مذہب: احناف کا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا بلکہ دیکھ بھی نہیں سکتا مگر صحیح قول کے مطابق خاوند غسل تو نہیں دے سکتا مگر دیکھ سکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے استدلال

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔

جواب: اس بارے میں تو علماء فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا اور جو بعض جگہوں پر اس غسل کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام سامان وغیرہ کے متکفل ہوئے تھے۔

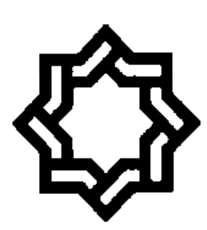
دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگر ہم اس بات کو صحیح بھی مان لیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہوگی کیوں کہ آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمہاری دنیا اور آخرت کی بیوی ہیں اور دوسرا ارشاد یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ موت سے ہر سبب اور نسب ختم ہو جاتا ہے مگر میرا حسب و نسب ختم نہیں ہوگا۔ سبب سے مراد زوجیت اور دامادی کا رشتہ اور نسب سے مراد قرابت نسبی ہے۔[1]

اس کے برعکس یعنی اگر خاوند مرجائے تو بیوی سب کے نزدیک غسل دے سکتی ہے کیوں کہ عدت کے ختم ہونے تک وہ نکاح میں ہی باقی ہے خواہ اس کے ساتھ دخول ہوا ہو یا نہیں کیوں کہ وفات پر ان دونوں صورتوں میں عدت لازم آتی ہے۔[2]

---

(۱) زرقانی ۲/۴۔

(۲) بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے جنازے کو کندھا نہیں دے سکتا اور نہ منہ دیکھ سکتا ہے محض لغو ہے۔



۲۳۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ كَفَنِ الْمَرْاَةِ اِنْ شِئْتَ ثَلَاثَةَ اَثْوَابٍ وَاِنْ شِئْتَ اَرْبَعًا وَاِنْ شِئْتَ شَفْعًا وَاِنْ شِئْتَ وِتْرًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے عورت کے کفن کے بارے میں فرمایا اگر چاہو تو تین کپڑے لے لو اور چاہو تو چار لے لو جفت لے لو چاہے طاق لے لو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: شِئْتَ: شَاءَ(ف)مَشِيْئَةً: چاہنا۔ شِئْتَ واحد مذکر حاضر فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔(ہفت اقسام میں مہموز اللام ہے)۔

شَفْعًا: (مصدر) جفت عدد (جمع) اَشْفَاع وشِفَاع۔

وِتْرًا: طاق۔

تشریح

اِنْ شِئْتَ ثَلَاثَةَ اَثْوَابٍ وَاِنْ شِئْتَ اَرْبَعًا اگر چاہو تو تین کپڑے لے لو اور اگر چاہو تو چار لے لو۔

عورت کا کفن مسنون تو پانچ کپڑے ہیں۔

1. (ازار) سر سے پاؤں تک کی چادر۔
2. (لفافہ) ازار سے لمبائی میں ۴ گرہ زیادہ۔
3. (کرتہ) بغیر آستین وکلی کا گردن سے پاؤں تک۔
4. (سینہ بند) بغل سے رانوں تک یا ناف تک۔
5. (سربند یا اوڑھنی) تین ہاتھ لمبا۔[1]

اور اگر عورت کا کفن ان پانچ کپڑے سے کم ہو تب بھی جائز ہے جیسے کہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے مگر بغیر کسی مجبوری اور ضرورت کے ان پانچ سے کم کرنا مکروہ ہے۔

ایک عام عورت کے کفن کا اندازاً یہ کفن ہوگا۔

❶ ازار:

طول	......	اڑھائی گز
عرض	......	سوا گز سے ڈیڑھ گز تک
اندازہ پیمائش	......	سر سے پاؤں تک
کیفیت	......	چودہ یا پندرہ یا سولہ گرہ عرض کا کپڑا ہو تو ڈیڑھ پاٹ کا ہوگا

❷ لفافہ:

طول	......	پونے تین گز
عرض	......	سوا گز سے ڈیڑھ گز تک
اندازہ پیمائش	......	ازار سے چار گرہ زیادہ
کیفیت	......	″ ″

❸ کُرتہ، قمیص:

طول	......	اڑھائی گز یا پونے تین گز
عرض	......	ایک گز
اندازہ پیمائش	......	گردن سے پاؤں تک
کیفیت	......	چودہ گرہ ایک گز عرض کا ہو تو دوہرا کر کے بیچ میں چاک کھول کر اس میں سر ڈال دیا جائے

❹ سینہ بند:

طول	......	دو گز
عرض	......	سوا گز
اندازہ پیمائش	......	زیر بغل سے رانوں تک
کیفیت	......	بغل سے رانوں تک باندھا جائے۔

❺ سربند:

طول	......	ڈیڑھ گز
عرض	......	بارہ گرہ
اندازہ پیمائش	......	جہاں تک بھی آسکے
کیفیت	......	سر پر اور بالوں پر ڈالتے ہیں لپیٹتے ہیں۔

نوٹ: عورت کے کفن مسنون میں تقریباً اکیس گز کپڑا لگے گا۔

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ

پہلے لفافہ پہنا کر پھر سینہ بند اور پھر اس پر ازار بچھاؤ پھر قمیص کا نچلا حصہ بچھاؤ اور دوسرا باقی حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دو پھر میت کو اس کے بچھے ہوئے کفن پر لٹا دو اور قمیص کا جو نصف حصہ سرہانے کی طرف رکھا تھا۔ اس کو سر کی طرف الٹ دو کہ قمیص کا سوراخ (گریبان) گلے میں آجائے اور پیروں کی طرف بڑھا دو جب اس طرح قمیص پہنا چکو تو جو تہ بند غسل کے بعد عورت کے بدن پر ڈالا گیا تھا وہ نکال دو اور اس کے سر پر عطر وغیرہ کوئی بھی خوشبو لگا دو پھر پیشانی، ناک، اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دو پھر سر کے بالوں کے دو حصے کر کے قمیص کے اوپر سینہ پر ڈال دو ایک حصہ دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف پھر سر بند (یعنی اوڑھنی) سر پر اور بالوں پر ڈال دو ان کو باندھنا یا لپیٹنا نہیں چاہئے۔ پھر میت کے اوپر ازار اس طرح لپیٹو کہ بایاں کنارہ نیچے اور دایاں اوپر رہے سر بند اس کے اندر آجائے گا اس کے بعد سینہ بند سینہ کے اوپر بغلوں سے نکال کر گھٹنوں تک دائیں بائیں سے باندھ دو پھر لفافہ اسی طرح لپیٹ دو کہ بایاں کنارہ نیچے اور دایاں اوپر رہے اس کے بعد کسی کترن سے کفن کو سر اور پاؤں کی طرف سے باندھ دو اور بیچ کمر کے نیچے کو بھی ایک بڑی کتر سے باندھ دو تاکہ ہلنے جلنے سے کفن کھل نہ جائے۔ اس ترتیب میں سینہ بند اور ازار کے اوپر لفافہ کے اندر ہوگا لیکن اگر اس کو قمیص کے اوپر ازار سے پہلے بھی باندھ دیا جائے تب بھی جائز ہے۔ اور اگر تمام کپڑوں کے اوپر یعنی لفافہ سے بھی باہر اور اوپر باندھ دیا تب بھی جائز ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۳۰۹/۱ عمدۃ القاری ۴۹/۴۔

باب الغسل من غسل المیت

میت کو غسل دینے سے غسل کرنے کا بیان

۲۳۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ فِی الْاِغْتِسَالِ مِنْ غُسْلِ الْمَیِّتِ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ اِنْ كَانَ صَاحِبُكُمْ نَجِسًا فَاغْتَسِلُوْا مِنْهُ وَالْوُضُوْءُ یُجْزِئُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاِنْ شَاءَ اَیْضًا لَمْ یَتَوَضَّاْ فَاِنْ كَانَ اَصَابَهٗ شَیْئٌ مِنَ الْمَاءِ الَّذِیْ غُسِلَ بِهِ الْمَیِّتُ غَسَلَهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے میت کو غسل دینے سے غسل کرنے کے بارے میں مروی ہے۔ فرمایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر تمہارا مرنے والا ساتھی نجس ہے تو اس کو غسل دینے کی وجہ سے غسل کر لو اور صرف وضو کرنا بھی کافی ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا چاہے تو وضو بھی نہ کرے اگر اس کو میت کے غسل کا پانی لگ جائے تو اسی جگہ کو دھو لے یہی بات امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں۔"

لغات: اَلْاِغْتِسَال: باب افتعال سے مصدر ہے۔ بمعنی نہانا۔

صَاحِبُكُمْ: صَاحِبٌ جمع اصحاب بمعنی ساتھی۔

نَجِسًا: نَجِسَ (س) نَجَسًا و نَجُسَ (ک) نَجَاسَةً گندہ ہونا ناپاک ہونا۔

تشریح

فِی الْاِغْتِسَالِ مِنْ غُسْلِ الْمَیِّتِ۔

غسل دینے والے کو غسل کرنے کے بارے میں مروی ہے۔

میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، محمد بن سیرینؒ، سعید بن المسیبؒ، امام شافعیؒ، کا قول قدیم، ایک قول امام مالکؒ کا زہریؒ وغیرہ کا کہ غاسل پر غسل واجب ہوجاتا ہے۔ [۱]

دوسرا مذہب: جمہور صحابہ وفقہاء احناف اور امام شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ کا صحیح قول کہ یہ غسل کرنا مستحب یا سنت ہے۔ [۲]

جمہور کے دلائل

❶ روایت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا امراۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ غسلت ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ حین توفی ثم خرجت فسألت من حضرها من المهاجرين، فقالت انی صائمة وان هذا يوم شديد البرد فهل علی من غسل؟ فقالوا لا۔ [۳]

❷ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہ قالا ليس علی غاسل الميت غسل۔ [۴]

❸ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ليس عليكم في غسل ميتكم غسل اذا غسلتموه انه مسلم مؤمن طاهر وان المسلم ليس بنجس فحسبكم ان تغسلوا ايديكم۔ [۵]

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل دینے والے پر غسل کرلینا بہتر ہے ضروری نہیں۔ جیسے جمہور فقہاء کا قول ہے۔

اَلْوُضُوْءُ يُجْزِئُ وضو کرنا بھی کافی ہے۔ اور غسل کرنا مستحب ہے۔ اگر غسل نہ کرسکے تو وضو کرلے علماء فرماتے ہیں کہ اگر وضو بھی نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ استدلال کرتے ہیں اس روایت سے جس میں آتا ہے عن مكحول قال قمت الی انس فی هذا المسجد فسالته الله عن الوضوء من الجنائز فقال انما كنا في صلاة ورجعنا الی صلاة فلا وضوء الخ۔ [۶]

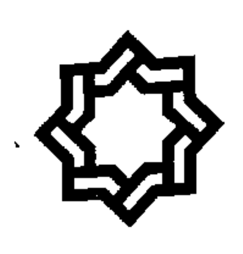
فَإِنْ كَانَ اَصَابَهُ شَيْءٌ مِنَ الْمَاءِ الَّذِيْ غُسِلَ بِهِ الْمَيِّتُ۔ اگر اس کو میت کے غسل کا پانی لگ جائے تو وہ جگہ دھو لے۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں میت کے غسل کا پانی نجس ہوتا ہے۔ [۷]

امام محمدؒ کتاب الاصل میں فرماتے ہیں۔ وغسالة الميت نجسة۔

مگر فقہاء فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ اگر میت کے جسم پر کوئی نجاست ہو تو پھر تو پانی نجس ہوگا ورنہ مستعمل پانی کے حکم میں ہوگا۔

اور جہاں تک ابن نجیمؒ اور امام محمدؒ کی عبارت کا تعلق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عموماً میت کے جسم پر نجاست ہوتی ہے اس لئے اس کے غسالہ کو نجس فرمادیا۔

(۱) عمدۃ القاری ۸/ ۴۸ باب یلقی شعر المراۃ خلفا۔
(۲) معالم السنن للخطابی ۳۰۵ باب فی الغسل من غسل المیت۔ المجموع شرح المہذب ۵/ ۱۴۲ واوجز المسالک ۴/ ۲۰۰۔ شامی ۱/ ۱۱۴۔
(۳) مؤطا مالک ۲۴۰ کتاب الجنائز۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۲۶۸۔
(۵) بیہقی ۱/ ۳۰۶ کتاب الطہارۃ باب الغسل من غسل المیت۔
(۶) بیہقی ۱/ ۳۰۷۔
(۷) بحر الرائق ۱/ ۹۱۔



۲۳۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کَانَ یَاْمُرُ بِالْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَیِّتِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَا نَرَاهُ اَمَرَ بِذٰلِكَ اَنَّهٗ رَاٰهُ وَاجِبًا﴾

”حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میت کو غسل دینے والے کو غسل کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انہوں نے غسل کا حکم وجوب کا سمجھ رکھا تھا۔“

لغات: یَاْمُرُ: (ن) اَمْرًا اِمْرَةً وِ اِمَارًا: حکم دینا۔ صفت اٰمِرٌ اور صفت مفعولی مَاْمُوْرٌ (ہفت اقسام میں مہموز الفاء ہے)۔
وَاجِبًا: (فاعل) لازم۔ اور جائز، ممکن، ممتنع کے مقابل بھی بولا جاتا ہے۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)۔

تشریح

یَاْمُرُ بِالْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَیِّتِ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح کتب احادیث میں اور بھی احادیث ملتی ہیں۔ مثلاً۔

1. روایت عائشة رضی اللّٰه عنها ان النبی ﷺ قال یغتسل من غسل المیت۔[1]
2. روایت علی رضی اللہ عنہ قال من غسل میتا فلیغتسل۔[2]
3. روایت مکحول سال رجل حذیفة رضی اللہ عنہ کیف اصنع؟ قال اغسله کیت و کیت و اذا فرغت فاغسل۔[3]

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غاسل پر غسل کرنا واجب ہوتا ہے مگر وہ روایات جو ابھی اس سے پہلے گزریں ان کی وجہ سے فقہاء اس کے وجوب کے قائل نہیں یہی ائمہ اربعہ کی کتب فقہ سے معلوم ہوتی ہے مثلاً امام شافعیؒ کے مذہب کے معتبر آدمی علامہ خطابیؒ نے تو یہاں تک فرمایا۔

لا اعلم احدا من الفقهاء یوجب الاغتسال من غسل المیت ولا الوضوء من حمله۔[4]

اسی طرح احناف کی مشہور فتاوی کی کتاب رد المحتار میں ہے۔[5]

مذہب مالکی کے بارے میں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ علامہ زرقانیؒ نے امام مالکؒ کی دو روایتیں نقل کی ہیں ایک وجوب کی دوسری استحباب کی اور استحباب والی روایت زیادہ مشہور ہے۔[6]

غسل دینے والے پر کیوں غسل سُنّت ہے؟

اس کی دووجہ تو ابن حجرؒ نے بیان فرمائی ہیں:

❶ پہلی وجہ یہ کہ غاسل کو شبہ ہوگا کہ معلوم نہیں کہ میرا بدن ناپاک تو نہیں ہوگیا؟ غسل کرے اس وہم اور شبہ سے بچانے کے لئے شریعت نے کہا کہ یہ غاسل بھی غسل کرے تاکہ اس کا اپنا یہ شبہ دور ہوجائے اور اس کو اپنی طہارت پر پورا یقین آجائے۔

❷ دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب غاسل یہ سمجھے گا کہ میں نے خود غسل کرنا ہے تو اب وہ میت کو غسل دینے میں خوب اچھی طرح مبالغہ کرے گا اور اس کی چھینٹوں سے بچنے کی پرواہ نہیں کرے گا جب اس کو معلوم یہ ہوگا تو اب وہ خوب اچھی طرح غسل دے گا اگر میرے جسم پر کچھ پانی وغیرہ لگ جائے گا تو میں بعد میں خود بھی غسل کرلوں گا۔ (۷)

نوٹ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات باب الوضوء من مس الذکر میں گزر چکے ہیں۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۶۸/۳۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۶۸/۳۔

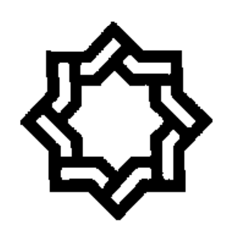
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۹/۳۔

(۴) معالم السنن ۳۰۹/۴ باب فی الغسل من غسل المیت المجموع شرح المہذب میں کیا گیا ہے۔

(۵) درالمختار ۱۱۴/۱۔

(۶) اوجزالمسالک ۲۰۰/۴۔

(۷) فتح الباری شرح بخاری ۱۰۸/۳ باب یلقی شعر المراۃ خلفہا۔



۲۳۴

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ رَجُلٍ تَحْضُرُ الْجَنَازَۃُ وَھُوَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْ قَالَ یَتَیَمَّمُ بِالصَّعِیْدِ ثُمَّ یُصَلِّیْ وَلَا تَفْعَلُ ذٰلِکَ الْمَرْاَۃُ اِذَا کَانَتْ حَائِضًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِہٖ نَاْخُذُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے کہ جس کے سامنے جنازہ آجائے اور اس کا وضو نہ ہو فرمایا مٹی سے تیمّم کر کے جنازہ پڑھ لے۔ عورت اگر حالت حیض میں ہو تو وہ تیمّم نہیں کر سکتی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: تحضرہ: حَضِرَ (س) و حَضَرَ (ن) حُضُوْرًا المجلس: حاضر ہونا۔ عن المکان منتقل ہونا۔ حَضَرَہ الامر دل میں گزرنا۔ تَحَضَّرَ و اِحْتَضَرَ حاضر ہونا۔

یَتَیَمَّمُ: باب تَفَعُّلْ سے واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)

تَیَمَّمَ الامر: قصد کرنا —— لِلصَّلٰوۃ مٹی سے ہاتھ منہ پر مسح کرنا۔

بِالصَّعِیْدِ: الصَّعِیْدُ مٹی۔ قبر۔ راستہ، زمین کا بلند حصہ (جمع) صُعُدٌ و صُعُدَات و صُعْدَان۔

تشریح

رَجُلٍ تَحْضُرُہُ الْجَنَازَۃُ وَھُوَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ قَالَ یَتَیَمَّمُ بِالصَّعِیْدِ ثُمَّ یُصَلِّیْ۔ جس آدمی کے سامنے جنازہ آجائے اور اس کا وضو نہ ہو فرمایا مٹی سے تیمّم کر کے جنازہ پڑھ لے۔ جنازہ موجود ہو اور اگر آدمی وضو میں مشغول ہو تو اس سے جنازے کی نماز فوت ہو جائے گی کیا اس وقت بھی تیمّم کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ ابویوسفؒ، امام محمدؒ امام زہریؒ، اوزاعیؒ، اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ، ایک روایت امام احمدؒ سے کہ باوجود پانی کے ایسا شخص تیمّم کر سکتا ہے۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ ابوثورؒ وغیرہ ان کے نزدیک وضو کرنا ضروری ہوگا تیمّم جائز نہیں ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت ابن عباس ؓ انہ قال اذا خفت ان تفوتک الجنازۃ وانت علی غیر وضو فتیمم وصل۔ [۲]

❷ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ اتی الجنازۃ وھو علی غیر وضوء فتیمم وصلی علیھا۔[۳]

❸ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا قال النبی ﷺ اذا جاءت الجنازۃ وانت علی غیر وضو فتیمم۔[۴]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

امام مالکؒ وامام شافعیؒ فرماتے ہیں تیمم تو جائز ہوتا ہے جب کہ پانی نہ ہو جب پانی موجود ہے تو اب تیمم طہور کا زریعہ نہیں بنے گا ولا صلوۃ الا بطھور۔

دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

ان نصوص کی موجودگی میں ان نصوص پر ہی عمل کیا جائے گا کہ جب جنازہ حاضر ہو جائے تو تیمم کرے (بشرطیکہ یہ جنازہ کا ولی نہ ہو؟) اور یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ویتیمم الصحیح فی المصر اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ الصلوۃ لانھا لا تقضی فیتحقق العجز۔

کہ صحیح تندرست آدمی کے لئے تیمم کرنا جب کوئی جنازہ آجائے اور ولی کوئی اور ہو پس اندیشہ ہو کہ اگر وضوء میں مشغول ہو گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی کیونکہ اس کی قضاء نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہو گیا۔

یہاں پر فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ ان کل عبادۃ تفوت لا الی خلف یجوز لہ ان یتمم مع القدرۃ کہ ہر وہ عبادت جس کا کوئی بدل نہیں ہو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے باجود پانی پر قدرت کے بھی۔

وَلَا تَفْعَلُ ذٰلِكَ الْمَرْاۃُ اِذَا کَانَتْ حَائِضًا۔ عورت اگر حالت حیض میں ہو تو وہ تیمم نہیں کرے گی۔ کیوں کہ حیض والی عورت تو نماز کی مخاطبہ ہی نہیں ہے۔ نماز کی اس میں اہلیت نہیں ہے اور نماز جنازہ کو تو آپ ﷺ نے نماز فرمایا ہے۔ جیسے کہ روایت میں آتا ہے[۱] فقال صلوا علی صاحبکم[۲] صلوا علی النجاشی[۳] وقال من صلی علی جنازۃ فلہ قیراط اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کے تیمم کرنے سے پاکی تو حاصل نہیں ہوگی پاکی تو اس وقت حاصل ہوگی جب کہ انقطاع حیض ہو جائے۔

نوٹ: حضرت ابراہیم النخعیؒ کے حالات باب الوضوء میں گزر چکے ہیں۔

(۱) عمدۃ القاری ۴/۴۴ ،۱۳فتح الباری ۳/۱۵۳۔ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ، طحاوی، نسائی، نصب الرایہ ۱/۱۵۷۔

(۳) دارقطنی، بیہقی۔ (۴) ابن عدی، عمدۃ القاری ۴/۱۳۷۔

باب حمل الجنائز
جنازہ کے اٹھانے کا بیان

اس میں بیان فرماتے ہیں کہ جنازہ کی چارپائی کو کتنے آدمی اٹھائیں گے۔
اس ضمن میں امام شافعیؒ کا اختلاف بھی آئے گا۔ کہ ان کے نزدیک صرف دو آدمی اس چارپائی کو اٹھائیں گے۔
جب کہ احناف کے نزدیک جنازے کی چارپائی چار آدمی اٹھاتے ہیں۔

۲۳۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ نَسْطَاسٍ عَنْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ حَمْلَ الْجَنَازَةِ بِجَوَانِبِ السَّرِیْرِ الْاَرْبَعَةِ فَمَازِدْتَ عَلٰی ذٰلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ یَبْدَءُ الرَّجُلُ فَیَضَعُ یَمِیْنَ الْمَیِّتِ الْمُقَدَّمِ عَلٰی یَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَضَعُ یَمِیْنَ الْمَیِّتِ الْمُؤَخَّرِ عَلٰی یَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَعُوْدُ اِلَی الْمُقَدَّمِ الْاَیْسَرِ فَیَضَعُهٗ عَلٰی یَسَارِهٖ ثُمَّ یَاْتِی الْمُؤَخَّرَ الْاَیْسَرَ فَلْیَضَعْهُ عَلٰی یَسَارِهٖ وَهٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنت ہے۔ کہ جنازہ کے پلنگ کو چاروں جانب سے پکڑا جائے اس سے زیادہ مرتبہ اٹھانا زیادہ ثواب کے بڑھنے کا ذریعہ ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ انسان جنازہ اس طرح اٹھائے کہ پہلے میت کا اگلا دایاں حصہ اپنے دائیں کاندھے پر رکھے گا پھر اس کا پچھلا دایاں حصہ اپنے دائیں کاندھے پر رکھے گا پھر آگے کی جانب دوبارہ آئے اور اگلے بائیں حصے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر پھر پہلے بائیں حصے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: السُّنَّة: خصلت۔ طریقہ۔ طبیعت۔ شریعت چہرہ یا اس کا دائرہ (جمع) سُنَن۔
حَمل: حَمَلَ (ض) حَمْلًا و حُمْلَانًا۔ الشیءَ علٰی ظهرہ اٹھانا ــــ الغَضَبَ غصہ ظاہر کرنا۔
السریر: پلنگ۔

تشریح

اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ حَمْلَ الْجَنَازَۃِ بِجَوَانِبِ السَّرِیْرِ الْاَرْبَعَۃِ۔ سُنّت یہ ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو چاروں جانب سے پکڑے۔اس بارے میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: احناف کے جمہور فقہاء کا ہے کہ میت کی چارپائی کو پکڑنے کے لئے چار آدمی ہوں اور ہر ایک اس کا ایک پایہ پکڑے۔

دوسرا مذہب: امام شافعی وغیرہ کا ہے کہ میت کی چارپائی کو دو مرد اٹھائیں کہ ایک شخص جنازہ کو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے اور پیٹھ میت کی طرف اور منہ راستہ کی طرف کرے اور دوسرا شخص اس کو اپنے سینہ پر رکھے اور منہ میت کی طرف ہو حتی کی پائنتی اس کے دونوں کندھوں کے بیچ میں سینہ کے بل پر ہو۔

پہلے مذہب والوں کے دلائل

❶ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال من اتبع جنازۃ فلیاخذ بجوانب السریر کلھا فانہ من السنۃ ان شاء فلیتطوع وان شاء فلیدع۔[1]

ترجمہ: جو شخص جنازہ کی اتباع کرے اسے چاہئے کہ تخت کی کل جوانب پکڑ کر اٹھائے کیوں کہ یہ سنت ہے۔

❷ روایت علی بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال رأیت ابن عمر رضی اللہ عنہ فی جنازۃ فحمل جوانب السریر الاربعۃ۔[2]

❸ روایت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال من حمل الجنازۃ بجوانبھا الاربع فقد قضی الذی علیہ جس نے جنازے کو چاروں جانب سے اٹھایا اس نے اس کا وہ حق پورا کر دیا جو اس پر تھا۔

❹ روایت واثلہ رضی اللہ عنہ من حمل بجوانب السریر الاربعۃ غفر لہ اربعون کبیرۃ۔[3]

دوسرے مذہب والوں کے دلائل

❶ ان النبی ﷺ حمل جنازۃ سعد بن معاذ بین العمودین۔[5]

❷ روایت عیسٰی بن طلحہ قال روایت عثمان بن عفان یحمل بین عمودی سریرا تہ فلم یفارقہ حتی وضعہ[6]

جواب

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو صاف روایت میں آتا ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ فی سعد بن معاذ لقد

شهده سبعون الف ملک لم ینزلوا الی الارض قبل ذلک ولقد ضم ضمة ثم فرج عنه۔ (۷)

اسی طرح ممکن ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا ہو ورنہ عموماً روایات میں یہی ہے کہ چار جانب سے اٹھانا چاہئے وہ معروف روایات ہیں اس لئے ان کو ہی مقدم رکھا جائے گا۔

احناف کے مذہب کو ترجیح

❶ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں فیه تکثیر الجماعة کہ کچھ دور جانے کے بعد اگر لوگ واپس بھی آجائیں تب بھی چار آدمی کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ بخلاف مذہب شافعیؒ کے کہ وہاں صرف دو ہی باقی رہ جائیں گے۔

❷ جب چار آدمی اٹھائیں گے تو اس میں میت کا زیادہ اکرام و اعزاز ہوتا ہے۔

❸ فیه صیانة المیت ای حفظته عن السقوط کہ چار آدمی جب اٹھائیں گے تو اس میں میت کے گرنے کا اندیشہ بھی کم ہوتا ہے۔ (۹)

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ يَبْدَءُ الرَّجُلُ فَيَضَعُ يَمِيْنَ الْمَيِّتِ الْمُقَدَّمِ عَلٰى يَمِيْنِهٖ۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ انسان جنازہ کو اس طرح اٹھائے کہ پہلے میت کا اگلا دایاں حصہ اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ جنازہ کو اٹھانے میں دو چیزیں ہیں ایک اصل سنت دوسرا کمال سنت۔

اصل سنت تو یہ ہے کہ آدمی جنازے کو چاروں طرف سے باری باری اٹھائے اور دس قدم چلے اس سے نفس سنت ادا ہو جائے گی۔

مگر کمال سنت یہ ہوگا کہ پہلے دائیں حصہ کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھا کر دس قدم چلے الخ (باقی اس طرح جو امام محمدؒ فرماتے ہیں) کہ دائیں طرف سے شروع کرے کیوں کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ اچھے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرتے تھے بہرحال اس کے خلاف کرنے سے نفس سنت تو ادا ہو جائے گی مگر ترک سنت کی وجہ سے کمال سنت والی صفت حاصل نہیں ہوگی۔ (۱۰)

چالیس قدم جنازے کو لے کر چلنے کی فضیلت

❶ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جنازے کو چالیس قدم اٹھائے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۱۱)

❷ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جو جنازے کے چاروں پایوں کو کندھا دے تو اللہ تعالیٰ اس کی یقیناً مغفرت فرما دیتے ہیں۔ (۱۲)

حضرت منصور بن المعتمرؒ کے مختصر حالات: ان کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ ان کا پورا نام کیا ہے بعض نے ان کو منصور بن المعتمر بن عبد اللہ بن ربیعہ کہا ہے اور بعض نے منصور بن المعتمر بن عتاب بن فرقد السلمی ابو عتاب الکوفی کہا ہے۔ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے استادوں میں سے ہیں۔

اساتذہ: ابی وائلؒ، ابن وہبؒ، ابراہیم النخعیؒ، حسن بصری ربعیؒ، تمیم بن مسلمہؒ، ابن جبیرؒ، مجاہدؒ، ابی الضحیٰؒ، علی بن الاقمرؒ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: ان کے شاگردوں میں ایوبؒ، حصین بن عبد الرحمنؒ، سلیمان التیمیؒ، الاعمشؒ، سفیان ثوریؒ، شیبان بن زائدہؒ، مسعرؒ، زہیرؒ، اسرائیلؒ، ابوالاحوصؒ، ابن عیینہؒ، جریر بن عبد الحمیدؒ وغیرہ ہیں۔

ان کے بارے میں داؤدؒ کہتے ہیں کہ منصورؒ روایت ثقہ ہی سے نقل کرتے ہیں وقال العجلی کوفی ثقۃ ثبت فی الحدیث اثبت اھل الکوفۃ الخ اس کے ساتھ ساتھ بہت اللہ والے آدمی تھے۔

ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے ساٹھ سال دن میں روزے رکھے اور رات کو قیام کیا اور رات کو عبادت میں جب مشغول تھے اسی دوران ان کا انتقال ہوا۔

وفات ان کی ۱۳۲ھ میں ہوئی۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۱۰/ ۳۱۲۔

حضرت سالم بن ابی الجعدؒ کے مختصر حالات: یہ سالم بن ابی الجعد رافع الاشجعی ہیں یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: ان کے اساتذہ میں سے حضرت ثوبانؓ، زیاد بن لبیدؓ، علیؓ، ابی برزہؓ، ابی سعیدؓ، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، جابرؓ، انسؓ، ابوامامہؓ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: حسن بن سالمؒ، حکم بن عتیبہؒ، عمرو بن دینارؒ، عمرو بن مرۃؒ، قتادہؒ، ابواسحٰقؒ، السبیعیؒ، اعمشؒ، ابوحصین بن عثمانؒ، حصین بن عبدالرحمنؒ، عثمان بن المغیرۃؒ، عمار الدھنیؒ، منصور بن المعتمرؒ، موسیٰ بن المسیبؒ وغیرہ ہیں۔

ان کو یحیٰی بن معینؒ، ابوزرعہؒ، نسائیؒ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن سعدؒ کہتے ہیں کان ثقۃ کثیر الحدیث عجلیؒ فرماتے ہیں ثقۃ تابعی۔

وفات کے بارے میں چند اقوال ملتے ہیں۔

بعض نے ۱۶۷ھ کہا۔ بعض نے ۹۷ھ کہا بعض نے ۹۸ھ کہا۔ اور بعض نے ۱۰۱ھ بھی کہا ہے۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۲/ ۳۲، ۴۳۳ دیکھیں۔

عبید بن نسطاسؒ کے مختصر حالات: ان کا پورا نام عبید بن نسطاس بن ابی صفیہ العامری الکوفی ہے۔

اساتذہ: ان کے استادوں میں مغیرہ ابن شعبہؓ، شریح بن الحارثؓ، ابی عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعودؓ، وغیرہ نمایاں ہیں۔

تلامذہ: ابویعفورؒ، عبدالرحمن بن عبید القاضیؒ، منصور بن المعتمرؒ، وغیرہ مشہور ہیں۔

ان کو یحییٰ بن معین ؒ نے ثقہ کہا ہے اسی طرح ابن حبان ؒ، عجلی ؒ، نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۷/۷۵

نوٹ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

(۱) ابن ماجہ۔ ابوداؤد طیاسی، مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق، بیہقی۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ۔

(۳) مصنف عبدالرزاق۔

(۴) مرقاۃ۔

(۵) مشکوۃ۔

(۶) بیہقی فی سنن الکبری۔

(۷) طبقات ابن سعد۔

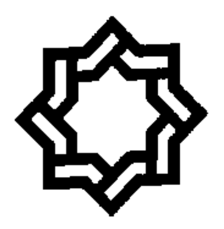
(۸) فتح القدیر ۱/۴۶۷۔

(۹) نہایہ ۳/۴۶۷، تعلیق الصبیح ۲/۲۴۶، جوہر النقی ۴/۶۰۔

(۱۰) بدائع الصنائع ۲/۳۰۹ بحر الرائق ۲/۱۹۳ در مختار ۱/۶۳۳۔

(۱۱) عمدۃ الفقہ ۲/۵۱۱ بہشتی زیور۔

(۱۲) عمدۃ الفقہ ۲/۵۱۱۔



باب الصلاۃ علی الجنازۃ

نماز جنازہ کا بیان

۲۳۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَاقِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَائِزِ وَلَا رُكُوْعَ وَلَاسُجُوْدَ وَلٰكِنْ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ اِذَافَرَغَ مِنَ التَّكْبِيْرِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا نماز جنازہ میں نہ قرأت ہے اور نہ رکوع و سجدہ البتہ تکبیرات کے بعد دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا جائے گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: لَاقِرَاءَة: قِرَأَ (ف،ن) قَرَاءً وقِرَاءَةً وقُرْآنًا و اِقْتَرَأَ الكتاب: پڑھنا۔ قراءۃ مصدر ہے۔ لانافیہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مہموز اللام ہے)۔

لاركوع: رَكَعَ (ف) رَكْعًا ورُكوعًا مصدر ہے۔ لانافیہ ہے۔ سر جھکانا۔ پشت خم کرنا۔

لاسجود: لانافیہ ہے۔ فروتنی سے جھکنا۔ عبادت کے لئے پیشانی زمین پر رکھنا۔

تشریح

لَاقِرَاءَةَ عَلَى الْجَنَائِزِ وَلَا رُكُوْعَ وَلَاسُجُوْدَ۔ نماز جنازہ میں نہ قراءت ہے اور نہ رکوع اور نہ ہی سجدہ۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ دعا کا عمل ہے قراءت کا عمل نہیں اس لئے احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص قرآن بنیّت قراءت پڑھتا ہے تو وہ مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ آپ ﷺ سے نماز جنازہ میں قرآن کے پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قراءت کے بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ سعید بن المسیبؒ، ربیعہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، یحییٰ بن سعیدؒ، ابن سعدؒ وغیرہ ان سب کے نزدیک نماز جنازہ میں قراءت سورت فاتحہ نہیں ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ اور اہل ظواہر ان کے نزدیک قراءت سورت فاتحہ ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ ان عبداللہ بن عمرؓ کان لا یقراء فی الصلاۃ علی الجنازۃ۔[1]

❷ سالم بن عبداللہؒ فرماتے ہیں لا قراءۃ علی الجنازۃ۔[2]

❸ طاؤسؒ وعطاءؒ کانا ینکران القراءۃ علی الجنازۃ۔[3]

❹ فتویٰ امام مالکؒ قراءۃ الفاتحۃ لیس معمولا بھا فی بلدنا فی الصلوۃ الجنازۃ امام مالکؒ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے پر ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ میں) اس پر عمل نہیں ہے۔

❺ امام شعبیؒ وابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں۔ لیس فی الجنازۃ قراءۃ۔

❻ عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔[5]

دوسرے مذہب والوں کے دلائل

اس بارے میں کتب احادیث میں یہ پانچ روایات ملتی ہیں۔

❶ روایت اُم عفیفؓ قالت امرنا رسول اللہ ﷺ ان نقرء بفاتحۃ الکتاب۔

❷ روایت اُم شریکؓ قالت امرنا رسول اللہ ﷺ ان نقراء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب۔[6]

❸ روایت اسماء بنت یزیدؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی الجنازۃ فاقرءوا بفاتحۃ الکتاب۔[7]

❹ روایت جابرؓ ان رسول اللہ ﷺ قرء بام القرآن بعد التکبیرۃ الاولی۔[9]

❺ روایت عبداللہ ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب۔[10]

جواب دوسرے مذہب والوں کا

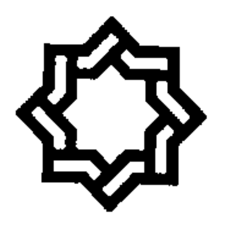
پہلی روایت اُم عفیفؓ کی ہے اس میں اولاً نماز جنازہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں عبدالمنعم ابوسعید ہے جو انتہائی درجہ کا ضعیف راوی ہے۔[11]

دوسری روایت اُم شریکؓ کی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے[12]

تیسری روایت اسماء بنت یزیدؓ کی ہے اس کی سند میں بھی معلی بن حمران ہے۔یہ بھی ضعیف راوی ہے۔
چوتھی حدیث جابر بن عبداللہؓ کی ہے اس کی سند میں بھی ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے جو متروک الحدیث ہے۔
پانچویں روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے۔اس کی سند میں ابو شیبہ ہے۔یہ بالاتفاق ضعیف ہیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ ان روایات میں اکثر روایات عورتوں سے منقول ہیں جن کو نماز جنازہ کا حکم ہی نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ شروع میں عورتیں ساتھ ہوتی تھیں بعد میں منع ہو گئیں تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے۔کہ ممکن ہے کہ شروع میں سورت فاتحہ پڑھنے کو کہا گیا ہو پھر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا ہو۔
تیسری بات یہ ہے کہ احناف بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فاتحہ پڑھ لے بنیت ثناء تو اس کی احناف کے نزدیک بھی گنجائش ہے مگر قراءت کی نیت سے پڑھی گئی ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہوگی۔کیوں کہ اکثر روایات میں نماز جنازہ میں قراءت کرنے کی ممانعت آتی ہے۔

---

(۱) مؤطا مالک ۷۹۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۹/۳۔
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۹/۳۔
(۴) عمدۃ القاری۔
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۹/۳ دوسری روایت رواہ ابو داؤد، صححہ ابن حبان، بلوغ المرام ۱۰۷ دعا سے مراد تیسری اور چوتھی تکبیر کی درمیانی دعا پڑھنا ہے بقول ملا علی قاری بحوالہ مرقاۃ ۵۹/۴۔
(۶) طبرانی۔
(۷) ابن ماجہ۔
(۸) طبرانی۔
(۹) کتاب الام۔
(۱۰) ترمذی، ابن ماجہ۔
(۱۱) مجمع الزوائد ۳/ ۳۳۔
(۱۲) تلخیص الحبیر لابن حجرؒ۔



۲۳۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ شَيْءٌ مُوَقَّتٌ وَلٰكِنْ تَبْدَاءُ فَتَحْمَدُاللّٰهَ وَتُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَتَدْعُوْا اللّٰهَ لِنَفْسِكَ وَلِلْمَيِّتِ بِمَا اَحْبَبْتَ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جنازہ میں کوئی سورت پڑھنا مقرر نہیں البتہ آپ ابتداء میں اللہ جل شانہ کی حمد وثنا بیان کریں گے۔ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجیں اور اپنے اور میت کے لئے جو دعائیں پسند کریں مانگیں۔"

لغات: مُوَقَّتٌ: مقرر۔

تَبْدَأُ: بَدَأَ(ف)بَدْءً او ابتدأ الشیءَ وَبِہٖ شروع کرنا۔ پہل کرنا۔ وَبَدَأَ بِفُلَانٍ آگے بڑھانا۔(ہفت اقسام میں مہموز اللام ہے۔

تَدْعُوْا: دَعَا(دُعَاءً وَدَعْوَیٰ) ہ پکارنا۔ رغبت کرنا۔ مدد طلب کرنا۔(ہفت اقسام میں ناقص ہے)

تشریح

اسی طرح فضا بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت آتی ہے اذا صلی احد کم فلیبدأ بحمد ربه جل و غرو الثناء علیه ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یصلی بعد بماشاء۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے۔ یبدأ الحمد و یصلی علی النبی ﷺ ثم یقول اللھم الخ۔(۲)

سب سے پہلے اللہ کی تعریف کرے اور اس میں ثناء وہ پڑھے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے تو مزید بہتر ہے اور اگر اس میں وتعالٰی جدک کے بعد وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ کا بھی اضافہ کرلیا جائے تو بہت ہی بہتر ہے۔

وَتُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ الخ۔ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجیں۔(۳)

پھر امام تو بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ سے اللہ اکبر کہیں اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں اور اس میں بہتر یہ ہے کہ درود ابراہیمی پڑھے جو کہ نماز کے آخری قعدہ میں پڑھا جاتا ہے۔

وَتَدْعُوْا اللّٰهَ لِنَفْسِكَ وَلِلْمَيِّتِ بِمَا اَحْبَبْتَ۔ اور اپنے اور میت کے لئے جو دعائیں پسند ہوں مانگیں۔

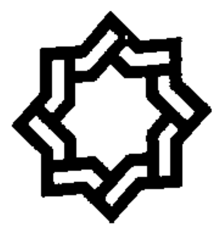
پھر تیسری مرتبہ امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے اللہ اکبر کہیں اور پھر کوئی دعا پڑھے جس میں اپنے نفس سے شروع کرے اور اس میں میت اور عام مؤمنوں کے لئے دعا کی جائے۔ اس میں کوئی دعا مخصوص نہیں جو بھی دعا پڑھے

مانگ سکتا ہے۔ مگر ایسی دعا مانگے جو احادیث سے منقول ہو تو اچھا ہے اور اگر کوئی اور دعا پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے مگر ایسی دعا کہ جس میں امور آخرت کے متعلق مضمون ہو۔ مثلاً اللھم اغفر لنا ولو الدینا ولہ وللمؤمنین والمؤمنات۔
پھر امام چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے گا۔

(۱) ابوداؤد ۱/۱۷۸، ترمذی، نسائی، بیہقی، حاکم، مسند احمد۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۵/۳۔

(۳) وکذا ابوداؤد ۱/۲۱۵، ترمذی ۱/۱۸۶ من باب التمجید والصلاۃ علی النبی ﷺ والحاکم فی ۲۳۰، بیہقی ۷ ۱۴۔



۲۳۸

﴿قَالَ مُحَمَّدٌ وَاَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ اَبِيْ هَاشِمٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ قَالَ الْاُوْلٰى الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ وَالثَّانِيَةُ صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالثَّالِثَةُ دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ وَالرَّابِعَةُ سَلَامٌ تُسَلِّمُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل شانہ کی حمد وثناء بیان کی جائے گی۔ دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے گا۔ تیسری کے بعد میت کے لئے دعا ہوگی، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اَلْاُوْلٰی: پہلی اَوَّلْ کا مونث ہے (جمع) اُوَل و اُوْلَیات۔

الثناء: تعریف (جمع) اَثْنِیَة۔

الثانیة: دوسری الثانی کا مونث ہے۔

تشریح

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد کیا پڑھے

اَلْاُوْلٰی اَلثَّنَاءُ عَلَی اللّٰہِ پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل شانہ کی حمد وثناء بیان کی جائے ثناء کے لئے بہترین طریقہ وہی ہے جو عام نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اگر اس میں وتعالٰی جدک کے بعد وجل ثناؤک کا اضافہ کرلیا جائے تو زیادہ اچھا ہے پوری ثناء اس طرح ہے۔

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک وجل ثناءک ولا الٰہ غیرک۔

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھنا ہے اور درود شریف میں بھی فقہاء فرماتے ہیں کہ درود ابراہیمی پڑھیں جو عام طور سے نماز کے قعدۂ آخرہ میں پڑھا جاتا ہے وہ پڑھا جائے اس کے علاوہ کسی نے کوئی اور درود شریف پڑھ لیا تو تب بھی جائز ہے۔

وَالثَّالِثَۃُ دُعَاءٌ لِلْمَیِّتِ۔ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعاء کی جائے گی اس میں کوئی دعا مخصوص نہیں ہے۔ جو چاہے مانگ لے۔ بہتر یہ ہے کہ دعا، ماثورہ ہو مثلاً اللھم اغفر لحینا لمیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان۔

یہ دعا عام احادیث کی کتابوں میں وارد ہے اور اسی پر عام اُمت کا عمل ہے۔
حضرت عوف ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جنازے پر یہ دعا پڑھی تھی۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم منزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کماینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار۔ (۱)

اور دوسری دعائیں بھی احادیث سے منقول ہیں۔ اور اگر جنازہ لڑکا نابالغ، مجنون، پاگل کا ہو تو تیسری تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا اجرا وذخرا واجعلہ لنا شافعا ومشفعا۔

اور اگر جنازہ لڑکی نابالغہ یا مجنونہ عورت کی میت ہو تو اس دعا میں (ہ) کی جگہ پر (ھا) پڑھا جائے گا مثلاً اللھم اجعلھا لنا فرطا واجعلھا لنا اجرا وذخرا واجعلھا لنا شافعۃ ومشفعۃ۔

والرابعہ سلام و تسلیم۔ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔ ظاہری مذہب یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ بھی نہ پڑھا جائے مگر بعض نے کہا ہے کہ اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ الخ اور بعض نے ربنا لا تزغ قلوبنا اور بعض نے کچھ اور بھی دعا فرمائی ہے۔ پھر نمازوں کے سلام کی طرح دونوں جانب سلام پھیرے۔

سَلاَمٌ تُسلِیمُ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: جمہور فقہاء صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، علیؓ، ابوہریرۃؓ، ابن عباسؓ، جابرؓ، انسؓ، ابن ابی اوفیؓ، واثلہؓ، سعید بن جبیرؒ، عطاءؒ، ابن سیرینؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ ایک قول امام شافعیؒ کا کہ نماز جنازہ میں ایک ہی طرف سلام پھیرا جائے گا۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، جابر بن زیدؒ ایک قول امام شافعیؒ کا کہ دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا۔ (۲)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ انہ سلم عن یمینہ وشمالہ فلما انصرف قال لا ازیدکم علی ما رایت رسول اللہ یصنع۔ (۳)

روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال ثلث کان رسول اللہ ﷺ یفعلھن ترکھن الناس احدھن التسلیم علی الجنازۃ مثل التسلیمتین فی الصلوۃ الخ۔ (۴)

نماز جنازہ کا سلام جہراً یا سراً اس میں بھی تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن سیرینؒ۔ امام ابوحنیفہؒ، اوزاعیؒ، امام مالکؒ بروایۃ ابن القاسمؒ، ابن حبیب مالکیؒ وغیرہ جہراً سلام کے قائل ہیں۔

دوسرا مذہب: حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابوامامہؓ، ابن سہلؒ، سعید بن جبیرہؒ۔ ابراہیم نخعیؒ، امام شافعیؒ ایک روایت امام مالکؒ کی کہ سراً سلام ہوگا۔

تیسرا مذہب: امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں لایجھر کل الجھر ولایسر کل الاسرار۔

حضرت سفیان ثوریؒ کے مختصر حالات: ان کا نام۔ سفیان، کنیت، ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری ہیں ثوری کہنے کی وجہ اکثر لوگوں کے نزدیک یہ ہے ان کے خاندان میں ثور بن مناۃ ہیں اس کی وجہ سے ان کو ثوری کہتے ہیں۔

ولادت: سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ خلافت ۹۶۔۹۷ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ۴/ ۱۱۴، تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۱۹۲)

والدین نے ان کی تعلیم و تربیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کی ماں نے نصیحت کی بیٹے جب تم دس حرف لکھ چکو تو دیکھو کہ تمہاری چال ڈھال حلم و وقار میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں اگر اضافہ نہیں ہوا تو سمجھ لو کہ علم نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (صفوۃ الصفوۃ ۳/ ۱۱۶) پہلے انہوں نے کوفہ کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر بصرہ و حجاز میں جا کر علم حاصل کیا ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وخلق من اھل الکوفۃ وجماعۃ من اھل البصرۃ وطوائف من اھل الحجاز کہ اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد سے استفادہ کیا اسی طرح بصرہ کی ایک بڑی جماعت سے فائدہ اٹھایا اور حجاز کے مختلف حلقہ کے درس سے بہرہ مند ہوئے۔

اساتذہ: ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً شیبانیؒ، اسحاق سبیعیؒ، عبدالملک بن عمرؒ، ابن عابسؒ، وخلائق من اھل الکوفۃ والبصرۃ والحجاز۔

تلامذہ: ان کی مقدار بھی بے شمار ہے۔

شعبہؒ، ابن عیینہؒ، ابوعاصمؒ، یحیی بن معینؒ، سب یہ کہتے ہیں سفیان ثوریؒ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

وقال خطیب کان اماما من ائمۃ المسلمین وعلما من اعلام الدین، مجمعا علی امامتہ بحیث یستغنی عن تزکیتہ مع الاتقان والحفظ والمعرفۃ والضبط والورع والزھد۔

امام حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں۔ ما رایت صاحب الحدیث احفظ من سفیان الثوری۔ (تاریخ بغداد) نیز امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عراق ہم پر درہم و دینار کی بارش کرتا تھا۔ سفیان ثوریؒ کے بعد اس نے علم کی بھی بارش شروع کر دی۔ (تاریخ بغداد ۹/ ۱۶۹)۔

وفات: ان کا آخری قیام عبدالرحمن بن مہدیؒ کے یہاں تھا انہی کے گھر پر انتقال ہوا۔ امام ذہبی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

وفات فی البصرۃ فی الاختفاء من المھدی فانہ کان قوالا بالحق شدید الانکار علیہ (تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۱۸۶) ان کا انتقال بصرہ میں مہدی سے روپوشی کی حالت میں ہوا روپوشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ غیر معمولی طور پر حق گو واقع ہوئے تھے اور مہدی کے اوپر تنقید

کرتے تھے۔

مزید حالات کے لئے تہذیب ۱۱۴/۴ ② تذکرۃ الحفاظ ۱۹۳/۱ ③ طبقات الکبری ۴۳/۱ ④ صفوۃ الصفوہ ۱۱۶/۳ ⑤ تاریخ بغداد ۱۲۷/۹ ⑥ البدایہ والنہایہ ۱۳۴/۱ ⑦ حلیۃ الاولیاء ۳۷۷/۶ ⑧ طبقات ابن سعد ۲۵۷/۶ ⑨ فہرست ابن ندیم ۲۷۵۔

حضرت ابوہاشمؒ کے مختصر حالات: حافظ ابن حجرؒ نے ابوہاشم تین نقل کئے ہیں۔

اول: ابوہاشم الہمدانی الکوفی ہے ان کا نام قاسم بن کثیر الخارفی الہمدانی ہے۔ ان کے اساتذہ قیس خارفی ابوالبختری وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: سفیان ثوریؒ، مطرف بن ظریفؒ ان کے بارے میں ابوحاتمؒ کہتے ہیں۔ صالح۔ وقال النسائیؒ، ثقہؒ، ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے تہذیب ۳۳۱/۸۔

دوسرے ابوہاشم المکیؒ ہیں یہ سنن ابوداؤد کے راوی ہیں۔

ان کا نام عمار بن عمار ابوہاشم الزعفرانی البصریؒ ہے۔

اساتذہ: حسن بصریؒ، وصالح بن عبیدؒ، ابوالیمانؒ، سیرینؒ، ابن منصور بن عبداللہؒ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: سفیان ثوریؒ، ابن جریجؒ، یحیٰی الطائفیؒ سعرؒ وغیرہ ہیں ان کے بارے میں بھی فرماتے ہیں ثقہ۔ صالح۔ لاباس بہ۔

تیسرے ابوہاشم المکیؒ ان کا نام اسمٰعیل بن کثیر ہے یہ سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

ان کے اساتذہ میں ابووائلؒ۔ ابن مجلزؒ، ابوالعالیۃؒ۔ ابی قلابہؒ، عکرمۃؒ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، عبداللہ بن بریدۃؒ، حبیب بن ابی ثابتؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: منصورؒ۔ سفیان ثوریؒ، شعبہؒ، ابن الربیعؒ، شعیب بن محرزؒ۔ حجاج بن دینارؒ، خلف بن خلفہؒ ہشیمؒ وغیرہ ہیں۔ یہ ثقہ راوی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۲ھ میں ہوا۔ یا بعض نے ۱۴۵ھ میں لکھا ہے۔

ان تینوں کے ہی بارے میں شبہ ہے کیوں کہ ان سب کا نام۔ کنیت ایک ہی ہے اور یہ سب سفیان ثوریؒ کے استاد بھی ہیں اسماء الرجال والوں نے زیادہ ترجیحؒ پہلے اور دوسرے کو دی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(نوٹ) ابراہیم النخعیؒ کے حالات باب الوضوء میں دیکھیں۔

---

(۱) علامہ شامی ۸۱۶/۱ نے ان دونوں دعاؤں کو ایک ساتھ ہی لکھا ہے۔

نوٹ۔ اس دعا میں صیغے مذکر استعمال کیا گیا ہے اور اگر میت مونث ہو تو صیغہ مونث کے استعمال کرنے ہوں گے ضمیر "ہ" کی جگہ پر ضمیر "ھا" مثلاً اللھم اغفرلھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا الخ۔

(۲) بدایۃ المجتہد وغیرہ۔

(۳) حاکم وقال ھذا حدیث صحیح۔

(۴) کتاب المعرفۃ للبیہقی۔

۲۳۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ قَالَ يُصَلِّيْ عَلَيْهَا اَئِمَّةُ الْمَسَاجِدِ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ تَرْضَوْنَ بِهِمْ فِيْ صَلَوَاتِكُمُ الْمَكْتُوْبَاتِ وَلَا تَرْضَوْنَ بِهِمْ عَلَى الْمَوْتٰى قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ يَنْبَغِيْ لِلْوَلِيِّ اَنْ يُّقَدِّمَ اِمَامَ الْمَسْجِدِ وَلَا يُجْبَرُ عَلٰى ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے نماز جنازہ کے بارے میں یہ مروی ہے، فرمایا اس پر ائمہ مساجد جنازہ پڑھائیں گے۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا وہ ائمہ جن کے پیچھے تم فرض نمازیں خوشی سے پڑھتے ہو ان کے پیچھے جنازے کی نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے (عجیب بات ہے) امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں ولی کو چاہئے کہ مسجد کے امام کو آگے بڑھائے لیکن اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (دوسرے سے بھی جنازہ پڑھوا سکتا ہے) یہی بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔"

لغات: ترضون: رَضِيَ (س) رُضًى ورِضًى ورُضْوَانًا ورِضْوَانًا ومَرْضَاةً منه وعليه: خوش ہونا۔ راضی ہونا (صفت) رَاضٍ (جمع) رَاضُوْن رُضَاةٌ ورَضٍ (جمع) رَضُوْنَ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔
صَلَوَاتِكُمُ الْمَكْتُوْبَاتِ: تم اپنی فرض نمازیں۔ صلوۃ المکتوبۃ فرض نماز کو کہتے ہیں۔
اَلْمَوْتٰى: میت کی جمع ہے۔

تشریح

نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے

قَالَ يُصَلِّيْ عَلَيْهَا اَئِمَّةُ الْمَسَاجِدِ۔ اس پر ائمہ مساجد جنازہ کی نماز پڑھائیں گے۔ نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں صاحب ہدایہ" فرماتے ہیں کہ اولی الناس بالصلوۃ علی المیت السلطان ان حضر لان فی التقدم علیه ازدراء به فان لم یحضر فالقاضی لانه صاحب ولایة فان لم یحضر فیستحب تقدیم امام الحی لانه رضیه فی حال حیوته قال ثم الولی والاولیاء علی ترتیب المذکور فی النکاح فان صلی غیر الولی او سلطان اعاد الولی۔
میت پر سب سے زیادہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق سلطان کا ہے اگر حاضر ہو۔ کیوں کہ اس پر مقدم ہونے میں اس کی

تخییر ہے اگر سلطان حاضر نہیں تو قاضی اولیٰ ہے کیوں کہ وہ صاحب ولایت ہے اگر قاضی بھی حاضر نہ ہو تو امام محلہ کو مقدم کرنا مستحب ہے کیوں کہ وہ اپنی زندگی کی حالت میں اس سے راضی تھا پھر میت کا ولی بہتر ہے اور ولی میں ترتیب وہی ہوگی جو نکاح میں مذکور ہے پھر اگر ولی یا سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی اعادہ کرے اگر چاہے۔

اکثر متون کی کتابوں میں یہی ترتیب مذکور ہے۔ اکثر فقہاء یہی فرماتے ہیں مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، احمدؒ، اوزاعیؒ، اسحاق علقمہؒ، اسودؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کے نزدیک سلطان سب سے زیادہ حق دار ہے اس کے بعد اس کا نائب یعنی قاضی وغیرہ پھر اس کے بعد محلّہ کی مسجد کا امام۔

درالمختار وغیرہ بھی امام ابوحنیفہ کی روایت "حسنؒ" سے یہ ترتیب مذکور ہے سب سے پہلے خلیفہ پھر اس شہر کا گورنر پھر قاضی پھر صاحب شرط یعنی محتسب حاکم پھر سلطان کا خلیفہ پھر قاضی کا خلیفہ پھر امام محلہ پھر میت کا ولی۔[1]

مگر امام ابویوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر حال میں ولی ہی مقدم ہوگا اس پر وہ استدلال کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض۔

دوسرا یہ کہ نکاح کروانے میں بھی سب سے زیادہ مقدم ولی ہی ہوتا ہے۔

جمہور کا استدلال

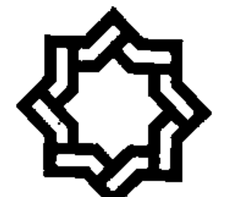
حضرت حسنؒ نے حضرت سعد بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو والی مدینہ تھے بڑھا کر یہ فرمایا لولا السنۃ ماقدمتک۔

امام شافعیؒ وغیرہ کے استدلال کا جواب

اس آیت کا تعلق مواریث سے ہے اور ولایت مناکحت پر محمول ہے سلطان کی دعا احادیث کی روشنی میں اقرب الی الاجابۃ ہے علی ماروی عن النبی ﷺ انہ قال ثلث اُجیب دعاؤھم وذکر منھم الامام۔[2]

دوسری بات یہ ہے کہ جب مرنے والا اپنی زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی تھا تو اب مرنے کے بعد والی نماز (یعنی جنازہ کی نماز) پر بھی وہ راضی ہوگا۔

(۱) درمختار وکذافی بدائع الصنائع ۱/۳۱۷۔
(۲) بحرالرائق، نہایہ، کفایہ وعمدۃ القاری ۱۳۴۔



۲۴۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ عَلَى الْجَنَائِزِ خَمْسًا وَسِتًّا وَاَرْبَعًا حَتّٰى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ كَبَّرُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ وِلَايَةِ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى قُبِضَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ثُمَّ وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ فِيْ وِلَايَتِهٖ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّكُمْ مَعْشَرُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَتٰى مَا تَخْتَلِفُوْنَ يَخْتَلِفُ مَنْ بَعْدَكُمْ وَالنَّاسُ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَاَجْمَعُوْا عَلٰى شَيْءٍ يَجْتَمِعُ بِهٖ عَلَيْهِ مَنْ بَعْدَكُمْ فَاَجْمَعَ رَاْيُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ اَنْ يَّنْظُرُوْا آخِرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ حِيْنَ قُبِضَ فَيَاْخُذُوْنَ بِهٖ فَيَرْفُضُوْنَ بِهٖ مَاسِوٰى ذٰلِكَ فَنَظَرُوْا فَوَجَدُوْا آخِرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

”حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ لوگ جنازوں پر پانچ، چھ اور چار تکبیرات کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ اسی طرح تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی وفات پاگئے پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور ان کے دور خلافت میں بھی لوگوں نے یہی کیا جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ اختلاف دیکھا تو فرمایا آپ حضرات حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی جماعت ہیں جب خود آپ لوگوں ہی میں اختلاف ہوگا تو آپ کے بعد آنے والوں میں اس سے زیادہ اختلاف ہوگا لوگ ابھی ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ کسی ایک ایسی بات پر اتفاق کریں۔ جس پر آپ کے بعد آنے والے سب متفق ہوجائیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کے پڑھائے ہوئے آخری جنازہ کی تکبیرات کو دیکھا جائے اس پر آپ نے جتنی تکبیرات کہی ہوں انہیں اختیار کرلیا جائے اور اس کے علاوہ دوسری اور کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری جنازے پر چار تکبیرات کہی تھیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ“

فرماتے ہیں۔"

لغات: قُبِضَ: وفات پانا۔ مرنا۔

مَعْشَرْ: جماعت۔ آدمی کے اہل، جن، انسان (جمع) مَعَاشِرُ۔

يَخْتَلِفُ: باب افتعال سے واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ — اختلاف کرنا۔

كَبَّرَ: تَكْبِيْرًا و كُبَّارًا اللہ اکبر کہنا۔ باب تفعیل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔

فَيَرْفُضُوْنَ: (رَفَضَ (ن ض) رَفْضًا و رَفَضًا الشيءَ پھینکنا، چھوڑنا۔ (صفت) رَافِض (جمع) رافضونَ و رَفَضَه رُفَّاض۔

تشریح

نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں

اس میں تقریباً سات مذاہب نقل کئے جاتے ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت انسؓ، جابر بن زیدؒ، ابن المنذرؒ، وغیرہ سے تین تکبیرات منقول ہیں۔

دوسرا مذہب: حضرت عمر، ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، جابر بن عبداللہؓ، حسن بن علیؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ، ابوہریرہؓ، عقبہ بن عامرؓ، محمد بن الحنفیہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، محمد بن سیرینؒ۔ ابراہیم نخعیؒ، سوید بن غفلہؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ کہ اس میں اجماع بھی منعقد ہے کہ چار تکبیرات کہی جائیں گی۔ (۱)

تیسرا مذہب: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ارقمؓ، حذیفہؓ، ابن ابی لیلیٰؒ، عیسیٰؒ، مولی حذیفہؒ، معاذ بن جبلؓ، امام ابویوسفؒ کی بھی ایک روایت کہ پانچ تکبیرات ہیں (۲)

چوتھا مذہب: ابن المنذرؒ نے حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ چھ تکبیرات ہیں۔

پانچواں مذہب: زر بن حبیشؒ سے روایت ہے کہ سات تکبیرات کہی جائیں گی۔

چھٹا مذہب: قاضی ابو محمدؒ نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ سات اور کم سے کم تین تکبیریں کہی جائیں گی۔

ساتواں مذہب: امام احمدؒ کی ایک روایت ہے کہ زیادہ سے زیادہ سات ہوں اور کم سے کم چار (۳)

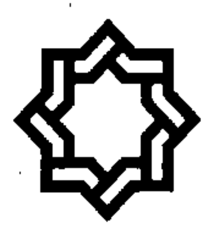
اور بھی کچھ روایات ہیں۔ جن میں نو تک روایت منقول ہیں۔ (۴)

(۱) ترمذی ۱/۱۹۸، المغنی ۲/۱۸۰، بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۴ اوجز المسالک ۲/۴۴۱ نیل الاوطار ۳/۲۹۴ زرقانی شرح مؤطا ۲/۹ عمدۃ القاری ۴/۱۲۹۔

(۲) بنوہاشم پر آپ ﷺ نے پانچ تکبیرات کہی تھیں۔

(۳) اہل بدر پر آپ نے سات تکبیرات کہی تھیں۔ عمدۃ القاری ۸/۱۱۶ باب الصفوف علی الجنازۃ۔

(۴) التلخیص الحبیر ۲/۱۱۹، ۱۲۲ کتاب الجنائز، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۰۴ کتاب الجنائز من کان یکبر علی الجنازۃ سبعًا وتسعًا۔



۲۴۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ اَبِيْ يَحْيٰى عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدِ النَّخْعِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى يَزِيْدَ بْنِ الْمُكَفَّفِ فَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَهُوَ آخِرُ شَيْءٍ كَبَّرَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَلَى الْجَنَائِزِ﴾

"حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یزید بن المکفف کی نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیرات کہیں اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی آخری نماز جنازہ تھی جس پر چار تکبیرات کہیں۔"

لغات: صَلّٰى: باب تفعیل سے فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے ــــ صَلَاةً دعا کرنا نماز پڑھنا ــــ اللہ علیہ برکت دینا، اچھی تعریف کرنا۔ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)

فَكَبَّرَ باب تفعیل سے واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ كَبَّرَ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرًا و كِبَّارًا۔ اللہ اکبر کہنا۔

تشریح

نماز جنازہ میں چار تکبیرات ہوئیں

نماز جنازہ میں چار تکبیرات ہوئیں اور یہ آپ ﷺ کا آخری عمل تھا۔ اور یہی احناف اور جمہور فقہاء کا مذہب ہے اس کی تائید کئی روایات سے ہوتی ہے مثلاً۔

❶ حدیث عبداللہ بن عباس قال آخر ما کبر النبی ﷺ علی الجنائز اربع تکبیرات وکبر عمر علی ابی بکر اربعا وکبر ابن عمر علی عمر اربعا وکبر الحسن بن علی علی علی اربعا وکبر الحسین بن علی اربعا وکبرت الملائکۃ علی آدم اربعا۔ (۱)

❷ حدیث النضر ابی عمر عن عکرمۃ عن ابن عباس قال آخر جنازۃ صلی علیہا رسول اللہ ﷺ کبر علیہا اربعا۔ (۲)

❸ حدیث ابوبکر محمد ابن اسحاق بن عمر ان ثنا ابراھیم بن محمد بن الحارث ثنا شیبان بن فروخ ثنا نافع ابوھرمز ثنا عطاء عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یکبر علی اہل بدر سبع تکبیرات وعلی بنی ہاشم خمس تکبیرات ثم کان آخر صلاتہ اربع تکبیرات الی ان خرج من الدنیا۔ (۳)

❹ حدیث عمر قال صلی عمر علی بعض ازواج النبی ﷺ فسمعتہ یقول لا صلین علیہا مثل آخر صلاۃ

رسول اللہ ﷺ علی مثلھا فکبر علیھا اربعا۔[۴]

۵ حدیث ابو ہریرۃ انہ علیہ السلام نعی للناس النجاشی الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم الی المصلی فصف بھم و کبر اربع تکبیرات۔[۵]

جیسے کہ اس سے پہلے روایت میں گزرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہوا کہ جنازے میں چار ہی تکبیرات کہی جائیں گی۔

سوال: آپ کی روایت جس سے آپ نے اجماع ثابت کیا اس میں اسناد منقطع ہے۔ کیوں کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تو اس سے اجماع کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب: اس انقطاع سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اسناد صحیح کے ساتھ ہے اس سے استدلال کر لیا جائے گا۔ وہ روایت یہ ہے:

ثنا وکیع ثنا سفیان عن عامر بن شقیق عن ابی وائل قال جمع عمر الناس فاستشار ھم فی تکبیر علی الجنازہ فقال بعضھم کبر النبی ﷺ سبعا و قال بعضھم خمسا و قال بعضھم اربعا فجمع عمر علی اربع کاطول الصلوۃ۔[۶]

حضرت الہیثمؒ کے حالات باب لا ینجسہ میں گزر چکے ہیں۔

حضرت ابی یحییٰ عمیر بن سعید النخعیؒ کے مختصر حالات: یہ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ بخاری، مسلم ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: ان کے اساتذہ میں سے حضرت علی، ابوموسیٰ، سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، حسن بن علی، علقمہ، مسروق رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: ان کے شاگردوں میں سے شعبیؒ، سبیعیؒ، اعمشؒ، ابوحصینؒ، زبیر بن عدیؒ، طلحہ بن مصرفؒ، مطرف بن طریفؒ وغیرہ ہیں۔ ان کے بارے میں یحییٰ بن معین، ابن حبانؒ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ عجلی بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

وفات: بقول ابن عدی کے آپ کا ۱۰۷ھ اور بقول ابن سعد کے ۱۱۵ھ میں انتقال ہوا۔ تہذیب التہذیب ۱۴۶/۸

---

(۱) دار قطنی، مستدرک حاکم۔
(۲) سنن البیہقی، معجم طبرانی۔
(۳) معجم طبرانی۔ تاریخ ابونعیم۔
(۴) دار قطنی۔
(۵) بخاری و مسلم۔ (۶) مسند احمد۔

۲۴۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ كَبَّرَ عَلٰی اِبْنَةٍ لَهٗ اَرْبَعًا﴾

"حضرت سعید بن المرزبان" حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے جنازے پر چار تکبیرات کہیں۔"

لغات: اَرْبَعًا: چار۔ اِبْنَة: بیٹی۔

تشریح

جیسے کہ ماقبل سے یہ بات واضح ہوئی کہ پہلے تو کچھ اختلاف رہا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چار تکبیرات پر اجماع ہوگیا اب چار ہی کہی جائیں گی۔

سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب حضرت سہل بن حنیف" کا جنازہ پڑھایا تو اس میں پانچ یا چھ تکبیریں کہیں تھی انہوں نے اجماع کے خلاف کیوں کیا؟[1]

جواب: طحاوی میں یہ روایت موجود ہے اس کے بعد حضرت علیؓ کا یہ مقولہ بھی ہے انہ من اہل بدر۔

طحاوی میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت علی کی عادت یہ تھی کہ کان علی یکبر علی اہل بدر ستا وعلی اصحاب النبی ﷺ خمسا وعلی سائر الناس اربعا۔[2]

اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت بھی طحاوی نے اسی کے ساتھ نقل کی ہے کہ ثم صلیت مع علی علی جنائز کل ذلک کان یکبر علیھا اربعا یہی بات عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے وہ فرماتے ہیں صلی علی علی سہل بن حنیف فکبر علیہ خمسا فقالوا ماھذا التکبیر؟ فقال ھذا سہل بن حنیف من اہل بدر ولا ھل بدر فضل علی غیرھم فاردت ان اعلمکم فضلھم۔[3]

اس سے یہ بات خوب واضح ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اجماع کا خیال رکھتے ہوئے چار ہی تکبیرات کہا کرتے تھے مگر چونکہ سہل بن حنیف بدریؓ صحابی تھے اسی لئے ان پر چار سے زائد تکبیریں کہیں۔

سوال: نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں جب کئی تکبیرات کا رواج عمل میں رہا تو اب بعد میں اجماع کیسے منعقد ہوسکتا ہے۔

جواب: جیسے کہ پہلے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ اقدس کے آخری دور میں چار ہی تکبیرات پر

معمول ہو گیا تھا تو یہ اجماع آپ ﷺ کے آخری عمل پر اجماع ہوا ہے۔

فصار الاجماع مظهرا بما كان في حيوة النبي ﷺ۔

ناسخ کے لئے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشی کے جنازے پر چار ہی تکبیرات کہی تھیں کیوں کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا اسلام متاخر ہے۔

دوسرا جواب: امام طحاوی نے یہ فرمایا ہے کہ آپ عموماً چار ہی تکبیرات فرمایا کرتے تھے۔ مگر کبھی کبھار کسی کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے آپ ﷺ زائد میں تکبیرات کہہ دیا کرتے تھے یہ جزئی واقعہ ہے مگر قاعدہ کلیہ تو چار ہی تکبیرات کہنے کا تھا۔

حضرت سعید بن المرزبان کے مختصر حالات: یہ المرزبان العبی کوفہ ہیں۔

ترمذی ابن ماجہ اور ادب المفرد میں ان سے روایات موجود ہیں۔

اساتذہ: انس بن مالک، ابی عمرو شیبانی، عکرمہ، ابی سلمۃ بن عبد الرحمن، محمد بن ابی موسیٰ وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: اعمش، شعبۃ، سفیان ثوری، سفیان عیینہ، ابوبکر بن عیاش، عقبۃ بن خالد اسکوفی، ہیثم، یزید بن ہارون، یعلی بن عبید، عبید اللہ بن موسیٰ وغیرہ۔

بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے ابوزرعہ کہتے ہیں لین الحدیث مدلس قیل هو صدوق قال نعم لا یکذب عقیلی نے ثقہ کہا ہے۔

وفات: وفات ایک سو چالیس کے اوپر میں ہوا۔ مزید حالات کے لئے دیکھیں۔ (تہذیب التہذیب ۴/۷۹)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: نام علقمہ اور عبد اللہ، ابو معاویہ کنیت، ابن ابی اوفی کے نام سے مشہور ہیں۔

صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے (مسند احمد ۴/ ۳۵۴) خیبر میں ساتھ رہے (طبقات ابن سعد) اسلام کی مدافعت میں سات جنگوں میں حصہ لیا۔ (مسند احمد ۴/ ۳۵۳)

مدینہ میں رہے مگر جب کوفہ آباد ہوا تو ہجرت کر کے کوفہ تشریف لے گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی خارجیوں کے خلاف ان سے مقابلے کئے۔ (مسند احمد ۴/ ۳۸۲)

وفات: ان کی عمر مبارک دراز ہوئی آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی ختم ہوئی۔ ۸۶ھ ۸۸ھ کے درمیان وفات پائی۔ یہ آخری صحابی ہیں جن کا انتقال کوفہ میں ہوا۔ (مستدرک حاکم)

ان سے مرویات کی تعداد ۹۵ ہے جن میں سے دس بخاری و مسلم دونوں میں ہیں اور ۵ میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں (تہذیب الکمال ۱۹۱)

---

(۱) التلخیص الحبیر ۲/ ۱۲۰ کتاب الجنائز۔ (۲) طحاوی ۱/ ۲۳۹۔ (۳) طبقات ابن سعد ۳/ ۲۷۳۔ (۴) طحاوی۔

باب إدخال الميت القبر

میت کو قبر میں داخل کرنے کا بیان

۲۷۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ سَأَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ اَيْنَ يُدْخَلُ الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ؟ قَالَ مِمَّا يَلِى الْقِبْلَةَ مِنْ حَيْثُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَحَدَّثَنِىْ مَنْ رَاٰى اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ يُدْخِلُوْنَ مَوْتَا هُمْ فِي الزَّمَنِ الْاَوَّلِ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَاَنَّ السَّلَّ شَيْءٌ صَنَعَهٗ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ بَعْدَ ذٰلِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ يُدْخَلُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَلَا تُسَلُّهٗ سَلًّا مِنْ قِبَلِ الرِّجْلَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میت کو قبر میں کس طرف سے داخل کیا جائے گا؟ فرمایا قبلہ کی جانب سے جس طرف سے اس پر نماز جنازہ پڑھایا جاتا ہے۔ اور مجھ سے اہل مدینہ کے عمل کے دیکھنے والے نے یہ بیان کیا کہ وہ اپنے مردوں کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کیا کرتے تھے قبر کے پاؤں والے حصے کی جانب سے داخل کرنا بعد کے اہل مدینہ کا عمل ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے گا پاؤں کی جانب سے داخل نہیں کیا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اِدْخَال: باب افعال سے مصدر ہے۔ بمعنی داخل کرنا۔

يُدْخَلُ: دَخَلَ (ن) دُخُوْلًا و مَدْخَلًا الدار اندر آنا۔ داخل ہونا — بہ اندر لانا دَخل — عَلَيْهِ زیارت کرنا۔ ملاقات کرنا۔

قَبْر: (مصدر) انسان کے دفن کرنے کی جگہ (جمع) قُبُوْر۔

اَلْقِبْلَةَ: قبل کا اسم نوع۔ جہت اور اسی سے ہے قِبْلَةُ الْمُصَلِّىْ اس جہت کے لئے جدھر نماز پڑھتا ہے، کعبہ۔

تشریح

يُدْخَلُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَلاَ تُسَلُّهُ سَلاًّ مِنْ قِبَلِ الرِّجْلَيْنِ میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے گا۔ پاؤں کی طرف سے داخل نہیں کیا جائے گا۔ میت کو کس طرف سے قبر میں اتارنا افضل ہے اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت علیؓ، محمد بن الحنفیہؒ، احناف، امام مالکؒ، وغیرہ کے نزدیک قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارنا چاہئے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک پائنتی کی جانب سے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میت کا سر قبر کی پائنتی کے ساتھ ہو پھر اس کو قبر میں کھینچا جائے اس طور پر کہ سر پہلے قبر میں داخل ہو اور پھر پاؤں۔ (۱)

اور امام مالکؒ کے نزدیک دونوں ہی صورت برابر ہیں۔

پہلے مذہب والوں کے استدلالات

❶ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج له سراج فاخذه من قبل القبلة وقال رحمك الله ان کنت لاوابا تلاللقرآن وکبر علیه اربعا۔ (۲)

❷ ان علیا رضی اللہ عنہ اخذ یزید بن المکفف من قبل القبلة۔ (۳)

❸ روایت ابراهیم النخعیؒ ان النبی ﷺ ادخل من قبل القبلة ولم یسل سلا۔ (۴)

❹ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال کان النبی وابوبکر وعمر یدخلون المیت من قبل القبلة۔ (۵)

دوسرے مذہب والوں کے مستدلات

❶ روایت ابواسحاق رضی اللہ عنہ قال اوصی الحارث ان یصلی علیه عبداللہ بن یزید فصلی علیه ثم ادخله القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة۔ (۶)

❷ اخبرنا الثقة عن عمرو بن عطاء عن عکرمة عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، قال سُل رسول اللہ ﷺ من قبل راسه۔

❸ روایت ابورافع رضی اللہ عنہ قال سل رسول اللہ ﷺ سعدا ورش علی قبره۔ (۸)

❹ روایت ابن سیرینؒ قال کنت مع انس رضی اللہ عنہ فی جنازة فامر بالمیت فادخل من قبل رجلیه۔ (۹)

❺ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اخبرنی الثقات من اصحابنا ان قبر النبی ﷺ علی یمین الداخل من البیت لاصق

بالجدار والجدار الذی لحد لجنبه قبلة البیت وان لحده تحت الجدار فکیف یدخل معترضا واللحد لاصق بالجدار لایقف علیه شیء ولا یمکن الا ان یسل سلا او یدخل من خلاف۔ (۱۱)

دوسرے مذہب والوں کے جوابات

پہلی روایات کے بارے میں صاحب بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ "اسنادہ صحیح۔"

دوسری روایت کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں "اخبرنا الثقه" یہ لفظ محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ثقہ کون ہے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ (۱۱)

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں عمرو بن عطاءؒ راوی ہیں ان کو یحییٰ بن معینؒ اور نسائیؒ نے ضعیف کیا ہے۔

تیسری روایت کے بارے میں خود حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ کیوں کہ اس کا راوی مندل بن علی ضعیف ہے۔

چوتھی روایت کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہ موقوف ہے انس بن مالکؓ پر۔

پانچویں بات کا جواب ابن ہمامؒ نے یہ دیا کہ آپ ﷺ کی وفات دیوار کے متصل نہیں ہوئی بلکہ حضرت عائشہؓ کے کمرے میں ہوئی تو آپ ﷺ دیوار سے کچھ دور تھے، اور آپ نے بوقت وفات ضرور قبلہ کی طرف رخ کیا ہوگا۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دیوار سے دور تھے۔ اور قبر مبارک موضع وفات پر کھودی گئی ہے لہٰذا چارپائی کو اس جگہ رکھنا ممکن ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ موضع لحد اصل دیوار تک پہنچا ہو۔ اور قبر مبارک دیوار سے کچھ دور کھودی گئی ہو پس چارپائی کو سقف لحد پر رکھ کر جانب قبلہ سے داخل کیا گیا ہو۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو دفناتے وقت "سل" پر عمل کرنا ضرورت کی بناء پر تھا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی اصل دیوار میں تھی اور قبلہ کی جانب سے ادخال ممکن ہی نہیں تھا۔ (۱۳)

یُدْخَلُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ۔ قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے گا۔ اس میں طریقہ کیا ہوگا۔ اس کے کتب فقہاء میں مختلف طریقے لکھے ہیں۔

❶ علامہ کاسانیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ جنازہ کو قبلہ کی دائیں طرف سے رکھ کر میت کے دونوں پاؤں طولاً قبر کی طرف کردیئے جائیں اور دونوں پاؤں پکڑ کر قبر میں داخل کیا جائے۔

❷ شمس الائمہ حلوائیؒ نے یہ فرمایا کہ قبر کے سر کی جانب موضع راس القبر کے برابر میت کے دونوں پاؤں رکھے اور دوسرا شخص قبر میں داخل ہو کر اولاً میت کے پاؤں داخل کرے پھر آہستہ سے پورے بدن کو کھینچتا ہوا اتار دے۔

۳ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصۃ الفتاویٰ میں یہ صورت لکھی ہے کہ سریر میت کو قبر میں اس طرح رکھے۔ کہ میت کا سر قبر کے موضع قدمین کے مقابل پہنچ جائے اور پھر دوسرا شخص قبر میں داخل ہو کر اولاً میت کا سر پکڑ کر قبر میں داخل کرے پھر اسی طرح آہستگی کے ساتھ پورے بدن کو اپنی طرف کھینچ لے۔

(۱) المجموع شرح المہذب ۵/ ۲۹۴، المغنی ۳/ ۴۹۶، بحر الرائق ۱/ ۲۲۶، نیل الاوطار ۳/ ۳۲۰۔

(۲) ترمذی، مصنف ابن ابی شیبہ۔

(۳) مصنف عبدالرزاق ۳/ ۴۹۹ باب من حیث یدخل المیت القبر و مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۲۸ من ادخل میتا من قبل القبلۃ۔

(۴) ابوداؤد۔

(۵) طبرانی فی الکبیر۔

(۶) ابوداؤد ۲/ ۴۵۸ باب کیف یدخل المیت قبرہ، بیہقی۔

(۷) نصب الرایہ ۲/ ۲۹۸ ورواہ الشافعی۔

(۸) ابن ماجہ۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ۔

(۱۰) کتاب الام۔

(۱۱) جوہر النقی فی الرد علی البیہقی ۴/ ۵۴۔

(۱۲) فتح القدیر۔

(۱۳) اعلاء السنن ۸/ ۲۵۳، ۲۵۴، الدرایہ ۱/ ۲۴۰ فی الدفن۔



۲۴۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَدْخُلُ الْقَبْرَ اِنْ شَاءَ شَفْعًا وَاِنْ شَاءَ وِتْرًا كُلُّ ذٰلِكَ حَسَنٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

”حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا مردے کو قبر میں اتارنے کے لئے چاہے جفت آدمی ہو یا طاق، یہ سب برابر ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔“

لغات: شَفْعًا: (مصدر) جفت عدد (جمع) اشفاعٌ وشِفاعٌ۔

وِتْرًا: طاق (مراد ایک ہے)

تشریح

يَدْخُلُ الْقَبْرَ اِنْ شَاءَ شَفْعًا وَاِنْ شَاءَ وِتْرًا مردے کو قبر میں اتارنے کے لئے چاہے جفت آدمی ہو یا وترا۔

اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس جفت میں اختیار ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ وغیرہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سُنّت ہے۔[1]

اس بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کو قبر میں رکھنے کے لئے قبر میں کتنے آدمی اتریں اس میں کوئی خاص تعداد نہیں ہے خواہ دو ہوں یا تین یا اس سے زیادہ جتنے کی ضرورت ہو حسب ضرورت اتر سکتے ہیں[2] مگر مستحب یہ ہے کہ جو لوگ قبر میں اتریں وہ پکے مسلمان ہوں اور صحیح عقیدے کے ہوں تاکہ اگر میت میں کوئی نامناسب بات دیکھیں تو لوگوں پر اس کو ظاہر نہ کریں۔

اور اگر میت عورت کی ہو تو قبر میں اترنے کے لئے رشتہ دار محرم اتریں گے اگر وہ نہ ہوں تو پھر رشتہ دار غیر محرم اتریں اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو غیر رشتہ دار رکھیں اور یہ بات ضروری ہے کہ میت کو اتارنے کے لئے کوئی عورت قبر میں نہیں اترے گی۔

---

(۱) کتاب الام ۱/۲۴۵۔

(۲) قلائد الازہار ۳/۲۱۵، بحر الرائق ۲/۱۹۳، بدائع الصنائع ۳۱۹۔

باب الصلاۃ علی جنائز الرجال والنساء

مردوں اور عورتوں کی نماز جنازہ کا بیان

مصنف اس باب میں بیان کریں گے کہ جب کئی جنازے ایک ساتھ حاضر ہو جائیں تو ان پر نماز جنازہ پڑھنے کی کیا ترتیب ہوگی ایک صف بنائی جائے یا کئی صفیں بنائی جائیں اور اگر ساتھ میں عورتیں بھی ہوں تو اب کیا ترتیب ہوگی۔ ان سب کو مصنف بیان کریں گے۔

۲۴۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْجَنَائِزِ اِذَا اجْتَمَعَتْ قَالَ تَصُفُّهُ صَفًّا بَعْضُهَا اَمَامَ بَعْضٍ وَتَصُفُّهَا جَمِيْعًا يَقُوْمُ الْاِمَامُ وَسْطَهَا فَاِذَا كَانُوْا رِجَالًا وَنِسَاءً جُعِلَ الرِّجَالُ هُمْ يَلُوْنَ الْاِمَامَ وَالنِّسَاءُ اَمَامَ ذٰلِكَ يَلِيْنَ (الْقِبْلَةَ) كَمَا اَنَّ الرِّجَالَ يَلُوْنَ الْاِمَامَ اِذَا كَانُوْا فِي الصَّلَاةِ وَالنِّسَاءُ مِنْ وَّرَائِهِمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو سب کو ایک دوسرے کے آگے ترتیب سے رکھ دیں گے امام ان کے درمیان میں کھڑا ہو جائے گا۔ اگر جنازے عورتوں اور مردوں دونوں کے ہوں تو مردوں کے جنازے امام کے قریب ہوں گے اور عورتوں کے ان کے آگے قبلہ کی جہت میں جیسے نماز میں مرد امام کے قریب ہوتے ہیں اور عورتیں ان کے بعد ہوتی ہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: تَصُفُّهُ: صَفَّ (ن) صفاً وصفّف الشیء: صف بنانا —— القوم میدان جنگ میں صف بندی کرنا۔

صَفًّا: مصدر ہے۔

اَمَامَ: آگے۔ وامامك کلمہ تحذیر ہے بمعنی بچو۔

بَعْضٍ: الشیء کسی چیز کا ایک جزء اور کبھی ایک فرد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے بعض اللیالی یعنی

راتوں میں سے ایک رات۔ (جمع) المعاصی۔
وَسَطُ: الشیء دونوں اطراف کے درمیان۔

تشریح

اِذَا اجْتَمَعَتْ قَالَ تَصُفُّهُ صَفًّا بَعْضُهَا اَمَامَ بَعْضٍ الخ۔ کہ اگر کئی جنازے ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو سب کو ایک دوسرے کے آگے ترتیب سے رکھ دیں گے۔

اگر کئی جنازے ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو اب امام کو اختیار ہے کہ ہر ایک کی جدا جدا نماز پڑھائے یا سب کی اکٹھے ایک ہی مرتبہ میں نماز پڑھا دے۔ ہاں الگ الگ ہر ایک کی نماز پڑھانا یہ افضل ہو گا۔

اس کے رکھنے کی فقہاء کے نزدیک تین ترتیب ہوں گی تینوں جائز ہیں۔

❶ ہر ایک کا سر دوسرے کے پاؤں کی طرف ہو یا صف قبلہ کے عرض میں ہو جیسے کہ زندگی میں نمازیوں کی صف ہوتی ہے کہ سب کے سر قبلہ کی طرف منہ کرنے والوں کے دائیں طرف اور پاؤں بائیں طرف ہوں پھر امام ان میں سے جو سب سے زیادہ نزدیک ہو اس کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔

❷ سب جنازوں کو قبلہ کے عرض میں ایک دوسرے کے پہلو میں برابر برابر اس طرح رکھیں کہ سب کا سینہ امام کے مقابل رہے اس کی شکل اس طرح ہو گی۔

❸ ایک میت کو دوسرے میت کے پہلو میں قبلہ کے عرض میں اس طرح رکھیں کہ دوسرے کے سر پہلے کے کندھے کے مقابل میں ہو اس کی شکل اس طرح ہو گی۔

فَاِذَا كَانُوْا رِجَالًا وَنِسَاءً جُعِلَ الرِّجَالُ هُمْ يَلُوْنَ الخ۔ اگر جنازے مردوں اور عورتوں دونوں کے ہوں تو امام مردوں کے جنازے کے قریب ہو گا۔ یہاں سے بیان فرما رہے ہیں کہ اگر جنازے مختلف جنس کے ہوں تو اس میں ترتیب یہ ہو گی کہ امام کے سب سے زیادہ قریب مردوں کے جنازے ہوں گے۔ پھر عورتوں کے اور اگر سب ہی جنس کے جنازے حاضر ہو جائیں اور سب کی ایک ہی ساتھ نماز جنازہ پڑھانا ہو تو اس میں رکھنے کی ترتیب اس طرح سے ہو گی۔

کہ سب سے پہلے بالغ لڑکوں کی صف پھر نابالغ لڑکوں کی پھر خنثیٰ کی پھر بالغ لڑکیوں کی پھر نابالغ لڑکیوں کی اس میں ترتیب اس طرح قائم کی جائے گی۔ [1]

يَقُوْمُ الْاِمَامُ وَسْطَهَا۔ امام ان کے درمیان میں کھڑا ہو گا اس میں تین مذاہب ہیں۔

❶ امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، ابن القاسمؒ وغیرہ کے نزدیک امام مرد کا جنازہ ہو یا عورت کا ان کے سینہ کے مقابل کھڑا

ہوگا۔ ابن ہمامؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے[۲]

کیونکہ سینہ موضع القلب ہے اس میں نور ایمان ہوتا ہے۔ گویا کہ امام اس کی ایمان کی شفاعت کر رہا ہے۔

❷ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت جو حسنؒ سے ہے اور امام شافعیؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، وغیرہ کی رائے یہ ہے۔

کہ امام عورت کے جنازے میں تو اس کے وسط میں اور مرد کے جنازے میں اس کے سر کے پاس کھڑا ہوگا[۳] امام طحاویؒ نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔[۴]

❸ امام مالکؒ، ابن شعبانؒ وغیرہ فرماتے ہیں امام مرد کے وسط میں اور عورت کے مونڈھوں کے پاس کھڑا ہوگا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

سمرۃ بن حبیب ﷺ صلی ام کعب الانصاریۃ ماتت وھی فی نفاسھا فقام ﷺ اللصلاۃ علیھا وسطھا۔[۵]

---

(۱) در المختار ۱/۶۱۵۔

(۲) فتح القدیر ۲/۸۹ بدائع الصنائع ۱/۳۱۲۔

(۳) بدائع الصنائع ۱/۳۱۲ فصل و امابیان کیفیۃ الصلوۃ علی الجنازۃ۔ فتح القدیر ۲/۸۹ فصل فی الصلاۃ علی المیت۔

(۴) طحاوی ۱/۲۳۷ باب الرجل یصلی علی المیت این ینبغی ان یقوم منہ۔

(۵) بیہقی ۴/۳۴ طحاوی ۱/۲۸۳ فی البدائع من ام قلابۃ سھو من الکاتب فھی ام کعب الانصاریۃ۔



۲٤٦

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ صَلَّى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَلٰى اُمِّ كُلْثُوْمَ بِنْتِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَزَيْدِ بْنِ عُمَرَ اِبْنِهَا فَجَعَلَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ تِلْقَاءَ الْقِبْلَةِ وَجَعَلَ زَيْدًا مِمَّا يَلِي الْاِمَامَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت عامر شعبیؒ نے فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اُمّ کلثومؓ بنت علی رضی اللہ عنہ اور اپنے بیٹے زید بن عمر رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی تو اُمّ کلثومؓ کو قبلہ کی طرف آگے رکھا اور زید رضی اللہ عنہ کو امام کے قریب۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: فَجَعَلَ: جَعَلَ (ف) جُعْلاً: بنانا۔ پیدا کرنا۔ رکھنا۔ تبدیل کرنا۔ گمان کرنا۔

تِلْقَاء: لِقَاء کا اسم ملاقات کی جگہ۔

يَلِي: وَلِيَ يَلِي وَلْيًا فلانًا قریب ہونا۔ متصل ہونا (باب ضرب سے قلیل الاستعمال ہے) بغیر فصل کے پیچھے پیچھے چلنا۔ (ہفت اقسام میں لفیف مفروق ہے)۔

تشریح

اُمِّ كُلْثُوْمَ بِنْتِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا۔ یہ اُمّ کلثوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا کہ اگر مختلف جنس کے جنازے ہوں اور سب ایک ساتھ ہی امام پڑھائے تو اپنے قریب تو مرد کا جنازہ رکھے اور پھر اس کے بعد قبلہ کی جانب عورت کا جنازہ رکھے اگر الگ الگ بھی پڑھے تب بھی افضل تو یہی ہے کہ پہلے مردوں کا جنازہ پڑھائے اس کے مثل یہ روایت بھی آئی ہے۔

❶ روایت عمار قال شهدت جنازة ام كلثوم و ابنها فجعل الغلام مما يلي الامام فانكرت ذلك و في القوم ابن عباس و ابو سعيد و ابو قتادة و ابو هريرة۔ فقالوا هذه سنة۔ قال النووي رحمه الله سنده صحيح[1]

❷ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ صلى على تسع جنائز رجال و نساء فجعل الرجال مما يلي الامام و جعل النساء مما يلي القبلة و صفهم صفا واحدا۔[2]

پہلے مرد کا جنازہ ہوگا پھر عورت کا اس کی وجہ یہ ہے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے اخروهن من حيث اخرهن الله[3]

کہ جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے کیا تم بھی ان کو پیچھے کرو۔

حضرت سلیمان الشیبانی کے مختصر حالات: یہ سلیمان بن ابی سلیمان ہے ان کا نام فیروز اور بعض خاقان بھی کہتے ہیں اوران کو عمرو ابو اسحٰق الشیبانی کوفی بھی کہتے ہیں۔

اساتذہ: حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی، زربن حبیش اشعث بن ابی الشعثاء جبلۃ بن سحیم، حبیب بن ابی ثابت۔ ابی بردۃ بن ابی موسیٰ، سعید بن ابی بردۃ، عبدالرحمن بن الاسود، عکرمۃ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں

تلامذہ: ان کے بیٹے اسحٰقؒ، ابو اسحٰقؒ، السبیعیؒ، عاصم الاحولؒ، ابراہیم بن طہمانؒ، ابو اسحٰق الفزاریؒ، سفیان ثوریؒ، شعبہؒ، ابن عیینہؒ، وغیرہ ہیں۔

یحیٰی بن معینؒ نے کہا ثقۃ حجۃ، ابو حاتمؒ فرماتے ہیں ثقۃ صدوق، صالح الحدیث۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ ثقۃ، عجلیؒ فرماتے ہیں ثقۃ من کبار اصحاب الشعبی۔

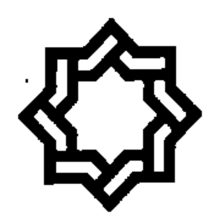
وفات: ان کا انتقال ۱۲۹ھ میں ہوا۔ عمرو بن علیؒ کہتے ہیں ان کا انتقال ۱۳۸ھ میں ہوا اور ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ انتقال ۱۳۹ھ میں ہوا۔

(نوٹ) عامر الشعبیؒ کے حالات باب المسح علی الخفین رقم ۱۱ میں گزر چکے ہیں۔

(۱) ابوداؤد، نسائی۔

(۲) بیہقی۔

(۳) مشکوۃ المصابیح عن حذیفۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبتہ الخمر جماع الاثم والنساء حبائل الشیطان وحب الدنیا راس کل خطیئۃ قال وسمعتہ یقول اخروا النساء من حیث اخرھن اللہ۔ (مشکوۃ ۴۴۴)



۲۴۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عِيْسٰى بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ رَاَيْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُصَلِّيْ عَلٰى جَنَائِزِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَجَعَلَ الرِّجَالَ يَلُوْنَهُ وَالنِّسَاءَ يَلِيْنَ الْقِبْلَةَ﴾

"حضرت عیسیٰ بن عبداللہ بن موہبؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مردوں اور عورتوں کے جنازوں پر ایک ساتھ نماز پڑھتے دیکھا انہوں نے مردوں کو اپنے قریب رکھا اور عورتوں کو قبلہ کی طرف آگے کر کے رکھا۔"

لغات: يَلُوْنَهُ: (حَسِبَ) وَلِيَ يَلِي وَلْيًا فلانًا: قریب ہونا جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔
الرِّجَال: جمع ہے رَجُلٌ کی بمعنی مرد، پیدل چلنے والا۔

تشریح

افضل تو یہی ہوگا کہ الگ الگ جنازے کی نماز پڑھائے اگر ایک ساتھ پڑھائے تو ترتیب یہ ہوگی کہ امام سے قریب مردوں کی صف ہوگی اور اس کے بعد قبلہ کی طرف عورتوں کی صف ہوگی اس طرح متعدد روایات میں آتا ہے۔ مثلاً

❶ قال حدثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم انه قال فی الرجال و النساء یصلی علیهم یوضع الرجال ممایلی الامام و النساء ممایلی القبلة لا ان الرجال هم یلون الامام فی الحیاة فکذلک هم فی الموت۔[1]

❷ روایت موسیٰ بن طلحة قال شهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صلی علی جنائز رجال و نساء فجعل الرجال مما یلیه والنساء ممایلی القبلة ثم کبر علیهم اربعا۔[2]

❸ روایت ابی هریرة انه صلی علی جنائز رجال و نساء فقدم النساء ممایلی القبلة و الرجال یلون الامام۔[3]

(نوٹ) عیسیٰ بن عبداللہ بن موہب یہ کاتب کی غلطی ہے صحیح عثمان بن عبداللہ بن موہب ہے ان کے حالات باب افتتاح الصلاۃ ورفع الایدی والسجود علی العمامۃ میں گزر چکے ہیں۔
ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حالات بھی باب افتتاح الصلاۃ ورفع الایدی والسجود علی العمامۃ میں گزر چکے ہیں۔

(۱) کتاب الآثار ابویوسف ص ۸۴ نمبر ۴۱۷۔ (۲) طحاوی و سنن البیہقی۔
(۳) نصب الرایہ ۲/۲۶۶ و مصنف ابن ابی شیبہ وکذا روایت ابن عمرؓ وزید بن ثابتؓ، واثلۃ بن الاسقعؓ وغیرہ۔

۲٤۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى اِمْرَاَةٍ وَلَدَتْ مِنَ الزِّنَا مَاتَتْ هِيَ وَابْنُهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا اِبْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا يُتْرَكُ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ اِلَّا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت سعید بن عمروؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک زانیہ عورت جس نے زنا کے بچے کو جنا تھا اور وہ اور اس کا بچہ دونوں کا انتقال ہوگیا اس پر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ پڑھی امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان پر جنازہ پڑھا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: وَلَدَتْ: تَلِدُلِدَةً وولَادًا وولَادَةً وإلَادَةً ومَوْلِدًا الْاُنْثٰى: جننا۔ صفت والدو وَالِدَة۔
اَلزِّنَا: زَنٰی (ض) زِنًی وزِنَاءً وزَانٰی ومُزَانَاةً وزِنَاءً زنا کرنا۔ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔

تشریح

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ کہ زانیہ عورت اور اس کے بچے پر، اگر وہ مرجائے تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

استدلال

❶ صلوا علی کل بر وفاجر۔[1]
❷ والصلاۃ علی من قال لا الہ الا اللہ۔
❸ علی انہ اذا رجم علی شراحۃ الھمدانیۃ قال لاولیاءھا اصنعوا بھا ما تصنعون بموتاکم۔[2]
ائمہ اربعہ اس قسم کی روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز جنازہ تو پڑھی جائے گی مگر فقہاء فرماتے ہیں۔
واما من یعلن الکبائر والمعاصی والفواحش فلا یصلی علیہ من یقتدی بہ فی الدین زجرا المثلہ ویصلی علیہ غیرہ لکونہ مسلما۔[3]

فعن بريدة في قصة الغامدية التي امر النبي ﷺ يرجمها في الزنا قال ثم امر بها فصلى عليها ودفنت۔ (۴)
کہ ایسے لوگوں کی نماز جناز، تو پڑھی جائے گی جو کبائر گناہ کا ارتکاب کریں مگر مقتدا قسم کے لوگ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں تاکہ آئندہ لوگوں کو تنبیہ ہو جائے اور اس قسم کا گناہ نہ کریں اس پر استدلال کرتے ہیں غامدیہ کے واقعہ سے کہ جب اسکو رجم کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھا کر ان کو دفن کر دو آپ ﷺ نے خود ان پر نماز نہیں پڑھی۔

حضرت الہیثمؒ کا نام ہیثم بن حبیب ہے، ان کے حالات باب مالا ینجسه شیء الماء والارض والجنب وغیرہ ذلک میں گزر چکے ہیں۔

حضرت سعید بن عمروؒ کے مختصر حالات:

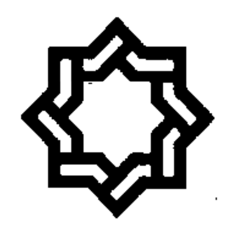
ان کا پورا نام سعید بن عمرو الاشدق بن سعید بن العاص الاموی الکوفی ہے۔
یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: حضرت معاویہؓ، عبادلۃ الاربعۃؓ، ابوہریرۃؓ، عائشہؓ، اُمّ خالد بنت خالد بن سعید بن العاصؓ وغیرہ۔

تلامذہ: خالدؒ، اسحٰقؒ، عمروؒ، عمرو بن یحیٰ بن سعیدؒ، الاسود بن قیسؒ، شعبۃؒ وغیرہ ہیں۔ ابوزرعۃؒ، نسائیؒ نے ثقہ کہا ہے۔
ابوحاتمؒ نے صدوق کہا ہے۔ زبیرؒ کہتے ہیں کان من علماء قریش بالکوفۃ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔
مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۴/ ٦٧
عبداللہ بن عمرؓ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

---

(۱) ابوداؤد، بیہقی۔
(۲) المحلی ۳/ ۱۷۱۔
(۳) بحرالرائق، بدائع الصنائع، درالمختار ۱/ ٦١٠۔
(۴) مسلم۔



باب المشی مع الجنازہ

جنازہ کے ساتھ چلنے کا بیان

۲۴۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ رَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ يَتَقَدَّمُ الْجَنَازَةَ وَيَتَبَاعَدُ مِنْهَا فِيْ غَيْرِ اَنْ يَّتَوَارٰى عَنْهَا۔ قَالَ مُحَمَّدٌ لَانَرٰى بِتَقَدُّمِ الْجَنَازَةِ بَاْسًا اِذَا كَانَ قَرِيْبًا مِّنْهَا وَالْمَشْيُ خَلْفَهَا اَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حمادؒ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ میں نے حضرت ابراہیمؒ کو جنازہ سے پیچھے اور اتنی دور چلتے دیکھا کہ اس سے مخفی نہ ہو جائیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا اگر جنازہ کے قریب ہوں تو اس سے آگے بڑھنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے ہاں اس کے پیچھے چلنا افضل ہے" یہی بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لغات: یتباعد: باب تفاعل سے فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ بمعنی ایک دوسرے سے دور ہونا۔

یَتَوَارٰی: باب تفاعُل سے فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ بمعنی پوشید ہونا۔ (ہفت اقسام میں لفیف مفروق واقع ہوا ہے)۔

یَتَقَدَّمُ: باب تفعل سے فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ بمعنی آگے بڑھنا۔ مقدم ہونا — القوم قوم سے سابق ہونا۔

تشریح

جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے یا آگے

جنازے کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا بالاتفاق جائز ہے ہاں افضلیت میں اختلاف ہے۔

وَالْمَشْيُ خَلْفَهَا اَفْضَلُ۔ پیچھے چلنا افضل ہے اس بارے میں فقہاء کے تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، جمہور فقہاء کے نزدیک جنازے کے آگے آگے چلنا زیادہ افضل ہے۔
دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام عبدالرحمنؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک جنازے کے پیچھے پیچھے چلنا زیادہ افضل ہے۔ (۱)

تیسرا مذہب: ایک روایت سفیان ثوریؒ، امام بخاریؒ وغیرہ کے نزدیک سب برابر ہے خواہ آگے چلے یا پیچھے چلے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور عمر رضی اللہ عنہ کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔ (۲)

❷ وقدروی عن جماعة من اصحاب النبی ﷺ کانو ایمشون امام الجنازة۔ "جماعة" جماعت سے مراد کئی صحابہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت زینبؓ کے جنازہ میں آگے آگے چل رہے تھے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضرت ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح جنازے میں آگے چلنا ثابت ہے۔ (۳)

دوسرے مذہب والوں کے استدلالات

جن روایات میں بھی اتباع الجنائز کا حکم ہے ان سب سے استدلال ہے کہ جنازے کی اتباع کرنا یہ پیچھے ہی چلنے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ متعدد روایت سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

❶ روایت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ میں ہے قلت لعلی بن ابی طالب ماتقول فی المشی امام الجنازة؟ فقال علی ابن ابی طالب المشی خلفها افضل من المشی امامها کفضل المکتوبه علی التطوع قال قلت انی رایت ابابکر وعمر یمشیان امامها فقال انهما یکرهان ان یحرجا الناس۔ (۴)

❷ روایت ابزی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ کنت امشی فی جنازة فیها ابوبکر وعمر وعلی فکان ابوبکر وعمر یمشیان امامها وعلی یمشی خلفها یدی فی یده فقال علی اما ان فضل الرجل یمشی خلف الجنازة علی الذی یمشی امامها کفضل صلاة الجماعة علی صلاة الفذ وانهما لیعلمان من ذالک مثل الذی اعلم ولکنهما سهلان یسهلان علی الناس۔ (۵)

❸ اثر طاؤسؒ۔ مامشی رسول اللہ ﷺ فی جنازة حتی مات الا خلف الجنازة۔ (۶)

❼ اثر نافع میں ہے خرج عبداللّٰہ بن عمرو انا معہ جنازۃ فرأی معھا نساء فوقف ثم قال ردھن فانھن فتنۃ الحی والمیت ثم مضٰی یمشی خلفھا فقلت یا اباعبدالرحمن کیف المشی فی الجنازۃ امامھا ام اخلفھا؟ فقال اما ترانی امشی خلفھا۔(۷)

پہلے مذہب والوں کے استدلالات کے جوابات

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۲/ ۴۷۴، نیل الاوطار ۳/ ۳۱۰، ترمذی مع العرف الشذی ۱/ ۱۹٦، شامی ۱/ ٦۲۴، نووی ۱/ ۳۰۷، بذل المجہود ۵/ ۲۰۰ عمدۃ القاری ۸/ ۸، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۳۳۔

(۲) طحاوی ۱/ ۲۷۷۔

(۳) طحاوی ۱/ ۲۷۷۔

(۴) طحاوی ۱/ ۲۷۹۔

(۵) طحاوی ۱/ ۲۷۹۔

(٦) مصنف عبدالرزاق ۳/ ۴۴۵ باب المشی امام الجنازہ۔

(۷) طحاوی۔

(۸) طحاوی ۱/ ۲۷۷۔

(۹) حاشیۃ مشکوۃ ۱/ ۱۴۷۔

(۱۰) طحاوی ۱/ ۲۷۹۔

(۱۱) الاوجز ۴/ ۲۱۲ باب المشی امام الجنازۃ، وکذا شامی ۱/ ۸۳۴، عالمگیری ۱/ ۱۰۴، بحر الرائق ۲/ ۱۹۲۔



۲۵۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ یَکْرَهُ اَنْ یَّتَقَدَّمَ الرَّاکِبُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا سوار کا جنازہ کے آگے چلنا مکروہ ہے امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔یہی بات امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں۔"

لغات: الراکب: (فاعل) سوار (جمع) رُکاب ورُکبان ورُکوب ورِکَبة ورَکْبٌ ورَکَبة مونث راکِبة (جمع) رَوَاکِبُ پہاڑ کی چوٹی۔

امام: بمعنی آگے۔

تشریح

اگر جنازہ سواری ہے تب بھی پیچھے ہی چلنا چاہئے

قَالَ یَکْرَهُ اَنْ یَّتَقَدَّمَ الرَّاکِبُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ۔ سوار کا جنازہ کے آگے چلنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ پہلے گزرا کہ جنازہ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے سواری پر بھی اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک سواری پر بھی جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہوگا۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ وغیرہ کا ہے آگے چلنا ان کے نزدیک افضل ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے الراکب یسیر خلف الجنازة۔[1]

صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا پیدل چلنے والے اور سوار دونوں کے لئے افضل ہے خاص کر کے سواری والے کے لئے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ وہ سوار ہونے کی وجہ سے سوءِ ادب جنازہ میں پہلے ہی سے مبتلا ہے۔پیچھے چلنے کے ادب کی وجہ سے اس کی کچھ تلافی ہوجائے گی۔[2]

سواری پر جنازے کے ساتھ جانا

مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے سواری پر جانا ہی مکروہ ہے۔

اس میں فقہاء استدلال کرتے ہیں ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت سے جس میں آتا ہے خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ فرای ناسا رکبانا فقال الا تستحیون؟ ان ملائکۃ اللہ علی اقدامھم وانتم علی ظھور الدواب۔[۳]

علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں مستحب ہے کہ سواری پر نہ جایا جائے۔

لانہ من حسن الادب مع ملائکتہ علیھم السلام۔[۴]

ہاں اگر کوئی عذر ہو مرض ہو یا لنگڑا پن ہو یا اور بھی کوئی عذر ہو تو پھر مکروہ نہیں ہوگا۔[۵]

نیز فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے جانا تو سواری پر مکروہ ہے مگر واپسی پر مکروہ نہیں ہوگا۔ جیسے کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ان النبی ﷺ اتبع جنازۃ ابی الدحداح ماشیا ورجع علی فرس۔[۶]

روایت ثوبان رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ اتی بدابۃ وھو مع الجنازہ فابی ان یرکب فلما انصرف اتی بدابۃ فرکب قیل لہ فقال ان الملائکۃ کانت تمشی فلم اکن لارکب وھم یمشون فلما ذھبوا رکبت۔[۷]

(نوٹ) سواری پر کراہت کی علت ملائکہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ہے معلوم ہوا کہ جب یہ علت نہ پائی جائے تو سواری پر جانا اور آنا دونوں مکروہ نہیں ہوگا۔[۸] سواری پر جنازہ لے جانا بغیر عذر کے یہ بھی مکروہ ہوگا مرض ہو یا کوئی خاص عذر، یا قبرستان دور ہو تو ان عذروں کی بناء پر سواری پر جنازے پر لے کر جانا جائز ہوگا۔[۹]

(۱) ابوداؤد ۲/۴۵۳ باب المشی امام الجنازۃ۔

(۲) اعلاء السنن ۸/۲۴۳ باب المشی خلف الجنازۃ والاسراع بھا۔

(۳) ترمذی ۱/۱۵۲ باب ماجاء فی کراھیۃ الرکوب خلف الجنازۃ۔

(۴) اعلاء السنن ۸/۲۴۷ باب استحباب ان لا یرکب مع الجنازۃ۔

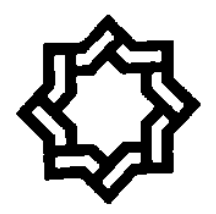
(۵) تحفہ ۲/۱۳۸، بحر الرائق ۲/۱۹۲۔

(۶) ترمذی۔

(۷) ابوداؤد۔

(۸) بذل المجہود ۴/۱۴۴ باب الرکوب فی الجنازۃ۔

(۹) شامی ۱/۵۹۷ مطلب فی حمل المیت۔



۲۵۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ سَاَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْمَشْيِ اَمَامَ الْجَنَازَةِ قَالَ اِمْشِ حَيْثُ شِئْتَ اِنَّمَا يُكْرَهُ اَنْ يَنْطَلِقَ الْقَوْمُ فَيَجْلِسُوْنَ عِنْدَ الْقَبْرِ وَيَتْرُكُوْنَ الْجَنَازَةَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حمادؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابراہیمؒ سے جنازہ کے آگے چلنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا جہاں چاہو چلو مکروہ یہ ہے۔ کہ لوگ آگے جا کر قبر کے پاس بیٹھ جائیں اور ے کو یونہی چھوڑ دیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: المشی: مصدر ہے۔ مَشٰی (ض) مَشْيًا وَ تَمْشَاءً بمعنی چلنا۔ (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔

شِئْتَ: شَاءَ (ف) مَشِيْئَةً فعل ماضی معروف واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مہموز اللام ہے) بمعنی چاہنا۔

فَيَجْلِسُوْنَ: جَلَسَ (ض) جُلُوْسًا و مَجْلِسًا بیٹھنا (صفت) جَالِسٌ (جمع) جُلُوْسٌ و جُلَّاسٌ۔

تشریح

ضرورت پر تو جنازے کے آگے بھی چل سکتے ہیں

اِمْشِ حَيْثُ شِئْتَ۔ جہاں چاہو چلو کہ جنازے کے آگے پیچھے دائیں بائیں سب جگہ چل سکتا ہے ائمہ کا اختلاف صرف افضلیت میں ہے جیسے کہ پہلے تفصیل سے گزرا ہے۔[1]

اِنَّمَا يُكْرَهُ اَنْ يَّنْطَلِقَ الْقَوْمُ فَيَجْلِسُوْنَ عِنْدَ الْقَبْرِ وَيَتْرُكُوْنَ الْجَنَازَةَ۔ مکروہ یہ ہے کہ لوگ آگے جا کر قبر کے پاس بیٹھ جائیں اور جنازے کو یونہی چھوڑ دیں۔

اس مسئلہ میں بھی ائمہ کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: احناف، امام احمدؒ، اوزاعیؒ، اسحاقؒ، امام محمدؒ، ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ وغیرہ کا ہے جنازہ زمین پر اتارنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

دوسرا مذہب: حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، وغیرہ کا ہے کہ جنازہ زمین پر اتارنے سے

پہلے بیٹھ جانا مکروہ نہیں ہے جائز ہے۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

شرح کبیر میں ہے جاز جلوس للمشیئین مشاۃ اور کبانا قبل وضعھا من اعناق الرجال بالارض۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اذا رایتم الجنازۃ فقوموا فمن تبعھا فلا یقعد حتی توضع۔[1]

❷ روایت کیسان رضی اللہ عنہ میں ہے قال کنا فی جنازۃ فاخذ ابو ھریرۃ بید مروان فجلسا قبل ان توضع فجاء ابو سعید فاخذ بید مروان فقال قم فواللّٰہ لقد علم ھذا ان النبی ﷺ نھانا عن ذلک فقال ابو ھریرۃ صدق۔[2]

احناف کی کتابوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ اتارنے سے پہلے خود زمین پر بیٹھ جانا مکروہ ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند مشہور کتابوں کے حوالے دے دیئے جائیں کیونکہ آج کل اس میں سستی پائی جارہی ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کرہ لمتبعھا جلوس قبل وضعھا کبیری میں ہے واذا انتھت الجنازۃ الی القبر یکرہ الجلوس قبل ان توضع عن الاعناق۔

ہدایہ میں ہے یکرہ ان یجلسوا قبل ان یوضع عن اعناق الرجال امام احمدؒ کے مذہب کی مشہور کتاب الروض المربع میں ہے ویکرہ جلوس تابعھا حتی توضع بالارض للدفن الالمن بعد۔

دوسرے مذہب والوں کی عقلی دلیل

اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ کبھی کبھار جنازے میں مدد کی ضرورت پیش آجاتی ہے یہ بات کھڑے ہوتے ہوئے تو قابو میں آسکتی ہے۔ اگر بیٹھ گئے تو یہ بات قابو میں نہیں رہے گی اس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ لانہ قد تقع الحاجۃ الی التعاون والقیام امکن منہ۔

کبیری میں ہے جنازے میں جانے کا مقصد میت کا اکرام و اعزاز ہے۔ اگر اس کے کندھوں سے اتارنے سے پہلے بیٹھ جائیں تو اکرام کی بجائے اس کی توہین ہے۔ کبیری کی عبارت یہ ہے۔ لان المیت کالمتبوع فلا یجلس التابع قبلہ

---

(۱) بخاری۔

(۲) بخاری۔

۲۵۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كُنْتُ اُجَالِسُ اَصْحَابَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدَ وَغَيْرَهُمَا فَتَمُرُّ عَلَيْهِمُ الْجَنَازَةُ وَهُمْ مُحْتَبُوْنَ فَمَا يَحُلُّ اَحَدُهُمْ حَبْوَتَهٗ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَانَرٰى اَنْ يُّقَامَ لِلْجَنَازَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ حضرت علقمہؒ اور اسودؒ وغیرہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ان کے پاس سے جنازہ گزرا تو یہ حضرات احتباء کی کیفیت سے بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی اپنی اس کیفیت کو ختم نہیں کرتا تھا۔ امام محمدؒ نے نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں ہم جنازے کے لئے قیام کے قائل نہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اُجَالِسُ: باب مفاعلہ سے واحد متکلم فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ بمعنی ساتھ بیٹھنا۔

يَحُلُّ: حَلَّ (ن) حَلًّا۔ العقدةَ کھولنا۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)۔

تشریح

کیا جنازہ دیکھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَانَرٰى اَنْ يُّقَامَ لِلْجَنَازَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ" امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں ہم جنازے کے لئے قیام کے قائل نہیں ہیں۔

اس میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ ایک آدمی جو جنازے کے ساتھ نہیں جا رہا مگر صرف جنازے کو گزرتا دیکھے تو اب کیا اس کو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے یا نہیں اس میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: (راجح قول) امام شافعیؒ، امام اوزاعیؒ، عامر شعبیؒ، قتادہؒ، سعید بن المسیبؒ، عمرو بن میمونؒ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نزدیک جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمد بن حسنؒ، سعید بن المسیبؒ (راجح مذہب) امام مالکؒ، سعید بن جبیرؒ، نافع بن جبیرؒ، علقمہ بن مرثدؒ وغیرہ کے نزدیک جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا مستحب نہیں ہے۔

تیسرا مذہب: امام احمدؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، حبیب مالکیؒ، عبدالملک بن ماجشونؒ وغیرہ کے نزدیک اختیار ہے کہ خواہ کھڑا ہو جائے یا بیٹھا رہے۔[1]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت عامر بن ربیعةؓ ان رسول اللهﷺ قال اذا رایتم الجنازة فقوموا لها حتی تخلفکم او توضع۔[2]

❷ روایت جابرؓ انه علیه السلام قال اذا رایتم الجنازة فقوموا۔[3]

❸ روایت ابی هریرةؓ قال مر علی النبیﷺ بجنازة فقام وقال قوموا فان للموت فزعا۔[4]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت علیؓ انه علیه السلام کان یقوم فی الجنازه ثم جلس بعد۔[5]

❷ کان النبیﷺ یامرنا بالقیام فی الجنائز ثم جلس بعد ذلک وامر بجلوس۔[6]

❸ روایت عبادة بن صامتؓ۔ کان رسول اللهﷺ یقوم فی الجنازة حتی توضع فی اللحد فمر به حبر من الیهود فقال هکذا نفعل فجلس النبیﷺ وقال اجلسوا خالفوهم۔[7]

دوسرے مذہب والے ان روایات اور ان جیسی اور روایات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہوگا۔

---

❶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

❷ علقمہؒ: ان کا نام ابن قیس ہے ان کے حالات باب القراءة خلف الامام میں گزر چکے ہیں۔

❸ الاسودؒ: ان کے حالات باب الوضوء میں گزر چکے ہیں۔

---

(۱) اوجز المسالک ۷۹/۲، نیل الاوطار ۳۱۶، نووی ۳۱۰/۱ حاشیہ الکوکب الدری ۱۹۲/۲، عمدة القاری ۱۲۰، فتح الملہم ۵۰/۲، تعلیق الصبیح ۳۶/۱ فتح الباری ۱۳/۳۔

(۲) بخاری ۱۷۵/۱ (باب القیام للجنازہ) و مسلم ۳۱۰/۱، ترمذی۔

(۳) بخاری مسلم۔

(۴) ابن ماجہ۔ (نوٹ) اور بھی کئی روایات عمدة القاری اور طحاوی میں موجود ہیں۔ ان شئت راجعهما۔

(۵) صحیح مسلم۔

(۶) ابن حبان۔

(۷) ابوداؤد ۵۲/۲ (باب القیام للجنازة)

۲۵۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ سَاَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ مَتٰى يَجْلِسُ الْقَوْمُ؟ قَالَ اِذَا وُضِعَتْ الْجَنَازَةُ عَنْ مَنَاكِبِ الرِّجَالِ وَقَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ اِنْتَهَوْا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمْ يَضْرِبْ فِيْهِ بِفَاْسٍ اَكُنْتَ قَائِمًا حَتّٰى يُحْفَرَ الْقَبْرُ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ عَلَى الْاَرْضِ فَلَا بَاْسَ بِالْقُعُوْدِ وَيُكْرَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حمادؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابراہیمؒ سے دریافت کیا کہ لوگ کب بیٹھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جنازہ جب لوگوں کے کاندھوں سے اتار دیا جائے فرمایا بتلاؤ اگر وہ قبر تک پہنچ گئے ہوں اور ابھی قبر میں کدال نہیں ماری گئی ہو تو کیا قبر کھودنے تک تم کھڑے رہوگے؟ امام محمدؒ نے فرمایا جب جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: وَضَعَتْ: وَضَعَ (ف) وَضْعًا و مَوْضِعًا و مَوْضوعًا الشیءَ: رکھنا۔ وَضَعَتَ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف ہے۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)۔

مناکب: مَنْکَبٌ کی جمع ہے بمعنی کاندھے۔

بِفَاسٍ: فاس کدال کو کہتے ہیں۔

يَحْفِرُ: حَفَرَ (ض) حَفْرًا و اِحْتَفَرَ گڑھا کھودنا۔ حَفَرَ الطریقَ چل کر نشان ڈالنا ـــــ حَفَرَ الشیءَ تہ تک معلوم کرنا۔

تشریح

جنازہ زمین پر رکھنے کے بعد بیٹھ جانا چاہئے

قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ عَلَى الْاَرْضِ فَلَا بَاْسَ بِالْقُعُوْدِ وَيُكْرَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ امام محمدؒ نے فرمایا جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے تو بیٹھنے میں اب کوئی حرج نہیں ہے اس سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

اس بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ جنازہ زمین پر رکھنے کے بعد بیٹھ جانا چاہئے۔

روایت عبادہ بن صامتؓ ان رسول اللہ ﷺ کان لا یجلس حتی یوضع المیت فکان قائما مع اصحابہ علی رأس قبر فقال [1]

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جنازہ زمین پر رکھنے کے بعد بیٹھ جانا چاہئے اس کے بعد بھی کھڑا ہونا مکروہ ہے۔[2]

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ جنازہ رکھنے کے بعد بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[3]

علامہ سرخسیؒ نے اس مسئلہ کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

واذا وضعت الجنازۃ علی الارض عند القبر فلا باس بالجلوس بہ امر الرسول ﷺ اصحابہ حین کانوا معہ قیاما علی راس قبر فقال یھودی ھکذا نصنع بموتانا فجلس وقال لاصحابہ خالفوھم وانما یکرہ الجلوس قبل ان توضع عن مناکب الرجال فربما یحتاجون الی التعاون قبل الوضع واذا کانوا قیاما امکن التعاون وبعد الوضع قد وقع الاستغناء عن ذلک ولانھم انما حضروا اکرامًا لہ فالجلوس قبل ان توضع عن المناکب یشبہ الازدراء والاستخفاف بہ وبعد الوضع لا یودی الی ذلک الخ۔[4]

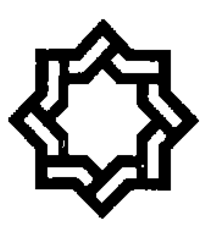
---

(۱) مسند احمد وکذا عمدۃ القاری ۱۲۱ وکذا فتح الباری ۳/ ۱۳۔

(۲) ردالمحتار ۱/ ۶۲۔

(۳) بدائع الصنائع۔

(۴) مبسوط ۲/ ۵۷۔



۲۵۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ مَاتَتْ اُمُّهُ النَّصْرَانِيَّةُ فَتَبِعَ جَنَازَتَهَا فِيْ رَهْطٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مُحَمَّدٌ لَانَرٰى بِاِتِّبَاعِهَا بَأْسًا اِلَّا اَنَّهٗ يَتَنَحّٰى نَاحِيَةً عَنِ الْجَنَازَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کی عیسائی والدہ کا انتقال ہو گیا وہ نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کی معیت میں اس کے جنازے کے ساتھ گئے۔ امام محمدؒ نے فرمایا عیسائی کے جنازے کے ساتھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ جنازے سے ایک طرف ہو کر چلے یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔"

لغات: رَهْط: رَهْطٌ والرَّهَطُ: آدمی کا قبیلہ اور قوم۔ تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو اور اس لفظ کا واحد نہیں (جمع) اَرْهُطٌ و ارھاط۔

اصحاب: صَاحِبٌ کی جمع ہے بمعنی۔ ساتھی۔ ایک ساتھ زندگی بسر کرنے والے۔ مالک، وزیر، گورنر۔

تشریح

غیر مسلم جنازے کے ساتھ جانا جائز ہے

اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ مَاتَتْ اُمُّهُ النَّصْرَانِيَّةُ محدثین فرماتے ہیں یہ عبارت صحیح ہے بخلاف ابن حزمؒ کے انہوں نے نقل کیا ہے۔

قال سفیان وسمعت حماد بن ابی سلیمان یحدث عن الشعبی ان اُم الحارث بن ابی ربیعة ماتت وھی النصرانیة فشیعھا اصحاب النبی ﷺ (۱)

ابن حزمؒ کی روایت میں اُمّ الحارث بن ابی ربیعۃ ماتت کے الفاظ ہیں۔ ممکن ہے کاتب سے سہو ہو گیا ہو۔ اور جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا ایک آدمی نے کہا کہ میری والدہ نصرانی تھی اس کا انتقال ہو گیا تو میں کیا کروں تو اس پر انہوں نے یہی فتویٰ دیا کہ تم کفن دفن کرو اور اس کے ساتھ جاؤ مبسوط للسرخسی نے اس کو اس طرح نقل کیا ہے۔

قال سعید بن جبیرؒ سال رجل ابن عباسؓ فقال ان امی ماتت نصرانیة فقال اغسلھا و کفنھا وادفنھا وان

الحارث بن ابی ربیعة ماتت امه نصرانیة فتبع جنازتها فی نفر من الصحابة۔[۲]

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں غسل دینے کو فرمایا حالانکہ غسل دینے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔ کیوں کہ غسل دینا یہ مردے کی کرامت و تعظیم کے لئے ہے۔ اور کافر اس بات کا مستحق نہیں ہوتا۔ مگر جب اس کافر کا رشتہ دار مسلمان ہے اس لئے اب اس کے لئے قرآن کا حکم ہے وصاحبهما فی الدنیا معروفا۔ دنیا میں تو بھلائی کر لی جائے گی۔ اور یہ بھلائی اس کے لئے غسل دینا کفن دفن کرنا ہوگا اس کے مسلمان رشتہ داروں کی طرف سے۔[۳]

اسی قسم کی بات ابوطالب کی وفات میں پیش آئی وفات کے بعد حضرت علی کو آپ ﷺ نے فرمایا فامرنی بان نغسل[۴] کہ مجھے آپ نے غسل دینے کا حکم فرمایا۔ اسی قسم کی بات امام محمدؒ نے موطا میں نقل کی ہے۔[۵]

اس سے معلوم ہوا کہ غسل دینا ہر میت کو سُنّت ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔

غیر مسلم کے جنازے میں شرکت کرنے والے ایک طرف ہو کر چلیں۔

یَتَنَحّٰی نَاحِیَةً عَنِ الْجَنَازَةِ جنازے سے ایک طرف ہو کر چلے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب نصاری لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا المغضوب علیهم ان پر اللہ کا غصہ ہے ان سے الگ ہو کر چلے ایسا نہ ہو کہ طرح ان کی وجہ سے اس پر بھی اللہ کا غضب نازل ہو جائے۔[۶]

حضرت حارث بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: یہ حارث بن ابی ربیعہؓ المخزومی ہیں۔ ان کو ابن عیاش بن ابی ربیعہ عمرو بن المغیرة بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم الامیر المخزومی المعروف بالقباع ہے بھی کہا جاتا ہے۔

اساتذہ: عبد الرحمن نبی کریم ﷺ سے یہ مرسل روایت کو لیتے ہیں عمرؓ، معاویہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، اُم سلمہؓ وغیرہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

تلامذہ: سعید بن جبیرؒ، شعبی، عبد الرحمن بن سلیطؒ، ابو قزعہؒ، مجاہدؒ، زہریؒ وغیرہ میں۔ ان احباب نے ان کو ثقات تابعین میں شمار کیا ہے۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں تہذیب التہذیب ۱۴۴/۲۔

---

(۱) المحلی ۱۱۷/۵۔

(۲) مسبوط اللسرخسی ۵۵/۲۔

(۳) بدائع الصنائع ۲۰۶/۱۔

(۴) مصنف بن ابی شیبة ۳۴۷/۳۔

(۵) صوفی محمد ۲۱۳/۱۔

(۶) بحر الرائق مع اضافہ۔

باب تسنیم القبور و تجصیصها

قبر کو کوہان نما بنانا اور اس پر چونا لگانا

۲۵۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَنْ رَاٰی قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ وَقَبْرَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَقَبْرَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ مُسَنَّمَةً نَاشِزَةً مِّنَ الْاَرْضِ عَلَیْهَا فِلَقٌ مِّنْ مَدَرٍ اَبْیَضَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ یُسَنَّمُ الْقَبْرُ تَسْنِیْمًا وَلَا یُرَبَّعُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا مجھے ان صاحب نے خبر دی جنہوں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک دیکھی کہ وہ کوہان نما اور زمین سے ابھری ہوئی تھی ان پر سفید مٹی کے ٹکڑے لگے تھے۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔ چوکور نہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: تسنیم القبور: قبروں کو کوہان نما بنانا۔ ولا یُرَبَّعُ رَبَعَ (ف، ن، ض) رَبْعًا بمعنی چوکور الحبل چار بل کی رسی بٹنا۔
فِلَقٌ: یہ جمع ہے اَلْفِلْقَةُ کی بمعنی ٹکڑے۔

تشریح

قبر کو کوہان نما بنانا چاہئے

یُسَنَّمُ الْقَبْرُ تَسْنِیْمًا وَلَا یُرَبَّعُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ" قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔ چوکور نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

"سنم" کہتے ہیں لغت میں ھو ان یجعل کھیئة السنام اونٹ کے کوہان کی طرح بنادے۔[1]

اس بارے میں کہ قبر کو چوکور بنایا جائے یا کوہان نما دونوں ہی جائز ہیں اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔[2]

پہلا مذہب: ابوہریرہؓ، موسیٰ بن طلحہؒ، یزید بن ابی حبیبؒ، سفیان ثوری، لیث بن سعدؒ، اشہبؒ، مزنیؒ، ابو علیؒ، ابو علی طبریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ فرماتے ہیں قبر کو کوہان نما بنانا مستحب ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قبر کو مربع یعنی چوکور بنایا جائے۔(۳)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ بلغنا ان النبی سطح قبر ابنہ ابراھیم ووضع علیہ الحصباء ورش علیہ الماء وان مقبرۃ الانصار والمهاجرین مسطحۃ۔(۴)

❷ روایت ابو الھیاج الاسدی ﷺ قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ النبی ان لا ادع قبرا مشرفا (ای مرتفعا) الا سویتہ ولا تمثالا الا سوتیہ۔(۵)

کہ ابوہیاجؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تجھے اسی پیغام کے ساتھ بھیجتا ہوں جس کے ساتھ آپ ﷺ نے مجھے پیغام بھیجا تھا یعنی کہ کوئی تمثال نہ چھوڑ مگر یہ کہ اسے مٹا دے اور کوئی بلند قبر نہ چھوڑ مگر یہ کہ اسے برابر کر دے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں من التعطیل فانہ من صنیع اھل الکتاب والتشبہ بھم فیما منع منہ مکروہ۔

❸ مربع شکل بنانا یہ روافض کا شعار ہے اس لئے بھی اس سے بچنا ضروری ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ سفیان التمار انہ رای قبر النبی ﷺ مسنما۔(۶)

❷ اثر ابراھیم النخعیؒ اخبرنی من رای قبر النبی ﷺ وصاحبیہ مسنمۃ ناشزۃ من الارض الخ۔(۷)

❸ سفیان تمار دخلت البیت الذی فیہ قبر النبی ﷺ فرأیت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبر ابی بکر وعمر مسنمۃ۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ قبر کو چوکور بنانا مکروہ ہے جب کہ کوہان کی شکل بنانا چاہئے۔(۹)

جوابات دوسرے مذہب والوں کے

زمانہ جاہلیت میں قبروں پر عمدہ بلند عمارت بناتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج کو جو بھیجا تو وہ اس قسم کی عمارت کو ڈھانے کے لئے نہ کہ مُسنّم قبر کو برابر کرنے کے لئے۔ کوہان کی طرح بنانا اس لئے بھی ہوتا ہے کہ قبر کی پہچان ہو جائے اور گندگی وغیرہ سے قبر محفوظ ہو جائے۔ یا بقول ابن ہمامؒ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیادہ بلند کو چھوڑنے کا

حکم دیا ہے اور ایک بالشت تک بلند کرنا یہ تو متعدد روایات و اقوال فقہاء سے ثابت ہے۔[10] امام نووی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں ان السنة ان البقرة یرفع علی الارض دفعا کثیرا بل یرفع نعو شر[11] سُنّت ہے کہ قبر زمین سے زیادہ اونچی نہ رکھی جائے بلکہ صرف ایک بالشت اونچی رکھی جائے۔

(۱) فتح الملہم ۲/۵۰۶، تعلیق الصبیح ۲/۲۵۰۔

(۲) فتح الباری ۳/۲۵۷ باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وقبر ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(۳) بدائع الصنائع ۱/۳۲۰، المغنی ۲/۵۰۵، و تسنیم القبر افضل من تسطیحه، فتح الملہم ۲/۵۰۶، تعلیق الصبیح ۲/۲۵۰، مبسوط سرخسی ۲/۶۲، بحر الرائق ۲/۱۹۔

(۴) نصب الرایہ ۲/۳۰۵ فصل فی الدفن، المغنی ۲/۵۰۵۔

(۵) مسلم، ترمذی۔

(۶) بخاری۔

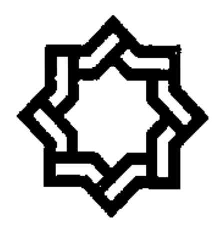
(۷) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۳۳ ما قالوا فی القبر یسنم، اعلاء السنن ۸/۲۷۱ باب النہی عن تربیع القبر و اختیار تسنیمها۔

(۸) فتح القدیر کذا بدائع الصنائع ۲/۳۲۰ فصل و اما سنة الدفن و کذا المجموع ۵/۲۹۵، ۲۹۶ و کذا المغنی ۲/۵۰ و اذا فرغ من اللحد اهال علیه التراب الخ۔

(۹) بدائع الصنائع ۱/۳۲۰ مراقی الفلاح ۳۳۵۔

(۱۰) ابوداؤد ۱/۸۶، التلخیص الحبیر ۲/۱۳۲، بیہقی ۳/۴۱۰۔

(۱۱) شرح مسلم النووی ۱/۳۱۳۔



۲۵٦

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ يُقَالُ اِرْفَعُوْا الْقَبْرَ حَتّٰى يُعْرَفَ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَلَا يُوْطَأُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَلَا نَرٰى اَنْ يُّزَادَ عَلٰى مَا خَرَجَ مِنْهُ وَنَكْرَهُ اَنْ يُّجَصَّصَ اَوْ يُطَيَّنَ اَوْ يُجْعَلَ عِنْدَهٗ مَسْجِدٌ اَوْ عَلَمٌ اَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ وَيَكْرَهُ الْاٰجُرَّ اَنْ يُّبْنٰى بِهٖ اَوْ يُدْخَلَ الْقَبْرَ وَلَا نَرٰى بِرَشِّ الْمَاءِ عَلَيْهِ بَاْسًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

”حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہا جاتا تھا کہ قبر کو اتنا اونچا کرو کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قبر ہے اور اسے روندا نہ جائے۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ البتہ ہم اس کے قائل نہیں کہ قبر سے نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ مٹی اس پر ڈالی جائے اور اس پر چونا لگانے یا مٹی سے لیپنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اسی طرح وہاں پر مسجد بنانے یا نشانی لگانے یا اس پر لکھنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ پکی اینٹوں سے اس کی تعمیر مکردہ ہے اور یہ کہ پکی اینٹوں کو قبر میں داخل کیا جائے۔ البتہ قبر پر پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔“

لغات: يُعْرَفُ: عَرَفَ (ض) عِرْفَةً وعِرْفَانًا ومَعْرِفَةً الشیء: پہچاننا۔ جاننا۔ —— بذنبه اقرار کرنا۔ يُعْرَفُ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

يُجَصَّصُ: جصَّصَ النار گچ کرنا۔ باب تفعیل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)

يَطِيْنُ: طَانَ يَطِيْنُ طَيْنًا وطَينَ الحائطَ دیوار کو گارے سے لیپنا۔ (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔

تشریح

قبر سے نکلی ہوئی مٹی ہی قبر پر ڈالنا چاہیئے

وَلَا نَرٰى اَنْ يُّزَادَ عَلٰى مَا خَرَجَ مِنْهُ۔ ”اور ہم قبر سے نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ مٹی ڈالنے کو مکروہ سمجھتے ہیں“ فقہاء فرماتے ہیں کہ جتنی مٹی قبر کھودتے وقت قبر سے نکلی ہے اتنی ہی مٹی سے اس قبر کو بند کر دیا جائے اس سے زیادہ بڑھانا مکروہ ہے۔ اگر معمولی سی زیادتی ہو تو اس کو فقہاء مکروہ فرماتے ہیں اور اگر زیادہ ہو تو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں اس کو ڈھا دینا اور

سنت کے مطابق کر دینا سنت ہو گا جیسے کہ گزشتہ حدیث کی شرح میں یہ بات گزر چکی ہے اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ جو لوگ میت کو دفن کرنے کے لئے حاضر ہوں تو وہ سب اپنے تین تین لپ مٹی قبر پر ڈالیں یہ ڈالنا میت کے سر کی طرف سے شروع کریں۔[1]

پہلی مرتبہ میں منھا خلقنٰکم دوسری مرتبہ میں وفیھا نعیدکم اور تیسری مرتبہ میں ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ پڑھیں۔

بعض دوسری روایتوں میں یہ ہے کہ پہلی مرتبہ میں اللھم جاف الارض عن جنبیہ دوسری مرتبہ میں اللھم افتح ابواب السماء لروحہ تیسری مرتبہ میں (اگر مرد ہو) اللھم زوجہ بحور العین پڑھیں۔ اگر عورت ہو تو اللھم ادخلھا الجنۃ برحمتک پڑھے۔ اور پھر باقی مٹی کو پھاوڑے یا کھرپے جس سے ممکن ہو قبر پر ڈال دیں اور ہاتھ میں جو مٹی لگ جائے اس کو جھاڑ دیں یا دھولیں۔

اَوْ یُجْعَلَ عِنْدَہٗ مَسْجِدٌ اَوْ عَلَمٌ اَوْ یُکْتَبَ عَلَیْہِ۔ وہاں پر مسجد بنانے یا نشان لگانے یا اس پر لکھنے کو ناپسند کرتے ہیں اس کو حدیث میں ان الفاظ سے منع کیا گیا ہے فلا تتخذوا القبور المساجد فانی انھاکم عن ذلک فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر کوئی عمارت وغیرہ قبر کی زینت سے بنانا تو حرام ہے ہاں اگر صرف مضبوطی کی نیت ہو تو اگر یہ عمارت میت کو دفن کرنے کے بعد بنائی گئی ہو تو مکروہ ہو گا۔ اگر پہلے ہی سے عمارت موجود تھی اس میں اس کو دفن کر دیا گیا تو مکروہ نہیں ہو گا[2] اسی طرح ...... قبا یا مسجد یا کسی قسم کی عمارت بنانا مکروہ ہو گا[3] ایک موقع پر تو آپ ﷺ نے قبروں پر بنی ہوئی عمارتوں کو گرانے کا حکم دیا تھا[4]

اَوْ عَلَمٌ اَوْ یُکْتَبَ عَلَیْہِ۔ فقہاء فرماتے ہیں اگر بہت سخت ضرورت ہو تو قبر پر نشان لگا سکتے ہیں ہاں کوئی علامت بنا دے تو جائز ہے جیسے کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو جو آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ دفن کرنے کے بعد ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کی قبر پر رکھ دیا اور فرمایا کہ میں اس کے ذریعہ اپنے بھائی کی قبر کو پہچان سکوں گا۔[5] اسی طرح کچھ رکھ سکتے ہیں۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ایسی جگہ پر رکھیں کہ جس سے بے ادبی نہ ہو اور قرآن کی آیت یا کلمات تعظیم کو لکھنا ہر حال میں مکروہ ہے چونکہ بوسیدہ ہو کر وہ کلمات جھڑ جائیں گے یا پامال ہو جائیں گے۔ بلا ضرورت کے لکھنا مکروہ ہے۔[6]

وَیُکْرَہُ الْاٰجُرُّ اَنْ یُّبْنٰی بِہٖ الخ پکی اینٹوں سے اس کی تعمیر مکروہ ہے اور یہ کہ پکی اینٹوں کو داخل کیا جائے قبر میں اس کی وجہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں لاحکام البناء والقبر موضع البلی ثم الاجر اثر النار فیکرہ تفاؤلا[7] کیوں کہ یہ تو عمارت کو مضبوط بنانے کے لئے ہیں اور قبر بوسیدہ اور فناء ہونے کی جگہ ہے پھر پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے اس لئے از راہ بدفالی مکروہ ہے۔[8]

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ قبر کی عمارت بنانے کی دو قسم ہیں ① عمارت اینٹوں سے بنادی جائے اس کی ممانعت پہلے معلوم ہو چکی ہے ② عمارت پکی نہ کی جائے ویسے ہی اینٹوں کو رکھ دیا جائے یا ضمیمہ وغیرہ لگا دیا جائے یہ بھی منع ہے جیسے کہ روایت میں آتا ہے عن ابن عمر انہ رای فسطاطا علی قبر عبدالرحمٰن فقال انزعہ یاغلام وانما یظلہ عملہ۔[9]

سوال: پکی اینٹ کو لگانا اس لئے منع ہے کہ اس پر آگ کا اثر ہے تو غسل کے پانی کو بھی تو گرم کرتے ہیں اس پر بھی آگ کا اثر ہے وہ کیوں جائز ہے۔

جواب: دونوں کی وجہ مختلف ہے پانی کو گرم کیا جاتا ہے اس میں مقصد نظافت کی زیادتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ جرجانیؒ فرماتے ہیں اس میں کوئی خاص بات نہیں اس لئے دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے میں کفنانا جائز ہے۔

وَلَاتَرَی بِرَشِّ الْمَاءِ عَلَیْہِ بَاْسًا پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ پانی کا چھڑکنا مستحب ہے ① آپ کے قول وفعل دونوں سے یہ عمل ثابت ہے۔ پانی کا چھڑکنا کس طرف سے شروع کرے؟۔ صرف چھڑکنا ہو، اور اگر پانی اتنا ڈال دیا جس سے کیچڑ اسا بن گیا تو یہ مکروہ ہوگا۔ پانی چھڑکنا جائز ہے اس پر استدلال اس روایت سے کیا جاتا ہے۔ ان النبی ﷺ رش علی قبر ابنہ ابراھیم ووضع علیہ حصباء۔[9]

② روایت جابر رضی اللہ عنہ قال رش قبر النبی ﷺ کان الذی رش الماء علی قبرہ بلال بن رباح۔[10]

---

(۱) ابن ماجہ۔
(۲) تبیین الحقائق۔
(۳) فتح الملہم ۲/۵۰۶ بدائع الصنائع ۳/۲۳۰ بحرالرائق ۲/۲۸۵۔
(۴) شامی۔
(۵) مستدرک ۱۱۶۶ ابوداؤد، ابن عدی، طبری، شامی۔
(۶) وکذافی الشامی ۱/۶۲۸۔
(۷) ہدایہ ومبسوط سرخسی ۲/۶۲۔
(۸) بدائع الصنائع ۱/۳۱۸، بحرالرائق ۱۹۔
(۹) بخاری باب الجریدۃ علی القبرہاں یہ فتح الملہم ۲/۵۰۶ میں سہو ہے اس میں ہے اخیہ عبدالرحمٰن۔ یہ ابن عمر کے بھائی نہیں ہیں۔ جب کہ یہ ابی بکر الصدیق کے بیٹے ہیں۔ جیسے کہ فتح الباری ۳/۱۷۷ میں ہے وھکذا عمدۃ القاری۔ ۴/۲۰۳۔
(۱۰) درمختار ۱/۶۲۷۔
(۱۱) رواہ الشافعی۔ وکذافی شرح السنۃ۔

۲۵۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شَیْخٌ لَنَا یَرْفَعُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰی عَنْ تَرْبِیْعِ الْقُبُوْرِ وَتَجْصِیْصِهَا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت امام ابوحنیفہ" نے فرمایا ہم سے ہمارے ایک شیخ [1] نے نبی کریم ﷺ کی یہ روایت مرفوع بیان کی۔ کہ آپ ﷺ نے قبر کو چوکور بنانے اور گچ (چونا) کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمد" نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ" فرماتے ہیں۔"

لغات: تَجْصِیْصِهَا: باب تفعیل سے مصدر ہے۔ بمعنی گچ کرنا۔ تَرْبیعَ القبور قبروں کو چوکور کرنا۔

تشریح

وَتَجْصِیْصِهَا چونا کرنے سے منع فرمایا قبر پر چونا وغیرہ لگانا یا لیپنا زینت کی نیت سے مکروہ ہے یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ" ۔امام مالک" ،امام شافعی" ،امام احمد" ،سفیان ثوری" وغیرہ کا ہے۔ [2]

کہ یہ مکروہ نہیں ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر قبر خراب ہو جائے۔ تو مٹی وغیرہ سے لیپ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بلا کسی ضرورت اور زینت کی نیت سے چونا وغیرہ کرنا مکروہ ہوگا۔ ورنہ فی نفسہ جائز ہے۔ امام شافعی" اپنی کتاب "کتاب الام" میں فرماتے ہیں۔

واحب ان لا یبنٰی ولا یجصص فان ذلک الزینة والخیلاء ولیس الموت موضع واحد منها ولم ارقبور المهاجرین بن والانصار مجصصة قال الراوی عن طاؤس ان رسول اللّٰه ﷺ نهی ان تبنی القبور او تجصص قال الشافعی وقد رایت من الولاة من یهدم بمکة مایبنی فلم ار الفقهاء یعیبون ذلک۔ [3]

(۱) شیخ سے مراد بعض لوگوں کے نزدیک محمد بن مسلم بن تدرس" ہیں یہ بھی امام ابوحنیفہ" کے استادوں میں سے ہیں۔
(۲) مدونہ الکبریٰ ۱/۱۷۰۔
(۳) کتاب الام ۱/۲۴۶۔

۲۵۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ لَاَنْ اَطَأَ عَلٰى جَمْرَةٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَطَأَ عَلٰى قَبْرٍ مُتَعَمِّدًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ يُكْرَهُ الْوَطْأُ عَلَى الْقُبُوْرِ مُتَعَمِّدًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں کسی انگارے پر چلوں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی قبر پر قصداً چلوں امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ جان بوجھ کر قبروں کو روندنا اور ان پر چلنا مکروہ ہے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: أَطَأُ: وَطِئَ (س) وَطْأً الشيءَ بِرِجْلِهٖ: پیر سے روندنا ــــ الفرس گھوڑے پر سوار ہونا۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)۔

جَمْرَةٌ انگارہ۔

أَحَبُّ: حَبَّهٗ (ض) حُبًّا و حِبًّا الشيء رغبت کرنا۔ حَبَّ (س) حَبَبَ (ک) الیہ محبوب ہونا۔ حَبَّبَهٗ اِلَيَّ محبوب بنانا۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)۔

تشریح

قبر پر چلنا مکروہ ہے

يُكْرَهُ الْوَطْأُ عَلَى الْقُبُوْرِ مُتَعَمِّدًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ" جان بوجھ کر قبروں کو روندنا اور اس پر چلنا مکروہ ہے۔

اس کے مشابہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ لان يجلس احدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص الى جلده خير له من يجلس على قبر۔ (۱)

يُكْرَهُ الْوَطْأُ عَلَى الْقُبُوْرِ مُتَعَمِّدًا۔ قبروں کو روندنا مکروہ تحریمی ہے۔ بغیر کسی عذر کے ہاں اگر عذر ہو کہ بالکل راستہ نہ ہو۔ یا گزرنا ضروری ہے تو پھر مکروہ نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ نهى رسول الله ﷺ عن وطأ القبور۔

سئل عبداللہ بن مسعود عن الوطأ على القبر قال كما اكره اذى المؤمن فى حياته فانى اكره اذاه بعد موته۔ (۲) کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قبر کے روندنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جس طرح زندگی

میں مؤمن کو تکلیف دینا مکروہ ہے اسی طرح اس کے مرنے کے بعد مکروہ ہوگا۔

ابن حجر فرماتے ہیں یکرہ الجلوس علی القبر وطأہ وحینئذ فمایصنعہ من دفنت حول اقاربہ خلق من وطئی تلک القبور الی ان یصل الی قبر قریبہ مکروہ ویکرہ النوم عند القبر وقضاء الحاجۃ بل اولی۔ (۳)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر کو روندنا مکروہ ہے۔

شامی بھی فرماتے ہیں قبر پر چلنا اور روندنا مکروہ ہوگا۔ (۴)

قبر کو روندنا منع اس لئے ہے کہ اس میں مردے کی توہین ہوتی ہے اور توہین خواہ زندے کی ہو یا مردے کی ہر دو کی ناجائز ہے۔

لَاَنْ اَطَأَ عَلٰی جَمْرَۃٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ اَنْ اَطَأَ عَلٰی قَبْرٍ مُتَعَمِّدًا کہ میں کسی انگارے پر چلوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر جان بوجھ کر چلوں۔ کہ انگارے پر چلنے کا ضرر اور نقصان تو اپنی ذات کے اعتبار سے ہے اور قبر کو روندنا، اس کا ضرر اور نقصان تو آدمی کو مرنے کے بعد ہوگا دنیا کا ضرر آخرت کے ضرر کے مقابلے میں مسلمان کو زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لئے عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ فرمایا۔

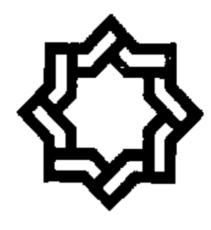
(نوٹ) عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات مسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

(۱) مسلم۔

(۲) بحر الرائق ۴/ ۱۹۴۔

(۳) فتح الباری۔

(۴) شامی ۱/ ۶۳۲۔



باب من اولی بالصلاۃ علی الجنازہ

جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

۲۵۹ و ۲۶۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّهُمَا قَالَا اَلزَّوْجُ اَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِنَ الْاَبِ﴾

"حضرت حمادؒ حضرت ابراہیمؒ سے اور عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا میت پر نماز جنازہ پڑھانے کا شوہر باپ سے زیادہ حق دار ہے۔"

لغات: اَلزَّوْج: شوہر، بیوی، ساتھی، جوڑا۔ کہا جاتا ہے عندی زَوْجَا حَمَامٍ میرے پاس ایک جوڑا کبوتر ہے۔ واشْتَرَيْتُ زوجَي نِعالٍ میں نے ایک جوڑہ جوتہ خریدا۔ ہر چیز کی قسم (جمع) ازواج وزوجة (جمع الجمع) اَزَاوِيج۔

اَحَقُّ: حق میں غالب آنا۔

تشریح

نماز جنازہ پڑھانے میں والد شوہر سے زیادہ مستحق ہے

اَلزَّوْجُ اَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِنَ الْاَبِ۔ شوہر باپ سے زیادہ حق دار ہے نماز جنازہ پڑھانے کا۔

ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، الاوزاعیؒ کے نزدیک اولیاء زیادہ مقدم ہوتے ہیں شوہر سے۔ اور ولی کے بارے میں کتب شوافع سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے مقدم باپ ہے پھر دادا۔ پھر بیٹا، پھر پوتا، پھر چچا پھر ماموں پھر اس کے بعد جو عصبات میں سے زیادہ قریب ہو اور اگر تمام اولیاء درجہ میں برابر ہوں مثلاً دو بیٹے ہی ہیں یا دو چچا ہی ہیں تو اس صورت میں جن کی عمر زیادہ ہو ان کو مقدم کریں اور اگر اب بھی برابر ہوں تو قرعہ ڈالا جائے گا۔[1]

① عون بن عبداللہؒ کے حالات باب الغسل من الجنابۃ میں گزر چکے ہیں۔

② اسی طرح شعبیؒ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

(۱) کتاب الام ۲/ ۲۴۳، مختصر المزنی ۱۸۰، وکتب اخری من مذھبہ۔

۲۶۱

﴿قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ" اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ الْاَبُ اَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَی الْمَيِّتِ مِنَ الزَّوْجِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَبِهٖ كَانَ يَاْخُذُ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحْمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"امام ابوحنیفہ" نے فرمایا مجھے ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے خبر دی ہے کہ انہوں نے فرمایا شوہر کی نسبت باپ، جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو پسند کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔"

لغات: اَلْاَبُ: باپ۔ وہ شخص جو کسی چیز کے لئے باعث ایجاد یا باعث اصلاح ہو۔ اس کا اعراب حالت رفعی میں واؤ سے اور حالت نصبی میں الف سے اور حالت جری میں یا سے آتا ہے۔ جیسے جاءَ اَبُوْكَ، رَاَيْتُ اَبَاكَ، مَرَرْتُ بِاَبِيْكَ اور منادی کی صورت میں یَا اَبِیْ اور یَا اَبَتِ (جمع) آباء و اَبُوْن۔ بالصلٰوة: دعا کرنا۔ نماز پڑھنا۔

تشریح

اَلْاَبُ اَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَی الْمَيِّتِ مِنَ الزَّوْجِ۔ باپ مقدم ہوگا جنازہ پڑھانے میں شوہر سے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ امام محمدؒ وغیرہ کے نزدیک تو باپ مقدم ہوگا شوہر پر۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں عصبات مقدم ہونگے شوہر پر اگر عصبات بھی نہ ہوں تو پھر شوہر نماز پڑھائے گا[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقال کے بعد نکاح تو ختم ہو گیا۔ شوہر اجنبی کی طرح ہوگا۔ اور باپ ہونے کا رشتہ ختم نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ برقرار ہے۔

استدلال

❶ ایک صحابی کو فرمایا ہے: انت و مالک لابیک۔

❷ ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل کہ باپ کو ولایت حاصل ہے اور شوہر گویا اجنبی ہو گیا اس لئے باپ مقدم ہوگا نماز جنازہ پڑھانے کے لئے اور اگر میت کے ولی نہ ہوں تو اب شوہر مقدم ہوگا۔[2]

(نوٹ) "رجل" بصری یا کوفی شیخ ہے اسماء الرجال والے فرماتے ہیں لا ادری من ھو۔
حسن بصریؒ کے حالات باب الوضوء مما غیرت النار میں اور عمر بن الخطابؓ کے حالات باب الوضوء میں گزر چکے ہیں۔
(۱) المدونہ ۱/۱۶۹۔ (۲) بحر الرائق ۲/۱۸۱، در المختار ۱/۶۱۶۔

باب استہلال الصبی والصلاۃ علیہ

(پیدائش کے وقت) بچے کا رونا اور اس پر نماز جنازہ کا حکم

۲۶۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ قَالَ فِی السِّقْطِ اِذَا اسْتَهَلَّ صُلِّیَ عَلَيْهِ وَوَرِثَ وَاِذَا لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ وَلَمْ يُوْرَثْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَالْاِسْتِهْلَالُ اَنْ يَقَعَ حَيًّا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے ناتمام بچے کے بارے میں فرمایا اگر اس سے آواز آئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی اور وارث بنے گا اور اگر آواز نہ آئے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث ہوگا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور آواز آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: السقط: سَقَطَ (ن) سُقُوْطًا و مَسْقَطًا: گرنا۔ کہا جاتا ہے کہ سَقَطَ مِنْ عَيْنِیْ وہ میری آنکھوں سے گر گیا۔ یعنی حقیر ہو گیا۔ مگر یہاں پر مراد "ناتمام بچہ" ہے۔

اِسْتَهَلَّ: الصبی پیدائش کے وقت چلانا۔ اور ایسا ہی ہر بولنے والے کے آواز بلند کرنے کو اِسْتِهْلَال کہتے ہیں۔ باب استفعال سے واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)۔

وَرِثَ: يَرِثُ وِرْثًا و وَرْثًا و اِرْثًا و اِرْثَةً و رِثَةً و تُرَاثًا — فلانًا وارث ہونا۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے)۔

تشریح

بچہ پیدا ہونے کے بعد روئے تو نماز جنازہ پڑھائی جائے گی

اَنَّهٗ قَالَ فِی السِّقْطِ اِذَا اسْتَهَلَّ صُلِّیَ عَلَيْهِ۔ ناتمام بچے کے بارے میں فرمایا کہ اگر اس سے آواز آئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد مرجائے تو کیا اس کی نماز جنازہ وغیرہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟
اس میں پانچ مذہب ہیں:

پہلا مذہب: ہر حال میں اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ مرنے سے پہلے رویا بھی نہ ہو یہ قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیبؒ، اسحاق راہویہؒ وغیرہ کا۔

دوسرا مذہب: اگر چار ماہ کا ہو کر پیدا ہوا ہو تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ رویا نہ ہو یہ قول ہے امام احمدؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کا۔

تیسرا مذہب: اگر کوئی ایسی علامت ظاہر ہو کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ پیدا ہوتے وقت زندہ تھا۔ مثلاً رونا چلانا، دودھ چوسنا، چھینکنا وغیرہ تو اس کا نام بھی رکھا جائے گا۔ اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو پھر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ احمد صاحبین اور جمہور فقہاء و علماء کا ہے۔

چوتھا مذہب: اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد روئے تو اب تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی ورنہ نہیں۔ تیسرے مذہب میں اور چوتھے مذہب میں فرق ہے کہ چوتھے مذہب میں رونا شرط ہے اور تیسرے مذہب میں رونا شرط نہیں کوئی بھی زندہ رہنے کی علامت ہو نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یہ مذہب امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اوزاعیؒ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کا۔

پانچواں مذہب: جب تک بچہ نابالغ ہے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ مذہب ہے سعید بن جبیرؒ، عمر بن مرۃؒ، سوید بن غفلہؒ، وغیرہ کا۔

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ حدیث جابر، قال رسول اللہ ﷺ الطفل لا یصلی علیہ ولا یرث ولا یورث حتی یستھل۔ [۲]

❷ حدیث علی رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی السقط لا یصلی علیہ حتی یستھل فاذا استھل صلی علیہ وعقل وورث وان لم یستھل لم یصلی علیہ ولم یورث ولم یعقل۔ [۳]

❸ حدیث ابن عباسؓ، عن النبی ﷺ قال اذا استھل الصبی صلی علیہ وورث۔ [۳]

امام طحاویؒ نے چار احادیث پیش کی ہیں۔

❹ روایت حضرت عائشہؓ: کہ ایک انصاری بچہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھا۔

❺ روایت حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ، کہ ابو طلحہ کے صاحبزادہ حضرت عمر کا انتقال نابالغی کی حالت میں ہوا تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

❻ روایت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جس میں ہے الطفل یصلی علیه کے الفاظ ہیں۔

❼ روایت براء بن عازب رضی اللہ عنہ: جس میں آپ نے فرمایا کہ تم جن کی نماز جنازہ پڑھتے ہو ان میں سے زیادہ حق دار تمہارے فوت شدہ بچے ہیں۔

اور معانی الآثار میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، جابرؓ، ابوہریرہؓ، وغیرہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ ان سب کے نزدیک نابالغ پر نماز پڑھی جائے گی۔[٦]

امام طحاوی کی نظر (عقلی دلیل)

تمام اسلاف اور آئمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ بالغین جن کو غسل دیا جاتا ہے ان پر نماز جنازہ پڑھنا بھی لازم ہے۔ اور شہداء کو غسل نہ دینے پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ شہداء کی نماز جنازہ کے بارے میں اختلاف ہوا ہے تو ضابطہ یہ ہوا کہ ہر وہ میت جس کو غسل دینا لازم ہے اس کی نماز بھی لازم ہوتی ہے اور جس کو غسل دینا لازم نہیں ہے اس کی نماز جنازہ میں اختلاف ہے۔ تو بچوں کو غسل دینے میں تو سب کا اتفاق ہے لہٰذا ضابطہ کے مطابق اس پر نماز جنازہ بھی ہونا چاہئے۔[٧]

---

(١) بحرالرائق ٧/١٨٩، عمدۃ القاری ٤/١٩٥، المدونہ ١/١٦٢، شامی ١/٦٢١۔

(٢) ترمذی نسائیؒ، ابن ماجہؒ، ابن حبانؒ، مصنف ابن ابی شیبہؒ۔

(٣) ابن عدی۔

(٤) ابن عدی۔

(٥) طحاوی ١/٢٩٢۔

(٦) معانی الآثار ١/٢٩٣۔

(٧) طحاوی ١/٢٩٣۔



۲۶۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّبِيِّ يَقَعُ مَيِّتًا وَقَدْ كَمُلَ خَلْقُهُ قَالَ لَا يَحْجُبُ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُصَلِّيْ عَلَيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَالٰكِنَّهٗ يُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُدْفَنُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے اس بچے کے بارے میں جو کامل الخلقت ہو لیکن پیدا مردہ ہوا ہو فرمایا کہ وہ حاجب بنے گا نہ وارث اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں البتہ اسے غسل و کفن دیا جائے گا اور دفن کیا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں۔"

لغات: یقع: وَقَعَ(ض) وُقُوْعًا الشیءُ مِنَ الْیَدِ: گرنا ــــ الحَقُّ ثابت ہونا۔ (ہفت اقسام میں مثال ہے۔
کَمُلَ: کَمُلَ(ک) و کَمِلَ(س) کَمَالًا کُمُوْلًا و تَکَمَّلَ و تکَامَلَ و اِکْتَمَلَ پورا ہونا۔ کامل ہونا۔

تشریح

اگر بچہ مرا ہوا تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا

اگر بچہ مردہ پیدا ہوا ہو تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا نہ ہی باقاعدہ کفن پہنایا جائے گا بلکہ اس پر پانی بہا دیا جائے گا وضو وغیرہ جو طریقہ مردے کو غسل دینے کا ہے اس طرح نہیں دیا جائے گا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر قبر میں رکھ دیا جائے گا۔

یغسل۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اہتمام کے ساتھ غسل دیا جائے گا۔ یہی بات علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ[1] نے کہی ہے۔

مگر عام کتب فقہ میں یہ بات ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا مگر اس طرح سے نہیں جیسے کہ زندہ پیدا ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ غسل کے بارے میں احناف کے دو قول ہیں ایک قول کے مطابق زندہ پیدا ہونے والے کی طرح غسل دیا جائے گا اور دوسرے قول کے مطابق ایسے اہتمام کے ساتھ غسل نہیں دیا جائے گا۔ ویکفن ویدفن کفن اور دفن دیا جائے گا، مگر اس کو زندہ رہ کر مرنے والے کی طرح اہتمام کے ساتھ کفن نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اہتمام کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

(۱) وغیرہ سے مراد فتاویٰ خانیہ، فتاویٰ البزازیہ، فتاویٰ الظہیریہ وغیرہ ہیں۔

باب غسل الشهيد

شہید کو غسل دینے کا بیان

۲٦٤

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ يَسْتَشْهِدُ فَيَمُوْتُ مَكَانَهُ الَّذِيْ قُتِلَ فِيْهِ قَالَ يُنْزَعُ عَنْهُ خُفَّاهُ وَقَلَنْسُوَتُهُ وَيُكَفَّنُ فِيْ ثِيَابِهِ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَاْخُذُ وَيُنْزَعُ عَنْهُ اَيْضًا كُلُّ جِلْدٍ وَسِلَاحٍ وَيَزِيْدُوْنَ مَا اَحَبُّوْا مِنَ الْاَكْفَانِ وَلَا يُغْسَلُ وَلٰكِنْ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

”حضرت ابراہیمؒ سے مروی ہے اس شخص کے بارے میں جو شہید ہو جائے اس کے موزے، ٹوپی اتار لئے جائیں گے اور اسے انہیں کپڑوں میں کفن دیا جائے گا جو اس پر ہوں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اس سے چمڑے کی چیزیں اور ہتھیار بھی اتار دیئے جائیں گے اور کفن میں جو چیز اور بڑھانا چاہیں وہ بڑھا دیں گے۔ غسل نہیں دیا جائے گا۔ البتہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔“

لغات: يَسْتَشْهِد: باب استفعال سے واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونا۔

فَيَمُوْتُ: مَاتَ يَمُوْتُ مَوْتًا مرنا۔ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف۔ (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔

يَنْزِعُ: نَزَعَ (ض) نَزْعًا الشىءَ من مَكَانِهٖ اکھیڑنا۔ یہاں پر معنی اتارنے کے کریں گے۔

جَلْدٌ: (مصدر) کھال۔ آسمان یا نیلا گنبد۔ جِلْد کھال۔ جمع اجلاد و جلود۔

تشریح

شہید کی تعریف

شہید کی تعریف صاحب وقایہ نے یہ کی ہے۔

کل طاہر بالغ قتل بحدید ظلما ولم یجب بہ مال اور وجد میتا جریحا فی المعرکۃ یعنی ہر پاک بالغ شخص جو کسی آلہ جارحہ (تلوار، بندوق وغیرہ) سے ظلماً قتل کیا گیا ہو اور نفس قتل کے سبب سے قاتل پر مال واجب نہ ہو یا میدان جنگ میں زخمی مردہ پایا گیا ہو۔

اور صاحب ہدایہ نے یہ تعریف کی ہے۔

الشہید من قتلہ المشرکون او وجد فی المعرکۃ وبہ اثر او قتلہ المسلمون ظلما ولم یجب بقتلہ دیۃ۔

الرَّجُلِ یَسْتَشْهِدُ فَیَمُوْتُ مَکَانَهُ الَّذِیْ قُتِلَ فِیْهِ۔ اس شخص کے بارے میں جو اسی جگہ شہید ہو جائے جہاں پر مارا گیا ہو۔

یہ اس وجہ سے کہا جا رہا ہے کہ اگر کسی زخمی کو میدان جنگ میں سے منتقل کیا کر دیا جائے یا وہ کوئی دنیاوی منافع حاصل کرلے تو وہ حقیقی شہید نہیں ہو گا۔ اسی کی طرف صاحب ہدایہ نے استدلال کیا ہے او ینقل من المعرکۃ کہ اگر وہ میدان جنگ سے منتقل ہو جائے تو وہ حقیقی شہید نہیں ہو گا۔

وَیُنْزَعُ عَنْهُ اَیْضًا کُلُّ جِلْدٍ وَسِلَاحٍ وَیَزِیْدُوْنَ مَا اَحَبُّوْا مِنَ الْاَکْفَانِ کہ چمڑے کی چیزیں اور ہتھیار بھی اتار لئے جائیں گے اور کفن میں جو جز اور بڑھانا چاہیں وہ بڑھا دیں گے۔ صاحب ہدایہ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

ینزع عنہ الفرو والحشو والسلاح والخف لانہا لیست من جنس الکفن یزیدون وینقصون ماشاء و اتماما للکفن الفرو۔ کہتے ہیں پوستین جو حیوانات کی کھال سے بنائی جاتی ہے۔ حشو کہتے ہیں وہ چیز جس سے کسی چیز کو بھرا جائے۔

خف موزے کو کہتے ہیں۔

تو اب ترجمہ یہ ہوا کہ شہید سے اتارا جائے گا پوستین بھراؤ کی چیز، ہتھیار اور موزے، کیوں کہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں ہیں اور بڑھا، گھٹا دیں گے جو چاہیں کفن کے پورے کرنے کی غرض سے۔ مگر اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہید کے بدن پر فرو حشو قلنسوہ وغیرہ اور جو بھی آلات حرب میں سے ہو انہیں کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

احناف کا استدلال

آپ ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کے بدن سے لوہا (ہتھیار) پوستین اتار لو اور ان کو اس خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کرو جس کے ساتھ وہ ہیں۔[1]

شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا

وَلَایُغَسَّلُ۔ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

وَلٰکِنْ یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَھُوَقَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ" غسل نہیں دیا جائے گا اور البتہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یہی قول ہے امام ابوحنیفۃ" کا۔

شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب زیادہ مشہور ہیں۔

پہلا مذہب: صحابہ میں سے عقبہ بن عامرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ تابعین میں سے حسن بن حیؒ، عبداللہ بن الحسنؒ، سعید بن عبدالعزیزؒ، سعید بن المسیبؒ، مکحولؒ، عکرمہؒ، ائمہ میں سے شہید کو غسل دینے کے بارے میں دو مذہب ہیں۔ پہلا مذہب صرف حسن بصریؒ کا ہے۔ دوسرا مذہب سعید بن المسیبؒ، حسن بن ابی الحسنؒ کا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک غسل دیا جائے گا۔ باقی جمہور علماء کے نزدیک شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ ہاں اگر حالت جنابت میں ہو تو پھر غسل دیا جاتا ہے۔ (۲)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ حنظلۃبن الراھب غسلتہ الملائکۃ۔

❷ ان النبی ﷺ امر بحمزۃ فغسل۔

❸ عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ موت کے بعد غسل دینا یہ بنی آدم کی شرافت و کرامت ہے اور شہداء تو اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ شہداء احد کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا زملوھم بدمائھم فانہ لیس کلم یکلم فی سبیل اللّٰہ الایاتی یوم القیامۃ یدمی لونہ لون الدم والریح ریح المسک۔ (۳)

کہ ان کو ان کے خون اور زخموں کے ساتھ کپڑوں میں لپیٹ دو کیوں کہ کوئی زخم نہیں جو اللہ کے راستہ میں لگے مگر یہ کہ وہ قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گا کہ اس سے خون بہتا ہوگا جس کا رنگ تو خون والا ہوگا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

❷ روایت جابر ؓ: قال رمی رجل بسھم فی صدرہ او فی حلقہ فادرج فی ثیابہ کما ھو ونحن مع رسول

اللہ ﷺ۔ [۴]

کہ ایک شخص کے سینہ یا حلق میں تیر لگا اور وہ شہید ہو گیا بس اس کو انہی کپڑوں میں کفن دے دیا گیا اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

۳ عقلی دلیل۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون کہ جب شہداء زندہ ہیں تو پھر ان کو غسل دینے کے کیا معنی؟ غسل تو مردے کو دیا جاتا ہے۔

پہلے مذہب والوں کا جواب

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ وہ بحالت جنابت شہید ہوئے تھے۔ اور شہید اگر حالت جنابت میں ہو تو اس کو غسل دیا جاتا ہے۔

دوسری روایت حضرت حمزہؓ کو غسل دیا گیا سو یہ ان کی خصوصیت ہے جیسے کہ بار بار نماز پڑھنا یہ ان ہی کی خصوصیت تھی۔

عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ شہید کی شرافت و کرامت ان کے اپنے درجہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ احکامات میں۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شہید کے اوپر کے خون کو صاف نہیں کیا جائے گا تاکہ قیامت کے دن اللہ اہل قیامت کو دکھائے کہ ان کی فضیلت ہے دوسرے لوگوں پر اور ان کا خون مشک کی طرح مہکے گا تاکہ تمام اہل قیامت ان کی عظمت جان لیں۔ [۳]

امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام اوزاعیؒ، امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، ایک قول امام احمدؒ علماء اہل حجاز و شام اور فقہاء بصرہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا مگر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ایک قول امام احمدؒ و اسحاقؒ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جس طرح شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اسی طرح اس کی نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی۔ [۲]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

۱ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انہ علیہ السلام لم یصل علی قتلی احد۔ [۳]

۲ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان شھداء احد لم یغسلوا و دفنوا بدمائھم ولم یصل علیھم۔ [۴]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ حدیث عقبۃ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ ان النبی خرج یوما فصلی علی اھل صلاتہ علی المیت ثم انصرف۔[5]
یہ روایت بالکل آپ کی زندگی کے آخری ایام میں ہوئی ہے۔

❷ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یقول فقد رسول اللہ ﷺ حمزۃ حین قام الناس من القتال فقال رجل رایتہ عندلک الشجرات فجاء رسول اللہ ﷺ نحوہ فلما راٰہ و ارای مامثل بہ شھق وبکی فقال رجل من الانصار فرمی علیہ بثوب ثم جیئی بحمزۃ فصلی علیہ ثم جیئی بالشھداء فیوضعون الی جانب حمزۃ فصلی علیھم ثم یرفعون یترک حمرۃ حتی صلی علی الشھداء کلھم وقال ﷺ حمزۃ سید الشھداء عند اللہ یوم القیمۃ۔[6]

❸ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، فوضع النبی ﷺ حمرۃ و جیئی برجل من الانصار فوضع الی جنبہ فصلی علیہ فرفع الانصاری و ترک حمرۃ ثم جئی باُخر فوضع الی جنب حمزۃ فصلی علیہ ثم رفع و ترک حمزۃ حتی صلی علیہ یومئذ سبعین صلاۃ۔[7]

❹ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بحمزۃ وقد مثل بہ ولم یصل علی احد من اشھداء غیرہ حمزہ۔[8]

❺ حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چند طرق سے مروی ہے۔

طرق اول: عن اسماعیل بن عیاش عن عبدالملک بن ابی عتبۃ اوغیرہ عن الحکم بن عتبۃ عن مجاھد عن ابن عباس قال لما انصرف المشرکون عن قتلی ...... احد ثم قدم رسول اللہ ﷺ جمزۃ فکبر علیہ عشرا ثم جعل یجاء بالرجل فیوضع و حمزۃ مکانہ حتی صلی علیہ سبعین صلاۃ و کانت القتلی یومئذ سبعین۔[9]

طرق ثانی: عن یزید بن ابی زیاد عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال امر رسول اللہ ﷺ بحمزۃ یوم احد فھی للقبلۃ ثم کبر علیہ سبعا ثم جمع الیہ الشھداء حتی صلی علیہ سبعین صلاۃ۔[10]

طرق ثالث: عن ابن اسحاق حدثنی من لا اتھم عن مقسم مولی بنی عباس عن ابن عباس قال امر رسول اللہ ﷺ بحمزۃ فسجی ببردۃ ثم صلی وکبر سبع تکبیرات ثم اتی بالقتلی یوضعون الی حمزۃ یصلی علیھم وعلیہ معھم حتٰی صلی علیہ ثنتین وسبعین صلوۃ۔[11]

طرق رابع: عن عبدالعزیز بن عمران حدثنی افلح بن سعید عن محمد بن کعب عن ابن عباس قال امر رسول اللہ ﷺ بحمزۃ یوم احد الخ۔[12]

❻ حدیث عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ۔ ان رسول اللہ ﷺ امر یوم احد بحمزۃ فسجی ببردۃ ثم صلی علیہ فکبر

تسع تکبیرات ثم الی بالقتلی یصفون ویصلی علیھم وعلیہ معھم۔ [۱۳]

❺ روایت مرسل ابو مالک غفاری ﷺ قال کان قتلی احد یوتی بتسعۃ وعاشرھم حمزۃ فیصلی علیھم رسول اللہ ﷺ ثم یحملون ثم یوتی بتسعۃ فیصلی علیہ وحمزۃ مکانہ حتی صلی علیھم رسول اللہ ﷺ۔ [۱۴]

❻ حدیث شداد بن الھاد ﷺ۔ ان رجلا من الاعراب جاء الی النبی ﷺ فاٰمن بہ واتبعہ (فیہ) ثم کفنہ النبی ﷺ فی جبۃ النبی ﷺ ثم قدمہ فصلی علیہ الخ۔ [۱۵]

پہلے مذہب کے استدلال پر سوالات اور اس کے جوابات

پہلی روایت پر سوال اور اس کے جوابات

پہلی روایت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی تھی اس کے بارے میں دوسرے مذہب والے علامہ نوویؒ صاحب ابن حبان نے صحیح میں اور صاحب بیہقیؒ نے یہ سوال کیا ہے کہ یہاں پر صلاۃ سے مراد دعا ہے۔ [۱۶]

جواب اول: حدیث کے الفاظ میں صلوۃ علی المیت ہے اس سے دعا مراد لینا تاویل بعید ہے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ھذا عدول من المعنی الذی یتضمنہ ھذا اللفظ لاجل تمشیۃ۔ مذھبہ فی ذلک وھذا لیس بضار۔

جواب ثانی: ابن حبانؒ وغیرہ نے خود یہ قانون بیان کیا ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے یہ ابن حبانؒ نے بیان کیا ہے جہاں پر وہ صلوۃ فی الکعبہ کو بیان کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلوۃ فی الکعبہ کا ثبوت ہے اور ابن عباسؓ نفی کرتے ہیں تو اثبات مقدم ہوتا ہے۔ ھذا شئی یلزمنا فی شھداء احد فان ابن عباس وغیرہ رووا انہ علیہ السلام صلی علیھم وجابر روی انہ لم یصل علیھم۔

جواب ثالث: امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ممکن ہے کہ آپ نے دوسری مرتبہ بھی شہداء احد پر نماز پڑھی ہو یہ دوسری مرتبہ نماز کا پڑھنا شہداء احد کی خصوصیات میں سے ہے؟ [۱۷]

جواب رابع: امام طحاویؒ نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ غزوۂ احد میں آپ ﷺ بذات خود مریض تھے اس لئے آپ نے شہداء احد پر نماز نہیں پڑھائی صحابہ کو حکم دیا تھا کہ تم پڑھ لو۔ تو جن روایات میں شہداء احد پر نماز جنازہ کی نفی ہے اس کی یہ تاویل کی جائے گی [۱۸] اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں پر غسل کا ذکر آتا ہے وہاں فرمایا لم یغسلوا جمع کا صیغہ ہے کہ کسی نے بھی غسل نہیں دیا اور جہاں نماز کا ذکر ہے وہاں لم یصل مفرد کا صیغہ ہے کہ آپ نے انہیں نہیں پڑھائی باقی صحابہ نے پڑھی تھی۔ اگر کوئی بھی نہ پڑھتا تو جمع کا صیغہ استعمال ہوتا جیسے کہ غسل کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے۔

جواب خامس: ایک جواب یہ بھی دیا گیا کہ لم یصل علیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حضرت حمزہؓ کے سوا کسی پر

مستقل نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ بلکہ صورت یہ ہوتی تھی کہ حضرت حمزہ کا جنازہ رکھا رہتا تھا اور دوسرے شہداء کی میت لائی جاتی اور نماز جنازہ کے بعد حضرت حمزہؓ کی میت اسی جگہ رہتی اس دوسری میت کو پہلی میت کی جگہ پر لے آیا جاتا۔

جواب سادس: امام طحاویؒ نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ غزوۂ احد کے وقت نماز جنازہ پڑھنا واجب نہیں تھا بعد میں اس کا وجوب آیا۔ جب وجوب آیا تو آپ نے نماز جنازہ دوبارہ پڑھائی۔[19]

دوسری روایت پر سوال اور اس کا جواب

تیسری روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے صاحب تحفۃ الاحوذیؒ اور علامہ شوکانیؒ شیخ ذہبیؒ نے مختصر میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ابوحماد حنفیؒ یہ متروک ہے۔[20]

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ابوحماد کی اکثر اسماء الرجال والے توثیق بیان کرتے ہیں اس لئے ان کی روایت کو لیا جا سکتا ہے۔[21]

تیسری روایت پر سوال اور اس کا جواب

تیسری حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے اس پر دو اعتراض ہیں اول یہ کہ اس روایت میں عطاء بن السائبؒ سے حماد بن سلمہؒ روایت کرتے ہیں اور عطاء آخر زمانہ میں مختلط ہو گئے تھے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ شعبیؒ کا عبداللہ بن مسعودؓ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

جواب پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ شیخ عراقیؒ نے التقیید میں اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ حماد بن سلمہؒ نے عطاء بن السائبؒ سے جو روایات نقل کی ہیں وہ قبل الاختلاط کی ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شعبیؒ ثقہ ہی سے ارسال کرتے ہیں اس لئے ان کی مرسل بھی قبول ہے۔[22]

چوتھی روایت پر سوال اور اس کا جواب

چوتھی روایت انس بن مالکؓ کی تھی اس پر صاحب دار قطنی نے یہ اعتراض کیا کہ ولم یصل علی احد من الشھداء غیرہ یہ جملہ عثمان بن عمرؓ کے علاوہ کسی اور راوی نے نہیں کہا اور یہ راوی غیر محفوظ ہے۔

اس کا جواب علامہ ابن جوزیؒ نے یہ دیا کہ عثمان بن عمرؓ کی روایات، صحیحین میں موجود ہیں اور یہ ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کا متابع مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے۔

پانچویں روایت اور اس پر سوال اور جواب

پانچویں روایت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے اس پر یہ سوال ہے کہ اس روایت میں یزید بن ابی زیادؒ نا قابل احتجاج راوی ہے نیز متروک الحدیث ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سوال یزید بن ابی زیاد دمشقی کے بارے میں ہے اور یہاں مراد یزید بن ابی زیاد کوفی ہیں۔ جو قابل احتجاج ہیں۔ (۲۳)

دوسرا سوال یہ ہے کہ طرق ثالث میں ہے من لا اتھم عن مقم۔ من سے مراد حسن بن عمارہ ہے جو باجماع محدثین ضعیف اور مجہول ہے۔

اس کا جواب علامہ عینیؒ نے یہ دیا کہ ہم اس کو بطور حجت نہیں لیتے بلکہ کہ بطور استشہاد کے کہتے ہیں ویکفی فی الاستشھاد قول ابن اسحاق حدثنی من لا اتھم ولو کان متھما عندہ لم احدث عنہ۔ (۲۴)

چھٹی حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب

چھٹی حدیث عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے سال ہوئی ہے۔ اس لئے غزوہ احد کے وقت ان کی عمر دو سال کی ہوگی۔ دو سال میں کیسے روایت کر لی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ کی مرسل صحابی ہے جو بالاتفاق مقبول ہے۔ (۲۵)

ساتویں حدیث اور اس پر اعتراض اور جواب

ساتویں روایت ابو مالک غفاری رضی اللہ عنہ کی ہے اس پر اعتراض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ بن معینؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے لہٰذا ان کی مرسل قابل قبول ہے۔

آٹھویں حدیث اور اس پر سوال و جواب

آٹھویں حدیث شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس پر صاحب نیل الاوطار نے یہ سوال کیا ہے کہ یہ تابعی ہیں تو یہ روایت مرسل ہوگی۔ اس لئے قابل حجت نہیں ہے۔ (۲۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صاحب نیل الاوطار علامہ شوکانیؒ کو وہم ہوا یہ شداد بن الہادؓ صحابی ہیں تابعی نہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

صحابی شهد الخندق ومابعدها.....وله صحبة۔ (۴۷)

پہلے مذہب (یعنی احناف) والوں کے لئے وجوہ ترجیح

علامہ عینیؒ وغیرہ نے کئی وجوہات سے احناف کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔

❶ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت مثبت ہے اور جابر کی روایت بھی نفی ہے اور مثبت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔

❷ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے عن جابرؓ ان النبی ﷺ صلی علی حمزة ثم جیئی بالشهداء فوضعوا الی جنبه فصلی علیهم تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی تعارض آگیا تو کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

❸ مثبت روایات کی مقدار بہت زیادہ ہے اور منفی روایات صرف دو ہیں تو مثبت روایات جو زیادہ ہیں اس پر عمل کریں گے۔

❹ نماز جنازہ، فرض کفایہ ہے اگرچہ نص میں تعارض بھی ہے مگر یہ تعارض، کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی بخلاف شہید کے غسل کے کہ اس میں نص میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

❺ اگر شہداء پر نماز جنازہ نہیں ہوتا تو آپ ﷺ اس کو ضرور واضح فرمادیتے جیسے کہ شہداء کے غسل کو واضح فرمایا ہے۔

❻ شہداء احد کے علاوہ اور شہداء پر آپ کا نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔

❼ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آپ ﷺ نے شہداء پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تو صحابہ نے تو پڑھی ہے یہ ثبوت بھی ہمارے لئے کافی ہے۔

❽ احناف کا مذہب احوط فی الدین ہے آپ نے ایک دوسرے موقعہ یہ فرمایا من صلی علی میت فله قیراط اس میں شہید اور غیر شہید کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

❾ عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں صلی علیهم سے دعا مراد لینا یہ بعید..... ہے جب کہ دوسری روایت میں صلاته علی المیت کی تصریح موجود ہے۔

❿ امام طحاویؒ نے اولوالعزم دور نبوت کے صحابہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ عبادہ بن ابی اوفیؓ جنہوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں جب ان سے شہید کے نماز جنازہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا شہید پر نماز جنازہ لازم ہے۔

تلک عشرة کاملة۔

(۱) طحطاوی۔ (۲) المغنی ۲/۵۲۸،۵۲۹۔ (۳) نسائی، مسند احمد، بیہقی، کتاب الام للامام الشافعی۔ (۴) ابوداؤد۔
(۵) بذل المجہود ۴/۱۹۰، عرف الشذی ۱/۲۰۱ بدایۃ المجتہد ۱/۲۴۰ نیل الاوطار ۴/۴۶ عینی ۸/۱۵۲ باب الصلوة علی الشهید، المغنی ۲/۵۲۹، بدائع الصنائع ۱/۳۲۵، فتح الباری ۳/۱۷۰۔
(۶) بخاری ۱/۱۷۹ کتاب الجنائز (باب الصلاة علی الشهید) ترمذی، وابن ماجه ۱۰۹ (باب ماجاء فی الصلاة علی الشهداء ودفنهم)۔

(۷) بخاری ۱/۱۷۹ باب الصلاۃ علی الشہید، کتاب المغازی ۲/۵۷۸ (باب غزوہ احد) اس روایت کے تمام راوی مصری ہیں..... مسانید کہلاتی ہے۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی۔

(۸) مستدرک حاکم بحوالہ نیل الاوطار ۴/۴۶ ترک الصلوۃ علی الشہداء۔

(۹) مسند احمد بحوالہ نصب الرایہ ۲/۳۰۹ مصنف عبدالرزاق ۳/۵۴۶، ۵۴۷ باب الصلاۃ علی الشہید و غسلہ۔

(۱۰) ابوداؤد ۲/۴۴۷ باب فی الشہید معانی الاثار ۱/۲۴۲ باب الصلوۃ علی الشہداء، حاکم مستدرک۔

(۱۱) دارقطنی فی معرفۃ الصحابۃ ۳/۱۹۸ والطبرانی نصب الرایۃ ۲/۳۱۰۔

(۱۲) طحاوی ۱/۲۴۴ باب الصلاۃ علی الشہداء۔

(۱۳) سیرت ابن ہشام۔

(۱۴) دارقطنی ۴/۱۱۶، طبقات ابن سعد ۳/۱۴۔

(۱۵) طحاوی، ۱/۲۴۲ باب الصلوۃ علی الشہداء۔

(۱۶) طحاوی ۱/۲۴۲، ۲۴۳ باب الصلوۃ علی الشہداء وکذا ابوداؤد۔

(۱۷) نسائی ۱/۲۷۷ الصلاۃ علی الشہداء وطحاوی ۱/۲۴۴ باب الصلوۃ علی الشہداء۔

(۱۸) المجموع شرح المہذب ۵/۲۲۵ فرع فی مذاہب العلماء فی غسل الشہید۔

(۱۹) طحاوی ۱/۲۴۳ باب الصلوۃ علی الشہداء۔

(۲۰) طحاوی ۱/۲۴۳ باب الصلوۃ علی الشہداء۔

(۲۱) تحفۃ الاحوزی ۲/۱۴۷۔

(۲۲) دیکھیں خود قال حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں قال ابن عدی ما اری بحدیثہ باسا وکان احمد بن شعیب یثنی علیہ ثناء تاما وقال الاھرازی کان عطاء بن مسلم یوثقہ (یران الاعتدال ۴/۱۸ ارقم ۸۷۲۹)۔
ابوحاتم کہتے ہیں یہ قوی نہیں لیکن ان کی احادیث لکھی جاسکتی ہے۔
وقال البغوی کوفی صالح الحدیث۔

(۲۳) قال حافظ ذہبیؒ قال احمد العجلی مرسل الشعبی صحیح لایکاد یرسل الا صحیحا (تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۹، ۸۰ ترجمۃ الشعبی رقم ۷۶)۔

(۲۴) دیکھیں قال حافظ زیلعی وھو ممن یکتب حدیثہ علی عینہ وقد روی لہ مسلم مقرونا بغیرہ وروی لہ اصحاب السنن وقال علی بن عاصم قال لی شعبۃ ما ابالی اذا کتبت عن یزید بن ابی زیاد ان لا اکتب عن احد (میزان الاعتدال ۴/۴۲۳)۔
وقال ابوداؤد لا اعلم احد ترک حدیثہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ابن الجوزی کا وہم اور غلطی ہے کہ انہوں نے یزید کوفی اور یزید دمشقی میں فرق نہیں کیا۔

(۲۵) عمدۃ القاری۔ (۲۶) نیل الاوطار ۴/۴۷ ترک الصلوۃ علی الشہید۔

(۲۷) تقریب التہذیب ۴/۳۱۹ رقم، ۱۵۴۶/۸/۳۴۸ رقم ۳۳۔

٢٦٥

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ يُقْتَلُ فِي الْمعركة قَالَ لَا يُغَسَّلُ وَالَّذِيْ يُضْرَبُ فَيُتَحَامَلُ اِلٰى اَهْلِهٖ قَالَ يُغْسَلُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَاِذَا حُمِلَ اَيْضًا عَلٰى اَيْدِي الرِّجَالِ حَيًّا فَمَاتَ غُسِلَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں جو جنگ میں قتل کر دیا جائے مروی ہے فرمایا اسے غسل نہیں دیا جائے گا اور جسے مارا جائے اور وہاں سے اٹھا کر اس کے گھر لے آیا جائے اسے غسل دیا جائے گا امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اگر لوگ اسے زندہ اٹھا کر لے جائیں پھر مرجائے تو اسے غسل دیا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: يُقْتَلُ: قَتَلَهٗ(ن) قَتْلًا و تَقْتَالًا: مار ڈالنا (صفت) قاتل (جمع) قَاتِلُوْنَ و قَتَلَة و قُتَّال کہا جاتا ہے قَتَلَهٗ بِاَخِيْهِ یعنی اپنے بھائی کے انتقام میں قتل کیا قَتَلَ الخمر شراب میں پانی ملانا۔

اَلْمَعْرَكَة: اَلْمَعْرَكُ و اَلْمَعْرَكَة و اَلْمَعْرُكَة میدان جنگ جمع مَعَارِكَ۔

اهله: کنبہ رشتہ دار (جمع) اهلون و اهال و آهال و اهلات و آهلات اهل الرجل بیوی، اهل الامر حکام۔

تشریح

جنگ کے بعد انتقال ہو تو اب غسل دیا جائے گا

وَاِذَا حُمِلَ اَيْضًا عَلٰى اَيْدِي الرِّجَالِ حَيًّا فَمَاتَ غُسِلَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اگر لوگ اسے زندہ اٹھا کر لے جائیں پھر وہ مرجائے تو اسے غسل دیا جائے گا۔

یہ بات پہلے تفصیل سے گزر چکی کہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا۔ بالاتفاق، مگر ہاں اگر اس کی ابھی جان باقی تھی اور لوگ اس کو اٹھا کر گھر لے آئے تو اب غسل دیا جائے گا۔(۱)

حَيًّا۔ اس کی زندہ رہنے کی مدت کتنی ہے جس سے کہا جائے کہ شہید ایسا ہے کہ اس کو غسل دیا جائے۔ اس بارے میں امام ابویوسفؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت نماز کا گزر جائے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک دن رات گزر جائے۔ کہ اگر اس سے پہلے وہ مرجائے تو غسل نہیں ہوگا ورنہ ہوگا۔ اور اگر کوئی اتنی دیر زندہ رہا کہ اس نے امور آخرت کے بارے میں وصیت کی تو اب امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیوں کہ اس نے حصول

ثواب سے نفع اٹھایا ہے مگر امام محمدؒ اس کے غسل کے قائل نہیں ہیں۔

کیونکہ وصیت مردوں کے احکام میں سے ہے صدر شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے امور دنیا کی وصیت کی تو اب بالاجماع ارثثات ہوگا اور اس کو غسل دیا جائے گا۔

یہاں پر اصل قانون یہ ہے۔ کہ اگر اس نے کسی قسم کا بھی دنیاوی نفع اٹھایا تو وہ ارثثات کے حکم میں ہے۔ ارثثات کہتے ہیں جس کو میدان جنگ سے اٹھایا گیا ہو اس حالت میں کہ وہ زخمی تھا مگر ابھی جان باقی ہے۔ تو اب اس نے کسی قسم کا بھی کوئی دنیاوی فائدہ اٹھایا تو اب شہید حقیقی نہیں ہوگا اور اگر کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو اب شہید حقیقی کے معنی میں ہوگا اور اس کو غسل نہیں ہے بلکہ صرف نماز جنازہ پڑھا جائے گا۔

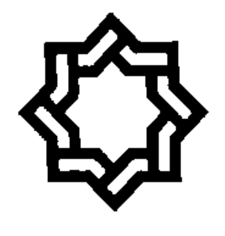
جیسے کہ شہداء احد کہ انہوں نے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا اور ان کے علاوہ حضرت عمرؓ اور علیؓ، سعد بن معاذؓ کہ یہ زخمی ہونے کے بعد کچھ زندہ رہے اور کچھ وقت ان پر گزرا اس لئے ان کو غسل دیا گیا۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے اپنی اس عبارت میں بیان کیا۔ (۲)

ومن ارتث غسل وھو من صار خلقا فی حکم شھادۃ لنیل مرافق الحیوۃ لان بذلک یخف اثر الظلم فلم یکن فی معنی شھداء احد۔ والارتثاث ان یاکل او یشرب او ینام او یداوی او ینقل من المعرکۃ ارثثات کے حکم کا ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ شہید نہیں ہے بلکہ وہ بھی شہید ہوگا مگر صرف اس کو غسل دیا جائے گا آخرت کے اعتبار سے اور یہ ارثثات والا بھی شہید کے حکم میں ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۱/۳۲۳ عمدۃ القاری ۳/۱۲۹ شامی ۱/۶۳۷ مبسوط سرخسی ۲/۵۱ قریب قریب یہ بات مالکی مذہب میں ہے دیکھیں مدونہ ۱/۱۶۵، شرح زرقانی، مؤطا مالک ۳/۳۲۰۔

(۲) ہدایہ، مبسوط سرخسی ۲/۵۱۔



۲۶۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَالِمُ الْاَفْطَسُ قَالَ مَامِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَیَهْرُبُ مِنْ قَوْمِهٖ اِلَی الْکَعْبَةِ یَعْبُدُ رَبَّهَا وَاِنَّ حَوْلَهَا الْقَبْرُ [1] ثَلَاثِمِائَةِ نَبِیٍّ﴾

"حضرت سالم الافطس رحمہ اللہ نے فرمایا کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ وہ اپنی قوم سے بھاگ کر کعبہ کی جانب آتا ہے۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہے۔ اور کعبہ کے ارد گرد تین سونبیوں کی قبریں ہیں۔"

لغات: یھرب: ھَرَبَ (ن) ھَرَبًا وھُرُوْبًا ومَھْرَبًا وھَرَبَانًا: بھاگنا ـــــ فی مشیہ تیز چلنا (ہفت اقسام میں صحیح ہے)۔
یَعْبُدُ: عَبَدَ (ن) عِبَادَةً وعُبُودَةً وعُبُوْدِیَّةً ومَعْبَدًا ومَعْبَدَةً اَللّٰہ ایک جاننا، خدمت کرنا۔ ذلیل ہونا۔ خضوع کرنا۔ پرستش کرنا۔

۲۶۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ قَبْرُ هُوْدٍ وَصَالِحٍ وَشُعَیْبٍ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

"حضرت عطاء بن سائبؒ نے فرمایا حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قبریں مسجد حرام میں ہیں۔"

لغات: قَبْرٌ: مصدر انسان کے دفن کرنے کی جگہ۔ (جمع) قُبُور۔

تشریح

مسجد حرام میں متعدد انبیاء کی قبریں ہیں

قَبْرُ هُوْدٍ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ اس بارے میں مورخین کا آپس میں اختلاف ہے۔
پہلی روایت، اسی موجودہ اثر بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر مسجد حرام میں ہے۔ جب کے بعض کا دعوی یہ ہے کہ قوم عاد کے ہلاک ہونے کے بعد حضرت ہود علیہ السلام حضر موت ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ ان کی وفات وہاں ہوئی یعنی حضر موت کے مشرقی حصہ میں شہر تریح سے قریبًا دو مرحلے کے فاصلہ پر ہوئی وہاں ہی ان کی قبر ہے۔ عامر بن واثلہؓ

کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا یقول لرجل من حضرموت ھل رایت کثیبا احمر یخالطہ مدرۃ حمراء و سدر کثیر بناحیۃ کذا و کذا قال واللہ یا امیر المؤمنین انک لنعتہٗ نعت رجل قد راہ قال لا ولکن حدثت عنہ قال الحضرمی وماشانہ یا امیر المؤمنین قال فیہ قبر ھود علیہ السلام۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر حضرموت میں سرخ ٹیلہ پر ہے اور ان کے سرہانے جھاڑ کا درخت ہے۔ اہل فلسطین کا دعوی یہ ہے کہ وہ فلسطین میں مدفون ہیں وہاں انہوں نے ایک قبر بھی بنا رکھی ہے جس پر ہر سال عرس بھی کرتے ہیں۔

مختلف مورخین نے اپنے اپنے اعتبار سے ترجیح دی ہے مگر صاحب قصص القرآن ان روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان تمام روایات میں سے حضرموت کی روایت صحیح اور معقول معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ عاد کی بستیاں حضرموت سے قریب ہی تھیں لہذا قرینہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی تباہی کے بعد قریب ہی کی آبادیوں میں حضرت ہود علیہ السلام نے قیام فرمایا ہو گا اور وہیں پیغام اجل کو لبیک کہا ہو گا اور وہ ہی حضرموت کا مقام ہے۔[1]

حضرت صالح علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

اس بارے میں بھی چند اقوال ہیں۔ مثلاً

1. فلسطین کے علاقہ رملہ میں انتقال ہوا۔
2. حضرموت میں ایک قبر ان کے نام سے مشہور ہے۔
3. مکہ معظمہ میں کعبہ سے غربی جانب حرم میں ہے۔

تیسرے قول کو علامہ آلوسی صاحب روح المعانی میں ترجیح دیتے ہیں۔[2]

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

ان کی قبر کے بارے میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ فرماتے ہیں۔

1. حضرموت میں ایک قبر حضرت شعیب علیہ السلام کے نام سے زیارت گاہ عام و خاص ہے وہاں کے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ شعیب علیہ السلام کی قبر ہے۔
2. ان کی قبر مدین میں بھی ہے۔
3. حضرموت کے شہر شینون کے مغربی جانب میں ایک مقام جس کو شبام کہتے ہیں وہاں ہے کوئی وادی ابن علی کی طرف چلے تو شمال کے جانب ان کی قبر ہے۔

❹ مسجد حرام میں ہے

حضرت سالم الافطس کے مختصر حالات: ان کا پورا نام سالم بن عجلان الافطسؒ الاموی مولی محمد بن مروان ابو محمد الجزری الحرانی ہے۔ یہ بخاری۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: سعید بن جبیرؒ، زہریؒ، نافع مولی ابن عمرؓ، ہانی بن قیسؒ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ، وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: عمرو بن عمرۃؒ، سفیان ثوریؒ، لیثؒ، مروان بن شجاعؒ، ان کے بیٹے عمر بن سالمؒ وغیرہ ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ثقۃ وھو اثبت من خصیف، یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں صالح، ابوحاتمؒ فرماتے ہیں صدوق، حاکمؒ، عجلیؒ، دار قطنیؒ فرماتے ہیں، ثقۃ نسائیؒ فرماتے ہی لیس بہ باس۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۳/۴۴۱، میزان الاعتدال ۱/۲۶۸۔

عطاء بن السائبؒ کے مختصر حالات: ان کو زید یا زید الثقفی یا کبھی ابوزید یا ابویزید یا ابو محمد کوفی کہا جاتا ہے۔

اساتذہ: اپنے والد سے انسؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ، عمرو بن حریثؓ المخزومی، سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، ابوظبیان، ابراہیم النخعیؒ، حسن بصریؒ، سالم البرادؒ، سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیؒ، شعبیؒ، عبداللہ بن مسلمۃ الاسدیؒ۔ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

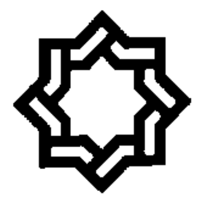
تلامذہ: اسمٰعیل بن ابی خالدؒ، سلیمان التیمیؒ الاعمشؒ، ابن جریجؒ۔ الحمادانؒ، سفیانانؒ۔ شعبۃؒ۔ زائدہؒ و مسعرؒ۔ ابن عتیبہؒ، جریرؒ۔ شریکؒ۔ ھشیم محمد بن فضیلؒ۔ قطانؒ۔ علی بن عاصمؒ۔ وغیرہ ہیں۔

عبداللہ بن احمدؒ اپنے باپ سے ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ثقۃ ثقۃ رجل صالح۔ عجلیؒ فرماتے ہیں کان شیخا ثقۃ امام نسائیؒ فرماتے ہیں ثقۃ فی حدیثہ القدیم۔

وفات: ان کا انتقال ۱۳۶ھ میں ہوا۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب دیکھیں۔

(۱) دوسری احادیث میں لفظ قبور جمع کا صیغہ ہے اور یہی زیادہ اچھا ہے۔
(۱) قصص القرآن حصہ اول ۱۱۹۔
(۲) قصص القرآن ۱۴۱۔



۲٦٨

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا زياد بن علاقة عن عبد الله بن الحارث عن ابي موسى الاشعري رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ فناء امتي بالطعن والطاعون قيل يا رسول الله الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال وخز اعدائكم من الجن وفي كل شهداء

"حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کی تباہی نیزہ بازی اور طاعون سے ہوگی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ نیزہ بازی کو ہم جانتے ہیں۔ طاعون کیا ہے۔ فرمایا تمہارے دشمن جنوں کا چبھونا (کچوکا لگانا) اور ہر ایک صورت میں شہید شمار ہوگے۔"

لغات: فَناء: فَنِيَ وفَنَى يَفْنَى فَنَاءً: معدوم ہونا۔ —— الرَجُلُ بہت بوڑھا ہونا۔ کہا جاتا ہے صار شَيْخًا فانِيًا (ہفت اقسام میں ناقص ہے)۔

بالطَّعْنِ: طَعَنَهُ (ف ن) طَعْنًا نیزہ مارنا اور چبھونا —— فِي المفازةِ جانا —— في السِّنِّ بوڑھا ہونا۔

الطاعُون: پلیگ۔ وَبَاء کی موت (جمع) طَوَاعِين وَخَزَو خَزَهُ يَخِزُهُ وَخْزًا چبھونا (ہفت اقسام میں مثال ہے)۔

الجن: جن پری دیوی۔

تشریح

طاعون کی تعریف

❶ وباء اور ہر مرض عام کو طاعون کہتے ہیں۔

❷ یا جنوں کی طرف سے حملہ کی وجہ سے جو آفت آتی ہے اس کو طاعون کہتے ہیں۔

❸ یا یہ ایک ایسی بیماری ہوتی ہے جس میں بغلوں، انگلیوں اور جسم کے دوسرے حصوں میں زخم پڑ جاتے ہیں سخت سوزش ہوتی ہے۔ اس کے اردگرد حصہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔

طاعون میں مرنے والے کی فضیلت

اور طاعون میں مرنے والے کو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ یہ مضمون کتنی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ مثلاً:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹ کی تکلیف میں مرنے والا شہید ہے اور اسی طرح طاعون میں مرنے والا شہید ہے۔ (۱)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت حفصہ بنت سیرین کہتی ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک نے پوچھا کہ یحیٰ (حضرت حفصہ کا بھائی) کا انتقال کس طرح ہوا۔ تو میں نے کہا کہ طاعون سے تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون شہادت ہے ہر مسلمان کے لئے۔ (۲)

معلوم ہوا کہ حقیقی شہید تو وہ ہے جو میدان جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں مارا جائے اس کے علاوہ اور بھی شہید ہیں جن کو شہید حکمی کہا جاتا ہے ان میں سے طاعون میں انتقال کرنے والا بھی ہے۔ (۳)

حضرت زیادہ بن علاقہؒ کے مختصر حالات: ان کا نام ابن مالک الثعلبی ابومالک الکوفی ہے۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: اسامۃ بن شریکؓ، جریر بن عبداللہؓ، جابر بن سمرۃؓ، مغیرہ بن شعبۃؓ، عمار بن رویبہؓ، عمرو بن میمونؒ۔

تلامذہ: سفیانانؒ، الاعمشؒ، سماک بن حربؒ، زائدۃؒ، مسعرؒ، وزھیر بن معاویہؒ، اسرائیلؒ، زید بن ابی انیسہؒ، شعبۃؒ، شیبانؒ، المسعودیؒ ابوالاحوصؒ، شریکؒ، ابوحمزۃؒ، ابوعوانہؒ وغیرہ ہیں۔

عجلیؒ یعقوب بن سفیانؒ، یحیٰی بن معینؒ، نسائیؒ، وغیرہ نے فرمایا ثقہ، ابوحاتمؒ فرماتے ہیں صدوق الحدیث ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

وفات: ۱۵۳ھ میں ہوئی۔

مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ تہذیب التہذیب ۳/۳۸۰۔

حضرت عبداللہ بن الحارثؒ کے مختصر حالات: بعض کہتے ہیں اس سے مراد عبداللہ بن الحارث الانصاری ابوالولید البصری ہیں جو صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: آپ ﷺ سے بھی یہ مرسلا روایت نقل کرتے ہیں۔ ابوہریرۃؓ۔ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، زید بن ارقمؓ، انسؓ، عائشہؓ، افلحؓ مولی ابی ایوب وغیرہ۔

تلامذہ: عبدالحمیدؒ، عاصم الاحولؒ، ایوب سختیانیؒ، خالد الحذاءؒ، المنہال بن عمروؒ وغیرہ ہیں۔

ان کے بارے میں ابوزرعہؒ، نسائی وغیرہ نے کہا ہے ثقہ۔ اور ان کو ابن حبان نے بھی ثقہ کہا ہے نیز ابن سعید فرماتے ہیں قلیل الحدیث۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۵/۱۱۸۔

عبداللہ بن الحارث کے مختصر حالات: عبداللہ بن الحارث الزبیری البغوانی الکوفی ہیں۔ یہ سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

تلامذہ: عمرو بن مرۃ۔ سعید بن عطاء الاعرج۔ ابوسفیان ضرار بن مرۃ۔ مغیرۃ بن عبداللہ الشکوی وغیرہ ہیں۔

ابن حبان وغیرہ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

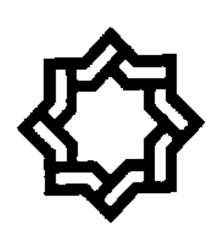
مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۱/۴۹ وغیرہ میں دیکھیں۔

حضرت موسیٰ الاشعری کے حالات باب صلوۃ من خاف النفاق میں گزر چکے ہیں۔

(۱) مشکوۃ باب عیادۃ المریض وثواب المرض۔

(۲) الطب النبوی ۲۹۔

(۳) امام محمد نے اپنی موطا میں باب مایکون فی الموت شہادۃ کا عنوان قائم کیا ہے اس میں کتنی قسم کے شہید حکمی کو بیان کیا ہے اس کے حاشیہ میں مولانا عبد الحئی لکھنوی نے شہادۃ کی ۴۵ اقسام کو بیان کیا ہے ۱۶۰۔



باب زیارۃ القبور

قبروں کی زیارت کا بیان

۲۶۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ الْاَسْلَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ نَهَیْنَاکُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هِجْرًا فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ فِیْ زِیَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ وَعَنْ لَحْمِ الْاَضَاحِیْ اَنْ تُمْسِکُوْهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ فَامْسِکُوْهُ مَابَدَالَکُمْ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّا اِنَّمَا نَهَیْنَاکُمْ لِیَتَّسِعَ مُوْسِعُکُمْ عَلٰی فَقِیْرِکُمْ وَعَنِ النَّبِیْذِ فِی الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَانْتَبِذُوْا فِیْ کُلِّ ظَرْفٍ فَاِنَّ ظَرْفًا لَا یَحِلُّ شَیْئًا وَّلَا یُحَرِّمُهٗ وَلَا تَشْرَبُوا الْمُسْکِرَ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا کُلِّهٖ نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِزِیَارَةِ الْقُبُوْرِ لِلدُّعَاءِ لِلْمَیِّتِ وَلِذِکْرِ الْاٰخِرَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کر لیا کرو اور بری بات منہ سے مت نکالو، اس لئے کہ محمد ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے، اور ہم نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت روکنے سے منع کیا تھا اب جب تک چاہو روک سکتے ہو اور توشہ بنا سکتے ہو اس لئے کہ ہم نے تمہیں اس وجہ سے منع کیا تھا تاکہ تمہارے مال دار فقراء پر وسعت کریں اور ہم نے کدو، سبز مٹکے اور رخت رومی لگے ہوئے برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا اب تم ہر برتن میں نبیذ بنا سکتے ہو اس لئے کہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام لیکن نہ پیو نشہ آور چیز کو امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس سب کو اختیار کرتے ہیں۔ مردوں کے لئے دعا اور آخرت یاد کرنے کے لئے زیارت قبور میں کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔"

لغات: هُجْرًا: قبیح گفتگو۔ فحش گوئی۔ اہجار کا اسم۔

اذن: اَذِنَ(س) اِذْنًا و اَذِيْنًا۔ لہ فی لشیء اجازت دینا۔ مباح کرنا۔ (ہفت اقسام میں مہموز الفاء ہے)۔
لحم: اَللَّحَمُ و اللحم من جسم الحیوان گوشت۔ (جمع) لِحَام و لُحُوم و لِحْمَان و لُحْمَان و اَلْحُمْ۔

تشریح

مردوں کا قبرستان جانا

اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

ان میں سب سے پہلی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ قال نھینا کم عن زیارۃ القبور فزوروھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کرلیا کرو۔ اس بارے میں تین مذہب ہیں۔

❶ مردوں کے لئے زیارت قبور کرنا مستحب ہے۔ یہ مذہب جمہور صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ کا ہے۔[1]
❷ مردوں کے لئے زیارت قبور کرنا مکروہ ہے یہ مذہب ابن سیرینؒ، ابراہیم نخعیؒ شعبیؒ وغیرہ کا ہے۔
❸ واجب ہے یہ مذہب ابن حزمؒ کا ہے۔[2]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

یہ لوگ متعدد احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

❶ حدیث سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ قد کنت نھینکم عن زیارۃ القبور و قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فزوروھا فانھا تذکر الاخرۃ۔[3]
کہ شروع اسلام میں آپ ﷺ نے زیارت قبور کو منع فرمایا تھا مگر جب مسلمانوں کے عقائد پختہ ہو گئے تو اجازت اسے دی گئی۔

❷ حدیث بریدۃ قال کان النبی ﷺ یعلمھم اذا خرجوا الی المقابر السلام علیکم۔[4]
❸ حدیث عائشہ ان النبی ﷺ رخص فی زیارۃ القبور۔[5]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

یہ حضرات جن روایات میں منع کیا گیا ہے ان روایات سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس سے کم از کم

کراہت ثابت ہوتی ہے۔

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

مسلم وغیرہ کی روایت جن میں "فزوروھا" کے الفاظ آئے ہیں یہ امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے اگرچہ زندگی میں ایک ہی بار کی جائے۔

دوسرے مذہب والوں کا جواب

اس کے بارے میں علامہ بدرالدین عینیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہ نے جواب دیا کہ ممکن ہے کہ ان احباب کو وہ روایت نہیں پہنچی ہو جس میں نہی کے بعد اباحت کا حکم دیا گیا ہے کہ اباحت والی روایت نے نہی والی روایات کو منسوخ کر دیا ہے۔[۶]

تیسرے مذہب والوں کا جواب

جمہور علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اصول کی کتابوں میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ امر بعد النہی یہ وجوب کے لئے نہیں آتا بلکہ اباحت کے لئے ہوتا ہے اس لئے زیارت قبور مستحب ہوگی۔[۷]

زیارت قبور کے بارے میں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانۂ اقدس سے لے کر آج تک اُمت کا اس پر عمل جاری ہے اس سے دل نرم ہوتا ہے موت کی یاد آتی ہے دنیا سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مردوں کے لئے دعا و استغفار کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور بھی بہت سے فوائد ہیں مہینہ میں ایک بار قبرستان جانا مستحب ہے۔

دن کوئی بھی ہو اگر جمعہ، ہفتہ یا پیر یا جمعرات ہو تو بہتر ہے۔

کیا عورتوں کو بھی زیارت قبور کے لئے جانا جائز ہے

علماء متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا عموماً اس بارے میں تین مذاہب ملتے ہیں۔

❶ ناجائز ہے عدم جواز کے قائل ہیں۔

❷ کراہیت ہے جمہور علماء کے نزدیک۔

❸ احناف کی اس میں تین روایات ہیں ① عدم جواز ② عدم کراہیت ③ بوڑھی عورتوں کو اجازت ہے جوانوں کے لئے مکروہ ہے۔[۳]

④ اگر محرم ہو اور رات کے وقت حاضر نہ ہو تو زیارت قبر کر سکتی ہے۔

عدم جواز والوں کا استدلال

روایت ابو ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ لعن زوارات القبور۔ (۱۱)

جواز والوں کے دلائل

① قد کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور وقد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہٖ فزوروھا فانھا تذکر الاخرۃ۔ (۱۲)

② روایت علی ان فاطمہ بنت النبی ﷺ کانت تزو قبر عمھا حمزۃ کل جمعۃ فتصلی وتبکی عندہ۔ (۱۳)

③ روایت عائشہؓ جب حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا کیف اقول لھم یارسول اللہ؟ (تعنی اذا زارت القبور) قال قولی السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون۔ (۱۴)

④ روایت انس قال مر النبی ﷺ بامراۃ تبکی عند قبر فقال اتقی اللہ واصبری قالت الیک عنی (ای تنح عنی وابعد) فانک لم تصب بمصیبتی ولم تعرفہ فقیل لھا انہ النبی ﷺ فاتت باب النبی ﷺ فلم تجد عندہ بوابین فقالت لم اعرفک قال انما الصبر عند الصدمۃ الالی)۔ (۱۵)

احناف کی کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے

① فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا باس بزیارۃ القبور وھو قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی وظاھر قول محمد یقتضی الجواز للنساء ایضا لانہ لم یخص الرجال۔ (۱۶)

② مبسوط سرخسی میں ہے والاصح عندنا ان الرخصۃ ثابتۃ فی حق الرجال والنساء جمیعا۔ (۱۷)

چوتھے مذہب والوں کا استدلال

جب حضرت عائشہؓ کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہؓ بعد میں ان کی قبر پر گئیں اور فرمایا کہ شھد تک ما زرتک کہ اگر موت کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو تمہاری قبر پر نہ آتی۔

پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

① جن روایات میں عدم جواز کو بیان کیا گیا ہے وہ روایات جمہور کے نزدیک منسوخ ہیں، جس کی تصریح حضرت

عائشہؓ کی روایت میں موجود ہے امام غزالیؒ وعلامہ شامیؒ فرماتے ہیں کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الخ زیارت قبر عام ہے خواہ اپنی بستی کی ہو یا دوسرے بستی کی سب کا جواز معلوم ہوتا ہے۔(۱۸)

چوتھے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے اس جملہ لو شھدتک مازرتک کا مطلب یہ ہے کہ اگر آخری وقت میں تم سے ملاقات کرلیتی تو اب تمہاری قبر پر آنے کا مجھے اتنا اشتیاق وشوق نہ ہوتا اگرچہ آنا اس وقت جائز ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ زیارت قبور کو ناجائز سمجھتیں تو شدت شوق کے باوجود اپنے بھائی کی قبر پر نہ آتیں۔

قول فیصل احناف کے نزدیک

حضرت انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ احوال کے اختلاف سے حکم بدل جاتا ہے اگرچہ احناف کے نزدیک جائز ہے مگر بے صبری یا بے پردگی یا مردوں کے اختلاط یا بدعات یا اور کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ ہو تو اب ممانعت ہوجائے گی۔
(۱۹)

مگر جب کہ ہمارے زمانہ میں نئی نئی بدعات جنم لے رہی ہیں اور قبر پر کئی قسم کی رسومات بدعات یہاں تک کہ شرک کا ظہور ہورہا ہے اس لئے ہمارے زمانے کے علماء عورتوں کو قبر پر جانے سے سختی سے منع فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے طحاوی میں ہے کہ قاضی سے عورتوں کے قبرستان جانے کا فتویٰ لیا گیا تو فرمایا جانے کا سوال کیا ہے یہ سوال کرو کہ ان پر کتنی لعنت برسے گی جب عورت قبرستان کی طرف جاتی ہے تو ہر طرف شیاطین اس کو لپیٹیں گے اور جب قبر پر آئے گی تو میت کی روح اس پر لعنت کرے گی اور جب لوٹے گی تو اللہ کی لعنت ہوگی۔

آپ ﷺ کے والدین کا انتقال کس حالت میں ہوا

دوسرا مسئلہ: اس حدیث میں یہ ہے کہ فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ فِیْ زِیَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ۔
آپ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔
اس بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ مثلاً:

❶ حدیث ابو ہریرۃ انہ علیہ السلام زار قبر اُمہ فبکیٰ وابکی من حولہ فقال استاذنت ربی فی ان استغفر لھا

فلم یوذن لی۔[۲۰]

امام جزریؒ نے اس پر یہ بات بھی فرمائی ہے کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ماکان للنبی والذین آمنو ان یستغفرو اللمشرکین ولو کانوا اولی قربی۔

❷ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ کسی سائل نے سوال کیا اس بارے میں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان ابی و اباک فی النار۔

اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔

دوسری طرف حافظ ابن حجرؒ، حافظ بن ناصر الدینؒ، امام القرطبیؒ وغیرہ نے بھی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین آپ ﷺ کی حیات میں زندہ ہوئے اور پھر ایمان لائے پھر دوبارہ انتقال ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کا انتقال حالت ایمان میں ہوا۔

ناصر الدین الدمشقی فرماتے ہیں ؎

حیا اللّٰہ النبی مزید فضل　　علی فضل فکان بہ رءوفا
فاحیا امہ وکذا اباہ　　لا یمان بہ فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بہ قدیر　　وان کان الحدیث بہ ضعیفا

جواب

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہم مان لیں کہ آپ ﷺ کے والدین کا انتقال حالت کفر میں ہوا تب بھی ان کا انتقال فترت کے زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں لوگوں کو دعوت نہیں پہنچی تھی اور عذاب بغیر دعوت کے نہیں ہوگا کما قال اللّٰہ عزوجل وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ جن روایات میں نار کا تذکرہ آتا ہے اس سے مراد قرآن کی یہ آیت ہے وان منکم الا واردھا کہ جہنم پر سے ہر ایک کو گزرنا ہے خواہ کافر ہو یا مؤمن۔ اس میں آپ کے والدین کا حالت کفر میں ہونے پر استدلال نہیں کرسکتے۔

علامہ جزریؒ نے جو کہا ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا الخ اس بارے میں جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب کے بارے میں ہے علماء فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں الاحوط الاسلم فیھا کف اللسان عن ھذہ المسئلہ کہ اس بارے میں احتیاط یہ ہے کہ آدمی خاموش رہے۔[۲۱]

کیا قربانی کا گوشت تین دن تک کھانا جائز ہے؟

تیسرا مسئلہ: اس حدیث میں یہ ہے کہ وَعَنْ لَحْمِ الْاَضَاحِیْ اَنْ تُمْسِکُوْہُ فَوْقَ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ فَاَمْسِکُوْہُ مَابَدَالَکُمْ وَتَزَوَّدُوْا الخ تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو روکنے سے منع کیا تھا اب جب تک چاہو روک سکتے ہو اور توشہ بنا سکتے ہو۔

اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں اس کی خود علت بیان کی گئی ہے کہ جب شروع میں مدینہ میں مسلمان آئے تو چند کے سواء سب ہی غریب تھے تو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جن لوگوں نے قربانی کے جانور ذبح کئے ہیں وہ غریبوں میں اس کا گوشت تقسیم کردیں اور اپنے پاس نہ رکھیں مگر جب مسلمانوں پر آگئی تو اس حکم کو شریعت نے منسوخ کردیا

جن برتنوں میں شراب بنائی ہے کیا ان میں پانی پی سکتے ہیں؟

چوتھا مسئلہ: اس حدیث میں یہ ہے کہ عَنِ النَّبِیْذِ فِی الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَانْتَبِذُوْا فِیْ کُلِّ ظَرْفٍ فَاِنَّ ظَرْفًا لَا یَحِلُّ شَیْئًا وَلَا یُحَرِّمُہٗ وَلَا تَشْرَبُوْا الْمُسْکِرَ۔

تم کو دباء، حنتم، مزفت، برتن میں نبیذ بنانے کو منع کیا گیا تھا مگر اب تم ہر برتن میں نبیذ بنا سکتے ہو۔ اس لئے کہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام لیکن نشہ آور چیز کو نہ پیو۔

اس حدیث میں تین قسم کے برتن میں نبیذ بنانے کو منع کیا گیا تھا۔ وہ تین برتن یہ ہیں۔

❶ "الدباء" کدو کو اندر سے کرید کر جو برتن بنایا جاتا تھا اس کو کہتے ہیں۔

❷ "الحنتم" رنگ دار گھڑا یا روغنی مرتبان، خواہ کسی بھی رنگ کا ہو بعض اہل لغت نے سبز رنگ کا کہا تھا مگر اس تخصیص کی ضرورت نہیں ممکن ہے کہ اس زمانے میں لوگ سبز رنگ استعمال کرتے تھے اس لئے یہ سبز رنگ کی تخصیص کردی گئی۔

❸ "المزفت" بعض روایت میں اس کو "النقیر" بھی کہا گیا ہے۔ یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس پر روغن زفت یا روغن قار ملا ہوا ہو یہ روغن شیشوں پر ملا جاتا تھا زمانہ جاہلیت میں شراب کے برتنوں میں بھی اس کو ملتے تھے۔ (۲۳)

علماء فرماتے ہیں کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع اس کی علامت ہے۔

❶ کہ ان کے ذہنوں میں شراب کی نفرت بٹھانا مقصود تھی کہ شراب کے برتن کو بھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

❷ بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی ممکن ہے کہ شراب اس برتن میں سرایت بھی کر گئی ہو اس لئے اس کے استعمال سے منع کر دیا گیا۔

❸ منع کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان برتنوں کو دیکھ کر وہی پرانا زمانہ یاد نہ آجائے۔ تو پھر دل شراب پینے کو چاہنے لگے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو بہانہ نہ بنالیں شراب پینے کے لئے کہ دوبارہ اس میں شراب رکھ کر نہ پینے لگ جائیں۔

اب ان برتنوں میں حکم باقی ہے یا ختم ہو گیا؟

اس بارے میں امام مالکؒ، امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ نہی اب بھی باقی ہے یہ استدلال کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ سے جو دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حکم ابھی منسوخ نہیں ہوا اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ، اور جمہور علماء فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ حکم اب منسوخ ہو گیا(۲) دلیل یہ پیش کرتے ہیں نہیتکم عن النبیذ الافی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلھا ولا تشربوا مسکرًا۔ (۲۴)

(نوٹ) علقمۃ بن مرثدؒ کے حالات باب فضل الجماعۃ و رکعتی الفجر میں گذر چکے ہیں۔

حضرت ابن بریدۃ الاسلمیؒ کے مختصر حالات: ان کا نام سلیمان بن بریدۃ بن الحصیب الاسلمی المروزی ہے یہ سنن اربعہ اور مسلم کے راوی ہیں۔

اساتذہ: اپنے والد سے عمران بن حصینؓ۔ عائشہؓ۔ یحیٰی بن یعمرؒ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

تلامذہ: علقمہ بن مرثدؒ، محارب بن دثارؒ، عبداللہ بن عطاءؒ، قاسم بن مخیمرۃؒ، محمد بن جحادۃؒ، ابوسنانؒ، ضرار بن مرۃؒ، محمد بن عبدالرحمنؒ وغیرہ ہیں۔ یحیٰی بن معینؒ، ابوحاتمؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ابوحبانؒ نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔

وفات: ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ مزید حالات کے لئے ۴/ ۱۷۴

حضرت ابیہ کے مختصر حالات: ان کا نام بریدۃ بن الحصیب ابن عبداللہ بن الحارث الاسلمی ابوعبداللہؓ ہے کنیت ابوعبداللہؓ یہ بدر سے پہلے مسلمان ہوئے مگر بدر میں شریک نہیں ہوئے۔

خیبر، بیعت الرضوان اور فتح مکہ وغیرہ میں انہوں نے شرکت فرمائی۔ تقریبًا سولہ غزوات میں شرکت کی۔ آپ ﷺ نے آخری مرتبہ حضرت اسامہؓ کی زیر نگرانی روانہ فرمایا تھا ان میں یہ بھی تھے۔ (طبقات ابن سعد ۱۳۶) آپ ﷺ کی وفات کے بعد بصرہ منتقل ہو گئے۔

تلامذہ: عبداللہ وسلمانؒ، عبداللہ بن اوس الخزاعیؒ والشعبیؒ، الملیح بن اسامۃؒ وغیرہ۔ آپ کے ساتھ سفر حضر میں ساتھ رہتے تھے اور آپ سے بہت زیادہ بے تکلفانہ ملتے تھے۔ بہت سی احادیث یاد کی ہوئی تھیں۔ ان کی روایات کا شمار ۱۶۴ ہے ایک بخاری اور مسلم دونوں

میں ہے دو میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔

وفات: یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۶۳ میں ہوا۔

مزید حالات کے لئے اسد الغابہ ۲/۱۷۵ استیعاب ۱/۶۹ طبقات ابن سعد ۸/۱۷ مسند احمد ۵/۳۵۳، اصابہ ۱/۱۵۱ تہذیب الکمال ۷/۴، تہذیب التہذیب ۱/۴۳۳۔

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۱/۳۱۴ بدائع الصنائع ۱/۳۲۰ بحر الرائق ۲/۱۹۵ شامی ۱/۶۳۰۔

(۲) فتح الباری ۳/۱۴۸ و نیل الاوطار ۴/۱۱۸۔۱۱۷۔

(۳) مسلم ۱/۳۱۴ فصل فی الذھاب الی زیارۃ القبور۔ نسائی ۲۸۵ باب زیارۃ القبور۔

(۴) مسلم۔

(۵) (ابن ماجہ) نوٹ (علامہ عینی نے بہت وضاحت کی ہے فراجعہ ان شئت التفصیل)۔

(۶) عمدۃ القاری۔ بذل المجھود۔

(۷) (کمافی کتب اصول الفقہ۔ فتح الباری ۳/۱۴۸ باب زیارۃ القبور و نیل الاوطار ۴/۱۱۷، ۱۱۸ باب استحباب زیارۃ القبور للرجال دون النساء۔

(۸) (فتح الملہم ۲/۵۱۲، وکذا قال در المختار وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندبۃ علی ماجرت بہ عادتہن فلا تجوز۔

(۹) (فتاوی عالمگیری ۵/۳۵)۔

(۱۰) الکوکب الدری ۱/۳۲۰ مذھب کی وضاحت کے لئے دیکھیں المغنی ۲/۵۷۰ والفقہ الاسلامی وادلتہ، ۲/۵۳۹ المجموع شرح المھذب ۵/۳۰۹ ویستحب للرجال زیارۃ القبور۔

(۱۱) ترمذی و ابن ماجہ ۱۱۳ باب ماجاء فی النھی من زیارۃ النساء للقبور۔

(۱۲) مسلم ۱/۳۱۴ فصل فی الذھاب الی زیارۃ القبور والنساء فی سنۃ ۱/۲۸۵ زیارۃ القبور۔

(۱۳) تلخیص الحبیر ۲/۱۳۷ قال علامہ ذہبی سلیمان ضیف۔

(۱۴) مسلم ۱/۳۱۴۔

(۱۵) بخاری ۱/۱۷۱ باب زیارۃ القبور۔

(۱۶) فتاوی عالمگیری ۵/۳۵۰ کتاب الکراھیہ۔

(۱۷) مبسوط سرخسی ۲۴/۱۰ الرخصہ فی زیارۃ القبور۔

(۱۸) احیاء العلوم ۱/۲۴۴ شامی ۱/۶۶۵۔ (۱۹) عرف اشذی ۱/۲۰۳۔ (۲۰) مسلم۔

(۲۱) فتح الباری تعلیق ۲/۲/۲۷، بذل المجھود ۴/۲۱۴ فتح الملہم ۲/۱۵۱۱ اس بارے میں علامہ سیوطی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ بنام ای سالک احنفاء فی اسلام والدی المصطفیٰ۔

(۲۲) تعلیق الصبیح اشعۃ اللمعات۔ (۲۳) شرح مسلم للنووی ۱/۳۴۔ (۲۴) مشکوٰۃ شریف۔

باب قراءة القرآن

تلاوت قرآن کا بیان

۲۷۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَنِ اقْتَرَأَمِنْكُمْ بِالثَّلٰثِ الْاٰيَاتِ اللَّاتِيْ فِيْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ لَيْلَةٍ فَقَدْ اَكْثَرَ وَاَطَابَ﴾

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو شخص رات کو وہ تین آیات پڑھ لے جو سورت بقرہ کے آخر میں ہیں۔ (یعنی امن الرسول سے سورت کے ختم تک) گویا اس نے بہت زیادہ تلاوت کی اور بہت اچھا کام کیا۔"

لغات: اقترأ: باب افتعال: واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ بمعنی پڑھنا۔ (ہفت اقسام میں مہموز اللام ہے)۔

سُوْرَة: من الکتاب قرآن پاک کی سورت اور اس کو السُؤرَة بھی کہا جاتا ہے۔ (جمع) سُوَرٌ و سُوْرٌ سُوْرَات و سُوَرَاتٌ۔

لَيْلَة: رات یا لیل کا واحد (جمع) لیلات۔

تشریح

آخر سورت بقرۃ فضیلت

فِیْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِیْ لَیْلَةٍ۔

❶ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ یہ آیات کرسی عرش کے نیچے کے خزانہ سے اللہ نے عطاء فرمائی ہے۔

❷ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ نے آخر سورت البقرہ عرش کے نیچے کے خزانہ سے عطا فرمائی ہے اس کو اپنی

عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ کیوں کہ اس میں رحمت، قراءت اور دعا ہے۔

❸ ایک تیسری روایت میں آتا ہے یہ دو آیتیں پہلے کسی نبی کو عطاء نہیں کی گئی۔

فَقَدْ اَکْثَرَ وَاَطَابَ۔ جس نے سورت بقرہ کی آخری تین آیات کو پڑھا اس نے بہت زیادہ تلاوت کی اور بہت اچھا کام کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت بقرہ کی آخری تین آیات کو دوسری آیات پر فضیلت حاصل ہے[1]

کیا قرآن کی بعض سورت کو بعض پر یا بعض آیات کو بعض پر فضیلت حاصل ہے؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: جمہور فقہاء و محدثین کا ہے کہ بعض آیات کو دوسری بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

دوسرا مذہب: قاضی ابوبکر باقلانیؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ، اور ابن حبانؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تمام آیات مساوی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

متعدد روایت ہیں جن میں بعض سورت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً یٰسین قلب القرآن۔ فاتحت الکتاب افضل القرآن۔ آیت الکرسی سیدۃ ای القرآن۔ قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن بقول صاحب تعلیق الصبیح کے۔

دربیان و درفصاحت کے بود یکساں سخن	گرچہ گوینده بود چوں حافظ وچوں اصمعی
در کلام ایزد بیچوں کہ وحی منزلست	کے بود تبت یداء چوں قیل یا ارض ابلعی

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

یہ حضرات فرماتے ہیں۔ اگر قرآن کے بعض حصہ کو قرآن کے بعض حصہ پر فضیلت دی گئی تو اس سے ظاہری مفہوم یہ نکلے گا کہ قرآن کا بعض حصہ کامل ہے اور بعض حصہ ناقص ہے حالانکہ سارا ہی قرآن اللہ کا کلام ہے اور سارا کلام ہی کامل ہے بلکہ اکمل ہے۔

دوسرے مذہب والوں کا جواب

یہاں فضیلت کامل اور ناقص کے درمیان نہیں ہے بلکہ کامل اور اکمل کے درمیان ہے۔ کہ قرآن تو سارے کا سارا کامل ہے۔ مگر جب اس کے آپس میں مقابلہ کرنے لگیں تو بعض قرآن کا حصہ قرآن کے دوسرے بعض حصہ پر فضیلت رکھتا ہے۔ جیسے کہ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

تلک الوسل فضلنا بعضھم علی بعض کہ بعض انبیاء کو بعض انبیاء کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہے۔ تو انبیاء تو تمام کے تمام ہی افضل ہیں۔ ہاں جب ان کا آپس میں مقابلہ کریں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آپ ﷺ کی فضیلت زیادہ ہوگی ملا علی قاریؒ نے امام غزالیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں اے وہ لوگو! جو فضیلت کے قائل نہیں اگر تم میں اتنا نور بصیرت نہیں ہے کہ تم آیت الکرسی اور آیت المداینہ میں اور سورت اخلاص اور سورت تبت، میں فرق محسوس نہ کر سکو تو تم رسالت مآب ﷺ کی ہی تقلید کر کے مان لو کہ آپ ﷺ نے جو فضائل بیان فرمائے ہیں ان کو تسلیم کر لو۔ (۲)

حضرت عمرو بن سلمہؓ کے مختصر حالات: ان کا پورا نام عمرو بن سلمۃ بن الحارث الھمدانی ہے ان کو الکندی الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔

اساتذہ: حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سلمان بن ربیعۃ الباہلیؓ۔

تلامذہ: یحییٰؒ، یزید بن ابی زیادؒ، عامرؒ الشعبیؒ وغیرہ ہیں۔ ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ان کا انتقال ۸۵ میں ہوا۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب ۸/۴۲۔

(نوٹ) عبداللہ ابن مسعودؓ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گذر چکے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن عمرو بن سلمہؒ کے مختصر حالات: ان کا پورا نام یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الھمدانی ہے ان کو کندی الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔

اساتذہ: اپنے والد سے زیادہ علم حاصل کیا۔

تلامذہ: سفیان ثوریؒ، شعبہؒ، عاصم الاحولؒ، امام ابو حنیفہؒ وغیرہ ہیں۔

---

(۱) فتح الباری ۹/۵۰۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوۃ ۴/۳۳۲ تعلیق الصبیح ۳/۱۲ الاشعۃ اللمعات ۲/۱۱۳ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطیؒ۔

۲۷۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَا تَهُذُّوا الْقُرْآنَ كَهَذِّ الشِّعْرِ وَلَا تَنْثُرُوْهُ كَنَثْرِ الدَّقْلِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ يَنْبَغِيْ لِلْقَارِئِ اَنْ يَّفْهَمَ مَا يَقْرَأُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کو اس طرح جلدی جلدی کاٹ کر نہ پڑھو جس طرح شعروں کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ اور نہ اس طرح بکھیرو جس طرح ردی کھجور کو بکھیرتے ہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ تلاوت کرنے والے کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: لاتھذوا: هَذَّهُ(ن)هَذًّا وهَذْذًا وهُذَاذًا: جلدی کاٹنا۔ کاٹنا۔ (ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی ہے)

کَهَذِّ: الشعر جیسے شعروں کو جلدی جلدی پڑھتے ہو۔

کَنَثْرِ: (مصدر) ضد نظم۔ نَثَرَ(ن ض)نَثْرًا ونِثَارًا الشیء بکھیرنا نثر میں گفتگو کرنا۔

الدقل: ردی کھجور۔ بادبان کا ڈنڈا۔

تشریح

قرآن کو جلدی جلدی پڑھنا منع ہے

اس اثر میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی بات: لَاتَهُذُّوا الْقُرْآنَ كَهَذِّ الشِّعْرِ قرآن کو جلدی جلدی نہ پڑھو جس طرح شعروں کو پڑھتے ہیں۔ قرآن کو اتنی جلدی پڑھنا[1] کہ اس کے حروف کے مخارج اور صفات کی رعایت نہ ہوسکے یہ صحیح نہیں صاحب جزری فرماتے ہیں۔

وھو اعطاء الحروف حقھا من صفة لھا ومستحقھا اور تجوید حرفوں کو ان کا حق یعنی ان کی صفات لازمہ اور صفات مقتضیات کا دینا ہے علماء تجوید کی اصطلاح میں اتنی جلدی قرآن کو پڑھنا کہ حروف واضح نہ ہوں اس خرابی کو تخلیط اور ادماج کہتے ہیں اور اگر جلدی کی وجہ سے حرکات پوری طرح ادا نہ ہوسکیں تو اس کو تنفیش کہتے ہیں۔ یہ سب عیوب ایسے ہیں کہ ایک قاری قرآن کو ان سے بچنا انتہاء لازم وضروری ہے۔

علامہ خاقانیؒ فرماتے ہیں:

فذو الحذق معط للحروف حقوقھا۔ اذا رتل القرآن او کان ذاحدر ماہر خواہ قرآن کو ترتیل میں پڑھے یا جزر میں وہ ہر حالت میں حروف کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے اسی وجہ سے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم نہ قرآن کو بادبان کشتی کی طرح پھیلاؤ اور نہ شعر کی طرح سمیٹو اس کی عجیب وغریب باتوں کے اوپر ٹھہرو اور دل کو حرکت دو اور غور کرو سورت کے آخر تک پڑھنے کی فکر نہ کرو[۳] اسی وجہ سے علماء نے تیز پڑھنے کو مکروہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ایک پارہ کی تلاوت ترتیل کے ساتھ بغیر ترتیل کے دو پارے پڑھ لینے سے بدرجہا درجہ افضل ہے۔[۴]

تلاوت کرنے والا سمجھ کر تلاوت کرے

دوسری بات یَنۡبَغِی لِلۡقَارِیءِ اَنۡ یَّفۡھَمَ مَا یَقۡرَأُ۔ تلاوت کرنے والا سمجھ کر تلاوت کرے یہ بات قرآن کی اس آیت سے بھی مفہوم ہوتی ہے۔ لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب پھر تاکہ لوگ غور وفکر کریں اور نصیحت پکڑیں عقل والے لوگ جیسے کہ ابھی بیان ہوا۔ سب سے پہلے قرآن پڑھنے والا مخارج وصفات کو صحیح کرے گا۔ اس کی وجہ بقول صاحب القول السدید فی بیان حکم التجوید یہ ہے کہ قرآن کریم کے خصائص واسرار، معانی پر موقوف ہیں اور معانی کا دارو مدار صحت کلمات پر ہے اور کلمات کی صحت، صحت حروف پر ہے اور حروف جب ہی صحیح ادا ہو سکیں گے جب کہ اس کے مخارج اور صفات کو صحیح ادا کیا جائے۔ ورنہ مخارج یا صفات لازمہ کے تغیر آنے سے لفظ اپنی عربیت سے نکل جائے گا اور جب لفظ اپنی عربیت سے نکلے گا تو معانی اور اسرار میں تغیر لازمی طور پر آجائے گا۔[۶]

فہم قرآن کے بارے میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

ومن حرمتہ ان یستعمل فیہ ذھنہ وفھمہ حتی یعقل مایخاطب بہ قرآن مجید کے آداب سے ایک یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید کے مطالب اور معانی پر دل ودماغ سے غور وفکر کرے اور اس کو سمجھے۔

علامہ سیوطیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

وتسن القراءۃ بالتدبر والتفھم فھو المقصود الاعظم والمطلوب الاھم وبہ تنشرح الصدور و تنیر القلوب۔[۷]

قرآن پڑھتے وقت اس کے معانی سمجھنا اور اس کے مطالب پر غور کرنا سنت ہے کیوں کہ قرآن پڑھنے کا بہترین مقصد اور اعلیٰ مدعا یہی ہے کہ اس سے سینہ میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔

ایک دوسری جگہ پر ہے۔ قالوا واستحباب الترتیل للتدبر لانہ اقرب الی الاجلال والتوقیر واشد تاثیر فی القلب ولھذا یستحب للاعجمی الذی لا یفھم معناہ۔[۸]

علماء فرماتے ہیں کہ ترتیل کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ قاری، قرآن کے مطالب پر غور کرے نیز ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تعظیم و توقیر کی علامت ہے نیز یہ طریقہ دل پر بھی خوب اثر انداز ہوتا ہے اسی وجہ سے عجمی شخص کے لئے بھی جو قرآن کے معنی نہیں سمجھتا ترتیل مستحب ہے۔

(۱) یہی مراد ہے علامہ خطابی کے نزدیک، وکذا عمدۃ القاری ۳/ ۱۰۳۔

(۲) نہایۃ القول المفید ۱۷۔

(۳) اتقان ۱/ ۱۰۶، روح المعانی ۲۹/ ۱۰۴، مظہری ۱۰/ ۱۰۵۔

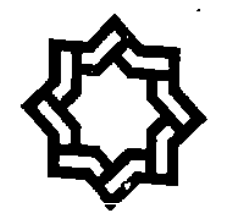
(۴) اتقان ۱/ ۱۰۶۔

(۵) سورت ص آیت ۲۹۔

(۶) القول السدید فی بیان حکم التجوید۔

(۷) اتقان ۱/ ۱۰۶۔

(۸) امام زرکشی ۱/ ۴۶۷، اتقان ۱/ ۲۶۔



۲۷۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ اَبِی النَّجُوْدِ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اَمَا اِنَّ بِكُلِّ حَرْفٍ يَتْلُوْهُ تَالٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ اَمَا اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ الم حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ وَلَامٌ مِيْمٌ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو ہر وہ حرف جس کو انسان پڑھتا ہے اس پر اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف، لام، میم تین حروف ہیں اس پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔"

لغات: حَرْف: (جمع) حُرُوْف و اَحْرُف: حروف تہجی میں سے ایک اور اس کا نام حرف المبنی ہے — فی النحو وہ کلمہ جو بغیر دوسرے سے ملے ہوئے معنی دے۔ اور اس کا نام حرف المعنی ہے۔ کلمہ۔ جیسے یہ حرف قاموس میں نہیں یعنی یہ کلمہ نہیں۔

قَال: (ن) قولاً و قالاً و قيلاً و قَوْلَةً و مقالاً و مقالةً کہنا۔ بولنا۔

تشریح

قرآن کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں

اِنَّ بِكُلِّ حَرْفٍ يَتْلُوْهُ تَالٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ اَمَا اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ الم حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ، وَلَامٌ وَمِيْمٌ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً ہر حرف جس کو انسان پڑھتا ہے اس پر اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف، لام، میم (تین حروف ہیں) اس پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام پاک کا نظام اور نظاموں سے مختلف ہے دوسری جگہ پر تو پورا عمل ایک عمل شمار ہوتا ہے اور قرآن پاک میں اجزاء عمل میں پورے عمل شمار کئے جاتے ہیں اس لئے ہر ہر حرف پر ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی پر اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو دس نیکی کے بقدر اجر ملتا ہے دس حصہ کا اجر کا وعدہ ہے اور یہ اقل درجہ ثواب ہے ورنہ اللہ کا یہ ارشاد بھی ہے واللہ يضاعف لمن يشاء حق تعالیٰ شانہ جس کیلئے چاہے اجر زیادہ فرما دیتے ہیں اس بارے میں اختلاف ہے کہ الم سے مراد اگر سورت بقرہ کا شروع مراد ہے جو وہ یہ تین حروف ہیں تو تیس نیکیاں ملیں گی

اور اگر اس سے مراد سورت فیل کا شروع مراد ہے تو پھر الم نو حروف ہیں اس لئے اب اس پر نوے نیکیاں ملیں گی(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں وضاحت اس طرح ہے۔

اگر کوئی شخص نماز میں کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھے تو اب ہر نیکی بڑھ کر ہر ہر حرف پر سو سو بن جاتی ہے اور جو شخص نماز میں بیٹھ کر پڑھے اس کے لئے پچاس نیکیاں جس نے بغیر نماز کے وضو کے ساتھ پڑھا اس کے لئے پچیس نیکیاں اور جس نے بلا وضو کے پڑھا اس کے لئے دس نیکیاں ملیں گی اور جو شخص پڑھے نہیں صرف پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سنے اس کے لئے بھی ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔

(نوٹ) حضرت عاصم بن ابی النجودؒ کے حالات باب مایعاد من الصلاۃ ومایکرہ منہا حدیث نمبر ۱۵۶ میں گزر چکے ہیں۔

حضرت ابی الاحوصؒ کے مختصر حالات: ان کا نام عوف بن مالک بن نضلہ الجشمی ابو الاحوص الکوفی ہے۔ مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

اساتذہ: اپنے والد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن مسعودؓ، ابو مسعود الانصاریؓ، ابو موسیٰ الاشعریؓ، ابو ہریرہؓ، عروۃ بن المغیرۃ۔ من شعبۃؓ، سروق بن الاجدعؒ، مسلم بن یزیدؒ وغیرہ ہیں۔

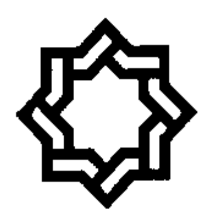
تلامذہ: ابو اسحٰق السبیعیؒ، مالک بن الحارث السلمیؒ، عبداللہ بن میسرۃؒ عبداللہ بن ابی ہذیلؒ، عبدالملک بن عمیرؒ، حمید بن ہلال العدویؒ، علی بن الاقمرؒ، ابراہیم بن مسلم الہجریؒ وغیرہ ہیں۔

نسائیؒ، یحییٰ بن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے اسی طرح ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

(نوٹ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گزر چکے ہیں۔

---

(۱) فضائل القرآن ۲۳۔



۲۷۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَا يَتَحَوَّلُ الرَّجُلُ مِنْ قِرَاءَةٍ اِلٰى قِرَاءَةٍ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَعْنِىْ حَرْفَ عَبْدِاللّٰهِ وَحَرْفَ زَيْدٍ وَغَيْرِهٖ﴾

"یعنی حرف عبداللہ و حرف زید و غیرہ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی ایک قرآت سے دوسری قرآت کی طرف نہ پھرے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یعنی قرآت عبداللہ سے قرآت زید وغیرہ کی طرف۔"

لغات: لَایَتَحَوَّلُ: باب تَفَعُّل: سے واحد مذکر غائب فعل نہی معروف کا صیغہ ہے بمعنی نہ پھرے وہ ایک مرد۔ تَحَوَّلَ عنہ پھر جانا ـــــ الرجلُ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا (ہفت اقسام میں اجوف ہے)۔
قِراءۃ: باب (ف ن) بمعنی پڑھنا۔ (ہفت اقسام میں مہموز اللام ہے)۔

تشریح

حرف عبداللہ و حرف زید وغیرہ

عبداللہ سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں اور زید سے مراد زید بن ثابت ہیں۔

عام لوگوں کے سامنے مختلف قراءت میں تلاوت نہ کی جائے

کہ ایک قراءت سے دوسری قراءت کی طرف نہ پھیرے کیوں کہ اس سے عوام میں انتشار ہونے کا خطرہ ہے۔ معروف قراءت سے اگر وہ شاعر قراءت کی طرف پھرتا ہے تو جہاں تک مسئلہ کی بات ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ جب تک معنی میں تبدیلی نہیں آتی جائز ہو گا۔ اور اگر ان قرات سے معنی میں تبدیلی آتی ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ مگر طرفین عدم فساد کا ہی فتویٰ دیتے ہیں۔ اور اگر اتنی مقدار پڑھنے کے بعد جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دوسری قراءت کی طرف پھرتا ہے تو اب نماز بالاتفاق صحیح قول پر جائز ہو جائے گی۔
فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ ایسی جگہ جہاں پر عوام الناس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو وہاں پر یہ قراءت نہ کی جائے۔ [1]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔

۲۷٤

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ يُقْرِئُ رَجُلاً اَعْجَمِيًا اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ فَلَمَّا اَعْيَاهُ قَالَ لَهُ عَبْدُاللّٰهِ اَمَا تُحْسِنُ اَنْ تَقُوْلَ طَعَامُ الْفَاجِرِ؟ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعضالٰى عَنْهُ اِنَّ الْخَطَأَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ لَيْسَ اَنْ تَقْرَأَ بَعْضَهُ فِيْ بَعْضٍ تَقُوْلُ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَالْغَفُوْرُ الْحَكِيْمُ وَالْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ كَذٰلِكَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَلٰكِنَّ الْخَطَاءَ اَنْ تَقْرَأَ آيَةَ الْعَذَابِ آيَةَ الرَّحْمَةِ وَآيَةَ الرَّحْمَةِ آيَةَ الْعَذَابِ وَاَنْ تَزِيْدَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَالَيْس فِيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَ كُلِّهِ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک عجمی شخص کو جو اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ پڑھ رہے تھے اور وہ صاحب تھک گئے (اس کو صحیح نہ پڑھ سکے) تو عبداللہ بن مسعودؓ نے ان صاحب سے فرمایا کہا تم طعام فاجر نہیں پڑھ سکتے؟ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اللہ جل شانہ کی کتاب میں غلطی کرنا یہ نہیں ہے کہ تم کسی لفظ کی جگہ دوسرا لفظ پڑھ دو کہو الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَالْغَفُوْرُ الْحَكِيْمُ وَالْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ تو اس میں غلطی کا یہ ہے کہ تم آیت رحمت کی جگہ آیت عذاب پڑھ دو اور آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت پڑھ دو۔ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں وہ داخل کرو جو اس میں سے نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس سب کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اَلْفَاجِر: فَجَرَ(ن) فَجْرًا و فُجُوْرًا: جھوٹ بولنا۔ زنا کرنا۔ گناہ کرنا۔ کمزور نگاہ والا ہونا۔ فاجر اسم فاعل ہے۔ گناہ کرنے والا۔

الخَطَأ: خَطِئَ (س) خَطأً غلطی کرنا۔ (ہفت اقسام میں مہموز الیاء ہے)۔

تَبَارَكَ بِه: نیک شگون لینا ـــــ اللہ مقدس ہونا۔

تشریح

اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی زقوم یہ قریش نہیں جانتے تھے۔ (یہ

ایک درخت ہے جو جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے اردو میں اسے تھوہر کہتے ہیں قریش مکھن کو زقوم کہتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد ابو جہل نے کہا کہ تم ہم کو زقوم سے ڈراتے ہو۔ لاؤ مکھن اور کھجور میں اس کو تو مزہ سے کھاتا ہوں [1]

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی انھاشجرۃ تخرج فی اصل الجحیم ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ یہاں مراد زقوم سے کھجور اور مکھن نہیں ہے بلکہ یہ جہنّم کی تہہ میں اگنے والا ایک درخت ہے۔

بہرحال علامہ زمخشری نے فرمایا کہ ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ رکھنا جائز ہے اگر معنی میں ترادف ہو [2] مگر

1. اس میں فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے عوام کا عقیدہ خراب نہ ہوتا ہو۔
2. اور قرآن کے نظم و ترتیب میں فرق نہ پڑتا ہو۔
3. اور اس کو وہ جان بوجھ کر نہ کرے اگر کسی عذر سے کرے تو جائز ہوگا۔

اور اثر بالا میں جو عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ طعام الاثیم کی جگہ طعام فاجر پڑھ سکتے ہیں اس کی وجہ بعض جگہ پر یہ ہوتی ہے کہ وہ آدمی طعام الیتیم پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو صحیح کروانے کی کوشش کی مگر وہ صحیح نہیں پڑھ سکتا تو اس پر پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تو طعام الفاجر ہی پڑھ لے کیوں کہ طعام الاثیم گناہ گار کا کھانا (کے قریب ہے طعام الفاجر) فاجر لوگوں کا کھانا (اور طعام الیتیم) یتیموں کا کھانا (میں تو معنی بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں۔

تَقُوْلُ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَالْغَفُوْرُ الْحَكِيْمُ۔ اسی طرح الغفور الرحیم کی جگہ والغفور الحکیم پڑھ لیا یا والعزیز الحکیم کی جگہ پر العزیز الرحیم پڑھ لیا تو اس طرح تبدیلی کرنے سے معنی میں تو تبدیلی نہیں آتی کیوں کہ یہ سب ہی اللہ جل شانہ کی صفات ہیں۔ نیز یہ کہ اس طرح کرنے سے نماز بھی فاسد نہیں ہوگی طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک میں نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسری میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اَنْ تَقْرَأَ آيَةَ الْعَذَابِ آيَةَ الرَّحْمَةِ الخ اور اگر اس نے کلمہ کو تبدیل کیا مگر اس سے معنی بالکل ہی تبدیل ہو جاتے ہیں تو اب بالاتفاق اس طرح جائز بھی نہیں اور اس طرح کرنے سے نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً اس طرح پڑھے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجحیم ھی الماوی کہ الفاظ میں ہی بالکل فرق ہو جائے یا الفاظ میں تو زیادہ فرق نہیں آتا مگر معنی میں بالکل تبدیلی ہو جاتی ہے یہ دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات باب المسح علی الخفین میں گزر چکے۔

(۱) درمنثور ۵/۷۷۔۲

(۲) کشاف ۲/۲۶۳۔

۲۷۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ حَسِّنُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْآنِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَالْقِرَاءَةُ عِنْدَنَا كَمَا رَوٰى طَاوُسَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ قِرَاءَةً الَّذِيْ اِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ حَسِبْتَهُ اَنَّهُ يَخْشَى اللّٰهَ﴾

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اپنی آواز کو قرآن کریم کے ذریعہ مزین و آراستہ کرو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ قراءت سے مراد ہمارے یہاں وہ ہے جو حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا لوگوں میں سب سے عمدہ قاری وہ ہے جس کی قراءت سن کر تمہیں یہ یقین ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ شانہ سے ڈرتا ہے۔"

لغات: حَسِّنُوا: باب تفعیل سے جمع مذکر حاضر فعل امر معروف بمعنی آراستہ کرنا۔ جو خوبصورت بنانا۔

اَصْوَاتَكُمْ: اصوات جمع ہے صورت کی بمعنی آواز۔ ہر قسم کا راگ۔ نحویوں کے نزدیک اسماء اصوات وہ ہیں کہ جن سے کسی آواز کی حکایت کی جائے۔ جیسے پتھر پر پتھر کی آواز کے لئے طَقْ۔

تشریح

قرآن کو اچھی آواز میں پڑھنا چاہئے

حَسِّنُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْآنِ۔ قرآن کو اچھی آواز سے مزین کرو۔

قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنا یہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ اسی طرح سے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اجمع العلماء علی استحباب تحسین الصوت بالقرآن مالم یخرج عن حد القراءۃ بالقطیط فان خرج زاد حرفا او اخفاہ حرم۔[1] کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اچھی آواز سے قرآن کو پڑھنا مستحب ہے جب تک کہ اچھا پڑھنے کے مبالغہ میں ایسا نہ ہو اور حروف پورے پورے ادا ہوں ہاں اگر کسی حرف کو زائد کر دے یا چھپا دے تو یہ حرام ہوگا۔

شیخ منصور علی ناصف مصری ازہری فرماتے ہیں۔ ای حسنوا القرآن بتحسین الصوت فانه یزید فی مهابته وجاله ویغش الابدان والارواح لیصل بمواعظ الی اعماق القلوب فتحسین الصوت بالقرآن مستحب۔[2]

یعنی قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھو کیوں کہ خوش الحانی سے قرآن کی رونق اور عظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بدن اور روح کو تازگی ملتی ہے نیز اس سے مواعظ قرآن دلوں کی گہرائیوں میں اترتے ہیں پس قرآن مجید کا خوش الحانی سے پڑھنا مستحب ہے۔

قرآن پڑھتے وقت رونا

وَالْقِرَاءَۃُ عِنْدَنَا کَمَا رَوٰی طَاؤُسٌ کہ حروف کی تصحیح میں ایسا مشغول نہ ہوجائے کہ قرآن کے اندر سے خشوع خضوع نکل جائے بلکہ ایسا پڑھا جائے کہ پڑھنے اور سننے والے دونوں میں اللہ کا خوف ظاہر ہو اور پھر اس خوف میں رونا بھی آجائے تو کوئی حرج نہیں جب کہ مستحب ہوگا جیسے کہ اس بارے میں صحابہ اور اکابرین کے سیکڑوں واقعات ہیں۔ کہ ان کے دل میں اللہ کا خوف زیادہ تھا اس لئے ان کو قرآن پڑھنے سے بے اختیار رونا آجاتا تھا۔

اسی وجہ سے علامہ آلوسی زادہ سید نعمان آفندی فرماتے ہیں۔

یستحب البکاء اعند قرأۃ القرآن والتباکی لمن لا یقدرو الحزن والخشوع قال علیہ السلام انی قارئی علیکم سورۃ فمن بکی فلہ الجنۃ فان لم تبکوا فتباکوا وطریق البقاء ان یتامل فی الوعد والوعید وفی تقصیرہ۔
(۳)

قرآن پڑھتے وقت رونا، حزن اور رقت قلب کا پیدا ہونا مستحب ہے اگر رونا نہ آئے تو بتکلف روئے آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک سورت پڑھتا ہوں اور جو شخص اسے سن کر روئے گا اس کے لئے جنت ہے پھر اگر تم رونہ سکو تو رونے کی صورت بنالو اور رلا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آیات وعد اور عید میں غور کرے اور اپنی کوتاہیوں کو بھی سامنے رکھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی علامہ نوویؒ سے نقل کرتے ہیں:

قال النووی البکاء عنہ قرآت القرآن صفۃ العارفین وشعار الصالحین قال اللّٰہ تعالی ویخرون للاذقان یبکون وقال خروا اسجدا وبکیا والاحادیث فیہ کثیرۃ۔ (۴)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت رونا یہ عارفین کی صفت اور صالحین کا شعار ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

ویستحب البکاء عند قراءۃ القرآن (۵) کہ قرآن کی تلاوت کے وقت آبدیدہ ہونا مستحب ہے۔

علامہ سیوطیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

یستحب البکاء عند قراءۃ القرآن والتباکی لمن لا یقدر علیہ والحزن والخشوع۔ (۶)

قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے اور جو شخص رونے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو رونے والے کی صورت ہی بنالینا چاہیے اور رنج اور خشوع قلب کا اظہار بھی مناسب ہے۔(۷)

(نوٹ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حالات باب الوضوء میں گزر چکے ہیں۔

(۱) شرح مسلم للنووی ۸/۹، عمدۃ القاری ۳۲۹/۹۔

(۲) غایۃ المامول شرح التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول ۱۱/۴۔

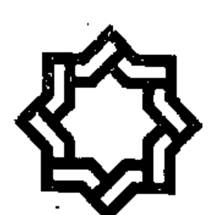
(۳) غایۃ المواعظ ۲۹/۱۔

(۴) فتح الملہم ۳۵۲/۲۔

(۵) تفسیر مظہری ۵۰۰/۵ تفسیر روح المعانی ۱۰۸/۱۶۔

(۶) اتقان فی علوم القرآن۔

(۷) اس بارے میں صحابہ و اکابرین کے بہت سے اقوال و واقعات ہیں طوالت کے خیال سے ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔



۲۷۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ يُقَالُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لَمْ يَاْذَنْ لِشَيْءٍ اِذْنَهٗ لِلصَّوْتِ الْحَسَنِ بِالْقُرْآنِ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے کسی چیز کو ایسی اجازت نہیں دی جیسے قرآن کریم کو عمدہ آواز سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔"

لغات: تعالیٰ: بلند ہونا۔ تعالت المراۃ من مرضھا صحت یاب ہونا تعال آجا(فعل امر)باب تفاعل واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔

لم یاذن: (س) اَذَنًا الیہ ولہ کان لگانا۔ سننا۔ کہا جاتا ہے — اِذنًا واَذَنًا واذانًا واذانۃً بالشئ جاننا۔ صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم۔

تشریح

اس مضمون کی اور روایات بھی آئی ہے۔ مثلاً:

❶ زینوا القرآن باصواتکم۔[1]

❷ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: جودوا القرآن وزینوہ باحسن الاصوات واعربوہ فانہ عربی واللہ یحب ان یعرب۔[2]

قرآن کو تجوید سے پڑھو اور اچھی آوازوں کے ساتھ مزین کرو اور عربیت کے ساتھ پڑھو کیوں کہ وہ عربی ہے اور عربیت کو ہی پسند کرتا ہے۔

جو قرآن کو اچھی آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں

لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔[3] وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن پڑھنے میں عمدہ آواز نہ بنائے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سنا اور فرمایا لقد اوتی ھذا من مزامیر آل داؤد[4] کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آل داؤد کا ساز عطا فرمایا ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ قرآن میں حسن صوت والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس قدر کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔

تجوید کے ساتھ پڑھنا اداء قراءت کی زینت ہے۔

باقی یہ بات کہ خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا یہ ایک خارجی صفت ہے۔ جو نہ منع ہے اور نہ ہی مقصود اصلی اس باب میں افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہئے۔ تجوید کے ساتھ خوش آوازی بھی اللہ تعالی کا ایک عطیہ ہے جس کو اللہ نے عطاء فرمایا ہو وہ اپنی خوش آوازی کو اہل عرب کی خوش آوازی کے تابع رکھتے ہوئے بے تکلف اور سادہ پڑھے۔[۵]

خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا دراصل آداب قرآنی میں سے ہے جیسے کہ تلاوت کے وقت باوضو ہونا۔ قبلہ رخ ہونا مسواک کئے ہوئے ہونا۔ خوش آوازی بھی آداب کے درجے میں مندوب اور مستحب ہے۔

اسی وجہ سے اس بات کو امام غزالی نے باب آداب تلاوت میں بیان کیا ہے اور اس پر ایک یہ روایت نقل کی ہے۔

حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا[۶] کہ قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ آراستہ کرو کیوں کہ اچھی آواز سے قرآن کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے صاحب مفتاح السعادہ فرماتے ہیں۔

ویسن تحسین الصوت بالقرآۃ و تزیینھا قراءت میں خوش آوازی اور لب و لہجہ کی درستی امر مسنون ہے۔[۷]

علامہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں۔

زینوا اصواتکم بالقرآن ای فاظھروا فی تلاتہ لغما تکم الحسنۃ و لا تضیعوھا فی الاشعار والنشانہ فان الصوب الحسن کامحلۃ للکام المتلووی ذالک تعظیم القرآن۔[۸]

تم اپنی آوازوں کو قرآن کے ساتھ زینت دو یعنی تلاوت کے وقت خوش آوازی کو ظاہر کرو اور اپنی خوش گوئی کو اشعار و غزلیات خوانی میں ضائع نہ کرو عمدہ آواز تلاوت کی جانے والی کلام کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے اور خوش آوازی سے پڑھنے میں قرآن کی تعظیم ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد، مسند احمد۔

(۲) نشر ۱/۲۱۰۔

(۳) احیاء العلوم۔

(۴) الجواہر النقیۃ ۷۸۔

(۵) احیاء العلوم۔

(۶) دارمی۔

(۷) مفتاح السعادۃ ۱/۴۰۷، اتقان ۱/۱۰۷۔

(۸) حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ۲/۱۸۔

باب القراءۃ فی الحمام و الجنب

حمام میں اور جنابت کی حالت میں قرآن کریم پڑھنے کا بیان

۲۷۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ اَنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ اَحَدُهُمْ جُزْأَهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَانَرٰى بِهٖ بَاْسًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات قرآن مجید کا ایک جزء (سپارہ) بغیر وضو کے پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اصحاب: جمع ہے صاحب کی بمعنی ساتھی۔ ایک ساتھ زندگی بسر کرنے والا، مالک، وزیر، گورنر۔

وُضوء: مصدر ہے من فعل (ک) وضُؤَ یوضُؤُ وُضوًا و وضاءۃً بمعنی پاکیزہ وخوبصورت ہونا۔

تشریح

قرآن کو بغیر وضو کے پڑھنا

كَانَ يَقْرَأُ اَحَدُهُمْ جُزْأَهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ صحابہ قرآن مجید کا ایک جز بغیر وضو کے پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تعظیم کے اعتبار سے ضروری ہے کہ اس کو بغیر وضو کے نہیں پڑھا جائے۔ اور اس پر انہوں نے اجماع نقل کیا ہے[1] پڑھنا تو جائز ہے تمام ائمہ کے نزدیک مگر قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہوگا۔

جمہور کا استدلال

لا یمس القرآن الاطاھر۔ یہ روایت پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

① عمرو بن حزم ② ابن عمر ③ حکیم ابن حزام ④ عثمان بن ابی العاص ⑤ ثوبان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (۲)

دوسرا استدلال

لا یمسہ الا المطھرون کی اس تفسیر کے مطابق جس میں ضمیر کا مرجع قرآن ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ نہ مس کریں قرآن کو مگر وہی لوگ جو طہارت والے ہیں (۳) بہرحال قرآن بغیر وضو کے پڑھنا جائز ہے یہی مفہوم نکلتا ہے اس حدیث ذیل سے بھی جو روایت حضرت علی سے منقول ہے قال کان رسول اللہ ﷺ لا یحجبہ (او لا یحجزہ) عن القرآن شئی لیس الجنابۃ کہ حالت جنابت میں قرآن پڑھنا جائز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حدث اصغر میں قرآن پڑھنا جائز ہوگا اور حدث اکبر میں قرآن کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت کا اثر ہاتھ منہ دونوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے غسل جنابت میں ہاتھ منہ دونوں کا دھونا ضروری ہے۔ اس لئے اس میں ہاتھ سے چھونا اور منہ سے پڑھنا دونوں ناجائز ہیں۔ اور حدث اصغر میں حدث کا اثر صرف ہاتھ میں ہوتا ہے۔ منہ میں نہیں اس لئے اس حدث اصغر والوں کو قرآن کا چھونا تو منع ہوا مگر قراءت کرنا جائز ہوا کیوں کہ اس کی منہ میں حدث نہیں ہے۔

اسی کو صاحب ہدایہ نے اپنی اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ ثم الحدث و الجنابۃ حلا فیستویان فی حکم المس و الجنابۃ حلہ الفم دون الحدث فیفترتان فی حکم القراءۃ کہ حدث وجنابت ہاتھ میں حلول کرتی ہیں اس لئے چھونے کے حکم میں دونوں برابر ہیں اور منہ میں جنابت حلول کرتی ہے نہ کہ حدث اس لئے قراءت کے حکم میں دونوں الگ الگ ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اگرچہ زبانی ہی ہو اس صورت میں بھی باوضو ہونا بہتر ہے۔ جیسے کہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

والوضوء لھا۔ تلاوت کے لئے وضو ہونا چاہئے۔ (۴)

علامہ طاش کبری زادہ مفتاح السعادۃ میں فرماتے ہیں۔ ویستحب الوضوء لقراۃ القرآن لانہ افضل الاذکار۔ (5)

وضو تلاوت قرآن کے لئے مستحب ہے کیوں کہ یہ تمام اذکار میں افضل ہے۔ اسی طرح الفقہ علی مذاہب الاربعہ والے فرماتے ہیں۔ اما تلاوۃ القرآن بدون مصحف فانھا تجوز لغیر المتوضی ولکن یستحب لغیر المتوضی ان یتوضأ اذا اراد قراءۃ القرآن (۶) ان کے بعد (زبانی) تلاوت کرنا بے وضو شخص کے لئے جائز تو ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ باوضو تلاوت کرے۔

(نوٹ) سعید بن جبیرؒ کے حالات باب الوضوء مما غیرت النار میں حدیث نمبر ۱۶ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) شاہ ولی اللہ مصفیٰ ۱/۵۵ میں اس اجماع کی طرف اشارہ کرتے ہیں مترجم گوید در تحریم مس محدث مصحف را اتفاق است۔

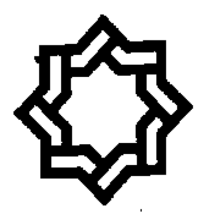
(۲) ان سب روایات کی تخریج نصب الرایہ ۱/۱۹۹ ۹۶ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۳) علامہ کاسانی فرماتے ہیں: للحدث احکام وھی ان لا یجوز للمحدث اداء الصلوۃ لفقد شرط جوازھا وھو الوضوء ولا مس المصحف من غیر غلاف عندنا۔ بدائع الصنائع ۱/۳۳۔

(۴) روح المعانی ۱۳۴۔

(۵) مفتاح السعادۃ ۲/۴۰۳۔

(۶) الفقہ علی مذاہب الاربعہ ۱/۴۸۔



۲۷۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَرَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ اَسَدٍ اَحْسَبُ عَلِيَّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَاَرَادَاَنْ يَّبْعَثَنَا فِيْ حَاجَةٍ لَهٗ فَقَالَ لَنَا اِنَّكُمَا عِلْجَانِ فَعَالِجَا عَنْ دِيْنِكُمَا قَالَ ثُمَّ دَخَلَ الْخَلَاءَ وَخَرَجَ فَاَخَذَ مِنَ الْمَاءِ شَيْئًا فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ ثُمَّ رَجَعَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَكَاَنَّا اَنْكَرْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَلَا يَحْجُزُهٗ عَنْ ذٰلِكَ وَرُبَمَا قَالَ لَا يَحْجُبُهٗ عَنْ ذٰلِكَ شَيْئٌ لَيْسَ الْجَنَابَةُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَانَرٰى بَاْسًا بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جُنُبًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

''حضرت عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اور بنو اسد کے ایک صاحب میرا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس گئے انہوں نے ہمیں کسی کام سے بھیجنا چاہا فرمایا تم دونوں طاقتور اور پہلوان ہو لہٰذا اپنے دین کا خیال رکھنا فرمایا پھر وہ بیت الخلاء تشریف لے گئے وہاں سے نکلے کچھ پانی لیا اس کو اپنے ہاتھوں اور کہنیوں پر پھیرا پھر واپس آکر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے، ہم نے گویا اسے اچھا نہ سمجھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور آپ کو اسے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔ بسا اوقات یہ فرمایا آپ ﷺ کو سوائے جنابت کے اور کوئی چیز اس سے نہیں روکتی تھی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور سوائے جنابت کے ہر حال میں قراءت قرآن کی اجازت دیتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔''

لغات: علجان: صیغۃ المثنی واحد منہا عِلْجٌ: بمعنی موٹا قوی عجمی جمع عُلُوج اَعلاج عَلْجَۃ لا یحجزہ واحد مذکر غائب بحث نفی فعل مضارع معروف فعل منہ حجزہ (ن ض) حَجْزًا وحِجَازَۃً منع کرنا۔ روکنا۔ دفع کرنا۔

تشریح

جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا

لَانَرٰى بَاْسًا بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جُنُبًا۔ سوائے جنابت کی حالت میں قراءت قرآن کی ہر

حال میں اجازت ہے۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک سے الگ الگ مذاہب منقول ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ کے وغیرہ کے نزدیک حالت جنابت میں قرآن پڑھنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی مختصر سی آیت ہو اور وہ بھی دشمن وغیرہ سے حفاظت کے لئے پڑھی جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

دوسرا مذہب: امام احمد وغیرہ کے نزدیک ایک چھوٹی آیت یا بڑی آیت میں سے چھوٹی آیت کے بقدر پڑھنا جائز ہوگا اس سے زائد نہیں۔

تیسرا مذہب: امام شافعی کے نزدیک تلاوت کی نیت سے تو ایک آیت کا پڑھنا بھی حرام ہوگا الا یہ کہ بطور ذکر یا بلا ارادہ کچھ پڑھ لیں تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

چوتھا مذہب: احناف کے نزدیک تلاوت کی نیت سے تو بالکل جائز نہیں۔

استدلال

❶ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تقرأ حائض ولا الجنب شیئا من القرآن۔[1]

❷ حدیث علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللّٰہ لا یحجبه (او لا یحجزہ) عن القرآن شئی لیس الجنابة۔[2] کہ آپ ﷺ کو کوئی چیز قرآن پڑھنے سے مانع نہیں ہوتی تھی بجز جنابت کے۔

❸ حدیث ابو موسیٰ اشعری یا علی لا تقرأ القرآن وانت جنب۔[3]

حضرت شعبۃ بن الحجاج کے مختصر حالات: ان کا نام شعبۃ بن الحجاج ابن الوردا العتکی الازدی بصری ہے۔ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جس نے اسماء الرجال پر کام کیا اساتذہ کی تعداد چار سو سے زائد ہے۔ ابن سعد ان کے بارے میں فرماتے ہیں کان ثقه، مامونًا، ثبتا، حجةً، صاحب حدیث۔ عجلی فرماتے ہیں ثقہ ثبت فی الحدیث سفیان ثوری فرماتے ہیں شعبۃ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں احادیث نہ جانی جاتیں۔

وفات: ان کی ۱۶۰ھ میں بصرہ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی۔ مزید حالات کے لئے تذکرۃ الحفاظ۔ خلاصۃ الخزرجی ۱۶۶ کا مطالعہ کریں۔

حضرت عمرو بن مرۃ الجملی کے مختصر حالات: ان کا نام عمرو بن مرۃ الجملی المرادی ابو عبد اللہ الکوفی التابعی ہے صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ثقہ۔ ابو حاتم نے فرمایا صدوق ثقۃ ابن حبان نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں۔ ارجو انه لا باس به۔ ان کا انتقال ۱۱۸ھ یا ۱۱۶ھ میں ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن سلمہ کے حالات پہلے گزر چکے ہیں۔

---

(۱) ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی۔ (۲) سنن اربعہ، ابن حبان، طحاوی حاکم۔ (۳) دار قطنی۔

۲۷۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ سَاَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ قَالَ لَيْسَ لِذٰلِكَ بُنِيَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاِنْ شِئْتَ فَاقْرَأْ﴾

"حضرت حمادؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابراہیمؒ سے حمام میں قراءت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا وہ اس کے لئے نہیں بنا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو قراءت کر لو۔"

لغات: الحَمَّام: غسل کرنے کی جگہ۔ یہ بکثرت مونث استعمال ہوتا ہے اور کبھی مذکر بھی جمع حمامات بُنِیَ واحد مذکر غائب فعل ماضی منفی مجہول کا صیغہ ہے (ض) بَنْيًا و بِنَاءً و بُنيانًا و بِنْيَةً و بِنَايةً البيتَ تعمیر کرنا۔ الارض آباد کرنا مکانات بنانا۔

تشریح

حمام میں قرآن پڑھنا

ابراہیم النخعی کے یہاں تک مختلف آثار وارد ہوئے ہیں۔ یہاں پر تو یہ ہے جب حمام میں قراءت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا لیس لذلک بنی کہ وہ اس کے لئے بنایا نہیں گیا۔

اور دوسرے اثر میں جب ان سے سوال کیا گیا۔ وروی عبدالرزاق عن الثوری عن المنصور قال سالت ابراهيم عن القراءة فی الحمام فقال لم يبن للقراءة تیسرے اثر میں اس طرح ہے روی سعيد بن المنصور عن محمد بن ابان عن حماد بن ابی سليمان قال سالت ابراهيم عن القراء فی الحمام فقال يكره۔

حمام میں تلاوت کے بارے میں ائمہ کے تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ امام محمدؒ، مکروہ نہیں ہے تلاوت کر سکتے ہیں۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ حمام میں تلاوت کرنا مکروہ ہے۔[۲]

تیسرا مذہب: امام شافعی کا ہے نوویؒ نے دونوں مذہب نقل کئے ہیں کراہت اور عدم کراہت۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حمام یہ بھی بیت الخلاء کے حکم میں ہے اس میں بھی کچھ نہ کچھ نجاست ہوتی ہے اور نجاست والی جگہ پر تلاوت کرنا مکروہ ہے اور جن ائمہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہاں پر نجاست نہیں ہوتی ہے۔

۲۸۰

﴿قَدْ بَلَغَنَا عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ اَنَّهٗ قَرَأَ فِي الْحَمَّامِ﴾

''ہمیں حضرت الضحاک بن مزاحم سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے حمام میں تلاوت کی''۔

لغات: قرأ: واحد مذکر غائب ماضی معروف کا صیغہ ہے (ف ن) قرءاً و قِراءۃً و قُرآناً الکتاب پڑھنا۔

تشریح

اس بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ تلاوت غسل خانے میں ایسی حالت میں نہ کرے جب کہ اس کا ستر کھلا ہو۔

علامہ ابن ہمام اور صاحب خلاصہ فرماتے ہیں۔

انما تکرہ القراءۃ فی الحمام اذا قراء جھرًا فان قرء فی نفسہ لا باس بہ وھو المختار و کذا التحمید و التسبیح و کذ الایقرءُ اذا کانت عورۃ مکشوفۃ اوفی الحمام احد مکشوف فان لم یکن فلا باس بان یرفع صونہ کہ زور سے قراء ت کرنا حمام میں یہ مکروہ ہے اگر دل ہی دل میں قراء ت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں یہی پسندیدہ ہے جیسے کہ اللہ کی بزرگی، تسبیح وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح جب ستر کھلا ہو تو زور سے قراء ت نہ کرے۔ یا حمام میں کسی کا بھی ستر کھلا ہو تو تب بھی قراءت نہ کرے اگر یہ صورت نہیں تو بلند آواز سے تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ضحاک بن مزاحم کے مختصر حالات: ان کا پورا نام ضحاک بن مزاحم البلالی ابوالقاسم ہے ان کو ابو محمد الخراسانی بھی کہتے ہیں۔

اساتذہ: عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرۃؓ، ابوسعیدؓ، زید بن ارقمؓ، انسؓ وغیرہ۔

تلامذہ: ایک بہت بڑی جماعت نے ان سے علم حاصل کیا۔

ان کے بارے میں یحیی بن معین، ابوزرعۃ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

وفات ۱۰۶ھ یا ۱۰۵ھ میں اس فانی دنیا سے کوچ فرمایا۔

مزید حالات کے لئے تہذیب التہذیب۔



۲۸۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَرْبَعَةٌ لَا يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ اِلاَّ الْاٰيَةَ وَنَحْوَهَا اَلْجُنُبِ وَالْحَائِضُ، وَالَّذِيْ يُجَامِعُ اَهْلِهِ۔ وَفِي الْحَمَّامِ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا چار آدمی قرآن کریم کی تلاوت نہیں کریں گے سوائے ایک آیت یا اس سے قریب قریب ① جنبی ② حائض عورت ③ جس نے ہمبستری کی ہو ④ حمام میں۔"

لغات: الحائض: اسم الفاعل فعل حاض (ض) حیضًا و محیضًا و مَحاضًا المرأۃ ماہ واری خون جاری ہونا۔ ج حُیَّض و حَوائض۔

یجامع: فعل واحد مذکر غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے ماضی جامع مجامعۃً و جماعًا علی کذا اتفاق کرنا موافقت کرنا۔ جامعھا ہم بستری کرنا۔

تشریح

چار قسم کے لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے

اَرْبَعَةٌ لَا يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ اِلاَّ الْاٰيَةَ وَنَحْوَهَا چار آدمی قرآن کریم کی تلاوت نہیں کر سکتے سوائے ایک آیت کے یا اس کے قریب قریب ① الجنب، جنبی آدمی ② حائض عورت، حائض عورت بھی قرآن نہیں پڑھ سکتی۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ کے چار مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ کی دو روایتیں ہیں ① بالکل جائز نہیں ہے ② بالکل جائز ہے[1]

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کے لئے بقصد تلاوت بالکل حرام ہے اور بطور ذکر جائز ہے۔

تیسرا مذہب: امام احمدؒ چھوٹی آیت یا بڑی آیت کا اتنا حصہ جو چھوٹی آیت کے برابر ہو وہ پڑھ سکتی ہے۔

تیسرا مذہب: احناف کا، تلاوت تو نہ جنبی کے لئے جائز ہے اور نہ حائضہ کے لئے ہاں حائضہ معلمہ ہو اور اس کے نہ پڑھانے سے نقصان ہو شاگردوں کا تو اس صورت میں امام طحاویؒ تو آدھی آدھی کر کے پڑھانے کی اجازت دیتے ہیں۔[2]

کیونکہ مادون آیت پڑھنے والے کو نظم اور معنی کے اعتبار سے قرآن خوان نہیں کہہ سکتے امام کرخی احناف میں سے

مادون آیت کی بھی اجازت نہیں دیتے [۳] کیونکہ نصوص میں مطلقاً نہی وارد ہوئی ہے اور مطلق میں عموم ہوتا ہے اس میں مادون الآیت بھی داخل ہے۔ پانچویں مذہب ہے۔ امام بخاری داؤد ظاہری، ابن المنذر وغیرہ کا جو کہ جنبی اور حائض دونوں کے لئے بالکل تلاوت کی اجازت دیتے ہیں۔

مجوزین کا استدلال

❶ یہ حضرت استدلال کرتے ہیں حضرت عائشہ کی روایت سے جس میں آتا ہے۔ قالت کان النبی ﷺ یذکر اللّٰہ علی کل احیانہ۔ [۴]

ممانعین تلاوت کا استدلال

❶ روایت ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن۔ [۵]

❷ روایت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ یا علی لا تقرأ القرآن وانت جنب۔ [۶]

❸ روایت علی قال کان رسول اللّٰہ ﷺ لا یحجبہ (او لا یحجزہ عن القرآن سی لیس الجنابۃ۔ [۷]

جواب مجوزین تلاوت کا

حضرت عائشہؓ کی روایت سے ذکر قلبی مراد ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اتنے نصوص کے مقابلہ میں اس ممانعت والی نصوص کو ترجیح ہوگی۔

تیسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ "احیانہ" کے عموم میں تو حالت حیض اور حالت جنابت بھی داخل ہو جائے گا۔ یہ تو ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

تیسرا جس کو تلاوت سے منع کیا گیا وہ ہمبستری کرنے والا ہے۔ وہ بھی جنبی کے حکم میں داخل ہے۔

چوتھا جس کو تلاوت سے منع کیا گیا۔

حمام اس کے بارے میں بحث اثر نمبر ۲۷۶، ۲۷۷ میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

---

(۱) شرح مہذب ۱۵۸/۲۔ (۲) اسی کو پسند کیا ہے صاحب خلاصہ اور فخر الاسلام بزدوی نے وعلیہ الفتوی۔
(۳) اسی کو پسند کیا ہے صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فتاوی قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں علامہ نسفی نے کنز اور الکافی میں اور علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں بقول علامہ کاسانی کے وعلیہ عامۃ المشائخ۔ (۴) مسلم ۱۶۲/۱ وکذا معارف السنن ۳۴۵/۱۔
(۵) ترمذی، ابن ماجہ، البیہقی۔ (۶) دار قطنی۔ (۷) سنن اربعہ، ابن حبان، طحاوی حاکم، انظر نصب الرایہ ۱۹۶،۱۹۵۔

۲۸۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اُذْكُرِ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ فِى الْحَمَّامِ وَغَيْرِهٖ اِذَا عَطَسْتَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اللہ جل شانہ کا ہر حال میں ذکر کرو حمام وغیرہ میں بھی جب چھینک آئے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

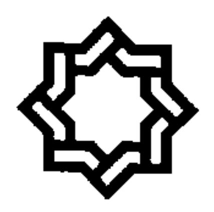
لغات: اُذْكُرْ: فعل واحد مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے فعل منہ ذکر (ن) ذکرًا وتِذکارًا اللّٰہَ تسبیح وتمجید کرنا۔ الشیءَ دل میں یاد کرنا۔

عطست: فعل واحد مذکر حاضر ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ عَطَس (ن ض) عَطْسًا وعُطاسًا چھینکنا الصبحُ پو پھٹنا۔ روشن ہونا۔

تشریح

اس حدیث کا مفہوم قرآن کی اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ الذین یذکرون اللّٰہ قیاما وقعودًا وعلٰی جنوبھم الخ۔

کہ اللہ کا ذکر کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے کرسکتے ہیں۔ ذکر ایک ایسی عبادت ہے جو ہر وقت میں آدمی کر سکتا ہے اس کے ذکر سے غفلت نہیں کرنی چاہئے۔



۲۸۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِحْمَدِ اللّٰهَ عَلٰى اَىِّ حَالٍ كُنْتَ فِىْ خَلَاءٍ اَوْغَيْرِهٖ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ تم ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو بیت الخلاء میں ہو یا کسی اور جگہ پر امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں"۔

لغات: احمد: فعل واحد مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے۔ حمده: (س) حَمْدًا و مَحْمَدًا و محمِدًا و مَحْمَدَةً و مَحْمِدَةً فضیلت کی بناء پر تعریف کرنا۔ حمده علی امر بدل دینا۔ الخلاء: مصدر خالی مکان بیت الخلاء۔

تشریح

بیت الخلاء میں اللہ کا ذکر کرنا

اس بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں بیت الخلاء وغیرہ میں بھی اللہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

وہ استدلال کرتے ہیں روایت عائشہؓ سے انه یذکر اللّٰه علی کل احیانه۔[1]

مگر جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ بیت الخلاء وغیرہ گندی جگہ پر اللہ کا پاک نام لینا اللہ کے نام کی بے ادبی ہے اس لئے ایسے مقامات پر جہاں پر گندگی ہو وہاں پر دل میں ہی اللہ کو یاد کرنا چاہئے۔ اور استدلال کرتے ہیں اس روایت سے جس میں آتا ہے۔ انی کرهت ان اذکر اللّٰه الا علی طهر۔[2]

دوسرا جواب: علامہ سندھیؒ نے دیا کہ یہ اشکال اس وقت ہوگا جب کہ احیانہ کی ضمیر آپ ﷺ کی طرف راجع ہو مطلب اس صورت میں یہی ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام اوقات میں ذکر کیا کرتے تھے اس ترجمہ پر اشکال ہوتا ہے اور اگر ضمیر کا مرجع ذکر بتایا جائے جو یذکر اللہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ تو مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ آپ ﷺ ذکر کے تمام اوقات میں ذکر کیا کرتے تھے۔ ذکر کے اوقات سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں ذکر کرنا مناسب ہوتا ہے۔ اس سے بیت الخلاء خود نکل جائے گا۔[3]

تیسرا جواب: یہ دیا جاتا ہے کہ احیانہ سے مراد احیان عبادت ہے۔

چوتھا جواب: جمہور کے نزدیک بھی جائز ہے خلاف اولیٰ کہنا یہ جواز کے منافی نہیں۔[4]

(۱) مشکوٰۃ۔ (۲) ابوداؤد۔ (۳) حاشیہ السندی علی ابن ماجہ۔ (۴) بذل المجهود۔ تعلیق الصبیح۔

کتاب الصوم

باب الصوم فی السفر و الافطار
سفر میں روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا بیان

صوم اور صیام یہ دونوں مصدر ہیں۔ یہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر اور کبیر میں اور امام مالکؒ نے مؤطا مالک میں اور امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار میں نماز کے بعد صوم کا ذکر فرمایا کیوں کہ نماز اور روزہ یہ دونوں ہی بدنی عبادات ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ روزہ کی فرضیت زکوٰۃ کی فرضیت سے مقدم ہے اس لئے وجوداً مقدم ہوا تو ذکراً بھی مقدم کر دیا اور روایات میں روزے کو زکوٰۃ سے مقدم کیا گیا ہے جیسے کہ روایت ابوالدرداءؓ میں ہے۔

قال سمعت رسول اللہ ﷺ فی حجۃ الوداع یقول اتقوا اللّٰہ وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم وادوا زکوٰۃ اموالکم۔

روزہ کا لغوی معنی

روزہ کے لغوی معنی امساک کے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے: انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا (سورۂ مریم) ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کل ممسک عن طعام او کلام او سیر صائم یعنی ہر کھانے پینے، بولنے اور چلنے پھرنے سے رک جانے والا صائم ہے۔

اسی معنی میں ارطاۃ بن سہیہ المری کا شعر ہے ؎

لظلت قراقر صیاما بظاھر   من الضحل کانت قبل فی لحج خضر

تو اس کے قریب تمام پانی صرف میں آجائے اور اسی لئے وہ بڑی کشتیاں جو قبل اس کی بخشش کے گہرے اور زیادہ پانی میں تھیں تھوڑے اور کھلے ہوئے پانی میں کھڑی رہ جائیں۔

روزے کی اصطلاحی وشرعی تعریف

شریعت میں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھنا، اسی کی طرف قرآن کی اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔

کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل۔

روزہ کب مشروع ہوا

روزہ حضرت آدم علیہ السلام سے اب تک جاری ہے جیسے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: واللہ لقد کتب الصیام علی کل امۃ خلت کما کتب علینا شھرا کاملا بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ شریعت محمدی میں پہلے صرف عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور بعض کے نزدیک ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ یعنی ایام بیض کے روزے فرض تھے پھر غزوۂ بدر سے پہلے ۲ھ شعبان میں تحویل قبلہ کے دس دن بعد پورے رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

۲۸٤

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِیْ سَوْءَةَ قَالَ خَرَجْتُ اُرِیْدُ مَكَّةَ، فَلَقِیْتُ رُفْقَتَیْنِ: فِیْ اِحْدَاهُمَا حُذَیْفَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، وَفِی الْاُخْرٰی اَبُوْمُوْسٰی رضی اللہ عنہ، قَالَ: فَكُنْتُ فِیْ اَصْحَابِ حُذَیْفَةَ، قَالَ فَصَامَ حُذَیْفَةُ وَاَصْحَابُهٗ وَاَبُوْمُوْسٰی وَاَصْحَابُهٗ فَكَانَ حُذَیْفَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یُعَجِّلُ الْاَفْطَارَ وَیُؤَخِّرُ السُّحُوْرَ وَكَانَ اَبُوْمُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یُؤَخِّرُ الْاَفْطَارَ وَیُعَجِّلُ السُّحُوْرَ قَالَ: مُحَمَّدٌ، وَبِقَوْلِ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیم بن مسلم نے بنی سوءۃ کے ایک شخص کی روایت بیان کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ کے ارادہ سے نکلا، میری دو جماعتوں سے ملاقات ہوئی۔ ایک میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دوسری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بھی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بھی

روزے رکھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ افطار جلدی کرتے تھے اور سحری دیر سے کھایا کرتے اور حضرت ابو موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) افطار دیر سے کرتے اور سحری جلدی کھایا کرتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔"

لغات: یؤخر: واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب تفعیل ہفت اقسام مہموز الفاء عنہ بمعنی تاخیر کرنا پیچھے کرنا۔

السحور: واحد السحو بمعنی صبح سے کچھ پہلے۔

تشریح

افطار جلدی کرنا چاہئے۔ اور سحری دیر میں کھانا چاہئے

فَكَانَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ السُّحُوْرَ۔ حضرت حذیفہ افطار جلدی کرتے اور سحری دیر میں کرتے تھے۔

اسی طرح متعدد روایات میں آتا ہے جیسے ایک دوسری روایت میں ہے۔ احب عبادی الی اعجلھم فطرا۔[1]

صحابہ کی عادت یہ نقل کی گئی ہے کہ کان اصحاب محمد ﷺ اسرع الناس افطارا وابطأ سحورا۔[2]

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

احادیث تعجیل الافطار و تاخیر السحور صحاح متواترہ۔[3]

اسی وجہ سے افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کرنے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

ایک دوسری بات جو سنن ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ افطاری میں تاخیر کرتے ہیں[4] تو جلدی کرنے میں ان کی مخالفت بھی ہو جائے گی جو کہ شریعت محمدی میں محمود ہے نیز حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والحکمۃ فی ذلک ان لا یزاد فی النھار من اللیل ولانہ ارفق بالصائم واقوی لہ علی العبادۃ۔[5]

اس بات میں حکمت یہ ہے کہ (رات کی زیادتی سے) دن لمبا نہ ہو جائے نیز اس میں روزہ دار کے لئے آسانی ہے اور اس سے عبادت میں قوت بھی رہے گی۔

علامہ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں فرمایا کہ سحری کھانے میں اتباع سُنّت اور اہل کتاب کی مخالفت ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے نیز عبادت پر قوت، عبادت میں دلبستگی کی زیادتی حاصل ہوتی ہے شدت بھوک سے اکثر بد خلقی پیدا ہو جاتی

ہے،اس سے اس کی مدافعت حاصل ہوتی ہے، یہ وقت خصوصیت سے قبولیت دعا کا بھی ہوتا ہے[۶]

سوال: سحری جلدی کرنا چاہئے۔ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے۔ کہ سحری تو اس اُمت کی خصوصیت ہے جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا فرق مابین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکل السحور۔ سحری کرنا پہلی امتوں میں تو تھا ہی نہیں تو اس کو انبیاء کی سُنّت کیسے کہا گیا۔

جواب اول: احادیث میں تعارض نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ پہلے صرف انبیاء سحری کھاتے تھے اُمتی نہیں، اس اُمت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس اُمت کے ہر فرد کے لئے تاخیر سحری مستحب کر دیا گیا ہے۔

جواب دوم: انبیاء مرسلین کی عادت سحری کھانا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نبی کے اندر یہ بات موجود تھی جیسے کہ کوئی یہ کہے للعلماء خصال حمیدۃ فی البحث والمناظرۃ والتصنیف اس سے لازم نہیں آتا کہ یہ تینوں اوصاف ہر عالم میں موجود ہوں اسی طرح یہ لازمی نہیں کہ ہر نبی سحری کھاتے ہوں۔ بلکہ اگر بعض بھی کھاتے ہوں تب بھی یہ صحیح ہوگا۔[۷]

حضرت ابراہیم بن مسلمؒ کے مختصر حالات:

اساتذہ: آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔

تلامذہ: ان کے شاگردوں میں امام شعبہؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام داؤد بن الزبرقانؒ جیسے حضرات بھی شامل ہیں۔ اکثر محدثین ان کی روایات کو صحیح مانتے ہیں۔

نوٹ: عن رجل من بنی سواۃ اس سے مراد ابواسحٰق الہجری ہیں۔

(۱) ترمذی۔

(۲) مصنف عبدالرزاق ۲۲۴/۴ رقم الحدیث ۷۵۹۱ باب تعجیل الافطار۔

(۳) عمدۃ القاری ۶۶/۱۱ باب تعجیل الافطار۔

(۴) سنن ابوداؤد ۳۲۱/۱ باب مایستحب من تعجیل الفطر۔

(۵) معارف السنن ۳۸/۶۔

(۶) فتح الباری۔

(۷) بنایہ۔ عنایہ۔ شرح ہدایہ۔



۲۸۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ: اَفْطَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاَصْحَابُهٗ فِي يَوْمٍ غَيْمٍ ظَنُّوْا اَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَابَتْ، قَالَ: فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَا تَعَرَّضْنَا لِجُنُفٍ، نَتِمُّ هٰذَا الْيَوْمَ ثُمَّ نَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهٗ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَاْخُذُ، اَيُّمَا رَجُلٍ اَفْطَرَ فِي سَفَرٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، اَوْ حَائِضٍ اَفْطَرَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ فِي بَعْضِ النَّهَارِ، اَوْقَدِمَ الْمُسَافِرُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ اِلٰى مِصْرِهٖ، اَتَمَّ مَابَقِيَ مِنْ يَوْمِهٖ، فَلَمْ يَاْكُلْ وَلَمْ يَشْرَبْ، وَقَضٰى يَوْمًا مَكَانَهٗ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بادلوں والے دن روزہ افطار کیا، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ سورج غروب ہو گیا ہے پھر سورج نکل آیا (غروب اس وقت تک نہیں ہوا تھا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے گناہ کا قصد نہیں کیا تھا۔ (یعنی قصداً روزہ نہیں توڑا) آج کا روزہ مکمل کر لیں گے۔ پھر اس کے بدلے میں ایک روزہ قضاء رکھیں گے۔ امام محمدؒ نے فرمایا جس شخص نے رمضان کے مہینے میں بادل والے دن غروب آفتاب سے پہلے روزہ کھول لیا یا حائض تھی روزہ نہیں رکھا پھر دن کے کسی حصہ میں پاک ہو گئی، یا مسافر، دن کے کسی حصہ میں اپنے وطن واپس لوٹ آیا تو ان میں ہر ایک باقی دن کچھ کھائے پیئے گا نہیں اور اس دن کے بدلہ قضاء روزہ رکھے گا۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: نتم: صیغہ جمع متکلم بحث فعل مضارع معروف باب (ض) ہفت اقسام مضاعف مصدر تَماو تِماو تمامًا وتِمَامًا وتُماما و تَمامةً وتِمامةً بمعنی پورا ہونا بالشیء وعلیہ پورا کرنا علی امرہ جاری ونافذ کرنا۔

نقضی: صیغہ جمع متکلم بحث فعل مضارع معروف باب (ض) ہفت اقسام ناقص یائی مصدر قضاء بمعنی الشیءُ مضبوطی سے بنانا معہ پورا کرنا اور فارغ ہونا الدین قرض ادا کرنا۔

تشریح

بادل والے دن کسی نے روزہ جلدی افطار کر لیا

فِيْ يَوْمٍ غَيْمٍ ظَنُّوْا اَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَابَتْ قَالَ فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ الخ۔ بادلوں والے دن روزہ افطار کیا یہ سمجھ کر کہ

سورج غروب ہوگیا ہے پھر سورج نکل آیا (کہ غروب نہیں ہوا تھا)۔

مطلب یہ ہے کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا بادلوں میں چھپا ہوا تھا کوئی شخص یہ سمجھا کہ سورج غروب ہوگیا ہے اس نے افطار کرلیا، اسی طرح وہ سمجھا کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی تو اس نے سحری کھالی مگر بعد میں معلوم ہوا تو فجر طلوع ہو چکی تھی ایسی صورت میں وہ گناہ گار تو نہیں ہوگا۔ مگر بعد میں اس روزے کی قضاء کرے۔

اور دوسرے یہ کہ ایسا آدمی تشبہ بالصائمین کرے۔ کیوں کہ جب لوگ بعد میں اس کو کھاتے ہوئے دیکھیں گے تو اس پر فسق کی تہمت لگائیں گے اور شریعت نے مواقع تہمت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایاک و ما یقع عند الناس انکارہ وان کان عندک اعتذارہ فلیس کل سامع نکرا یطیق ان تسمعہ عذرا۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے: من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم۔

استدلال

اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کتاب میں موجود ہے۔ بعض کتابوں میں واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رمضان کے مہینہ میں کچھ لوگ مسجد نبوی ﷺ میں جمع تھے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کچھ پیالوں میں دودھ بھیجا بعض حاضرین نے اس گمان سے پی لیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے مگر جب موذن اذان کے لئے اونچے چبوترے پر چڑھا تو اس نے چلا کر کہا کہ واللہ امیر المؤمنین آفتاب چمک رہا ہے غروب نہیں ہوا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے افطار کرلیا وہ اس کی جگہ ایک روزہ بعد میں قضاء رکھے اور جس نے افطار نہیں کیا وہ اپنا روزہ پورا کرے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اور موذن سے فرمایا ہم نے تم کو داعی بنا کر بھیجا ہے راعی بنا کر نہیں بھیجا مختلف طرق کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں روایت زید بن وھب قال اخرجت (قدح) من بیت حفصۃ وعلی السماء سحاب فظنوا ان الشمس قد غابت فافطروا ولم یلتوا ان تجلی السحاب واذا الشمس طالعۃ فقال عمر ما تجانفنا من اثم (طرق حنظلہ) ثم ارتقی الموذن فقال یا امیر المؤمنین واللہ ان الشمس طالعۃ لم تغرب فقال عمر رضی اللہ عنہ من کان افطر فلیصم یوما مکانہ ومن لم یکن افطر فلیتمم حتی تغرب الشمس (وفی طرق اُخر) فقال لہ انما بعثناک داعیا ولم نبعثک راعیا وقد اجتھدنا وقضاء یوم یسیر۔[1]

درمیان دن میں حائضہ پاک ہو جائے یا مسافر واپس آجائے

اَیُّمَا رَجُلٍ اَفْطَرَ فِیْ سَفَرٍ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ اَوْ حَائِضٍ اَفْطَرَتْ ثُمَّ طَھُرَتْ فِیْ بَعْضِ النَّھَارِ۔

اسی طرح دن کے کسی حصہ میں مسافر واپس گھر آگیا یا حائضہ پاک ہوگئی تو اس صورت میں بھی وہ دونوں تشبہ بالصائمین کریں اور بعد میں اس روزے کی قضاء کریں۔

ایسے لوگوں پر قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟

اس بارے میں فقہاء دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: حسن بصریؒ، عروہ بن الزبیرؓ، ابن ابی لیلیٰؒ، عطاءؒ، مجاہدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، امام مزنیؒ وغیرہ حضرات کا ہے، ان سب کے نزدیک ایسی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا اور نہ ہی قضاء لازم آئے گی۔

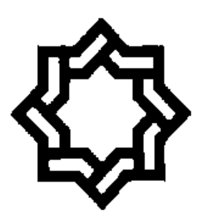
دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ جمہور علماء وفقہاء مثلاً محمد بن سیرینؒ۔ اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، سعید بن جبیرؒ۔ ابوثورؒ وغیرہ کا یہ ہے کہ ایسی صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا اور بعد میں قضاء واجب ہوگی۔

ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ دارومدار نیت پر ہے۔ کیوں کہ یہاں پر اس نے جنایت وجرم کی نیت نہیں کی اس لئے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (۲)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حالات باب الوضوء حدیث نمبر ا کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ۔

(۲) فتح القدیر۔



باب قبلة الصائم و مباشرته

روزہ دار کے بوسہ لینے اور مباشرت کرنے کا بیان

اس باب میں مصنف یہ بیان فرمارہے ہیں کہ روزے کی حالت میں اگر سخت ضرورت ہو تو آدمی اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے بشرطیکہ اس کا اس سے انزال نہ ہو اگر انزال ہوگیا تو اب اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ فی نفسہ بوسہ مفطر صوم نہیں البتہ یہ لوازم مفطر بن جاتا ہے۔

یہاں پر مباشرت سے مراد جماع نہیں ہے بلکہ گلے لگانا یا چمٹانا وغیرہ ہے یا مرد اور عورت کا برہنہ ہو کر ملنا ہے بشرطیکہ شرم گاہ نہ ملے۔ اس کو امام محمدؒ نے تونوادر میں مکروہ کہا ہے امام ابوحنیفہؒ کی امام حسنؒ سے روایت میں بھی یہی ہے کیوں کہ اس میں عموماً فتنہ ہو ہی جاتا ہے فتح القدیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

۲۸۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے۔"

لغات: يُقَبِّلُ: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب تفعیل ہفت اقسام صحیح بمعنی بوسہ دینا۔

صَائِمٌ: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل ہفت اقسام اجوف واوی باب (ن) مصدر صوماً صیاماً معنی روزہ رکھنا جمع صائمون و صوام و صیام۔

۲۸۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَلَاقَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ﴾

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔"

لغات: رضی: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف ہفت اقسام ناقص یائی باب (س) معنی عنہٗ وعلیہ خوش ہونا مصدر رُضًی و رِضًی و رُضوانًا و رِضوانًا و مرضاۃً۔

صلّی: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب تفعیل ہفت اقسام ناقص العصا علی النار او بالنار آگ دکھلا کر سیدھا کرنا صلی و اصلی یدہ ہاتھ گرم کرنا۔

تشریح

روزے کی حالت میں بوسہ لینا کیسا ہے؟

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُقَبِّلُ وَھُوَ صَائِمٌ۔ کہ نبی ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ بوسہ لینے کی صورت میں اگر خروج مذی نہیں ہوتا تو اس میں فقہاء کے چار مذاہب ہیں۔

1. امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، محمد بن حسنؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ، امام اوزاعیؒ کے نزدیک بوسہ لینے کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اور اگر نفس پر پورا قابو ہے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔ مگر نفس پر قابو نہ ہو تو پھر یہ مکروہ ہوگا۔
2. مذہب امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ بوسہ لینے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔
3. امام ابراہیم نخعیؒ، عامر شعبیؒ، عبداللہ بن قاضی شریحؒ، ابوقلابہؒ، مسروق بن الاجدعؒ، محمد بن الحنفیہؒ وغیرہ کے نزدیک محض بوسہ وغیرہ کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، قضا آئے گی مگر کفارہ نہیں آئے گا۔
4. امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، داؤد ظاہریؒ کے نزدیک بوسہ لینا مطلقاً جائز ہے۔ چاہے نفس پر قابو ہو یا نہ ہو ہر حال میں جائز ہے۔[1]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

رسول اللہ ﷺ سے خوب ثابت ہے کہ آپ روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں اسی طرح ہے۔[2]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل بھی امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی حالت صوم میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ کی روایت قالت کان النبی ﷺ یقبل و ھو صائم و یباشر و ھو صائم و لکنہ کان املک لاربہ۔[3]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان یکرہ القبلۃ و المباشرۃ۔[4]

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالی عنہا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بحالت صوم اگر شوہر اپنی بیوی سے بوس و کنار کرتا ہے تو میاں بیوی دونوں کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (۵)

❷ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ان سے جب بوس وکنار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضاء بھی آئے گی۔ (۶)

❸ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حالت صوم میں بیوی کو بوسہ دینے کے مقابلہ میں مجھے آگ کے انگارے چبانا زیادہ پسند ہے۔

تیسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

پہلی روایت یعنی میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت کا دارومدار ابوزید الغنی ہے اور یہ راوی مجہول ہے اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

دوسری روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی۔ اس کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل حالت صوم میں اپنی بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرنے کا تھا اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

دوسری روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جو حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور خود سعید بن المسیب کا فتویٰ جائز ہونے کا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح سند کے ساتھ یہ روایت بھی آتی ہے کہ میں نے حالت نشاط میں اپنی بیوی کو بوسہ دیا۔ اس پر بہت پریشان ہوا نبی ﷺ سے آکر کہا کہ مجھ سے بڑا گناہ ہو گیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے حالت صوم میں کلی کی ہے اس سے روزے میں کوئی فرق نہیں آتا میں نے کہا کہ جی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بوس وکنار ہونا ایسا ہی ہے اس سے گناہ نہیں۔

اس میں الفاظ ہیں ھششت، نشاط میں آجانا۔ ففیم پھر کس جرم کا گناہ ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حالت صوم میں بوسہ لیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ حضور ﷺ کا عمل ہے۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۹/۱۱، معارف السنن ۵/۴۰۵، نیل الاوطار ۴/۵۹، اوجز المسالک ۳/۲۲ نووی ۱/۳۵۲، شامی ۲/۴۱۷۔
(۲) طحاوی ۱/۳۴۵۔ (۳) ابوداؤد۔ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ۔ (۵) طحاوی ۱/۳۴۳۔ (۶) طحاوی ۱/۳۴۴۔

۲۸۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا رَجُلٌ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصِيْبُ مِنْ وَجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ قَالَ مُحَمَّدٌ لَانَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا اِذَا مَالَكَ الرَّجُلُ نَفْسَهٗ عَنْ غَيْرِ ذٰلِكَ اَیْ الْاِنْزَالَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں ان کے چہرے کو سہلا لیتے (نرمی سے ہاتھ پھیر لیتے) تھے امام محمدؒ نے فرمایا انسان کو اگر اپنے اوپر قابو ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: کان یُصِیْبُ: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی استمراری معروف باب افعال ہفت اقسام جوف واوی معنی من الشیء لینا الشیءِ پانا، جڑے اکھیڑنا، پشت کرنا مصدر اصابۃً و مصابۃً۔

لانری: صیغہ جمع متکلم معروف بحث نفی فعل مضارع معروف باب (ف) مصدر رأیا و رُؤیۃً و راءۃً و رئیانا معنی بصارت یا بصیرت سے دیکھنا اور نری کی اصل نرءِی لیکن اصل کا استعمال بہت ہی نادر ہے ہفت اقسام مهموز العین و ناقص یائی۔

۲۸۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ قَالَ مُحَمَّدٌ لَانَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا مَالَمْ يَخَفْ عَلٰى نَفْسِهٖ غَيْرَ الْمُبَاشَرَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ روزہ کی حالت میں چمٹالیا کرتے ہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا اگر اس طرح چمٹانے سے آگے بڑھنے کا خوف نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: کان یباشر: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی استمراری معروف باب مفاعلہ ہفت اقسام صحیح معنی

الامر کسی کام کو خود کرنا المرأۃ جماع کرنا۔

لم یخف: صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف باب (س) مصدر خوفاً وخیفاً ومخافۃً و خیفۃ معنی گھبرانا، احتیاط کرنا، ڈرنا۔

تشریح

اسی طرح ثعلبہ بن حضیر العذری کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم جس مباشرت (جسم کو جسم سے ملانا) اور بوسہ سے ممانعت فرماتے ہیں وہ مفضی الی الجماع والا تھی۔ اگر مفضی الی الجماع کا خطرہ نہ ہو تو پھر کراہت بھی نہیں ہوگی۔ (۱)

اسی طرح حضرت عطاء بن یسار کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حالت صوم میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا پھر وہ شخص بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کو مسئلہ معلوم کرنے کے لئے اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس بھیجا۔ اس نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کو حالت صوم میں بوسہ دیا کرتے تھے۔ بیوی نے جب یہ آکر بتلایا تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہوگی۔ انہوں نے پھر اپنی بیوی کو بھیجا اس وقت حضور ﷺ خود حضرت اُمّ سلمہ کے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے ان کو یہ نہیں بتلایا کہ میں اپنی بیویوں کے ساتھ ایسا کیا کرتا ہوں حضرت اُمّ سلمہ نے کہا کہ جی ہاں بتا چکی ہوں اس عورت نے اپنے شوہر کے پاس آکر واقعہ بتلایا تو شوہر کے دل میں اور زیادہ شبہ پیدا ہو گیا کہ اور کہا کہ ہم آپ ﷺ کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے رسول کے لئے جو چاہا حلال کر دیا جس میں ہم شریک نہیں ہو سکتے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ ناراض ہو کر مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرنے والا ہوں اور اللہ تعالی کی حدود کو زیادہ جاننے والا ہوں جو عمل میں کرتا ہوں وہ تمہارے لئے بھی جائز ہے۔

اس سے بھی جواز قبلہ کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ (۲)

امام طحاوی کی عقلی دلیل

حالت صوم میں کھانا پینا اور جماع وغیرہ یہ سب چیزیں جس طرح آپ ﷺ کے لئے حرام ہیں اسی طرح پوری اُمت کے لئے حرام ہیں اور جب بحالت صوم اپنی بیوی کا بوسہ لینا آپ ﷺ کے لئے بلا کراہت جائز اور مباح ہے تو پوری اُمت کے لئے بھی جائز اور مباح ہونا چاہئے۔ تو جس طرح جماع وغیرہ میں حکم یکساں ہے تو اسی طرح بوسہ کے

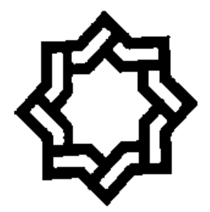
مسئلہ میں بھی حکم یکساں ہی ہوگا۔ (۳)

① حضرت شعبیؒ کے حالات باب المسح علی الخفین حدیث نمبر ۱۱ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔
② حضرت مسروقؒ کے حالات باب تسلیم الامام وجلوسہ حدیث نمبر ۱۰۵ کے ضمن میں میں گزر چکے ہیں۔
③ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات باب الغسل من الجنابۃ حدیث نمبر ۴۵ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) طحاوی ۱/ ۳۴۷۔

(۲) طحاوی ۱/ ۳۴۷۔

(۳) طحاوی ۱/ ۳۴۶۔



باب ماینقض الصوم

روزہ توڑنے والی چیزوں کا بیان

یہاں سے مصنف روزے کو توڑنے والی چیزوں کو بیان فرمارہے ہیں۔ یہ چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض ایسی ہیں کہ جن سے صرف روزہ کے توڑنے پر اس کی قضاء واجب ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ جس کے ارتکاب سے قضاء اور کفارہ دونوں ہی واجب ہوتے ہیں مصنف نے ان دونوں ہی قسموں کو اس باب میں ذکر کردیا ہے۔

۲۹۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُمَضْمِضُ اَوْ يَسْتَنْشِقُ وَهُوَ صَائِمٌ فَيَسْبَقُهُ الْمَاءُ فَيَدْخُلُ حَلْقَهٗ قَالَ يُتِمُّ صَوْمَهٗ، ثُمَّ يَقْضِيْ يَوْمًا مَكَانَهٗ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اِنْ كَانَ ذَاكِرًا لِلصَّوْمِ فَاِذَا كَانَ نَاسِيًا لِلصَّوْمِ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو روزہ کی حالت میں کلی کرے یا ناک میں پانی ڈالے اور پانی خود بخود حلق میں چلا جائے فرمایا وہ اپنا روزہ پورا کرے پھر اس کے بدلے میں ایک اور دن قضاء کرے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اسے اپنا روزہ یاد ہو اگر روزہ یاد نہ ہو تو اس پر قضاء بھی نہیں ہے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: یمضض: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب فعللۃ ہفت اقسام صحیح، مصدر مضمضۃً و مضماضا و مضماضًا معنی الماءَ فی فیہ پانی کو منہ میں پھرانا، الثوب وغیرہ دھونا۔

یستنشق: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب استفعال ہفت اقسام صحیح معنی الماءَ فی انفہ ناک میں پانی ڈالنا۔

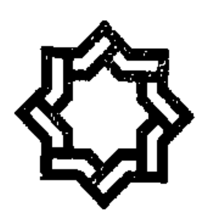
تشریح

کلی کرنے کے دوران پانی حلق میں چلا جائے

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی روزہ دار نے کلی کی اور پھر بغیر کسی ارادہ اور مقصد کے کلی کا پانی اس کے پیٹ کے اندر چلا گیا تو اب دو صورتیں ہوں گی۔ کہ اس کو اپنا روزہ یاد ہے یا نہیں۔ اگر اس کو اپنا روزہ یاد تھا تو اب اس صورت میں اس کا یہ روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس روزے کی بعد میں قضاء کرنا لازمی ہوگی۔ ہاں اس فاسد روزے پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر اس کو کلی کرتے وقت اپنا روزہ یاد نہیں تھا اور بے خیالی میں پانی اندر پیٹ میں چلا گیا تو اب اس صورت میں نہ ہی روزہ فاسد ہوگا اور نہ قضاء آئے گی۔[1]

(۱) شامی۔



۲۹۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ فِي الْقَيْءِ لَاقَضَاءَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ تَعَمَّدَهُ فَيُتِمُّ صَوْمَهُ ثُمَّ يَقْضِيْهِ بَعْدُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے قے کے بارے میں فرمایا اس پر قضاء نہیں الا یہ قصداً اس نے قے کی ہو تو روزہ پورا کر کے بعد میں اس کی قضاء کرے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: القئی: مصدر ہے معنی قے کرنا فعل قاء یقی۔

نَاْخُذُ: صیغہ جمع متکلم بحث فعل مضارع معروف، باب (ن) مصدر اخذاً و تأخاذاً معنی ہ وبہ پکڑنا، ہ بذنبہ سزا دینا، مواخذہ کرنا، لینا ہفت اقسام مھموز الفاء۔

تشریح

روزے کی حالت میں قے ہو تو اس کی چوبیس قسمیں ہیں۔ (۱)

ان میں سے صرف دو صورتیں ایسی ہیں۔ جن میں بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ دو صورتیں یہ ہیں:

❶ کوئی شخص جان بوجھ کر منہ بھر کر قے کرے۔

❷ کسی کو اپنے آپ قے ہو جائے اور وہ منہ بھر کر ہو اور پھر وہ اس کو حلق میں لوٹا دے۔ (۲)

تیسری صورت میں اختلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ قے جان بوجھ کر کرے اور وہ منہ بھر کر نہ ہو تو اس صورت میں امام ابویوسفؒ کے نزدیک تو روزہ فاسد نہیں ہوگا مگر امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا۔ (۳)

اور باقی انیس صورتوں سے متعلق ائمہ کے کتب فقہ میں دو مذہب مذکور ہیں۔

❶ عبدالرحمٰن اوزاعیؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، ابوثورؒ کے نزدیک ہر حال میں روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ قے بلاقصد کرے یا بالقصد خواہ منہ بھر کر ہو یا نہ ہو۔

❷ امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، مالکؒ، امام احمدؒ، حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابن سیرینؒ، عامر شعبیؒ، علقمہ بن مرثدؒ کے نزدیک اوپر ذکر کردہ تینوں صورتوں کے علاوہ کسی میں بھی روزہ فاسد نہیں

ہو گا۔[۴]

مذہب اول والوں کے دلائل

❶ روایت ابوالدرداء نبی ﷺ کو قے ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے بعد افطار فرمالیا۔[۵]

❷ روایت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے روزہ کی حالت میں پینے کے لئے کوئی چیز منگوائی تو لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ تو روزے سے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے روزہ رکھا تھا مگر مجھے قے ہوگئی۔[۶]

مذہب دوم والوں کے دلائل

❶ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص کو بلا اختیار قے آجائے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر اس کی قضاء آئے گی اور جو بالقصد قے کرے وہ اپنا روزہ بعد میں قضاء کرے۔[۷]

❷ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جو قصداً منہ بھر کر قے کرے یا قے ہوجائے اور وہ منہ بھر کر ہو وہ حلق میں لوٹادے ان دو صورتوں میں روزہ فاسد ہوجائے گا۔[۸]

مذہب اول والوں کے دلائل کا جواب

پہلی حدیث ان کی حضرت ابوالدرداء کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کو قے ہوئی تو کمزوری آگئی اس کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ نے افطار فرمایا لیا یہ نہیں کہ قے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوچکا تھا۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نفلی روزہ رکھ رکھا تھا قے کی کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ نے بالقصد روزہ توڑا تھا۔[۸]

دوسری روایت کا جواب بھی یہی دیا جاتا ہے کہ قے کے بعد کمزوری کی وجہ سے آپ نے بالقصد روزہ توڑ دیا تھا۔ جیسے کہ ایک اور روایت میں جس کے راوی ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ ہیں یوں تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں مفسد روزہ نہیں ہیں۔

❶ حجامت یعنی پچھنا لگوانا۔

❷ احتلام۔

❸ قے۔[۹]

روزہ دار کو قے خود آئے گی یا جان بوجھ کر وہ کرے گا۔ پھر اس کی دو صورت ہوں گی کہ منہ بھر کر ہو یا منہ بھر کہ نہ

ہو۔ پھر ان چار صورتوں میں قے باہر ہو جائے گی یا اندر لوٹ جائے گی یا لوٹا دے گا پھر ہر صورت میں روزہ یاد ہو گا یا نہیں ہو گا۔

نقشہ اس طرح سے بنے گا۔

(ا) چوبیس صورتیں اس طرح بنتی ہیں۔

(۱) اوجزالمسالک ۳/ ۷ ۲شامی ۲/ ۴۱۴۔

(۲) بدائع الصنائع ۲/ ۹۲۔

(۳) اوجزالمسالک ۳/ ۱۶معارف السنن ۵/ ۳۸۹۔

(۴) طحاوی ۳۴۸۔

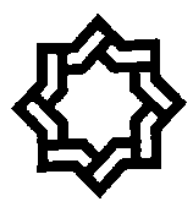
(۵) طحاوی ۳۴۸۔

(۶) ترمذی ۱/ ۱۵۳، طحاوی ۳۴۸۔

(۷) طحاوی ۳۴۸۔

(۸) عرف الشذی شرح ترمذی ۱/ ۱۵۳۔

(۹) ترمذی ۱/ ۱۵۲۔



۲۹۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِى الرَّجُلِ يُصِيْبُ اَهْلَهٗ وَهُوَ صَائِمٌ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ يُتِمُّ صَوْمَهٗ وَيَقْضِىْ مَا اَفْطَرَ وَيَتَقَرَّبُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ خَيْرٍ وَلَوْعَلِمَ بِهِ الْاِمَامُ عَزَّرَهٗ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَنَرٰى مَعَ ذٰلِكَ اَنَّ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ اَوْصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ اَوْشَعِيْرٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

”حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں جو رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کر لے یہ مروی ہے کہ وہ روزہ پورا کرے گا۔ اور جو روزہ توڑ دیا ہے اس کی قضاء کرے گا اور خیر کے ان کاموں سے اللہ کا قرب حاصل کرے گا جو اس کے بس میں ہوں اور اگر اس کا علم امام کو ہو گیا تو وہ اسے سزا دے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس پر کفارہ آئے گا جو ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو اس طرح کھانا کھلائے گا کہ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یا کھجور یا جو کا ایک صاع بطور کھانا دیدے۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔“

لغات: یتقرب: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب تفعل ہفت اقسام صحیح معنی الی اللہ باللہ قربت ڈھونڈنا الرجلَ کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ مصدر تقربا و تقرابا۔

استطاع: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب استفعال ہفت اقسام اجوف واوی مصدر استطاعۃً معنی الامر طاقت رکھنا اور حذف تاء کے ساتھ اسطاع یسطیع کہا جاتا ہے۔

تشریح

روزہ کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا

فِى الرَّجُلِ يُصِيْبُ اَهْلَهٗ وَهُوَ صَائِمٌ۔ کہ اگر کوئی فرض روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ہمبستری کر لے تو اب کفارہ کیا ہوگا۔

اس بارے میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: عوف بن مالک الاشجعیؒ اور عبداللہ بن وہبؒ کا ہے، ان دونوں کے نزدیک حسب استطاعت صدقہ کرنا کافی ہے کوئی متعین وزن طے نہیں۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیؒ ابن جریج فلیح بن سلیمانؒ کا ہے اور ایک روایت امام احمدؒ کی ہے کہ کفارہ اور قضاء دونوں لازم ہیں۔ اور کفارہ دینے (یعنی غلام کے آزاد کرنے یا دو ماہ کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے) میں ان کے نزدیک کوئی ترتیب ضروری نہیں ہے۔

تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، ابوثورؒ وغیرہ حضرات فقہاء کا ہے، ان کے نزدیک کفارہ اور قضاء دونوں ضروری ہیں اور کفارے کی آپس میں ترتیب ضروری ہے تینوں صورتوں میں ترتیب ضروری ہے۔ (۱)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا۔ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا کہ میں ہلاک ہو گیا کہ جماع کر لیا اپنی بیوی سے پھر کچھ دیر کے بعد کچھ کھجور آئیں آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا اس کو صدقہ کر دو۔ (۲)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک شخص نے روزہ توڑ دیا تو آپ ﷺ نے اس کو ایک غلام آزاد کرنے یا پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا چونکہ اس روایت میں لفظ "او" ہے جس سے اختیار معلوم ہوتا ہے۔ (۳)

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

تیسرے مذہب والوں کا استدلال بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت سے ہے۔ اصل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تفصیل ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو اس آدمی نے کہا کہ جی نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا دو ماہ پے در پے روزہ رکھ سکتے ہو تو انہوں نے کہا جی نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو تو انہوں نے کہا جی نہیں۔ الخ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب ضروری ہے۔ (۴)

اَنَّ عَلَیْہِ الْکَفَّارَۃُ عِتْقُ رَقَبَۃٍ۔ کہ اس پر کفارہ آئے گا جو ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ جس شخص نے رمضان میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر لیا ہو سب سے پہلے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کو کہا جائے گا۔ اس غلام میں مؤمن ہونے کی شرط ہے یا مطلق غلام کافی ہوگا۔ اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک کفارے میں مؤمن کا غلام کا آزاد کرنا ضروری ہوگا اگر کسی نے کافر غلام کو آزاد کر دیا تو اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا دوبارہ ادا کرنا پڑے گا۔

دوسرا مذہب: احناف کے نزدیک مذکورہ حدیث میں مطلقاً غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے غلام خواہ کافر ہو یا مومن ہو حال میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔ (۵) اور اگر غلام نہ ملے تو پھر ساٹھ دنوں کے مسلسل روزہ رکھے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا پہنچانا ہے اسکو سورت مجادلہ میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک روزے کے بارے میں کیا صدقہ دے گا

لِکُلِّ مِسْکِیْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ حِنْطَۃٍ اَوْ صَاعٍ مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرٍ۔ اگر وہ غلام آزاد نہ کر پائے تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو پھر ساٹھ مسکینوں کو بطور کھانا گندم یا جو یا کھجوریں دے گا۔

ایک روزے کے بدلے میں کتنی گندم دی جائے گی۔ اس میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالک، امام شافعی، امام احمدؒ، کے نزدیک ربع صاع فی مسکین ہے یعنی ایک مد، تو ساٹھ مسکینوں کے لئے پندرہ صاع ہو جائے گا۔

دوسرا مذہب: احناف اور امام سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک نصف صاع ہوگا۔ (۶)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (وفیہ) فاتی بعرق قدر خمستہ عشر صاعا۔ (۷)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

1. روایت ابن عباس یطعم کل یوم مسکینا نصف صاع من بر۔ (۸)
2. روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فامرہ ان یجلس فجاء عرقان فیھما طعام فامرہ ان یتصدق بہ فاذا کان العرق خمسۃ عشر صاعا۔ (۹) یعنی دو عرق ہوں تو یہ تیس صاع ہوگا ہر مسکین کو نصف صاع آئے گا۔

پہلے مذہب والوں کا جواب

احتیاط اسی میں ہے کہ نصف صاع دیا جائے جب کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح بھی آئی ہے تو اسی کو احتیاطاً مقدم کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ جس روایت میں ربع صاع کا حکم آیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ فی الحال ربع صاع دے دیا جائے پھر اس کے ذمہ ربع صاع باقی رہا جو بعد میں ادا کیا جائے گا۔[10]

کیا جان بوجھ کر کھانے یا پینے سے بھی کفارہ آئے گا؟

اس بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام شافعیؒ، احمدؒ اور اصحاب ظواہر کا ہے، ان کے نزدیک کھانے پینے میں روزہ تو فاسد ہو جائے گا بعد میں قضاء آئے گی کفارہ نہیں آئے گا۔

دوسرا مذہب: احناف، مالکؒ، سفیان ثوریؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ کا ہے ان کے نزدیک جماع کی طرح کھانے پینے سے بھی قضاء کے ساتھ کفارہ آئے گا۔[11]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

پہلے مذہب والے فرماتے ہیں کہ جماع میں کفارے کا حکم دینا یہ خلاف قیاس ہے اس لئے اس کو اپنی جگہ پر منحصر رکھیں گے اس پر کھانے پینے کو قیاس نہیں کریں گے۔[12]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امر رجلا افطر فی رمضان ان یعتق رقبۃ او یصوم شھرین او یطعم ستین مسکینا۔[13]

❷ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امر رجلا اکل فی رمضان ان یعتق۔[14]

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

ولنا حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ افطرت فی رمضان قال من غیر مرض ولا سفر قال نعم فقال اعتق رقبۃ۔[15]

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں۔ جماع۔ کھانا۔ پینا۔ یہ تینوں روزے کے رکن ہیں۔ تینوں برابر کے حکم میں ہیں۔ تو

جس طرح جماع سے کفارہ آتا ہے تو اسی طرح کھانے سے پینے سے بھی کفارہ آئے گا کیوں کہ تینوں کا حکم ایک ہی ہے۔ (۱۲)

پہلے مذہب والوں کا جواب

کھانے پینے کے بارے میں بھی نص وارد ہے صرف قیاس علی الجماع نہیں ہے۔

اس مذہب والوں کے نزدیک کچھ شرائط ہیں۔

❶ روزہ دار مکلف یعنی عاقل اور بالغ ہو۔

❷ روزہ رمضان کا ہو اور رمضان ہی کے مہینہ میں ہو اگر قضاء رمضان میں ایسا کیا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

❸ روزہ توڑنے سے پہلے کوئی عذر مانع پیش نہ آئے جو کفارہ کو ساقط کر دیتا ہے مثلاً حیض شروع ہو جائے یا نفاس وغیرہ لاحق ہو جائے۔

❹ نیت رات ہی سے کی ہو اگر طلوع فجر کے بعد نیت کی ہو ایسا روزہ توڑنے پر کفارہ نہیں آئے گا۔

❺ روزہ اپنی مرضی اور خوشی سے توڑا ہو اگر جبراً توڑا تو بھی کفارہ نہیں آئے گا۔

---

(۱) اوجز المسالک ۳/ ۳۴، ۳/ ۳۷۔

(۲) مسلم ۱/ ۳۵۵۔

(۳) طحاوی ۱/ ۳۲۸۔

(۴) طحاوی ۱/ ۳۲۸۔

(۵) اوجز المسالک ۳/ ۳۷، نووی ۱/ ۳۵۵، نیل الاوطار ۴/ ۹۹۔

(۶) بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۰۵، طحاوی ۱/ ۳۲۲، نووی ۱/ ۳۵۵۔

(۷) ابوداؤد وھکذا فی روایۃ بیہقی ودار قطنی خمسہ عشر صاعاً من تمر۔

(۸) دار قطنی۔

(۹) مسلم۔

(۱۰) عمدۃ القاری ۵/ ۲۳۷، بذل المجہود ۳/ ۱۵۵، ۱۵۶۔

(۱۱) فتح الملہم ۳/ ۱۳۳، بذل المجہود ۳/ ۱۵۴، تعلیق الصبیح ۲/ ۳۸۷، عمدۃ القاری ۵/ ۲۴۷، کوکب الدری ۱/ ۲۵۳۔

(۱۲) حاشیۃ الہدایہ ۱/ ۱۹۹ بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۰۲۔

(۱۳) مسلم۔ (۱۴) دار قطنی۔

(۱۵) مبسوط سرخسی۔ (۱۶) فتح القدیر ۲/ ۷۱۔

باب فضل الصوم

روزے کی فضیلت کا بیان

اس باب میں مصنف روزے کی فضیلت کو بیان فرمارہے ہیں کہ عاشوراء اور عرفہ کے دن کا کسی نے روزہ رکھا تو کیافائدہ ہوگا۔

ایک دوسری روایت قدسی میں روزے کی فضیلت کی انتہاء ہی کردی گئی اور یہ فرمایا گیا کہ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کہ روزہ میرے ہی لئے ہے اور اس کا بدلہ تو میں خود ہی دوں گا" روزے کے علاوہ باقی دوسری عبادات میں ریا کا دخل ہوتا ہے مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اس میں ریاء کا خطرہ بھی نہیں ہوتا۔ کہ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ اس صورت میں اس کو اللہ کا خاص قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ یا کھانا پینا چھوڑ کر یہ ملائکہ کے مشابہ بن جاتا ہے وہ مقرب ہیں تو یہ بھی مقرب بن جاتا ہے۔ یا بعض لوگ فرماتے ہیں کہ روزہ کسی غیر اللہ کے لئے نہیں ہوسکتا بخلاف دوسری عبادات کے دوسرے کے لئے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔[1]

روزے کے فضائل پر بھی علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

۲۹۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ صَوْمُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ یَعْدِلُ بِصَوْمِ سَنَةٍ وَصَوْمُ یَوْمِ عَرَفَةَ بِصَوْمِ سَنَتَیْنِ سَنَةً قَبْلَهَا وَسَنَةً بَعْدَهَا﴾

"حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا عاشوراء کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور نویں ذی الحجہ کا روزہ دوسال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک سال پچھلا اور ایک اس کے بعد والا۔"

لغات: یعدل: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب (ض) ہفت اقسام صحیح معنی السھم تیر کو سیدھا کرنا فلانا بفلان برابری کرنا مصدر عدلا۔ سنتین تثنیہ: معنی دوسال۔

تشریح

قَالَ صَوْمُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ یَعْدِلُ بِصَوْمِ سَنَةٍ۔ عاشوراء کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے۔

عاشوراء کی وجہ تسمیہ

❶ عاشوراء یہ عشر سے ماخوذ ہے بروزن فاعولاء (بالمد) یہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو ہوتا ہے اس لئے اس کو عاشوراء کہا جاتا ہے۔

❷ یا عاشوراء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں دس انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو دس معجزات سے نوازا گیا۔(۲)

عاشورا کس دن کو کہتے ہیں؟

اس بارے میں علماء اُمت کے تین اقوال ملتے ہیں۔

❶ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے صاحب ترمذی سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ عاشوراء محرم الحرام کی نویں تاریخ کو کہتے ہیں۔(۳)

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں یہی اصح ہے۔(۴)

❸ تیسرا قول فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کا ہے ان کے نزدیک عاشوراء گیارہویں محرم کو کہتے ہیں۔(۵)

عاشوراء کے روزے کا کیا حکم ہے؟

اس میں تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، علامہ باجی مالکیؒ ودیگر فقہاء کا ہے، ان کے نزدیک رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض یا واجب تھا، مگر فرضیت صوم رمضان کی فرضیت کے بعد اس کی یا وجوب منسوخ ہوگیا اب یہ روزہ مستحب ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ کا ہے، ان کے نزدیک فرضیت صوم رمضان سے پہلے بھی عاشوراء کا روزہ واجب نہیں تھا بلکہ اسلام میں کبھی بھی عاشوراء کا روزہ واجب نہیں رہا ہمیشہ سُنّت یا مستحب ہی رہا ہے۔

تیسرا مذہب: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ بالقصد تنہاء عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔(۶)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاہلیۃ فکان رسول اللہ ﷺ

یصوم فی الجاھلیة فلما قدم المدینة صامه و امر بصیامه فلما فرض رمضان ترک یوم عاشوراء فمن شاء صامه ومن شاء ترکه۔ (۷)

❷ روایت سلمة بن الاکوع ﷺ قال امر النبی ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم بقیة یومه ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء۔ (۸)

❸ روایت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قال قدم النبی ﷺ المدینة فرای الیهود تصوم یوم عاشوراء فقال ماھذا قالوا ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللّٰہ بنی اسرائیل من عدوھم فصامه موسی قال فانا احق بموسی منکم فصامه و امر بصیامه۔ (۹)

❹ روایت اسماء بن حارثة ﷺ قال بعثنی رسول اللّٰہ ﷺ یوم عاشوراء فقال ائت قومک فمرھم ان یصوموا ھذا الیوم قال یارسول اللّٰہ ما ارانی اتیھم حتی یطعموا؟ قال مر من طعم منھم فلیصم بقیة یومه۔ (۱۰)

❺ عبدالرحمٰن بن مسلمة عن عمه ان اسلم اتت النبی ﷺ فقال صمتم یومکم ھذا؟ قالوا لا قال فاتموا بقیة یومکم واقضوه۔ (۱۱)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت معاویة ﷺ سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول ھذا یوم عاشوراء ولم یکتب اللّٰہ علیکم صیامه وانا صائم فمن شاء فلیصم ومن شاء فلیفطر۔ (۱۲)

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

صوم عاشوراء منسوخ ہو چکا ہے تو لہٰذا اگر بالقصد اس دن کا روزہ رکھے تو مکروہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس دن کی اب کوئی خصوصیت باقی نہیں ہے۔

دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایت صوم رمضان کے فرضیت کے بعد پر محمول ہے۔

تیسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

اس دن کے روزے کی فرضیت تو ختم ہو گئی مگر فضیلت باقی ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ اس دن کا روزہ آخری وقت

تک رکھتے رہے ہیں ہاں یہود کی مشابہت کی وجہ سے ایک دن کا روزہ نہ رکھے بلکہ ۹، ۱۰ یا ۱۰، ۱۱ کا روزہ رکھے جیسے کہ حضور ﷺ نے تمنا ظاہر فرمائی تھی کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو یہود کی مخالفت میں عاشوراء سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھوں گا۔[۱۳]

مگر اب تو قریباً ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ اس دن کا روزہ مستحب ہے۔[۱۴]

خلاصہ یہ ہوا کہ عاشوراء میں دو روزے رکھے جائیں نو اور دس تاریخ کے یا دس اور گیارہ کے، اگر کسی نے صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لیا تو بقول علامہ ابن عابدینؒ کے وہ مکروہ ہوگا۔[۱۵]

مگر علامہ کاسانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ دو روزے رکھنا چاہئے اگر کسی نے ایک روزہ بھی رکھ لیا تو وہ مکروہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے پوری زندگی ایک ہی دن کا روزہ رکھا۔ ولم یکرھه عامتهم لانه من الایام الفاصلة فیستحب استدراک فضیلتها بالصوم۔[۱۶]

نیز شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بعض فقہاء نے عاشوراء کے دن کے روزے کو مکروہ کہا ہے مفضول کے اعتبار سے کہ پہلی صورت کے مقابلہ میں ادنی ہے اور کبھی کبھی مفضول پر فقہاء کراہت کا اطلاق کر دیتے ہیں لہٰذا عوام کو دسویں تاریخ کے روزہ رکھنے کو منع نہیں کیا جائے گا۔[۱۷]

صوم یوم عرفه بصوم سنتین سنة قبلها وسنة بعدها۔ عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے۔

عرفہ کا وجہ تسمیہ

❶ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں الگ اتارا گیا اور حضرت حواء علیہا السلام کو الگ پھر ان کی ملاقات میدان عرفات میں ہوئی۔ اسی مناسبت سے اس میدان کا نام عرفات ہو گیا۔ وقوف عرفات کے دن کو یوم عرفہ کہتے ہیں۔

عرفہ کس دن کو کہتے ہیں

اس بارے میں اتفاق ہے کہ محرم ذی الحج کی نویں تاریخ کو عرفہ کہتے ہیں۔

عرفہ کے روزے کا کیا حکم ہے؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: بعض محدثین اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک عرفات کے دن روزہ رکھنا حاجی اور غیر حاجی سب کے لئے

حرام اور ناجائز ہے جیسے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ جمہور فقہاء و محدثینؒ کے نزدیک عرفات کے دن غیر حاجی کے لئے روزہ رکھنا مستحب اور افضل ہے۔ اور حاجی کو میدان عرفات میں اس دن روزہ رکھنا مکروہ ہو گا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

ان حضرات کا استدلال روایت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ اس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایام قربانی، ایام تشریق اور یوم عرفہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے جو کھانے پینے کا دن ہے۔ تو اس حکم میں سب برابر ہوں گے۔ (۱۸)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ حدیث متن (جسے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی ۱/۱۵۷ میں بھی نقل کیا گیا) کہ جو روزہ رکھے کہ اس کو دو سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

❷ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جب ان سے پوچھا گیا عرفہ کے دن اور جمعہ کے دن روزے رکھنے کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنا چاہئے۔

❸ روایت ابن عباسؓ: ان النبی ﷺ افطر بعرفۃ وارسلت الیہ اُم الفضل بلبن فشرب۔ (۱۸)

❹ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ: حججت مع النبی ﷺ فلم یصمہ یعنی یوم عرفۃ ومع ابی ابکر فلم یصمہ ومع عمر فلم یصمہ ومع عثمان فلم یصمہ۔ (۱۹)

پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

عرفہ کو جو عید کہا گیا ہے وہ حاجی کے بارے میں ہے جیسے حدیث ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے ان رسول اللہ ﷺ نہی عن صیام یوم عرفۃ بعرفۃ۔ (۲۰)

مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ جس حاجی کو عرفہ کے دن اس بات کا یقین ہو کہ اگر میں روزہ رکھ لوں گا تو وقوف عرفات اور منی اور مزدلفہ کی طرف روانگی میں خلل نہیں آئے گا تو ایسے حاجی کے لئے بھی روزہ مستحب ہو گا۔ (۲۱)

نوٹ: حضرت سعید بن جبیرؒ کے حالات باب الوضوء مما غیرت النار کی حدیث نمبر ۱۶ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) فتح الباری ۷/۹۱، ۹۴ باب افضل الصوم۔

(۲) اوجز المسالک ۳/ ۴۸ پر ہے کہ دس انبیاء علیہم السلام پر یہ معجزات آئے۔
① حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی عاشوراء کے دن جبل جودی پر جا کر ٹھہری۔
② حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔
③ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔
④ یوسف علیہ السلام کنویں سے عاشوراء کے دن نکالے گئے۔
⑤ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی عاشوراء کے دن آسمان پر اٹھالئے گئے۔
⑥ حضرت ابراہیم علیہ السلام عاشوراء کے دن پیدا ہوئے۔
⑦ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ عاشوراء کے دن ہی قبول ہوئی۔
⑧ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی اسی دن لوٹی۔
⑨ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی عاشوراء کے دن دریا سے پار ہوئے اور فرعون غرق ہوا۔
⑩ حضور ﷺ پر آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر و یتم نعمتہ علیک و یھدیک صراطا مستقیما۔ (فتح:۲) نازل ہوئی۔ عمدۃ القاری ۱۱/ ۱۱۷ اوجز المسالک ۳/ ۴۸
(۳) معارف السنن ۵/ ۴۳۸ ترمذی ۱/ ۱۵۸ ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے۔ قال انتھیت الی ابن عباس و ھو متوسد رداءہ فی زمزم فقلت اخبرنی عن یوم عاشوراء ای یوم اصومہ؟ فقال اذا رایت ھلال المحرم فاعدد ثم اصبح من یوم التاسع صائما قال قلت اھکذا کان یصومہ محمد ﷺ؟ قال نعم بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نویں اور دسویں دونوں تاریخوں میں روزہ رکھا جائے۔ (ترمذی ۱/ ۱۵۸)۔
(۴) نیل اوطار ۴/ ۱۲۷۔ (۵) اوجز المسالک ۳/ ۴۸۔
(۶) یہ تینوں مذاہب اوجز المسالک ۳/ ۴۸ عمدۃ القاری ۱۱/ ۱۱۸ باب صیام یوم عاشوراء نووی شرح مسلم ۱/ ۳۵۷ باب صوم یوم عاشوراء۔
(۷) بخاری ۱/ ۲۶۸ باب صیام عاشوراء، مسلم ۲/ ۳۵۷، ۱/ ۳۵۸ باب صوم یوم عاشوراء۔
(۸) بخاری ۱/ ۳۶۸، ۳۶۹۔ (۹) بخاری ۱/ ۲۶۸۔
(۱۰) مجمع الزوائد ۳/ ۱۸۵، باب فی صیام عاشوراء مسند احمد ۴/ ۷۸، جامع المسانید والسنن لابن کثیر دمشقی ۱/ ۳۱۵۔
(۱۱) ابوداؤد ۱/ ۳۳۲ باب فی فضل صومہ، بہت سی مزید احادیث بھی دیکھئے ۱۱/ ۱۱۹، ۱۲۰ باب صیام یوم عاشوراء و مجمع الزوائد ۳/ ۱۸۴، ۱۸۸۔ باب فی صیام عاشوراء۔
(۱۲) بخاری ۱/ ۲۶۸ باب صیام یوم عاشوراء۔ (۱۳) مشکوۃ۔
(۱۴) معارف السنن ۵/ ۴۳۲، الکوکب الدری ۱/ ۲۵۸، اوجز المسالک ۳/ ۴۹، عمدۃ القاری ۱۱/ ۱۱۸۔
(۱۵) شامی ۲/ ۳۷۵۔ (۱۶) البدائع الصنائع ۲/ ۷۹۔ (۱۷) معارف السنن ۵/ ۴۳۲۔ ھذا قال صاحب المواھب اللدنیۃ۔
(۱۸) ترمذی ۱/ ۱۶۰ باب ماجاء فی کراھیہ صوم عرفۃ بعرفۃ۔ (۱۹) ترمذی ۱/ ۱۵۷ باب ماجاء فی کراھیہ صوم یوم عرفۃ۔
(۲۰) طحاوی۔ (۲۱) معارف السنن ۶/ ۱۰۸، ۱۰۹۔

۲۹۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْاَقْمَرِ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَظِلُّ صَائِمًا، وَيَبِيْتُ طَاوِيًا قَائِمًا ثُمَّ، يَنْصَرِفُ اِلٰى شَرْبَةٍ مِّنْ لَبَنٍ قَدْ وُضِعَتْ لَهٗ فَيَشْرَبُهَا فَتَكُوْنُ فِطْرَهٗ وَسَحُوْرَهٗ اِلٰى مِثْلِهَا مِنَ الْقَابِلَةِ قَالَ فَانْصَرَفَ اِلٰى شَرْبَتِهٖ فَوَجَدَ بَعْضَ اَصْحَابِهٖ قَدْ بَلَغَ مَجْهُوْدَهٗ فَشَرِبَهَا فَطُلِبَ لَهٗ فِيْ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ طَعَامٌ اَوْ شَرَابٌ فَلَمْ يُوْجَدْ فَطَلَبُوْا عِنْدَ اَصْحَابِهٖ فَلَمْ يَجِدُوْا عِنْدَهُمْ شَيْئًا فَقَالَ: مَنْ يُطْعِمُنِيْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ۔ مَرَّتَيْنِ۔ فَلَمْ يَجِدُوْا شَيْئًا يُطْعِمُوْنَهٗ اِيَّاهُ قَالَ فَاَقْبَلُوْا عَلَى الْعَنْزِ، فَوَجَدُوْهَا كَاَحْفَلِ مَا كَانَتْ فَحَلَبُوْا مِنْهَا مِثْلَ شَرْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ﴾

"حضرت علی بن الاقمرؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ روزے سے ہوتے تھے اور رات بھوک کی حالت میں کھڑے ہوئے گزارتے پھر اس دودھ کی طرف متوجہ ہوتے جو آپ ﷺ کے لئے رکھا جاتا تھا آپ اسے پی لیتے تھے اور یہ آپ ﷺ کے افطار اور اگلے دن کی سحری تک کے لئے ہوجاتا تھا۔ فرمایا: ایک دن آپ اپنے دودھ کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک صحابی سخت بھوک کی وجہ سے دودھ پی چکے ہیں آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے گھر سے ان کے لئے کھانے پینے کی چیز منگائی لیکن وہاں کچھ نہ ملا پھر اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے یہاں سے منگایا وہاں بھی انہیں کھانے کے لئے کچھ نہ ملا اس صحابی نے دو مرتبہ یوں کہا کہ جو مجھے کھانا کھلائے گا اللہ اس کو کھلائے گا۔ لیکن صحابہ کرام کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اسے کھلاتے، راوی کہتے ہیں کہ پھر بکری کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے بھرے ملے چنانچہ انہوں نے اس سے اتنا دودھ پھر نکال لیا جتنا رسول اللہ ﷺ کے لئے نکالا تھا۔"

لغات: بیت: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب (ض س) مصدر بیتًا و بیاتًا و بیتوتۃً و مبیتًا و مباتًا معنی فی المکان شب باشی کرنا، فلانا و بہ و عندہ کسی کے پاس رات میں آنا (ہفت اقسام اجوف یائی)۔

لم یجدوا: صیغہ جمع مذکر غائب بحث نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف باب (ض) ہفت اقسام مثال واوی مصدر وجدًا و وُجدًا و جدۃً و وجودًا و وجدانًا و اجدانًا معنی المطلوب پانا ضائع ہونے کے بعد کامیاب ہونا۔

تشریح

حدیث بالامیں آپ کا معجزہ کاذکر ہے کہ بکری کے تھن خالی تھے مگر پھر اس کے تھن دودھ سے بھر گئے اس کے تھن دودھ سے بھر گئے اس سے پھر اتنا ہی دودھ نکالا گیا جتنا جو پہلے نکالا گیا تھا۔

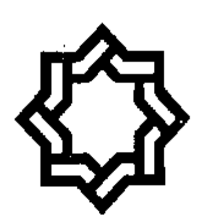
نیز حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس امارہ کو قابو کرنے کے لئے اور وہ بہت ہی بہترین علاج ہے۔

نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا فقر فاقہ اختیاری تھا۔ آپ ﷺ کے پاس جتنا مال آتا اس میں سے آپ ﷺ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے بلکہ سب کو ہی تقسیم فرمادیتے تھے۔

حضرت علی بن الاقمرؒ کے مختصر حالات: ان کا پورا نام علی بن الاقمر ابن عمرو بن الحارث الامام ابوالوازع الھمدانی الوادعی الکوفی ہے۔

اساتذہ: ان کے اساتذہ میں اسامۃ بن شریکؓ، ابوحذیفہؒ، سلمۃ بن صھیبہؒ، ابی الاحوصؒ، عوف الجشمیؒ وغیرہ حضرات ہیں۔

تلامذہ: ان کے شاگردوں میں امام اعمشؒ، امام شعبۃؒ، امام سفیان ثوریؒ، حسن بن صالحؒ اور قاضیؒ شریک وغیرہ حضرات ہیں۔ ان کو اسماء الرجال والوں نے ثقات میں شمار کیا ہے مزید حالات کے لئے طبقات ابن سعد ۶/ ۳۱۱ التاریخ الکبیر ۶/ ۲۶۱، الجرح والتعدیل ۶/ ۱۷۴ تہذیب الکمال ۹۵۷، تاریخ الاسلام ۴/ ۲۸۱ خلاصۃ تذھیب الکمال ۲۷۱، تہذیب التہذیب ملاحظہ فرمائیں۔



کتاب الزکوۃ

باب زکٰوۃ الذھب والفضۃ ومال الیتیم
سونے، چاندی اور یتیم کے مال کی زکوٰۃ کا بیان

اس باب میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے۔ سونا، چاندی، زیورات کی صورت میں ہو یا برتنوں کی شکل میں یا ڈلی کی صورت میں اس میں ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔ بشرطیکہ اس میں کھوٹ غالب نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ کھوٹ تو ضرور ہوتا ہے۔ غالب سے مراد آدھے سے زائد کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہوں گے۔ اگر دونوں برابر ہوں تو شیخ ابو نصرؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں احتیاطاً زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ یہی بات محقق ابن ہمامؒ نے کہی ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یہ تفصیل احناف کے نزدیک ہے ورنہ شوافع کے نزدیک زکوٰۃ زیورات میں واجب نہیں ہوتی۔

یتیم کے مال میں بھی احناف کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ بخلاف امام شافعیؒ وغیرہ کے۔ ان کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوٰۃ آتی ہے باقی تفصیل آگے آرہی ہے۔



۲۹۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ: لَيْسَ فِي اَقَلَّ مِنْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً مِنَ الذَّهَبِ زَكٰوةٌ، فَاِذَا كَانَ الذَّهَبُ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً فَفِيْهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ فَمَازَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ: فَاِذَا بَلَغَتِ الْوَرِقُ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَازَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَكَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَاْخُذُ بِذٰلِكَ كُلِّهٖ اِلاَّ فِيْ خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، فَمَازَادَ عَلٰى مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ فِي الزِّيَادَةِ شَيْءٌ حَتّٰى تَبْلُغَ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا فَيَكُوْنُ فِيْهَا دِرْهَمٌ، فَمَازَادَ عَلَى الْعِشْرِيْنَ مِثْقَالاً مِنَ الذَّهَبِ فَلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ حَتّٰى يَبْلُغَ اَرْبَعَ مَثَاقِيْلَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ بِحِسَابِ ذٰلِكَ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ جب سونا بیس مثقال ہوجائے تو اس میں آدھا مثقال زکوٰۃ ہوگی، اور اس سے جتنا زائد ہوگا اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ آتی رہے گی۔ دو سو درہم سے کم مقدار چاندی میں زکوٰۃ نہیں۔ جب چاندی دو سو درہم کے برابر ہوجائے تو اس میں پانچ درہم آتے ہیں اس سے جتنی زائد ہوتی جائے گی اسی حساب سے زکوٰۃ آتی جائے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا: ہم اس پورے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ بھی اس پورے حکم پر عمل کرتے تھے، سوائے ایک شق کے، اور وہ یہ کہ دو سو درہم سے جو زائد ہوگا اس زیادتی میں اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا۔ جب تک ان کی مقدار چالیس درہم نہ ہوجائے۔ جب چالیس درہم کی مقدار ہوجائے گی تو اس میں ایک درہم آئے گا۔ سونا جب بیس مثقال سے زیادہ ہوگا تو اس میں اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا جب تک چار مثقال نہ ہوجائے جب چار مثقال ہوجائے تو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ آئے گی۔"

لغات: ذاد: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب (ن) ہفت اقسام اجوف واوی مصدر ذوداً معنی توشہ لینا۔

بلغت: صیغہ واحد مونث غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب (ن) ہفت اقسام صحیح معنی پہنچنا الثمر پکنا الغلام بالغ ہونا۔

تشریح

اس اثر میں تین مسائل بیان کئے جارہے ہیں:

پہلا مسئلہ

لَيْسَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً مِنَ الذَّهَبِ زَكٰوةٌ الخ یعنی بیس مثقال سے کم سے سونے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

سونے کے نصاب کا وزن

"جب سونے کا نصاب بیس مثقال ہے"، مثقال اور دینار ایک مسمی کے دو نام ہیں ① یہ سو (۱۰۰) جو کا ہوتا ہے اور ساڑھے چار ماشہ بنتا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ، علامہ ابن نجیمؒ اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں۔ الدينار بسنجة اهل الحجاز عشرون قيراطا والدرهم اربعة عشر قيراطا فيكون الدرهم الشرعي سبعين شعيرة والمثقال مائة

شعیرۃ۔[۲]

کتاب مصباح میں ہے۔ الدینار عشرون قیراطا کل قیراط اثنا عشر ارزۃ تو اس حساب سے ۲۰ مثقال کا وزن ساڑھے سات تولہ ہوا۔[۳]

سونے کے نصاب میں تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: ائمہ اربعہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہوا کہ جب سونے کا وزن ۲۰ مثقال ہو جائے تو اب سونے کا نصاب پورا ہو گیا اب زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

دوسرا مذہب: زہریؒ، سلمان بن حربؒ اور طاؤسؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب سونے کی قیمت دو سو درہم کو پہنچ جائے تو اب اس پر زکوٰۃ آئے گی اگرچہ وہ ۲۰ مثقال کو نہ پہنچے۔

تیسرا مذہب: حسن بصریؒ کا ہے ان کے نزدیک چالیس دینار سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

جمہور علماء کے دلائل

❶ روایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ لانہ ﷺ کتب الی معاذ ان خذ کل مائتی درھم خمسۃ دراھم ومن کان کل عشرین مثقالا من ذھب نصف مثقال۔[۴]

❷ روایت ابن عمرو عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھم ان النبی ﷺ کان یاخذ من کل عشرین دینار نصف دینار ومن الاربعین دینار دینارا۔[۵]

❸ روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالٰی عنھم قال رسول اللہ ﷺ لیس فیما دون مائتی درھم شیء ولا فیما دون عشرین مثقالا من الذھب شئ وفی المائتین خمسۃ دراھم وفی عشرین مثقالا ذھبا نصف مثقال۔[۶]

عشرین مثقالا ففیھا نصف مثقال جب ۲۰ مثقال ہو جائے تو اب اس میں آدھا مثقال واجب ہوگا۔

زکوٰۃ چونکہ چالیسواں حصہ واجب ہے تو جب ۲۰ مثقال ہو جائے تو اب نصف مثقال زکوٰۃ آجائے گی۔ ایک مثقال کا وزن ۴ ماشہ ۴ رتی یعنی ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے۔ اگر گراموں کے حساب سے لگائیں تو ۴ گرام ۳۴۴ ملی گرام ایک مثقال کا وزن ہوگا۔

دوسرا مسئلہ

لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ صَدَقَۃٌ۔ فَاِذَا بَلَغَتِ الْوَرِقُ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ۔

کہ دوسو سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے جب چاندی دوسو درہم کے برابر ہوجائے تو اب اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ آئے گی۔

چاندی کے نصاب کا وزن

ایک درہم شرعی ستر(۷۰)جو کا ہوتا ہے تو ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی دو جو ہوا، اور دوسو درہم ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوں گے۔

مگر مولانا عبدالحئی لکھنویؒ کے قول کے مطابق ایک درہم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کے برابر ہے۔اس حساب سے ان کے نزدیک دوسو درہم کا وزن چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے کے برابر ہوگا گراموں کے اعتبار سے ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے گیارہ گرام ۶۶۴ ملی گرام ہوتا ہے لہٰذا ۱۲ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ساڑھے باون تولہ کا وزن ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام کا ہوتا ہے، اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱ تولہ ۲ گرام ۲۶۰ ملی گرام ہوتا ہے۔

چاندی کے نصاب کا احادیث سے استدلال

دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔اس بات پر مشہور احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔

❶ روایت حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ: عن النبی ﷺ قال لیس فیمادون خمسة اوسق من التمر صدقة ولیس فیمادون خمس اواق من الورق صدقة ولیس فیمادون خمس ذود من الابل صدقة۔[۷]

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے برابر ہوئے۔

❷ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ ھاتوا ربع العشر من کل اربعین درهما درهم ولیس علیکم شیئ حتی تتم مائتی درهم فاذا کانت مائتی درهم ففیها خمسة دراهم فمازاد فعلی حساب ذلک۔[۸]

❸ روایت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ: عن ابیه عن النبی ﷺ قال لیس فیما دون مائتی درهم شیئ فاذا بلغت مائتی درهم ففیها خمسة دراهم۔[۹]

❹ روایت علی رضی اللہ عنہ لیس تسعین مائة من الورق شیئ فاذا بلغت مائتین ففیها خمسة دراهم۔[۱۰]

❺ روایت معاذ رضی اللہ عنہ امر معاذ بن جبل حین بعثه الی الیمن ان یاخذ من کل اربعین دینار دینارا ومن کل مائتی درهم خمسة درهم الخ

تیسرا مسئلہ

فَمَازَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ۔ جتنی زیادہ ہوگی اسی حساب سے زکوٰۃ آئے گی۔

کتنی زیادتی پر زکوٰۃ آئے گی

اس بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: حضرت عمر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تابعین و فقہاء میں سے حضرت سعید بن المسیب ؒ، حسن بصری ؒ، عطاء ؒ، طاؤس ؒ، شعبی ؒ، زہری ؒ، مکحول ؒ، امام ابو حنیفہ ؒ، امام اوزاعی ؒ اور عمرو بن دینار ؒ کے نزدیک اس زائد پر زکوٰۃ نہیں ہوتی جب تک کہ وہ چالیس کو نہ پہنچ جائے۔ مثلاً دو سو درہم کے بعد دو سو چالیس پر چھ درہم آئیں گے اور دو سو چالیس سے کم پر کچھ بھی نہیں آئے گا۔

دوسرا مذہب: صحابہ میں سے حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور فقہاء میں سے امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ، امام احمد ؒ، صاحبین ابراہیم نخعی ؒ اور داؤد ؒ وغیرہ کے نزدیک جتنا بھی زیادہ ہو اسی حساب سے اس کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔ مثلاً دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ آتی ہے تو اب دو سو پر ایک درہم بھی زائد ہوگا اس ایک درہم کا چالیسواں حصہ نکالنا ضروری ہوتا ہے۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت علی رضی اللہ عنہ: انه علیه الصلوة والسلام قال ولیس علیکم شیء حتی تتم مائتی درهم فاذا کانت مائتی درهم ففیها خمسة دراهم فمازاد فعلی حساب ذلک۔[۱۲]

ان حضرات کی عقلی دلیل بقول صاحب ہدایہ کے یہ ہے کہ لان الزکوٰة وجبت شکرا لنعمة المال الخ کہ مال ایک نعمت ہے یہ جتنا بھی زائد عطا ہو اس پر شکرانہ واجب ہے اور یہ شکرانہ زکوٰۃ ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت حسن بصری ؒ: قال کتب عمر الی ابی موسی فمازاد علی المائتین ففی کل اربعین درهما درهم۔[۱۳]

❷ حدیث ابو اوس عن عبد اللّٰه و محمد ابنی ابی بکر بن عمرو بن حزم عن ابیهما عن جدهما عن النبی ﷺ انه کتب هذا الکتاب لعمرو بن حزم حین امره علی الیمن و فیه فاذا بلغت مائتی درهم ففیها خمسة دراهم و مازاد

ففی کل اربعین درھمادرھم ولیس فیمادون الاربعین صدقة۔[14]

❸ وفی کل خمس اواق من الورق خمسة دراھم ومازادففی کل اربعین درھمادرھم۔[15]

❹ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ امرہ حین وجھه الی الیمن ان لا تاخذ من الکسور شیئا۔[16]

پہلے مذہب والے عقلی دلیل یہ دیتے ہیں جس کو صاحب ہدایہ نے اس طرح نقل کیا ہے۔

ولان الحرج مدفوع وفی ایجاب الکسور ذلک لتعذر الوقوف۔[17]

اس لئے اس طریقے (یعنی چالیس پر ایک کے حساب) میں مشکل پیش نہیں آتی اور کسور پر زکوٰۃ واجب ہونے میں حرج موجود ہے۔ اس کا حساب کرنا متعذر ہے مطلب یہ کہ اگر ایک ایک درہم کا حساب لگائیں گے تو یہ حساب ان کے لئے بھی مشکل ہو جائے گا چہ جائیکہ عام لوگوں کے لئے، لہٰذا یہ ایک مشکل اور حرج میں ڈالنے والا امر ہے اور شریعت میں حرج نہیں ہے۔

دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ موقوف ہے اور بعض کے نزدیک مرفوع ہے۔

❷ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے طرق میں ایوب بن جابرؒ اور حجاج بن ارطاۃؒ راوی ہیں جو کہ ضعیف بھی ہیں۔ اور دوسرے طرق میں عاصمؒ اور حارثؒ ہیں یہ بھی متکلم فیہ راوی ہیں اور فمازادفبحساب ذلک کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ زائد میں بحساب مذکور پر چالیس پر ایک درہم واجب ہوگا۔[18]

---

(۱) شامی۔

(۲) البحر الرائق ۲/ ۲۲۷، شامی ۴/ ۳۰۔

(۳) مالابد منہ: ۹۱۔ اس مسئلہ میں مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا اختلاف ہے۔ مولانا عبدالحیؒ کے حساب سے ایک مثقال تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے اس لئے ان کے حساب سے بیس مثقال کا ۵ تولہ ڈھائی ماشہ ہوتا ہے وھکذا فی عمدۃ الرعایۃ شرح الوقایہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ کا قول جمہور علماء کے مطابق ہے اسی پر احناف کا فتویٰ ہے جس کے اعتبار سے ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اسی لئے اس حساب سے ساڑھے سات تولہ پر سونے کا نصاب ہوتا ہے اور ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے سات تولہ کا وزن موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام ہوتا ہے لہٰذا موجودہ زمانہ کے دس گرام کے تولہ سے ۸ تولہ ۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونے کا نصاب ہوگا۔

مقادیر شرعیہ پر ملا مبینؒ نے رسالہ لکھا پھر اس کے بعد شیخ محمد ہاشم سندھیؒ نے فاکہہ البنان کے نام سے رسالہ لکھا ہمارے زمانے میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا ایک رسالہ ''اوزان شرعیہ'' کے نام سے معروف ہے۔

(۴) دار قطنی و ابن ماجہ۔

(۶) درایہ فی الہدایۃ۔

(۷) بخاری و مسلم مشکوٰۃ ۱۵۹ باب مایجب فی الزکوٰۃ۔

(۸) ابوداؤد، دار قطنی، مشکوٰۃ ۱۵۹ باب مایجب فیہ الزکوٰۃ۔

(۹) مصنف عبد الرزاق۔

(۱۰) مسند بزار، مستدرک حاکم، مشکوٰۃ ۱۵۹۔

(۱۱) دار قطنی۔

(۱۲) ابوداؤد، مشکوٰۃ ۱۵۹۔

(۱۳) مصنف ابن ابی شیبہ۔

(۱۴) الاحکام للشیخ عبد الحق۔

(۱۵) نسائی۔ حاکم۔ ابن حبان۔

(۱۶) بیہقی۔ دار قطنی۔

(۱۷) ھدایہ۔

(۱۸) ھذا کلہ من جوہر النقی ۴/۱۳۵، عمدۃ القاری ۴/۲۸۷ فتح القدیر ۱/۵۲۱، بذل المجہود ۳/۱۶، التعلیق الصبیح ۲/۳۰۵۔



۲۹۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِي مَالِ الْيَتِيْمِ زَكٰوةٌ وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ حَتّٰى يَجِبَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں آتی اور اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب تک نماز واجب نہ ہو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: لایجب: صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی فعل مضارع معروف باب (ض) مصدر وجوبا وجبۃ معنی الشیء ثابت ہونا، لازم ہونا ہفت اقسام مثال واوی۔

قال: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب (ن) مصدر قولا وقالا وقیلا وقولہ ومقالا ومقالۃ معنی کہنا، بولنا بکذا حکم کرنا، اعتقاد رکھنا بیدہ ہاتھ جھکا کر پکڑنا ہفت اقسام اجوف واوی۔

۲۹۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ اَبِيْ سَلِيْمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ فِيْ مَالِ الْيَتِيْمِ زَكٰوةٌ﴾

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح

معارف القرآن میں ہے کہ انسانوں میں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کے باپ کا انتقال اس کے بچپن میں ہوگیا ہو اور یہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔ جانوروں کے بچوں میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی ماں کا انتقال ہوگیا ہو۔

اسی وجہ سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ معارف السنن میں فرماتے ہیں:

المراد من الیتیم ھھنا الصبی الذی لم یبلغ الحلم وان لم یمت ابوہ اھ۔

یتیم کے مال میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

اس میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کا ہے، ان سب کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوٰۃ ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، قاضی شریحؒ، سعید بن جبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، ابووائلؒ، سعید بن المسیبؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک مال یتیم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۱)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیه انه قال قال کانت عائشة تلینی انا و اخالی یتیمین فی حجرها فکانت تخرج من اموالنا الزکٰوة۔ (۲)

❷ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی یتیما له مال فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تاکله الصدقة۔ (۳)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت علی رضی اللہ عنہ: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل۔ (۴)

اس میں نابالغ کو غیر مکلّف قرار دیا گیا ہے۔

❷ اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: لیس فی مال الیتیم زکٰوة۔

❸ روایت محمد بن الحسنؒ: ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ سئل عن مال الیتیم فقال احص زکٰوة ماله ولا تزکیه فاذا بلغ فادفع الیه ماله۔

❹ اثر سعید بن المسیبؒ: لا تجب الزکٰوة الا علی من وجبت علیه الصلوٰة والصیام۔

❺ حسن بصریؒ نے تو یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہ ہونے پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ (۵)

پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

پہلی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے۔ یہ بظاہر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اپنی رائے ہے۔[۶]

دوسری روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا اول جواب یہ دیتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے۔

دوسرا جواب: اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں وفی اسنادہ مقال لان المثنی بن الصباح الراوی ضعیف وقال احمد لا یساوی شیئا۔

وقال یحی لیس بشیء وقال النسائی متروک الحدیث۔

تیسرا جواب، بعض نے یہ دیا کہ یہاں پر ولا یترکہ حتی تاکلہ الصدقۃ سے مراد وہ نفقہ ہے جو یتیم کی پرورش کرنے والا اس کے مال سے لیتا ہے اس سے مراد زکوٰۃ کا مال نہیں ہے۔ یہ تو مال میں چالیسواں حصہ نکالا جاتا ہے اس سے مال کیا ختم ہو گا۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۴/ ۲۶۳، عرف الشذی ۲۷۳ تعلیق الصبیح ۲/ ۲۸۹ فتح الملہم ۱/ ۱۸۸۔

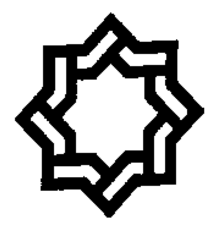
(۲) موطا امام مالک ۲۸۲ باب زکوٰۃ اموال الیتامی والتجارۃ لھم فیھا۔

(۳) ترمذی۔

(۴) ابوداؤد ۲/ ۲۰۴ کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، نسائی ۲/ ۱۰۳ کتاب الطلاق باب من لا یقع طلاقہ من الازواج عن عائشۃ مرفوعا، بخاری ۲/ ۷۹۴ کتاب الطلاق باب فی الاغلاق والکرہ والسکران والجنون الخ۔

(۵) حاشیۃ ترمذی ۱/ ۱۰۱ تعلیق الصبیح، عمدۃ القاری، فتح الملہم ج ۱/ ۱۸۸۔

(۶) معارف السنن ۵/ ۲۳۷۔



۲۹۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا حَضَرَ شَهْرُ رَمَضَانَ، اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ هٰذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ قَدْ حَضَرَ، فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَقْضِهٖ ثُمَّ لِيُزَكِّ مَابَقِيَ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهٖ﴾

"حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رمضان کے آنے پر فرمایا کرتے تھے لوگو، یہ تمہاری زکوٰۃ کا مہینہ آگیا ہے لہٰذا جس پر قرض ہو وہ اسے ادا کردے پھر جو باقی بچے اس کی زکوٰۃ دے، امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ قرضہ ادا کرنے کے بعد ادا کی جائے گی۔"

لغات: لیقض: صیغہ واحد مذکر غائب بحث امر غائب معروف باب (ض) ہفت اقسام ناقص یائی قضاء معنی الشیء مضبوطی سے بنانا الدین قرض ادا کرنا۔

لیزک: صیغہ واحد مذکر غائب بحث امر غائب معروف باب تفصیل ہفت اقسام ناقص یائی معنی بڑھنا زائد ہونا لهٗ زکوٰۃ ادا کرنا نفسہ خودستائی کرنا۔

تشریح

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ هٰذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ قَدْ حَضَرَ۔ رمضان کے آنے سے پہلے اہتمام کی وجہ سے متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

قرض کے ادا کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی

جس پر قرض ہو وہ اسے ادا کردے پھر جو باقی بچے اس کی زکوٰۃ دے۔ اس قرض سے وہ قرض مراد ہے جو زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے واجب ہوا ہو۔ اگر قرض زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد (یعنی سال پورا ہونے کے بعد) آیا ہو تو اب زکوٰۃ اس کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ یا زکوٰۃ کے مال سے، اس کو کم نہیں کیا جائے گا۔[1]

ثُمَّ لِيُزَكِّ مَابَقِيَ۔ جو قرض ادا کرنے کے بعد باقی رہے اس کی زکوٰۃ دی جائے اس بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا مال اس کے قرض سے زائد ہو تو زائد کی زکوٰۃ

(۱) وان كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا

دے گا بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے۔

یہاں قرض سے وہ قرض مراد ہے جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو جیسے قرض، ثمن مبیع، مہر، نفقہ زوجات نفقہ محارم وغیرہ یہ سب مانع وجوب زکوٰۃ ہیں۔

اور اگر ایسا قرض ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو تو وہ مانع زکوٰۃ نہیں ہوگا جیسے کہ دین نذر، دین کفارات، صدقہ فطر، حج، ہدی تمتع، اضحیہ وغیرہ۔ یہ سب قرض ایسے ہیں جو مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہوتے۔

(۱) شامی، بحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری۔



۲۹۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: اِذَا كَانَ لَكَ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَقَبَضْتَهُ فَزَكِّهِ لِمَا مَضٰى قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارا پیسہ لوگوں پر قرض ہو اور تم اسے وصول کر لو تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: قبضت: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب (ض) مصدر قبضا معنی بیدہ الشئ وعلی الشئ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا، پنجہ سے پکڑنا۔

مضٰی: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب (ض) مصدر مضاءً ومضوًّا معنی علی الامر مداومت کرنا، جاری کرنا، اور پورا کرنا۔

تشریح

قرض کی زکوٰۃ کب ادا کی جائے گی

اِذَا كَانَ لَكَ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ۔ کسی نے کسی کو قرض دیا تو اب یہ جب قرض وصول کرے گا تب گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

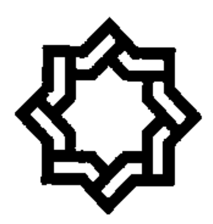
اس کے بارے میں تین مذاہب پائے جاتے ہیں:

پہلا مذہب: حضرت علیؓ، سفیان ثوریؒ، ابوثورؒ، احناف وغیرہ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب قرض وصول ہو جائے گا تب گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

دوسرا مذہب: حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ، ابن جابرؓ، طاؤسؒ، ابراہیم نخعیؒ، قتادہؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، امام شافعیؒ، وغیرہ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ صاحب مال کو ادا کرنی پڑے گی اگرچہ وہ مال اس کے قبضے میں نہیں ہے۔

تیسرا مذہب: حضرت عائشہؓ، سعد بن المسیبؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ وغیرہ کا ہے کہ قرض کے مال کو وصول کرنے کے بعد صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

ہشیم یہ اصل میں ابراہیم بن ہشیمؒ ہیں۔ان کے حالات حدیث نمبر۲۵ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔
ابن سیرینؒ کے حالات باب مایقطع الصلاۃ حدیث نمبر۱۳۶ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔
حضرت علیؓ کے حالات باب الوضوء من مس الذکر حدیث نمبر۲۲ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔



۳۰۰

﴿مُحَمَّدٌ قَال:ک اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ فِی رَجُلٍ اَقْرَضَ رَجُلاً اَلْف دِرْھَمٍ قَالَ زَکَاتُھَا عَلَی الَّذِیْ یَسْتَعْمِلُھَا وَیَنْفَعُ بِھَا۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَاْخُذُ بِھٰذَا وَلٰکِنَّا نَاْخُذُ بِقَوْلِ عَلِیٍّ): زَکَاتُھَا عَلٰی صَاحِبِھَا اِذَا قَبَضَھَا زَکَّاھَا لِمَا مَضٰی﴾

"حضرت حمادؒ حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے کسی شخص کو ایک ہزار درھم قرض دیئے ہوں اس کی زکوٰۃ اس شخص پر آئے گی جو اسے استعمال کر رہا ہے اور اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس کو نہیں لیتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں کہ اس کی زکوٰۃ اس کے مالک پر آئے گی جب اسے وہ قرضہ وصول ہو جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔"

لغات: اقرض: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب افعال معنی قرض دینا اقرض منہ قرض لینا۔

یستعمل: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف باب استفعال معنی استعمال کرنا۔

تشریح



باب زکٰوۃ الحلی

زیورات کی زکوٰۃ کا بیان

۳۰۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ امْرَاَةً قَالَتْ لَهٗ اِنَّ لِيْ حُلِيًّا فَهَلْ عَلَيَّ فِيْهِ زَكٰوةٌ؟ فَقَالَ لَهَا: نَعَمْ فَقَالَتْ: اِنَّ لِيْ اِبْنَيْ اَخٍ يَتَامٰى فِيْ حِجْرِيْ اَفَتُجْزِيْ عَنِّيْ اَنْ اَجْعَلَ ذٰلِكَ فِيْهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِاَنْ يُّعْطٰى مِنَ الزَّكٰوةِ كُلَّ ذِيْ رَحِمٍ اِلَّا وَلَدًا، وَوَالِدًا وَوَلَدَ وَلَدٍ، وَجَدًّا وَجَدَّةً، وَاِنْ كَانُوْا فِيْ عِيَالِهٖ وَالزَّوْجَةُ لَا تُعْطٰى مِنَ الزَّكٰوةِ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَا يُعْطَى الزَّوْجُ اَيْضًا وَاَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرٰى بَاْسًا بِاَنْ يُّعْطَى الزَّوْجُ مِنَ الزَّكٰوةِ۔ وَلَا نَرٰى فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْحُلِيِّ زَكٰوةٌ اِلَّا فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَمَّا فِي الْجَوْهَرِ وَاللُّؤْلُؤِ فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ﴾

"حضرت ابراہیمؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے ان سے عرض کیا میرے پاس زیورات ہیں کیا مجھ پر ان کی زکوٰۃ واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں، اس نے کہا میرے دو یتیم بھتیجے میری کفالت میں ہیں کیا یہ درست ہے کہ میں ان دونوں کو زکوٰۃ دے دوں؟ فرمایا جی ہاں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سوائے بیٹے، والد، والدہ، پوتے، دادا، دادی، کے ہر رشتہ دار کو دی جاسکتی ہے خواہ وہ اس کے زیر کفالت ہی ہوں اور بیوی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا شوہر کو بھی زکوٰۃ (بیوی) کی طرف سے نہیں دی جائے گی ہم شوہر کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ اور سونے اور چاندی کے زیور کے علاوہ کسی زیور میں زکوٰۃ کے قائل نہیں۔ جواہرات اور موتی میں زکوٰۃ نہیں آتی سوائے اس صورت کے کہ تجارت کے لئے ہوں۔"

لغات: اخبرنا: صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف باب افعال، ہفت اقسام صحیح، نا، جمع متکلم

کی ضمیر منصوب متصل معنی الشیءوبالشیء آگاہ کرنا خبردار کرنا۔

لیس: افعال ناقصہ میں سے ہے اور اس کی گردان نہیں ہوتی۔

حلیا: یہ حلی کی جمع ہے جیسے ثدی اور ثدی بمعنی زیور کما قال تعالٰی واتخذ قوم موسی من بعدہ من حلیھم عجلا۔

حلیًا: مصدر ضرب سے المرأۃ عورت کے لئے زیور بنانا عورت کو آراستہ کرنا سمع سے المرأۃ عورت کا زیور پہننا۔

زکٰوۃ: الزکٰوۃ بمعنی چیز کا عمدہ حصہ۔زکوٰۃ۔صدقہ پاکیزگی۔جمع زکاوزکٰوۃ۔

افتجزئ: جزءجزاءًالشیءفتح سے بمعنی چیز کو مختلف اجزاء میں تقسیم کرنا (ہفت اقسام میں مہموز الادم)۔

تشریح

اس میں کئی مسائل بیان ہورہے ہیں۔

پہلا مسئلہ

اِنَّ لِیْ حُلِیًّا فَهَلْ عَلَیَّ فِیْهِ زَکٰوۃٌ فَقَالَ لَهَا نَعَمْ۔

میرے پاس زیورات ہیں کیا مجھ پر ان کی زکوٰۃ آتی ہے۔

کیا زیورات میں زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں؟

اس میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: صحابہ کرام میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام سلمہ، فاطمہ بنت قیس، ابن عباس، ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم اور تابعین و فقہاء میں سے حضرت سعید بن المسیبؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، سعید بن جبیرؒ، عبداللہ بن شدادؒ، ایوب سختیانیؒ، ابن شبرمہؒ، مجاہدؒ، ضحاکؒ، جابر بن زیدؒ، علقمہؒ، اسودؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سفیان ثوریؒ، زہری، میمون بن مہرانؒ، حسن بن حی، ابراہیم نخعی اور فقہاء احناف وغیرہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ ہے اور یہ ہر حال زکوٰۃ آئے گی۔

دوسرا مذہب: صحابہ کرام میں سے عبداللہ ابن عمر، جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور تابعین و فقہاء میں سے قاسم بن محمدؒ، شعبیؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ۔[1] امام احمدؒ، اسحاقؒ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔[2]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امراۃ اتت النبی ﷺ و معها ابنة لها فی ید ابنتها مسکتان غلیظتان من ذهب فقال لها اتعطین زکٰوۃ هذا؟ قالت لا قال ایسدک ان یسورک الله بهما یوم القیمة سوارین من نار قال فخلعتهما فالقتهما الی النبی ﷺ قالت هما لله و لرسوله۔(۳)

❷ روایت عائشه قالت دخل علی رسول الله ﷺ فرای فی یدی فتخات من ورق فقال ماهذا یا عائشة؟ فقالت صنعتهن اتزین لک لهن یا رسول الله ﷺ قال افتؤدین زکٰوتهن؟ فقلت لا قال هو حسبک من النار۔(۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھ کر فرمایا عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کی خاطر اپنی تزئین کے لئے بنوائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تجھے آگ کے لئے کافی ہیں۔

❸ روایت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: قالت کنت البس اوضاحا من ذهب فقلت یا رسول الله اکنز هو؟ فقال مابلغ ان تودی زکٰوۃ فزکی فلیس بکنز۔(۵)

❹ حدیث اسماء بنت یزیدؓ: قالت دخلت انا و خالتی علی النبی ﷺ و علینا اسورۃ من ذهب فقال لنا تعطیان زکوته؟ فقلنا لا قال اما تخافان ان یسورکما الله اسورۃ من نار ادیا زکوته۔(۶)

❺ حدیث فاطمه بنت قیسؓ۔ تقول اتیت النبی ﷺ بطوق فیه سبعون مثقالا من ذهب فقلت یا رسول الله خذ منه الفریضة مثقالا و ثلاثة ارباع مثقال۔(۷)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

ان حضرات کا استدلال قیاس کے ساتھ ہے۔ یہ زیورات کو روز مرہ استعمال والے کپڑوں پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح استعمال کرنے کے کپڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہے تو اسی طرح استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ نہیں آئے گی۔(۸)

دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

وجوب زکوٰۃ کا سبب مال نامی ہونا ہے، کبھی یہ مال نامی فعلی ہوگا جیسے تجارت کا مال۔ دوسرا مال نامی خلقی ہوتا ہے۔ جیسے سونا، چاندی، تو سونا چاندی پیدائشی طور پر مال نامی ہے بخلاف روز مرہ استعمال ہونے والے کپڑوں کے کہ ان میں نہ نماء نہ خلقی ہے اور نہ فعلی اس لئے ان زیورات میں تو زکوٰۃ آئے گی اور روزہ مرہ استعمال کے کپڑوں میں زکوٰۃ نہیں آئے گی۔

دوسرا مسئلہ

بِاَنْ یُّعْطٰی مِنَ الزَّکٰوۃِ کُلُّ ذِیْ رَحِمٍ اِلَّا وَلَدًا اَوْ وَالِدًا اَوْ وَلَدَ وَلَدٍ اَوْ جَدًّا اَوْ جَدَّۃً وَاِنْ کَانُوْا فِیْ عَیَالِہٖ۔ زکوٰۃ بیٹے، والد، پوتے، دادا دادی کے علاوہ ہر رشتہ دار کو دی جاسکتی ہے خواہ وہ اس کی کفالت میں ہی ہو۔

زکوٰۃ کس کو دی جائے اور کس کو نہ دی جائے

اس میں فقہاء نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ اپنے وصول اور فروغ کو نہ دے باقی سب کو دے سکتا ہے۔

اصول سے مراد اوپر کے رشتہ دار مثلاً ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اس سے اوپر چلتے جائیں۔ فروع سے مراد اولاد یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی اور ان کی اولاد۔ انکو زکوٰۃ کیوں نہیں دی جاسکتی؟ اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ بیان کی ہے۔ لان منافع الاملاک بینھم متصلۃ فلا یتحقق التملیک بکمال یعنی چونکہ املاک کے منافع ان میں باہم متصل ہیں تو تملیک پورے طور پر مستحق نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو دینے میں تملیک کامل درجہ پر نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کے ادا ہونے کی شرط التملیک کا ہونا ضروری ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اپنے فقیر رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا زیادہ ثواب ہے۔ زکوٰۃ دینے میں اگر یہ ترتیب رکھی جائے تو زیادہ اچھا ہے ① بہن، ② بھائی، ③ پھر ان کی اولاد، ④ چچا، ⑤ پھوپھی، ⑥ پھر ان کی اولاد، ⑦ ماموں خالہ پھر ان کی اولاد کو پھر ان لوگوں کو جو ذوی الارحام ہوں پھر اپنے اجنبی ہمسایہ کو پھر اپنے ہم پیشہ کو پھر اپنے ہم وطن کو اور یہی ترتیب صدقۂ فطر اور نذر دینے میں بھی رکھی جائے۔

وَقَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ لَا یُعْطَی الزَّوْجُ اَیْضًا وَاَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرٰی بَاْسًا بِاَنْ یُّعْطَی الزَّوْجُ مِنَ الزَّکٰوۃِ۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا شوہر کو (بیوی کی) زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، مگر ہم شوہر کو (بیوی کے) زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔

کیا بیوی اپنے شوہر کو یا شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

شوہر تو اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال بالاتفاق نہیں دے سکتا۔
اختلاف اس بات میں ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں۔
اس میں فقہا کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام شافعیؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثورؒ، ابوعبیدؒ، اشہبؒ، ابن المنذرؒ وغیرہ کے نزدیک عورت اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابوبکر حنبلیؒ وغیرہ کے نزدیک عورت اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ ان کا آپس میں جو زوجیت کا رشتہ ہے اس کی وجہ سے ایک کی دوسرے کے لئے شہادت بھی قبول نہیں ہوگی۔ جیسے کہ والدین اور اولاد کی۔ اسی طرح رجوع فی الھدیہ کرنا بھی زوجین کے لئے جائز نہیں جیسے کہ والدین اور اولاد کے درمیان جائز نہیں ہوتا۔ اسی پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح والدین اور اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اسی طرح بیوی کا شوہر کو زکوٰۃ دینا اور شوہر کا بیوی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں ہوگا۔

❷ روایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ: آپ ﷺ نے عورتوں کو وعظ فرمایا اور صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے زیورات [10] لے کر جب جانے لگیں تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رک جاؤ تم مجھ پر اور میری اولاد پر خرچ کرو۔ انہوں نے جب آپ ﷺ سے مسئلہ معلوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں ان پر اور ان کی اولاد پر خرچ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نفلی صدقہ تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تمام مال لے کر صدقہ دینے گئی تھیں زکوٰۃ پر تو چالیسواں حصہ لازم آتا ہے۔ [11]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابوسعید خدری جاءت زینب امراۃ ابن مسعود تتاذن علیه فقیل یارسول اللہ ﷺ هذه زینب فقال ای الزیانب؟ فقیل امراۃ ابن مسعود قال نعم ائذنوا لها باذن قالت یانبی اللہ انک امرت الیوم بالصدقة وكان عندی حلی لی فاردت ان اتصدق به نزع ابن مسعود انه وولده احق من تصدقت به علیهم فقال رسول اللہ ﷺ صدق ابن مسعود زوجک وولدک احق من تصدقت به علیهم۔ [13]

دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر مراد صدقہ نافلہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض طرق میں آتا ہے۔ کہ آپ نے وعظ اور ترغیب دی تھی۔ یہ ترغیب کا ہونا نفلی صدقہ کے بارے میں تو ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ

تو لازمی ہے اس کے لئے ترغیب تو نہیں ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ روایت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ وولدہ کے الفاظ بھی ہے کہ اولاد پر خرچ کرو اور اولاد کے بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ ان پر زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کر سکتے۔[13]

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک صنعت کار عورت ہیں دوسری طرف ان کے شوہر فقیر تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور بچوں پر خرچ کیا کرتی تھیں ایک مرتبہ انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ اور بچوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے میں صدقہ نہیں کر پاتی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم کو اس میں ثواب نہیں ملتا تو مت خرچ کرو۔ جب آپ ﷺ سے یہ مسئلہ معلوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خرچ کیا کرو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سوال صدقہ نافلہ کے بارے میں تھا جو عام طور سے وہ خرچ کیا کرتی تھیں۔[14]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات باب المسح علی الخفین حدیث نمبر ۱۳ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) یہ امام شافعیؒ کی ظاہر روایت ہے یہ قیام عراق کے دوران کا قول ہے۔

(۲) عمدۃ القاری ۴/۳۸۰، بذل المجہود ۳/۷، تعلیق الصبیح ۲/۳۰۸، فتح الملہم ۲/۳۴، عرف الشذی ۲۷۲، المغنی ۳/۱۱۔

(۳) ابوداؤد، نسائی، ترمذی۔

(۴) ابوداؤد ۱/۲۱۸ حاکم، دارقطنی، بیہقی۔

(۵) ابوداؤد ۱/۲۱۸ باب الکنز ماھو وزکوٰۃ الحلی حاکم، بیہقی، دارقطنی۔

(۶) مسند احمد۔ (۷) دارقطنی مزید احادیث نصب الرایۃ ۲/۳۷۲، ۳۷۴ پر دیکھیں، سنن کبریٰ بیہقی ۴/۳۸۔

(۸) ہدایہ مع فتح القدیر۔

(۹) ہدایہ مع فتح القدیر ۲/۲۲، ۲۱۔ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ اگر تفصیل مطلوب ہو تو فتح القدیر کے اس مقام کا مطالعہ کیجئے۔

(۱۰) طحاوی ۱/۳۰۹۔ (۱۱) طحاوی۔

(۱۲) بخاری ۱/۱۹۷ باب الزکوٰۃ علی الاقارب اس حدیث سے علماء نے آٹھ مسائل نکالے ہیں۔

① بیوی کے لئے اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ② عورتوں کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ عورتوں کو اس بات کی ترغیب دیتے تھے۔ ③ کپڑے، کھانے کی صورت میں اپنی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے ④ عورتوں کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ ⑤ عورتوں پر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا اسی طرح واجب ہے۔ جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے۔ ⑥ عورتوں پر بھی دینی مسائل کے متعلق سوال کرنا واجب ہے۔ ⑦ شوہر کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اپنی بیوی کو علماء کے پاس مسئلہ معلوم کرنے کے لئے اجازت دے۔ ⑧ عورتوں کے لئے دینی مسائل معلوم کرنے کے لئے علماء کے دروازے پر جانا جائز ہے۔

(۱۳) طحاوی ۱/۳۰۸۔ (۱۴) طحاوی ۱/۳۰۸۔

۳۰۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِى الْجَوْهَرِ وَاللُّؤْلُؤِ زَكٰوةٌ اِذَالَمْ يَكُنْ لِلتِّجَارَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جواہرات اور موتی اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: الجوھر: بمعنی مقابل عرض جو اپنے وجود میں اور کا محتاج نہ ہو ہر وہ پتھر جس سے مفید چیز نکالی جائے۔ واحد جوھرۃ جمع جواھر۔

اللؤلؤ: بمعنی موتی واحد لولوۃ جمع لالی۔

تشریح

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی دس شرطیں

فقہاء فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کی دس شرطیں ہیں۔ ان میں سے بعض شرطیں صاحب مال میں ہونا ضروری ہیں۔ جیسا کہ ① وہ آزاد ہو۔ ② مسلمان ہو۔ ③ عاقل ہو۔ ④ بالغ ہو۔ ⑤ مال کا مالک ہو۔ باقی شرطیں مال میں ہونا ضروری ہیں۔ ⑥ پورے طور پر مالک ہو۔ ⑦ حاجت اصلیہ سے فارغ ہو۔ ⑧ دین سے بھی فارغ ہو۔ ⑨ پورے طور پر مالک ہو۔ ⑩ بڑھنے والا (نامی) ہو اور سال اس پر گزرے۔[1]

موتی اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے

نفس جواہرات اور موتی میں زکوٰۃ نہیں اس کی وجہ فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے ایک شرط مال کا بڑھنے والا (نامی) ہونا بھی ہے خواہ وہ حقیقۃً ہو یا حکماً (یعنی تقدیری)۔ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں توالدو تناسل تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے مال کو بڑھائے اور تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال کے بڑھانے پر قادر ہو (تجارت وغیرہ کے ذریعے سے۔)

ان دو قسموں کی پھر دو قسمیں ہیں ① فعلی ② خلقی، جیسے کہ سونے اور چاندی کی خلقت و پیدائش میں یہ صلاحیت ہے کہ اس سے آدمی چیزیں خرید کر اپنی ضروریات کو پورا کرے اس میں تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ تجارت کی

نیت کرے یا نہ کرے ہر حال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

فعلی: سونا چاندی کے علاوہ سب چیزوں میں نمو فعلی ہے۔ کہ اس میں تجارت کی نیت کرے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، موتی اور جواہرات یہ فعلی میں داخل ہوئے تو اب اگر ان میں تجارت کی نیت کی ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ ان میں زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ اگرچہ ان سے زیور ہی کیوں نہ بنا کر پہنا جائے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری، شامی۔



باب زکوۃ الفطر و المملوکین

صدقہ فطر اور غلاموں کی زکوٰۃ کا بیان

صدقہ فطر کے دوسرے کئی نام ہیں مثلاً ① زکوٰۃ الفطر ② زکوٰۃ رمضان ③ زکوٰۃ الصوم ④ صدقۃ الصوم ⑤ صدقۂ رمضان ⑥ زکوٰۃ الرؤوس ⑦ صدقۃ الفطر وغیرہ۔

فطرہ کا لغوی معنی: فطرہ یہ ماخوذ ہے غالباً خلقت سے ابن حجرؒ فرماتے ہیں شیخ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں۔ المراد بصدقۃ الفطر صدقۃ النفوس ماخوذۃ من الفطرۃ التی ھی اصل الخلقۃ۔

اصطلاحی معنی: فانھا اسم لما یعطی من المال بطریق الصلۃ ترحما مقدار امقدرًا بخلاف الھبۃ فانھا تعطی صلۃ تکرما لا ترحما۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ فرض ہے اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کہتے ہیں واجب ہے کیوں کہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں ہے۔

نصاب: مال نصاب زکوٰۃ ہو جو اس کے اہل و عیال کی ضروریات مسکن، لباس، ہتھیار، وغیرہ سے فارغ ہو اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس میں کوئی حد نصاب نہیں ہے۔

المملوکین: غلاموں کا مسئلہ کہ ان پر صدقہ الفطر واجب ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا آقا اس کی طرف سے ادا کرے گا اور امام شافعیؒ کے پہلے قول کے مطابق غلام پر واجب ہوتا ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو اب ادا نہیں ہوگا دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداءً تو غلام پر آتا ہے پھر آقا کی طرف یہ منتقل ہو جاتا ہے اس لئے پھر اس کا آقا اس کی طرف سے دے گا اور احناف کے نزدیک صدقۂ فطر غلام کی طرف سے دیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر بخلاف امام شافعیؒ کے ان کے نزدیک صدقۂ فطر صرف مسلمان غلام کی طرف سے دیا جائے گا۔

۳۰۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ صَدَقَةِ الرَّجُلِ عَنْ كُلِّ مَمْلُوْكٍ اَوْحُرٍّ اَوْصَغِيْرٍ اَوْكَبِيْرٍ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْصَاعٍ مِّنْ تَمَرٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ فَاِنْ

اَدّٰی صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ اَجْزَأَهٗ اَیْضًا وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ: نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ زَبِیْبٍ یُجْزِئُهٗ وَاَمَّا فِیْ قَوْلِنَا فَلَا یُجْزِئُهٗ اِلَّا صَاعٌ مِنْ زَبِیْبٍ﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے صدقۂ فطر کے بارے میں مروی ہے کہ انسان پر صدقہ آتا ہے ہر غلام یا آزاد، چھوٹے اور بڑے کی طرف سے گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور کا ایک صاع۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر جو کا ایک صاع دیا تب بھی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا آدھا صاع منقی دیدے تو بھی کافی ہے۔ لیکن ہمارے قول کے مطابق منقی کا پورا صاع دینا ہوگا۔"

لغات: صاع: بمعنی پیمانہ۔ جمع اصواع، اصُوع۔
بُرٌ: البر بمعنی گیہوں اس کا واحد برۃ ہے۔
تمر: التمر بمعنی خرما واحد تمرۃ ہے اور جمع تمرات، تمور۔

۳۰٤

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْاَسْوَدِ الْمَکِّیِّ عَنِ الْمُجَاهِدِ قَالَ مَا سِوَی الْبُرِّ فَصَاعًا صَاعًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ﴾

"حضرت مجاہدؒ نے فرمایا گیہوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں صدقۂ فطر ایک صاع آئے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔"

لغات: ماسوی: السواء، بمعنی درمیان بیچ ضرب سواءہ اس نے اس کے وسط میں مارا۔ غَیْرَ کے معنی میں بھی آتا ہے جاء وسوی زید اور مستوی کے معنی کو بھی مفید ہے۔

تشریح

یہاں سے صدقۂ فطر کے دو مسئلوں کا بیان ہو رہا ہے۔

پہلا مسئلہ

اس بارے میں فقہاء کے کئی مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: داؤد ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک چھوارہ اور جو کے علاوہ دوسری چیزوں سے صدقۃ الفطر ادا نہیں ہوگا۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک نو چیزوں سے صدقۃ الفطر ادا ہوسکتا ہے وہ اشیاء حسب ذیل ہیں۔

① گیہوں ② جو ③ بغیر چھلکے کا جو ④ جوار ⑤ باجرہ ⑥ چاول ⑦ چھوارہ ⑧ کشمش ⑨ پنیر۔

تیسرا مذہب: احناف کے نزدیک ادا کرنا چھ چیزوں سے جائز ہے۔

① گیہوں ② آٹا ③ ستو ④ کشمش ⑤ چھوارے ⑥ جو۔

چوتھا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک آٹا اور ستو سے صدقۂ فطر دینا جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ

مَاسِوَی الْبُرِّ فَصَاعًا صَاعًا۔ صدقۂ فطر کی مقدار کتنی ہے۔

اس میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مسروقؒ، ابوالعالیہؒ، ابوقلابہؒ، اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک جن چیزوں سے صدقۂ فطر دینا جائز ہے ان میں سے کسی کا بھی ایک صاع ادا کیا جائے گا۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، سعید بن جبیرؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، سفیان ثوریؒ، سعید بن المسیبؒ، مجاہد بن جبیرؒ، عامر شعبیؒ، طاؤس بن کیسانؒ، اسود بن یزیدؒ، علقمہ بن المرثدؒ، ابراہیم نخعیؒ، عبداللہ بن شدادؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک گندم میں نصف صاع اور باقی چیزوں میں پورا صاع ادا کیا جائے گا۔[۳]

علامہ شوکانیؒ اور علامہ بدرالدین عینیؒ نے امام احمدؒ کو مذہب اول میں شمار کیا ہے۔[۴]

مگر علامہ نوویؒ اور علامہ ابن رشدؒ نے ان کو مذہب ثانی میں شمار کیا ہے۔[۵]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کنا نخرج اذ کان فینا رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ الفطر من کل صغیر وکبیر حر او مملوک صاعا من طعام او صاعا من اقط او صاعا من شعیر۔[۶]

❷ حدیث عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ حض علی صدقۃ رمضان علی کل انسان صاع من تمر او صاع من شعیر او صاع من قمح۔[۷]

❸ حدیث عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ قال فرض رسول اللہ ﷺ زکوۃ الفطر علی کل صغیر و کبیر صاعا من تمر او صاعا من طعام او صاعا من زبیب۔ (۸)

❹ روایت اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ اخرجوا زکوۃ الفطر صاعا من طعام قال طعامنا یومئذ البر والتمر والزبیب والاقط۔ (۹)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ حدیث ثعلبہ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ صاع من بر او قمح علی کل اثنین صغیرا او کبیرا احدًا او عبدا ذکرا او انثی۔ (۱۰)

❷ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ بعث صارخا بمکۃ صاح ان صدقۃ الفطر حق واجب مدان من قمح او صاع من شعیر او تمر۔ (۱۱)

❸ حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ بعث منادیا ینادی فی فجاج مکۃ الا ان صدقۃ الفطر واجبۃ علی کل مسلم ذکر او انثی حر او عبد صغیر او کبیر مدان من قمح او صاع مما سواہ من الطعام۔ (۱۲)

❹ روایت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنا نؤدی زکوۃ الفطر علی عہد رسول اللہ ﷺ من قمح بالمد الذی یقتاتون بہ۔ (۱۳)

❺ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان الناس یخرجون صدقہ الفطر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاعا من شعیر او صاعا من تمر او زبیب فلما کان عمر و کثرت الحنطۃ جعل نصف صاع حنطۃ مکان صاع من تلک الاشیاء۔ (۱۴)

❻ روایت سعید بن المسیب رحمہ اللہ مرسلا: ان رسول اللہ ﷺ فرض زکوۃ الفطر مدین من حنطۃ۔ (۱۵)

❼ روایت ابی قلابہ رضی اللہ عنہ قال اخبرنی من دفع الی ابی بکر الصدیق صاع بر بین اثنین۔ (۱۶)

❽ روایت عن ابن ابی صعیر رضی اللہ عنہ قال کنا نخرج زکوۃ الفطر علی عہد عمر بن الخطاب نصف صاع۔ (۱۷)

❾ روایت ابوزرعہ عبدالرحمن بن عمرو الدمشقی رحمہ اللہ: قال حدثنا القواریری فذکر باسنادہ عن عثمان نہ خطبہم فقال ادوا زکوۃ الفطر مدین الفطر۔ (۱۸)

❿ روایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ قال زکوۃ الفطر عن کل حر و عبد ذکر او انثی صغیر او کبیر غنی او فقیر صاع من تمر او نصف صاع من قمح۔ (۱۹)

پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

پہلی روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں کہ طعامًا کا اطلاق ہر ماکول پر کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں طعامًا سے مراد جوار یا باجرہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں طعام سے عمومًا جوار اور باجرہ مراد ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں عمومًا یہی کھانے میں استعمال ہوتے تھے۔

تیسری بات یہ بھی ہے کہ اس روایت میں ہے "کنا نخرج" اس میں یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے، ممکن ہے اپنے طور پر یہ زائد نکالتے ہوں۔

ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو گندم میں نصف صاع نکالنے کا حکم دیا تب بھی انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تھا۔ اور فرمایا تھا فلا ازال اخرجه کما کنت اخرجه۔[۲۰]

اس کا جواب علماء یہ دیتے ہیں کہ ابو سعید خدریؓ گندم کے علاوہ دوسری چیزوں میں صاع نکالتے رہے پہلے کی طرح، گندم میں تو وہ بھی نصف صاع کے قائل تھے۔ جیسے کہ طحاویؒ کی روایت میں آیا ہے۔

ان مروان بعث الی ابی سعید ان ابعث الی بزکوۃ رقیقک فقال ابو سعید للرسول ان مروان لا یعلم انما علینا ان نعطی لکل راس عند کل فطر صاعا من تمر او نصف صاع من بر۔[۲۱]

اگر یہ بات مان بھی لیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ پہلے میں گندم میں سے ایک صاع صدقہ فطر نکالتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم دینے کے باوجود میرے عمل میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میں صرف صاع ہی نکالتا رہوں گا۔ تو اس صورت میں جواب یہ ہو گا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو شروع میں اس بات کا علم نہیں تھا کہ گندم میں مقدار آپ ﷺ نے نصف صاع مقرر فرمائی ہے۔ وہ حضرت امیر معاویہؓ کے حکم کو قیاس پر مبنی سمجھ رہے تھے۔ جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے۔ تلک قیمة معاویة لا اقبلها ولا اعمل بها۔[۲۲]

لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ گندم میں نصف صاع آپ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا تو انہوں نے اپنا مذہب بدل لیا اور صاع سے نصف صاع کے قائل ہو گئے۔ جیسے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ان مروان بعث الی ابی سعید ان ابعث الی بزکوۃ رقیقک فقال ابو سعید للرسول ان مروان لا یعلم انما علینا ان نعطی لکل راس عند کل فطر صاعا من تمر او نصف صاع من بر۔[۲۳]

دوسری روایت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں دو راوی متکلم فیہ ہیں۔ پہلا راوی بکر بن اسود ہے جس کے بارے میں خود امام دار قطنیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔ اور محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے۔

دوسرا راوی سفیان بن حسین زہری ہے۔اس کی روایت نا قابل احتجاج ہے۔چنانچہ امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس به باس الافی الزهری ابن عدیؒ کہتے ہیں هو فی الزهری صالح الحدیث وفی الزهری بروی اشیاء خالف فیها الناس اور مذکورہ بالاحدیث زہریؒ سے روایت ہے۔ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ منکر حدیث ہے۔

تیسری حدیث عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی ہیں جن کا نام کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ ہے جس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں لیس بشیء، امام شافعیؒ فرماتے هو رکن من ارکان الکذب ابن معینؒ فرماتے ہیں لیس حدیثه بشیء امام نسائیؒ اور دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ هو متروک۔

اسی روایت میں دوسرا راوی اسحٰق بن ابراہیمؒ ہے جس کے بارے میں بھی امام نسائیؒ، بخاریؒ، ابن معینؒ وغیرہ نے کلام کیا ہے۔

چوتھی روایت اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کی ہے۔جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی ہے جس کا نام عمر بن محمد بن صہبان ہے اس کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں لیس بشیء ابن معینؒ فرماتے ہیں لا یساوی فلسا (ایک پیسہ کا بھی آدمی نہیں ہے) امام نسائیؒ، ابوحاتم رازیؒ اور دار قطنیؒ کہتے ہیں هو متروک۔[۲۴]

فائدہ: صدقہ فطر صاع کے اعتبار سے دیا جائے گا اس لئے اس کی مقدار کی معرفت نہایت ضروری ہے۔

قرون اولی میں تین قسم کے صاع مستعمل تھے۔

1. صاع عراقی: یہ آٹھ رطل کا ہوتا تھا۔
2. صاع حجازی: یہ پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر ہوتا تھا یعنی ۵⅓۔
3. صاع ہاشمی: وہ بتیس رطل کا ہوتا تھا۔تیسرا صاع تو متروک ہو چکا تھا۔

ائمہ کا اختلاف اول دو کے بارے میں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام محمدؒ وغیرہ صاع عراقی مراد لیتے ہیں۔

امام مالکؒ، احمدؒ، شافعیؒ وغیرہ، صاع حجازی مراد لیتے ہیں۔

احناف کی دلیل

1. روایت انس رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ یتوضا باناء یسع رطلین ویغتسل بالصاع۔[۲۵]
2. روایت حسن بن صالحؒ قال صاع عمر ثمانیه ارطال عمر سے مراد عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔[۲۶]
3. روایت موسی الجہنیؒ قال اتی مجاهد بقدح فحزرته ثمانیة ارطال فقال حدثنی عائشة ان رسول اللہ ﷺ

يغتسل بمثل هذا۔[۲۷]

❹ روایت حجاج بن ارطاةؒ عن الحکم عن ابراهیم قال کان صاع النبی ﷺ ثمانیة ارطال ومده رطلین۔[۲۸]

❺ روایت جابر رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ یتوضأ بالمد رطلین ویغسل بالصاع ثمانیة ارطال۔[۲۹]

❻ روایت انس رضی اللہ عنہ: قال کان رسول اللہ ﷺ یتوضأ بمد رطلین ویغتسل بالصاع ثمانیة ارطال۔[۳۰]

علامہ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں کہ صاع عراقی میں زیادہ آتا ہے اس میں فقراء کی حاجت زیادہ پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا۔

صاع عراقی میں احتیاط ہے کہ یہ بڑا ہوتا ہے اور بڑے پر عمل کرلیا تو صاع حجازی پر تو بدرجہ اولی عمل ہوجائے گا اور کوئی شک بھی باقی نہیں رہے گا۔

امام شافعیؒ کا استدلال

❶ ایک صاع کے بارے میں پچاس شیوخ مدینہ نے گواہی دی کہ یہ آپ ﷺ کا صاع ہے وہ صاع پانچ ارطال اور ثلث رطل کا تھا۔

❷ دوسری دلیل انه اطعم ستة مساکین لکل مسکین نصف صاع وفی روایة فرقا بین ستة۔[۳۱]

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک فرق چھ (٦) مسکین کے لئے کافی ہے۔ اور ہر مسکین کے لئے نصف صاع چاہئے تو معلوم ہوا کہ فرق میں تین صاع ہونگے۔ اور روایات میں ہے کہ ایک فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے تو یہ نتیجہ نکلا کہ ایک صاع ⅓۵ رطل کا ہوگا۔ اگر صاع آٹھ رطل کا ہو تو ایک فرق دو صاع کا ہوگا اور دو صاع چھ مسکینوں کے لئے پورے نہیں ہوں گے۔

❸ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قال قیل یارسول اللہ صاعنا اصغر الصیعان ومدنا اکبر الامداد فقال اللهم بارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی قلیلنا وکثیرنا واجعل لنا مع برکة برکتین۔[۳۲]

امام شافعیؒ وغیرہ کے استدلال کا جواب

پچاس شیوخ کی گواہی کا اس ضمن میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ شیوخ مجہول ہیں اور محدثین کے نزدیک مجہول راویوں کی روایت معتبر نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ اس صاع کی پیائش مدینہ کے رطل سے کی گئی تھی اس لئے وہ ⅓۵ ہوا اگر اس کی پیائش رطل بغدادی سے کی جاتی تو وہ آٹھ رطل کا ہوجاتا۔ کیوں کہ اہل مدینہ کا رطل بڑا تھا۔ کہ وہ ۳۰ استار کا ہوا ۳۰×⅓۵=۱۶۰ بنا

بریں ۱/۲ ۵ ارطال ایک سو ساٹھ استار بنتے ہیں۔ اور رطل بغدادی بین استار کا ہوتا تھا اس حساب سے ۲۰×۸=۱۶۰ یعنی آٹھ ارطال بغدادی ایک سو ساٹھ استار کے برابر ہوا۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ "ذکر فرق" مدرج من الراوی ہوا۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے مطلق یعنی ۲۴ رطل کا ہے۔

تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں اصغر سے مراد صاع عراقی ہے۔ یہ اصغر ہے صاع ہاشمی سے کیوں کہ وہ ۲۴ رطل کا ہوتا تھا۔ جو اس زمانہ میں بھی رائج تھا۔

حضرت عثمان بن الاسود المکیؒ کے مختصر حالات: ان کا پورا نام حضرت عثمان بن الاسود المکیؒ بنی جمح کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اساتذہ: ان کے استادوں میں سے طاؤس، مجاہدؒ، عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ اور محدثین کی ایک بڑی جماعت ہے۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ میں سے سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، یحیٰی القطانؒ، عبیداللہ بن موسیٰؒ، ابوعاصمؒ وغیرہ حضرات محدثین شامل ہیں۔

ان کے بارے میں یحیٰی القطانؒ فرماتے ہیں "ثقہ"۔

وفات: بعض نے ان کے انتقال کے بارے میں ۱۴۰ھ کہا ہے اور بعضوں نے ۱۵۰ھ فرمایا ہے۔

آپ کے مزید حالات کے لئے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: طبقات ابن سعد ۷/۲۱، تاریخ البخاری ۶/۲۱۳، الجرح والتعدیل ۶/۱۴۰، تہذیب الکمال ۹۲۲ تہذیب التہذیب ۳/۲۲۴، تاریخ الاسلام للذہبی ۵/۲۷۶، میزان الاعتدال ۳/۵۹، ۶۰، تہذیب التہذیب ۷/۵۳ اخلاصہ تہذیب الکمال ۲۶۶، شذرات الذھب ۱/۲۳۰۔

حضرت مجاہدؒ کے حالات باب النوم قبل الصلاۃ و انتقاض الوضوء منہ حدیث نمبر ۱۶۵ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) المدونہ شرح موطأ۔

(۲) ہدایہ۔

(۳) عمدۃ القاری ۹/۱۱۳، ہدایۃ المجتہد ۱/۲۸۱، نووی ۱/۳۱۷۔

(۴) عمدۃ القاری ۹/۱۱۳، نیل الاوطار ۴/۶۸۔

(۵) بدایۃ المجتہد ۱/۲۸۱، نووی ۱/۳۱۷۔

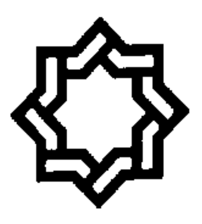
(۶) صحاح ستہ الفاظہ ابوداؤد۔

(۷) حاکم، دارقطنی۔

(۸) دارقطنی۔

(۹) دارقطنی۔

(۱۰) ابوداؤد حاکم، دارقطنی، طحاوی، مصنف عبدالرزاق، طبرانی۔
(۱۱) بیہقی، دارقطنی۔
(۱۲) ترمذی و دارقطنی۔
(۱۳) طحاوی ۱/۲۶۹، احمد، طبرانی۔
(۱۴) ابوداؤد، نسائی۔
(۱۵) یہ مرسل ہے لیکن سعید بن المسیبؒ کی مراسیل امام شافعیؒ کے نزدیک بھی معتبر ہیں۔
(۱۶) طحاوی ۱/۲۷۰۔
(۱۷) طحاوی ۱/۲۷۰۔
(۱۸) ایضاً۔
(۱۹) طحاوی ۱/۲۷۰۔
(۲۰) فتح الباری ۳/۲۹۶ باب صاع من زبیب۔
(۲۱) طحاوی ۱/۲۶۹ باب مقدار صدقۃ الفطر۔
(۲۲) طحاوی ۱/۲۶۹ باب مقدار صدقۃ الفطر۔
(۲۳) طحاوی ۱/۱۶۹ باب مقدار صدقۃ الفطر۔
(۲۴) الجوہر النقی ۴/۱۶۵، عمدۃ القاری ۴/۳۶۷، طحاوی ۱/۳۱۹ التعلیق الصبیح ۲/۳۱۳، فتح الملہم ۳/۱۵۔
(۲۵) ابوداؤد، دارقطنی۔
(۲۶) مصنف ابن ابی شیبۃ، نصب الرایۃ، طحاوی۔
(۲۷) نسائی، طحاوی۔
(۲۸) کتاب الاموال (ابوعبید قاسم بن سلام)۔
(۲۹) ابن عدی۔
(۳۰) طحاوی۔
(۳۱) بخاری و مسلم۔
(۳۲) ابن خزیمہ۔



۳۰۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْمَمْلُوْكِيْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤَدُّوْنَ الضَّرِيْبَةَ زَكٰوةٌ وَلٰكِنْ اِذَا كَانُوْا لِلتِّجَارَةِ كَانَتِ الزَّكٰوةُ فِي الْقِيْمَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا غلاموں اور کما کرلانے والے غلاموں میں زکوٰۃ نہیں لیکن اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر ان کی قیمت میں زکوٰۃ آئے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: یؤدون: ادی، ادیًا، وادیٰ تأدیۃ الشیء: ضرب سے معنی ادا کرنا۔

تشریح

کیا غلام میں زکوٰۃ ہے؟

لَيْسَ فِي الْمَمْلُوْكِيْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤَدُّوْنَ الضَّرِيْبَةَ زَكٰوةٌ غلام اگر خدمت کے لئے ہو تو بالاتفاق اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس بارے میں متعدد روایت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً قد عفوت عن صدقۃ الخیل والرقیق۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے انہ علیہ الصلوۃ والسلام لیس علی المسلم صدقۃ فی عبدہ ولا فی فرسہ۔[2]

وَالَّذِيْنَ يُؤَدُّوْنَ الضَّرِيْبَةَ زَكٰوةٌ۔ وہ غلام جس کو تجارت کی اجازت ہے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔
اس غلام کی کمائی اپنی نہیں ہوتی ہے بلکہ آقا کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ نہیں آتی۔ اور یہ مال اس کے مالک کی ملکیت میں جائے گا پھر سال گزرنے کے بعد مالک اس کی زکوٰۃ دے گا۔[3]

---

(۱) ترمذی ۱/۱۰۷ باب ماجاء فی زکوٰۃ الذھب والورق۔
(۲) بخاری ومسلم، مزید ابحاث کے لئے دیکھیں بذل المجہود ۳/۱۲۷ اشعۃ اللمعات ۲/۱۵ التعلیق الصبیح ۲/۲۹۳، عمدۃ القاری ۴/۳۸۵ فتح الملہم ۳/۹۔
(۳) البحر الرائق، منحۃ الخالق علی بحر الرائق، شامی۔

۳۰٦

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِذَا كَانَ الْمَمْلُوْكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ فَالصَّدَقَةُ مِنَ الْقِيْمَةِ فِيْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا: اگر غلام تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت میں دو سو درہم میں پانچ درہم زکوٰۃ آئے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: المملوکون: المملوک: صیغہ اسم مفعول بمعنی غلام جمع ممالیک القیمة: قام سے اسم نوع قیمت جمع قیم

تشریح

تجارت کے غلاموں میں زکوٰۃ

اِذَا كَانَ الْمَمْلُوْكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ فَالصَّدَقَةُ مِنَ الْقِيْمَةِ۔ اگر غلام تجارت کے لئے ہوں اور ان کی قیمت دو سو درہم کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ آئے گی ورنہ نہیں۔

اگر غلام خدمت وغیرہ کے لئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں آتی اگر کوئی آدمی تجارت کے لئے غلاموں کو خریدتا اور فروخت کرتا ہے تو اب اس غلام کی قیمت لگائی جائے گی اگر سونے چاندی کے نصاب زکوٰۃ کے برابر اس کی قیمت پہنچے گی تو اس میں سے چالیسواں حصہ نکالا جائے گا۔[1]

جیسے کہ عام تجارت کے مال میں ہوتا ہے۔ اس میں مالک کو اختیار ہے کہ غلام کی قیمت سونے کے نصاب سے لگائے یا چاندی کے نصاب سے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو اس سے حساب لگایا جائے گا۔[2]

یعنی سونے یا چاندی جس کے بھی نصاب کو اس کی قیمت پہنچتی ہو اسی حساب سے لگایا جائے گا۔ اور اگر غلاموں کی قیمت دونوں کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو اب مالک کو اختیار ہوگا جس سے چاہے حساب لگائے۔ اس میں ایک شرط درمختار میں یہ لکھی ہے کہ یہ اختیار مالک کو اس وقت ہوگا جب کہ سونے اور چاندی دونوں کا مسئلہ اس ملک میں برابر کا چلتا ہو ورنہ جو زیادہ مروج ہوگا وہی متعین ہو جائے گا۔[3]

(۱) شامی۔ (۲) البحر الرائق۔ (۳) شامی۔

باب زکٰوۃ الدواب العوامل

کام کاج کرنے والے چوپایوں کی زکوٰۃ کا بیان

اس باب میں مصنفؒ جانوروں کی زکوٰۃ کے مسائل کو بیان کر رہے ہیں۔ زکوٰۃ چار قسم کے مالوں پر آتی ہے ① نقد مال پر سونا چاندی یا روپیہ ہو ② تجارتی مال پر ③ چوپایوں پر یعنی چرندے اونٹ گائے بیل بھیڑ بکری وغیرہ ہوں ④ زمین کی پیداوار پر جس کا دوسرا نام عشر ہے۔

الدواب: وہ جانور مراد ہیں جن میں زکوٰۃ آتی ہے۔

عوامل: وہ کام کرنے والے جانور جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔ یا کھیتوں میں کام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ان میں ائمہ اربعہؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ حضرت قتادہ، مکحول، سعید بن عبدالعزیز امام زہریؒ وغیرہ کے نزدیک عوامل میں بھی زکوٰۃ آتی ہے۔

۳۰۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهٗ قَالَ فِی الْخَیْلِ السَّائِمَةِ الَّتِیْ یُطْلَبُ نَسْلُهَا اِنْ شِئْتَ فِیْ کُلِّ فَرَسٍ دِیْنَارٌ وَاِنْ شِئْتَ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَاِنْ شِئْتَ فَالْقِیْمَةُ ثُمَّ کَانَ فِیْ کُلِّ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فِیْ کُلِّ فَرَسٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا کُلِّهٖ یَاْخُذُ اَبُوْحَنِیْفَةَ وَاَمَّا فِیْ قَوْلِنَا فَلَیْسَ فِی الْخَیْلِ صَدَقَةٌ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے ان سائمہ گھوڑوں کے بارے میں جن سے افزائش نسل مقصود ہو یہ فرمایا کہ اگر چاہو تو ہر گھوڑے گھوڑی کے بدلے ایک دینار دے دو اور اگر چاہو دس درہم دے دو، یا پھر قیمت لگا کر دو سو درہم میں پانچ درہم کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرو۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امام ابوحنیفہؒ عمل کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک گھوڑوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔"

لغات: الخیل: مصدر بمعنی گھوڑوں کا گروہ جمع خیول، و اخیال اور الخیل مجازاً سواروں کو بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے اتی بخیلہ و رجلہ وہ سواروں اور پیادوں کو لے آیا۔

السائمۃ: بمعنی چرنے والے مویشی اور اونٹ۔ جمع سوائم۔
نسلھا: النسل مصدر بمعنی خلق، اولاد، ذریت، جمع انسال۔

تشریح

گھوڑے کی سات قسمیں ہیں۔ بعض میں زکوٰۃ کے مسئلہ میں فقہاء کا اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔
پہلی قسم...... گھر پر چارہ کھلایا جائے اور سواری یا بار برداری یا جہاد کی نیت سے پالا جائے تو اس پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے۔
دوسری قسم...... گھر پر چارہ کھاتا ہو اور تجارت کی نیت سے پالا جائے تو اس پر بالاتفاق زکوٰۃ ہے۔
تیسری قسم...... گھر پر چارہ کھاتا ہو اور اس کو نسل کے لئے پالا جاتا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔
چوتھی قسم...... وہ گھوڑے جو چارہ جنگل میں کھاتے ہوں اور تجارت کی غرض سے پالے جائیں تو ایسے گھوڑے پر بالاتفاق زکوٰۃ ہے۔
پانچویں قسم...... وہ گھوڑے جن کا گزارا جنگل کے چرنے پر ہے اور وہ سواری یا بار برداری یا جہاد کی نیت سے پالے جائیں تو ان پر بھی بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔
چھٹی قسم...... وہ گھوڑے جن کا گزارا جنگل میں چرنے پر ہے اور ان کو نسل کے لئے پالا جائے اور وہ صرف مذکر یا صرف مونث ہوں تو ان میں امام صاحبؒ کے دو قول ہیں ① زکوٰۃ ہوگی ② زکوٰۃ نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔
ساتویں قسم...... جن گھوڑوں کا گزارا جنگل میں چرنے پر ہے اور وہ نسل کے لئے پالے جائیں اور مذکر اور مونث دونوں ہی ہوں تو ایسے گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔
پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اگر گھوڑے مذکر اور مونث دونوں قسم کے ہوں اور ان کا سال کا اکثر حصہ باہر چرنے پر گزرتا ہے تو ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ آئے گی۔
دوسرا مذہب: امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ، عطاء بن ابی رباحؒ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک ان گھوڑں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: لیس علی المسلم فی فرسہ وغلامہ صدقۃ

❷ روایت علی رضی اللہ عنہ: قال رسول اللہ ﷺ قدعفوت لکم عن صدقۃ الخیل والرقیق فھاتو صدقۃ الرقۃ۔[۲]

❸ روایت عمرو حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ان النبی ﷺ لم یاخذ من الخیل والرقیق صدقۃ۔[۳]

❹ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: عن النبی ﷺ قال قدعفوت لکم صدقۃ الخیل والرقیق ولیس فیمادون المائتین زکوٰۃ۔[۴]

❺ روایت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ: واذلیس فی عبد مسلم ولا فی فرسہ شیء۔[۵]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے، اس میں آتا ہے الخیل ثلاثۃ لرجل اجر ولرجل ستر وعلی رجل وزر فاما الذی لہ اجر فرجل ربطھا فی سبیل اللہ...... وھی لذلک الرجل اجر ورجل ربطھا تغنیا وتعففا ولم ینس حق اللہ فی رقابھا وظھورھا فھی لہ ستر ورجل ربطھا فخرا ورباء فھی علی ذلک وزر اھ[۶]

گھوڑے تین طرح کے آدمیوں کے لئے اس طرح ہوتے ہیں ① آدمی کے لئے اجر ہوں گے ② آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں۔ ③ آدمی کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں۔ جس شخص کے لئے اجر ہوں گے وہ ہے جس نے گھوڑے کو جہاد کے لئے باندھ رکھا ہے چراگاہ میں جہاں تک اس کی رسی لمبی ہو اور وہ پھرتا رہے تو اس کے قدموں کے نشان اور اس کا فضلہ وغیرہ سب اس شخص کے لئے نیکیوں میں لکھے جائیں گے اس طرح وہ آدمی کے لئے اجر ہوگا۔ دوسرے آدمی نے اسے اپنی جائز ضروریات کے لئے پال رکھا ہے اور اس میں حقوق اللہ پورے کرتا ہے تو یہ اس کے لئے پردہ ہے۔ اور جس شخص نے اسے فخر و ریاء کی غرض سے باندھ رکھا ہو تو یہ اس پر گناہوں کا بوجھ ہوگا۔

❷ روایت عمر رضی اللہ عنہ: فلا اعرفن احدکم یاتی یوم القیامۃ یحمل شاۃ لھا ثغاء ینادی یامحمد یامحمد فاقول لا املک لک من اللہ شیئا قد بلغت ولا اعرفن احدکم یاتی یوم القیامۃ یحمل فرسالہ جمیۃ ینادی یا محمد یا محمد فاقول لا املک لک من اللہ شیئا۔[۷]

❸ روایت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: قال رایت ابی یقوم الخیل ویدفع صدقتھا الی عمر بن الخطاب۔[۸]

❹ روایت جابر رضی اللہ عنہ: قال رسول اللہ ﷺ فی الخیل السائمۃ فی فرس دینار۔[۹]

❺ روایت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ: قال جاء ناس من اھل الشام الی عمر فقالوا انا قد اصبنا اموالا فیہ خیلا ورقیقا وانا نحب ان تزکیہ فقال مافعلہ صاحبای قبلی فافعل انا ثم استشار اصحاب رسول اللہ ﷺ فقالوا حسن وسکت علیؓ فسالہ فقال ھو حسن لو لم یکن جزیۃ راتبۃ یوخذون بھا بعدک فاخذ من الفرس عشرۃ دراھم ثم اعادہ قریبا منہ بالسند المذکور والقصۃ وقال فیہ فوضع علی کل فرس دینارا۔[۱۰]

❻ قال طاؤس سالت ابن عباس عن الخیل افیھا صدقۃ فقال لیس علی فرس الغازی فی سبیل اللّٰہ صدقۃ

نوٹ: پہلے مذہب والوں کے نزدیک سائمہ ہونا شرط ہے۔ لغت میں سائمہ کہتے ہیں ایسے جانور کو جو جنگل، چراگاہ میں چرنے والے ہوں اس کی جمع سوائم آتی ہے اور شرعاً سائمہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصہ میں مباح چرائی پر اکتفاء کرتے ہوں اگرچھ ماہ یا اس سے زائد گھر پر رہتے ہوں تو اب یہ سائمہ نہیں ہوں گے۔

دوسرے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

دوسرے مذہب والے جو گھوڑے پر زکوٰۃ کے قائل ہیں اور اس بارے میں انہوں نے کئی روایات پیش کی ہیں ان سب کا جواب علامہ انور شاہ کشمیریؒ یہ دیتے ہیں کہ ان سب روایات میں فرس سے مراد جہاد والا گھوڑا ہے، اس بات پر واضح دلیل یہ ہے کہ ان روایات میں فرس کے ساتھ عبد کا بھی لفظ آتا ہے تو عبد سے مراد بالاتفاق وہ غلام ہے جو خدمت کے لئے ہو تو اب فرس میں بھی ایسا گھوڑا مراد ہوگا جو اپنی سواری کے لئے ہو۔

ورنہ ظاہر ہے کہ اگر غلام تجارت کے لئے ہو تو بالاتفاق اس میں زکوٰۃ ہوتی ہے تو ایسے گھوڑوں پر جو سائمہ ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ وہ گھوڑے جو جہاد کے لئے یا اپنی سواری کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں آئے گی تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوگا کہ کسی بھی گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ (۱۲)

اِنْ شِئْتَ فِیْ کُلِّ فَرَسٍ دِیْنَارٌ وَاِنْ شِئْتَ عَشَرَۃُ دَرَاھِمَ وَاَنْ شِئْتَ فَالْقِیْمَۃُ ثُمَّ کَانَ فِیْ کُلِّ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ فِیْ کُلِّ فَرَسٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔

اگر ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دے اور اگر چاہے تو دس درہم دے۔ قیمت لگا کر دو سو دراہم میں پانچ درہم گھوڑے کے بدلے میں خواہ وہ گھوڑا ہو یا گھوڑی ہو۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں امام صاحبؒ کے مذہب کی تفصیل

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں پر زکوٰۃ ہے باقی ائمہ کے نزدیک نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ گھوڑوں میں شرط یہ لگاتے ہیں کہ گھوڑے اور گھوڑیاں دونوں ہوں تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر صرف گھوڑے ہوں گھوڑیاں نہ ہوں تو مشہور روایت احناف کی اس بارے میں یہ ہے کہ اس صورت میں زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ کیوں کہ صرف گھوڑے ہوں تو اس سے نسل نہیں چل سکتی۔

اور اگر صرف گھوڑیاں ہوں تو اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایات منقول ہیں۔

ایک روایت میں ان پر زکوٰۃ آئے گی دوسری روایت میں نہیں آئے گی۔

محیط میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت صرف نریا صرف مادہ کے بارے میں یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ مگر محقق ابن ہمامؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ صرف مادہ ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر صرف نر ہو تو زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ کیوں کہ یہ کسی کا گھوڑا استعار لے کر نسل چلاسکتا ہے۔ (۱۳)

گھوڑوں پر زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی

گھوڑں پر زکوٰۃ کے بارے میں امام صاحبؒ کے نزدیک اختیار ہے خواہ ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار یا دس دراہم دیدے کیوں کہ ایک دینار اور دس دراہم دونوں کی قیمت برابر ہوتی ہے۔ اگر گھوڑوں کا مالک چاہے تو ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو دراہم میں پانچ دراہم دیدے۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھوا کر بھیجی تھی۔ جس میں آتا ہے خیر اربابہا ان ادوا من کل فرس دینارا او الافقو مہا وخذ من کل مائتی درھم خمسۃ دراھم۔

اسی طرح سے دوسرا قول حارثہ بن مضربؓ کا جو ابھی گزرا۔ اس میں آتا ہے قال جاء ناس من اھل الشام الی عمر فقالوا انا اصبنا اموالا فیہ خیلا ورقیقا وانا نحب ان تزکیہ فقال ما فعلہ صاحبای قبلی فافعل انا ثم استشار اصحاب رسول اللہ ﷺ فقالوا احسن وسکت علی رضی اللہ عنہ فسالہ فقال حسن لو لم یکن جزیۃ راتبۃ یوخذون بہا بعدک فاخذ من الفرس عشرۃ دراھم ثم اعادہ قریبا منہ بالسند المذکور والقصۃ وقال فیہ فوضع علی کل فرس دینارا۔ (۱۴)

یعنی شام کے کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم کو بہت سا مال گھوڑے اور غلام ہاتھ آئے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کی زکوٰۃ لے لیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ سے پہلے میرے دونوں پیش رو حضرات حضور ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کام نہیں کیا تو میں کیسے کروں؟ پھر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لیا سب نے کہا کہ اچھی بات ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے خاموش رہے آپ نے ان سے بھی دریافت کیا تو انہوں نے کہا اچھی بات ہے بشرطیکہ جزیہ راتبہ (لازمی) مقرر نہ ہو جو آپ کے بعد بھی لیا جاتا رہے پس آپ نے ہر گھوڑے کے دس درہم لینا مقرر فرمائے (دار قطنی نے) اسی حدیث کو بسند مذکور دوبارہ ذکر کر کے کہا کہ آپ نے ہر گھوڑے پر ایک دینار مقرر کیا ہے۔

---

(۱) صحاح ستہ وفی روایۃ مسلم زاد الاصدقۃ الفطر۔
(۲) سنن اربعہ۔

(۳) مسند احمد۔
(۴) طبرانی فی اوسط۔
(۵) سنن نسائی۔ معجم کبیر۔
(۶) بخاری ۳/ ۱۰۹۳ و مسلم ۱/ ۳۱۹۔
(۷) مصنف ابن ابی شیبہ۔
(۸) طحاوی، دار قطنی، مصنف ابن ابی شیبہ۔
(۹) بیہقی، دار قطنی۔
(۱۰) طحاوی، دار قطنی، مسند احمد، حاکم، طبرانی، معجم کبیر۔
(۱۱) قال الحافظ فی الدرایۃ ۱۵۸ اسنادہ صحیح۔
(۱۲) عرف الشذی ۲۷۱ معارف السنن ۵/ ۲۱۶ وھکذا فی عمدۃ القاری ۹/ ۳۷ فتح الملھم ۳/ ۸ بذل المجھود ۳/ ۲۷ الاشعۃ ۲/ ۵، التعلیق الصبیح ۲/ ۲۹۳۔
(۱۳) فتح القدیر۔
(۱۴) طحاوی، مسند احمد، دار قطنی، اسی طرح ما متن کا اثر ابراہیم نخعیؒ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھیں فتح القدیر ۱/ ۵۰۲ عنایہ علی ہامش فتح القدیر، عمدۃ القاری ۹/ ۳۷ باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ۔



۳۰۸

﴿بَلَغَنَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ عَفَوْتُ لِاُمَّتِیْ عَنْ صَدَقَۃِ الْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ﴾

"ہمیں نبی کریم ﷺ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنی اُمت کے لئے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کرادی ہے۔"

لغات: عَفَوْتُ: عفاعفوًا: نصر سے بمعنی معاف کرنا۔

۳۰۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا خَیْثَمُ بْنُ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَیْسَ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْ فَرَسِهٖ وَلَا فِیْ عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ﴾

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان شخص پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

لغات: المرء: بمعنی آدمی، انسان جمع رجال، (مِنْ غیر لفظہ) مرؤون بھی سنایا گیا ہے۔ مؤنث امراءۃ جمع نسآء نسوۃ (من غیر لفظھا)

تشریح

جمہور فقہاء کے نزدیک گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہے

ان دونوں آثار میں جمہور کے مذہب کو بیان کیا جارہا ہے کہ گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور چونکہ صاحبینؒ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے اس کو وہ زیادہ وضاحت سے لے کر آرہے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل پر جمہور فقہاء کے اعتراضات

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل پہلے تفصیل سے گزرے کہ بہت سی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں پر زکوٰۃ

آتی ہے۔ ان سب پر جمہور فقہاء اعتراضات کرتے ہیں مثلاً۔

پہلی روایت جو امام ابوحنیفہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی پیش کی تھی جس میں گھوڑے کی تین قسمیں بیان کی گئی تھیں۔ اس میں ایک قسم کے بارے میں فرمایا گیا تھا۔ لم ینس حق اللّٰہ فی ظھورھا "حق اللہ" سے امام ابوحنیفہ نے زکوٰۃ مراد لی تھی اس پر جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ لمبی روایت ہے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اولاً سوال کیا کہ مامن صاحب کنز لایؤدی زکوٰۃ پھر اونٹ کے بارے سوال کیا تھا ومامن صاحب ابل لا یؤدی زکوتھا اس طرح بکریوں کے بارے میں سوال کیا تھا۔ ومامن غنم لا یودی زکوتھا ان الفاظ سے تو مفہوم ہوتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہے مگر جب گھوڑے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا گیا قیل یارسول اللّٰہ فالخیل پھر آپ ﷺ نے گھوڑے کی تین قسموں کو بیان فرمایا۔ اگر اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جیسے کہ سابق چیزوں پر واجب تھی تو عبارت ہوتی کہ ومامن صاحب خیل لا یودی زکوتھا؟

اس کا جواب امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اختلاف اسلوب، جواب علی اسلوب الحکیم کے طور پر ہے اور تفنن فی العبارت ہے کہ سننے والے میں نشاط پیدا ہو جائے۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ بھی پوچھو کہ گھوڑا کس طرح سعادت اور نیک بختی کے لئے پالا جاسکتا ہے اور کس طرح بدبختی کے لئے یہ ذریعہ بن سکتا ہے گھوڑے زیادہ محبوب تھے عرب میں اس لئے آپ ﷺ نے اس بارے میں پوری وضاحت فرمادی۔

ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نقل کی گئی تھی۔ جس میں آتا ہے فی الخیل السائمۃ فی فرس دینار اس پر جمہور فقہاء نے تین اعتراضات کئے ہیں۔

پہلا اعتراض: دار قطنی نے کہا اس میں ایک راوی ہے فورک یہ بہت ضعیف ہے۔

دوسرا اعتراض: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت امام ابویوسف کے نزدیک صحیح ہوتی تو وہ اس کے خلاف نہ ہوتے۔

تیسرا اعتراض: ابن القطان کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی ہیں جن کا نام ابویوسف یعقوب قاضی ہے جو محدثین کے نزدیک مجہول ہے۔

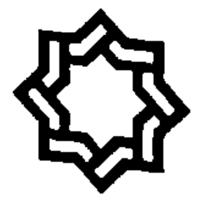
جوابات

امام ابوحنیفہ کی طرف سے ان سب اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا جاتا ہے۔

پہلا اعتراض کہ فورک ضعیف ہے۔ یہ اگرچہ ضعیف ہے مگر جعفر بن محمد نے اس روایت کو غورک کے علاوہ عروہ سعدی سے بھی نقل کیا ہے اور یہ راوی قوی ہیں۔ اس کی سند اس طرح ہے۔ روی عروۃ السعدی عن جعفر بن

محمدعن ابیہ عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فی الخیل السائمۃ فی کل فرس دینار۔[1]
نیز شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس روایت کو بطریق ابن الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ بھی نقل کیا ہے۔
دوسرا اور تیسرا اعتراض کہ اس میں ابو یوسف یعقوب قاضیؒ ہیں جو مجہول ہیں۔ یہ ابو یوسف سے مراد امام ابو یوسفؒ ہیں فقہ کے امام اور ایک چوتھائی عالم اسلام کے قاضی القضاۃ ہیں اور ان کی بات سب مانتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ مجہول ہے یہ خلاف عقل بات ہے۔
دوسرا جواب یہ بھی کہ چلیں یہ روایت ضعیف بھی ہے امام ابوحنیفہؒ کا استدلال صرف اسی روایت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی کئی روایات سے استدلال کیا ہے۔
اور باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آثار ہیں جن سے امام ابوحنیفہؒ استدلال کرتے ہیں۔
یہ بات تو سب ہی مانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ لی گئی ہے بات یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے عہد نبوی اور عہد صدیقی میں گھوڑا صرف جہاد ہی کی نیت سے پالا جاتا تھا۔ مگر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سے علاقے فتح ہوئے اور پھر مسلمانوں کے پاس کثرت سے سائمہ گھوڑے آئے۔ یہاں تک کہ بلاد عرب میں بعض کی ملکیت میں ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے آئے تو اب وہ اونٹوں بکریوں کی طرح جنگل میں چرنے لگے تو پھر اس پر زکوٰۃ مقرر کر دی گئی۔
اور یہ گھوڑوں پر زکوٰۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر نہیں کی بلکہ مقرر تو پہلے ہی سے تھی اس کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کا علم چند ہی لوگوں کو تھا مگر جب موقعہ آیا تو اس کا اعلان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔
ہدایہ کی شرح عنایہ اور کفایہ دونوں میں یہ قصہ موجود ہے کہ مروان کے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ کا مسئلہ زیر غور آیا تو مروان نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقۃ جب یہ بات حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا صدق رسول اللہ ﷺ انما اراد فرس الغازی۔
اور یہ بات حضرت زید بن ثابتؓ نے اپنی طرف سے یوں ہی نہیں کی ہوگی۔ بلکہ حضور ﷺ سے ضرور اس کو سنا ہوگا۔[2]

(۱) احکام القرآن للجصاص۔ (۲) فتح القدیر ۱/۵۰۲ فصل فی الخیل۔



۳۱۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْحُمُرِ السَّائِمَةِ زَكٰوةٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا سائمہ گدھوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: الحمر: بمعنی گدھا یہ پالتو بھی ہوتا ہے اور وحشی بھی اسی لئے جنگلی کو الحمار الوحشی جمع حمیر و احمرۃ وحمر وحمور وحمرات مونث حمارۃ جمع حمائر جَنَبَ اجتنبَ۔

تشریح

کیا گدھوں پر زکوٰۃ واجب ہے

اگر گدھے تجارت کے لئے نہ ہوں تو اس صورت میں گدھوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں آتی۔

استدلال

روایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ: سئل النبی علیہ السلام عن الحمر فقال ما نزل علی فیہا شیء الا ھذہ الایۃ الجامعۃ الفاذۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ (۱)

یعنی جب گدھوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا سوائے اس آیت کے جو جامع ہے۔ فمن یعمل مثقال الخ۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر گدھے تجارت کے لئے ہوں تو اب سب کے نزدیک زکوٰۃ آئے گی کیوں کہ اس وقت یہ مال تجارت کے حکم میں ہوں گے جیسے کہ دوسرے اموال تجارت میں زکوٰۃ کا تعلق مالیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ آئے گی۔ (۲)

(۱) مسلم و بخاری، بخاری نے پانچ جگہ پر اس کو نقل کیا ہے۔ ① باب مساقات ② باب جہاد ③ باب مناقب تفسیر ④ باب عصام ⑤ باب زکوٰۃ۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری۔

۳۱۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَيْسَ فِيْمَا عُمِلَ عَلَيْهِ مِنَ الثِّيْرَانِ صَدَقَةٌ وَلَا عَلٰى مَا يَكُوْنُ مِنَ الْاِبِلِ الطَّحَّانَاتِ وَالْعَمَّالَاتِ صَدَقَةٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جن بیلوں سے کام کیا جاتا ہے ان پر زکوۃ نہیں یا جن اونٹوں سے پن چکی یا دوسرا کام لیا جاتا ہے ان پر بھی زکوۃ نہیں۔

امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: اثور: بمعنی بیل مونث ثورۃ بمعنی گائے۔

الطحانات: طحن طحنًا فتح سے بمعنی گیہوں پیسنا۔

الطاحون: والطاحونۃ چکی پیسنے کا مکان جمع طواحین۔

تشریح

کام کرنے والے جانور پر زکوۃ نہیں ہے

لَيْسَ فِيْمَا عُمِلَ عَلَيْهِ مِنَ الثِّيْرَانِ صَدَقَةٌ الخ جن بیلوں سے کام کیا جاتا ہے ان پر زکوۃ نہیں یا جن اونٹوں سے پن چکی یا دوسرا کام لیا جاتا ہے ان پر زکوۃ نہیں ہے۔

لیکن اس کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت ابن عباسؓ، علیؓ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم عمر بن عبدالعزیزؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، عطاءؒ، مجاہدؒ، شعبیؒ، عمرو بن دینارؒ، ضحاکؒ، سفیان ثوریؒ، سعید بن جبیرؒ، لیث بن سعدؒ، ابن المنذرؒ، ابوعبیدؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اس قسم کے جانور پر زکوۃ نہیں ہے۔

دوسرا مذہب: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور قتادہؒ، مکحولؒ، سعید بن عبدالعزیزؒ، حسن بن صالحؒ، امام زہریؒ فرماتے ہیں ایسے جانوروں پر زکوۃ آئے گی۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

آیت قرآنیہ سے استدلال کرتے ہیں خذمن اموالھم صدقۃ اور حدیث نبوی فی کل خمس ذود شاۃ۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

1. روایت علی رضی اللہ عنہ لیس علی العوامل شئ۔[1]
2. روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ لیس فی البقر العوامل صدقۃ۔[2]
3. روایت جابر رضی اللہ عنہ قال لیس فی المثیرۃ صدقۃ۔[3]

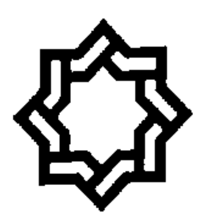
عقلی دلیل

وجوب زکوٰۃ کا سبب مال نامی ہونا ہے اور نمو کی دلیل سائمہ ہونا یا تجارت کے لئے ہونا ہے۔ یہاں ان دونوں میں سے کچھ نہیں۔ بلکہ ان جانوروں کو تو گھر سے چارہ کھلایا جاتا ہے اس سے تو ان پر مزید خرچ آتا ہے۔[4]

پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

آیت قرانیہ مجمل ہے جب کہ دوسری روایات میں وضاحت آرہی ہے تو اس کو ہی اختیار کیا جائے۔
حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے۔ کہ اس میں بھی خاموشی ہے اور دوسری جگہ پر جب نصوص میں وارد ہو گیا ہے تو اب انہی نصوص کو ہی اختیار کیا جائے گا۔

(۱) ابوداؤد نسائی۔ دار قطنی، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ۔
(۲) طبرانی فی المعجم۔ الکامل لابن عدی۔
(۳) درایہ ابن حجر۔
(۴) ہدایہ مع فتح القدیر۔



باب زکوٰۃ الزرع والعشر

کھیت کی زکوٰۃ اور عشر کا بیان

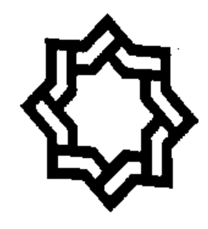
اس باب میں عشر کو بیان کریں گے۔ زمین سے جو زرعی پیداوار ہو اس کا دسواں حصہ صدقہ کرنے کو عشر کہتے ہیں۔ یہ قرآن وحدیث ہر دو سے ثابت ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔ ومما اخرجنالکم من الارض۔ کلوا من ثمرہٖ اذا اثمروا توا حقہ یوم حصادہٖ۔

کتب حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فیما سقت السماء او العیون و کان عشریا العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر۔

عشر کے ادا کرنے کی دو شرطیں ہیں ① اہلیت ہو یعنی مسلمان ہو ② محلیت یعنی زمین غیر خراجی ہو۔ کیوں کہ احناف کے نزدیک عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہوتے۔

کتنے میں عشر آئے گا: امام صاحبؒ کے نزدیک وزن کا کوئی تعین نہیں، صاحبین و دیگر ائمہ کے نزدیک پانچ وسق ہونا ضروری ہے۔

جس طرح زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اسی طرح عشر میں بھی تملیک ضروری ہوگی۔ کہ جس کو دیا ہے وہ اس کا مالک بن جائے۔ زکوٰۃ کی طرح مردے کے کفن یا مسجد کی تعمیر میں عشر کا دینا بھی جائز نہیں ہوگا۔



۳۱۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ فِيْ كُلِّ شَيْئٍ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ مِمَّا سَقَتِ السَّمَاءُ اَوْ سُقِيَ كَسَيْحًا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ اَوْ دَالِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كَانَ يَاْخُذُ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَاَمَّا فِيْ قَوْلِنَا فَلَيْسَ فِي الْخَضْرِ صَدَقَةٌ وَالْخَضْرُ الْبُقُوْلُ وَالرِّطَابُ وَمَالَمْ يَكُنْ لَهٗ ثَمْرَةٌ بَاقِيَةٌ الْبِطِّيْخِ وَالْقِثَّاءِ وَالْخِيَارِ وَمَا كَانَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ وَاَشْبَاهِ ذٰلِكَ فَلَيْسَ فِيْهِ صَدَقَةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ اَوْسَاقٍ وَالْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعًا وَالصَّاعُ اَلْقَفِيْزُ الْحَجَاجِيُّ وَرُبُعُ الْهَاشِمِيِّ وَهُوَ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا ہروہ چیز جسے زمین پیدا کرے اور وہ بارش کے پانی سے سیراب ہو یا بہنے والے پانی سے اس میں عشر آئے گا اور جو بڑے ڈول یا عام ڈول سے سیراب ہو اس میں بیسواں حصہ آئے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا اس کو امام ابوحنیفہؒ اختیار کرتے تھے۔ لیکن ہمارے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں اور سبزیوں سے ترکاریاں اور تر چیزیں مراد ہیں جو ٹھہرتی نہ ہوں جیسے تربوز، کھیرا، ککڑی وغیرہ اور گیہوں، جو، کھجور، منقہ وغیرہ میں اس وقت تک عشر نہیں آئے گا جب تک پانچ وسق کی مقدار کو نہ پہنچ جائیں ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع سے حجازی قفیز اور ہاشمی کا ربع مراد ہے جو آٹھ رطل کا بنتا ہے"

تشریح

عشر کب آئے گا

فِيْ كُلِّ شَيْئٍ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ مِمَّا سَقَتِ السَّمَاءُ الخ۔ ہروہ چیز جسے زمین پیدا کرے اور وہ بارش کے پانی سے سیراب ہو یا بہنے والے پانی سے اس میں عشر آئے گا۔

اَوْ سُقِيَ سَيْحًا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، احمدؒ، سفیان ثوریؒ، وغیرہ کے نزدیک اگر جاری پانی یا رہٹ وغیرہ کے ذریعہ سے زمین کو سیراب کیا جائے تو اس میں سال کے اکثر ایام کا اعتبار ہوگا اگر سال کے اکثر دنوں میں اس کو اس طرح سیراب کیا جاتا ہے تو اب عشر آئے گا۔[1]

مَا سُقِيَ بِغَرْبٍ اَوْ دَالِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔ جو زمین چرسہ یا رہٹ یا سانڈنی کے ذریعہ سینچی گئی ہو تو اس کی پیداوار میں نصف عشر ہوگا کیوں کہ اس میں خرچ وغیرہ بھی ہوتا ہے اس لئے شریعت نے اس میں نصف عشر کر دیا۔

وَاَمَّا فِیْ قَوْلِنَا فَلَیْسَ فِی الْخَضْرِ صَدَقَۃٌ الخ۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں اور سبزیوں سے ترکاریاں اور تر چیزیں مراد ہیں جو ٹھہرتی نہ ہوں۔

سبزیوں اور جلدی خراب ہونے والی چیزوں میں عشر

اس مسئلہ میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت امام ابویوسفؒ، محمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ کے نزدیک سبزیوں اور تمام جلدی سڑنے والی چیزوں میں عشر نہیں ہے عشر ایسی پیداوار میں آتا ہے جو قدرتی طور سے دیر تک رہ سکتی ہو مثلاً چاول جو، چنا، گیہوں وغیرہ۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے چاہے غلہ وغیرہ ہو یا سبزی ترکاری، پھل وغیرہ سب پر واجب ہے اور اس میں سال گزرنا بھی لازم نہیں ہوگا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

لیس فی الخضروات شیء[۲] استدلال اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں سبزیوں میں صدقہ کی نفی ہے کیوں کہ یہ قیام پذیر نہیں ہے یہ مراد نہیں ہے کہ مطلقاً اس میں زکوٰۃ ہی نہیں ہوگی کیوں کہ اگر خضروات تجارت کے لئے ہو تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ صدقہ عشر کی نفی ہے نہ کہ صدقہ زکوٰۃ کی۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

واتو حقہ یوم حصادہ الخ۔ ان رسول اللہ ﷺ قال فیما سقیت الانہار والعیون العشر و ما سقی بالسواني ففیہ نصف العشر۔[۳] فلیس فیہ صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق۔ اس میں صدقہ نہیں آئے گا جب تک وہ پانچ وسق کو نہ پہنچ جائے۔

کیا وجوب عشر کے لئے کوئی نصاب مقرر ہے

اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، ابویوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، محمد بن سیرینؒ کے نزدیک زمین سے پیداوار کی جب مقدار پانچ وسق (چھبیس من ساڑھے گیارہ سیر چھ چھٹانک) کے برابر ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، زہریؒ، ابراہیم نخعیؒ، مجاہد بن جبیرؒ کے نزدیک اس کے

لئے کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ چاہے جتنا بھی پیدا ہو اس میں سے عشر نکالا جائے گا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔ لیس فیما دن خمسة اوسق صدقة۔[۴]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

❶ واتو حقه یوم حصاده۔ اس میں وزن کی کوئی قید نہیں ہے۔[۵]

❷ انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض۔

❸ روایت ابن عمرؓ مرفوعا: فیما سقت السماء و العیون و کان عشریا العشر و ما سقی بالنضح نصف عشر۔[۶]

جس کو آسمان نے یا چشموں نے سیراب کیا ہو۔ اور عشری زمین ہو تو اس میں عشر ہے اور جس زمین کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعہ پانی لگایا جاتا ہے تو اس میں نصف عشر ہے۔

❹ فیما سقت السماء العشر و فیما سقی بنضح او غرب نصف العشر فی قلیله و کثیره[۸]

اثر عمر بن عبدالعزیز ان یوخذ مما انبتت الارض من قلیل او کثیر العشر اثر مجاهد مثل اثر عمر بن عبدالعزیز۔[۹]

پہلے مذہب والوں کے استدلال کا جواب

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو صدقہ کی نفی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم کی زکوٰۃ حکومت کا عامل وصول نہیں کرے گا۔ جب کہ مالک خود اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ وہ پیداوار مراد ہے جو تجارت کے لئے ہو ایسی پیداوار کے لئے اصول یہ ہے کہ اس کی قیمت دو سو درہم کو پہنچ جائے۔ اور اس زمانہ میں ایک وسق چالیس درہم کا ہوتا تھا تو پانچ وسق دو سو درہم کے برابر ہوئے اس لئے اب اس میں چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ آئے گا۔

تیسرا جواب: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت خبر واحد کے درجہ میں ہے۔ یہ قرآن اور خبر مشہور کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں ہوگی۔

چوتھا جواب: علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں عشر کا مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ عرایا کا بیان ہے بلکہ عرایا اسے کہتے ہیں کہ کسی شخص نے کوئی کھجور کا درخت کسی فقیر کو دے دیا) فقیر کو عموماً عرب پانچ وسق کے برابر دیتے تھے۔ پھر اس فقیر کو ان درختوں کے بدلہ میں پانچ وسق دے دیا گیا، تو اب ان پانچ وسق میں صدقہ نہیں آئے گا۔[۱۰]

(فائدہ مہمہ)

کس زمین سے عشر لیا جائے گا؟

عشری زمینیں چھ ہیں:

❶ حجاز اور یمن سمیت تمام زمین عرب۔
❷ وہ ملک جس کے باشندے اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ہوں۔
❸ وہ ملک جو فتح ہو جانے کے بعد مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو گئے۔
❹ وہ بنجر خراب زمین جو عشری پانی سے سینچ کر قابل زراعت ہوئی ہے۔
❺ خراجی زمین جس کا پانی منقطع ہو گیا ہو اور اس کو عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔
❻ مسلمان کا وہ گھر جس کو اس نے باغ بنا کر عشری پانی سے سیراب کیا ہو۔

اس کے برعکس خراجی زمینیں ہیں اور وہ آٹھ ہیں۔

❶ جہاد میں فتح کر کے وہاں کے لوگوں کے قبضے میں خراج کے بدلے چھوڑ دی گئی ہو۔ جیسے کہ مصر، عراق وغیرہ کی زمینیں تھیں۔
❷ وہ بنجر زمین جو حاکم نے کسی کافر کو زراعت کے لئے دی ہو۔ اس کے کسی کارنامے وغیرہ پر۔
❸ کسی ذمی نے اپنے گھر میں باغ لگایا ہو اگرچہ اس کو وہ عشری پانی سے ہی سیراب کیوں نہ کرتا ہو۔
❹ وہ زمین جس پر کسی قوم نے خراج پر صلح کی ہو۔
❺ وہ عشری زمین جو خراجی پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔
❻ مسلمان کے گھر کا باغ جو خراجی پانی سے سیراب کیا جاتا ہو۔
❼ وہ زمین جو کسی مسلمان نے کافر سے خریدی ہو۔
❽ وہ زمین جو خراجی پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔[11]

رطل، صاع اور وسق کی مفصّل بحث

اَلْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعًا وَالصَّاعُ اَلْقَفِيْزُ الْحِجَّاذِيُّ وَرُبُعُ الْهَاشِمِيِّ وَهُوَ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ۔

رطل کی تین قسمیں ہیں ① عراقی ② مدنی ③ شامی۔

عراقی رطل: عراقی ایک رطل ۱۳۰ درہم کا ہوتا ہے۔ اور ۱۲ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ایک رطل ۳۴ تولہ ڈیڑھ

ماشہ کا ہوتا ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۳۹۸۰۳۴ ملی گرام ہوتا ہے۔ یعنی ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام عراقی رطل کا وزن ہوگا۔ اور عراقی آٹھ رطل میں ایک صاع ہوتا ہے۔ جس میں تین کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ہوجاتے ہیں۔

مدنی رطل: مدنی یا حجازی ایک رطل میں ۱۹۵ درہم ہوتے ہیں۔ اور ۵ رطل میں ۹۷۵ درہم ہوں گے۔ اور ثلث رطل میں ۶۵ درہم ہوں گے۔ اور حجازی ۵ رطل اور ثلث رطل میں ایک صاع ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حجازی ۵ رطل اور ثلث کی تعداد عراقی آٹھ رطل کے برابر ہوجاتی ہے۔ اس بات کو علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ واذا قابلت ثمانیة بالعراقی بخمسة وثلث بالمدینی وجدتهما سواء الخ۔[۱۲]

- ○ حجازی رطل کا ایک ثلث ۶۵ درہم کا ہوتا ہے جس میں ۱/۱۶ ۷ اتولہ ہوتے ہیں۔
- ○ حجازی ایک رطل ۱۹۵ درہم کا ہوتا ہے جس میں ۳/۱۶ ۵۱ تولے ہوتے ہیں۔
- ○ حجازی پانچ رطل ۹۷۵ درہم کے ہوتے ہیں جس میں ۱۵/۱۶ ۲۵۵ تولے ہوتے ہیں۔
- ○ حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل ۵/۱/۳ میں ۱۰۴۰ درہم ہوتے ہیں۔ جس میں ۲۷۳ تولے ہوتے ہیں۔

لہٰذا ایک صاع میں عراقی آٹھ رطل اور حجازی ۵ رطل اور ثلث رطل ہوتے ہیں۔ جس میں ایک ہزار چالیس درہم ہوتے ہیں۔ اور ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ۱۰۴۰ درہم میں ۲۷۳ تولہ ہوجائیں گے۔ جو ایک صاع کا وزن ہوجاتا ہے۔ اور اس میں کل ۳۲۷۶ ماشہ ہوں گے۔ اور ایک ماشہ ۹۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک حجازی رطل میں ۵۹۷ گرام ۵۱ ملی گرام ہوں گے۔ اور تہائی رطل میں ۱۹۹ گرام ۱۷ ملی گرام ہوں گے۔ لہٰذا ٹوٹل لگانے سے مدنی یا حجازی کل پانچ رطل اور ثلث رطل میں ۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ہوں گے۔

شامی رطل: شامی رطل کے بارے میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ شامی ڈیڑھ رطل میں ایک صاع ہوتا ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ ایک شامی رطل بقول شیخ علی ترکمانیؒ وابراہیم سائحانیؒ ۶۰۰ درہم سے زائد ہوتا ہے۔ اور بروایت صاحب ملتقی چھ سو درہم ہیں۔ (شامی کراچی ۲/۳۶۵)۔

اور علامہ موفق الدین ابن قدامہؒ نے المغنی میں نقل فرمایا ہے کہ ایک دمشقی یعنی شامی رطل ایک صاع سے بڑا ہوتا ہے۔

ویجزی اخراج رطل بالدمشقی من جمیع الاجناس لانه اکبر من الصاع۔[۱۳] اور بقول علامہ شامیؒ ڈیڑھ رطل کا صاع تسلیم کیا جائے تو ایک رطل میں ۲۱۲۲۸۴۸ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ۲ کیلو ۱۲۲ گرام ۸۴۸ ملی گرام ہوں گے۔ اور نصف ۱۰۶۱۴۲۴ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ایک کیلو ۶۱ گرام ۴۲۴ ملی گرام ہوجائیں گے، اور ڈیڑھ رطل میں جب ایک صاع ہوتا ہے تو نصف رطل کی مقدار یعنی ۱۰۶۱۴۲۴ کو تین سے ضرب دیا جائے تو ۳۱۸۴۲۷۲ ملی گرام ہوجاتے ہیں۔ یعنی ۳ کلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ۳۱۸۴۲۷۲ گرام ایک صاع کا وزن ہوگا۔

صاع کا وزن

حضرت مصنفؒ نے اسی مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے یہ باب باندھا ہے۔ چنانچہ گزشتہ باب میں صدقہ فطر کی مقدار بذریعہ گندم نصف صاع کا ہونا ثابت کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا نصف صاع کی مقدار کو موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے موازنہ کر کے دیکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں صاع کو کوئی نہیں جانتا بلکہ کیلو گرام ہی لوگوں کے درمیان متعارف ہے۔ اور ماضی کے محققین نے صاع کو اپنے اپنے دور کے متعارف پیمانوں سے سمجھایا ہے۔ ان میں سے ہم پانچ شکلوں کو موجودہ زمانہ کے کیلو گراموں سے موازنہ کر کے پیش کرتے ہیں۔

① صاع بحساب مثقال ② صاع بحساب رطل ③ صاع بحساب درہم ④ صاع بحساب مد ⑤ صاع بحساب استار۔

شکل ① صاع بحساب مثقال: ایک مثقال میں ۴ ماشہ ۴ رتی ہوتے ہیں۔ اور گراموں کے حساب سے ایک مثقال میں ۴۷۳۴۴ ملی گرام ہوتے ہیں۔ یعنی ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام ہوتے ہیں۔ اور ۹۰ مثقال میں ایک عراقی رطل ہوتا ہے جس کا وزن گراموں کے حساب سے ۳۹۳۶۶۰ ملی گرام ہوتے ہیں۔ یعنی ۳۹۳ گرام ۶۶۰ ملی گرام ہوتا ہے۔ اور عراقی آٹھ رطل میں ایک صاع ہوتا ہے اور آٹھ رطل میں ۷۲۰ مثقال ہوتے ہیں۔ اور ۷۲۰ مثقال میں ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ۲۷۰ تولہ ہوتے ہیں۔ جو ایک صاع کا وزن ہوتا ہے، اور نصف صاع میں ۱۳۵ تولہ ہوتے ہیں۔ اور ۷۲۰ مثقال کو گراموں سے جوڑا جائے تو ۳۱۴۹۲۸۰ ملی گرام ہوتے ہیں۔ یعنی ۳ کیلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام ہوتے ہیں۔ اور یہی وزن عراقی آٹھ رطل کا ہے۔ اور یہی ایک صاع کا بھی وزن ہوتا ہے اور نصف صاع میں ۱۵۷۴۶۴۰ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ڈیڑھ کیلو ۷۴ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہوں گے۔

شکل ② صاع بحساب رطل: ایک عراقی رطل میں ۱۳۰ درہم ہوتے ہیں، اور آٹھ رطل میں ایک صاع ہوتا ہے، اور ایک رطل کا وزن گراموں کے حساب سے ۳۹۸۰۳۴ ملی گرام ہوتے ہیں یعنی ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کو آٹھ سے ضرب دیا جائے تو ۳۱۸۴۲۷۲ ملی گرام ہو جاتے ہیں۔ یعنی ۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ہوں گے۔ یہی صاع کا وزن ہوگا۔ اور نصف صاع کا وزن ۱۵۹۲۱۳۶ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ڈیڑھ کیلو ۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام ہوں گے۔ اور اگر اس کو تولوں سے ملایا جائے تو حساب اس طرح ہوگا۔

ایک رطل عراقی میں ۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ ہوتے ہیں۔ پھر اس کو آٹھ سے ضرب دیا جائے تو ۲۷۳ تولے ہو جاتے ہیں۔ اور نصف صاع میں ۱۳۶ تولے چھ ماشہ ہوں گے۔ اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ گرام کے حساب سے گیارہ گرام ۶۶۴ ملی گرام ہوتے ہیں۔ لہٰذا نصف صاع میں ڈیڑھ کیلو ۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام ہوں گے۔ اور مذکورہ دونوں شکلوں میں سے جو

بھی شکل صدقۂ فطر کی ادائیگی میں اختیار کی جائے گی صدقۂ فطر صحیح طریقہ سے ادا ہو جائے گا۔ مگر دوسری شکل میں احتیاط زیادہ ہے۔

شکل ③ صاع بحساب درہم: علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار میں نقل فرمایا ہے کہ ایک صاع میں ایک ہزار چالیس درہم ہوتے ہیں فاذا کان الصاع الفاو اربعین درهما شرعیا الخ [۱۴] اور ایک درہم تین ماشہ ایک رتی اور ۵/۱ رتی کا ہوتا ہے۔ اور ایک تولہ ۱۲ ماشہ کا ہوتا ہے۔ اور چالیس درہم میں ساڑھے دس تولہ ہوتے ہیں۔ اور ۴۰ کو ۲۶ سے ضرب دیں گے تو ۲۷۳ تولہ ہوں گے۔ لہٰذا ایک ہزار چالیس درہم میں ۲۷۳ تولہ ہوں گے اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۱۱۶۶۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ۲۷۳ تولہ میں ۳۱۸۴۲۷۲ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ہوں گے۔ یہی ایک صاع کا وزن ہوگا۔ اور نصف صاع کا وزن ڈیڑھ کیلو ۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام کا ہوگا۔

شکل ④ صاع بحساب مد: علامہ شامیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے۔ اور ایک مد میں ۲۶۰ درہم ہوتے ہیں۔ اور بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۶۸ تولے ۳ ماشہ ہوتا ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ ۱۱۶۶۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ٹوٹل لگانے سے ۶۸ تولہ ۳ ماشہ میں ۷۹۶۰۶۸ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام ہو جائیں گے پھر اس کو چار سے ضرب دینے سے ۳۱۸۴۲۷۲ ملی گرام نکلیں گے یعنی ۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ہوں گے۔ اور یہی پورا ایک صاع کا وزن ہوگا۔ اور نصف صاع میں ۱۵۹۲۱۳۶ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ایک کیلو ۵۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام ہوں گے۔ اور صدقہ فطر ادا کرنے کے لئے یہ بھی محتاط شکل ہے۔

شکل ⑤ صاع بحساب استار: ایک استار میں ساڑھے چھ درہم یا ساڑھے چار مثقال ہوتے ہیں۔ اور چالیس استار میں ۲۶۰ درہم ہوتے ہیں اور ۱۶۰ استار میں ایک ہزار چالیس درہم ہوں گے جو ایک صاع کی مقدار ہوتی ہے۔ اور ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے چار مثقال میں سوا بیس ۲۰/۱/۴ ماشہ یعنی ایک تولہ ۸/۱/۴ ماشہ ہوتے ہیں۔ اور چالیس استار میں ۸۱۰ ماشہ ہوتے ہیں جس میں ساڑھے سڑسٹھ ۶۷/۱/۲ تولے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ۴۰ استار کو ۴ سے ضرب دیں تو ۱۶۰ استار ہوں گے۔ اور ۶۷/۱/۲ تولے کو ۴ سے ضرب دیں گے تو ۲۷۰ تولے ہو جائیں گے اور ایک تولہ میں ۱۱۶۶۴ ملی گرام ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب اس کو ۲۷۰ سے ضرب دیں گے تو ۳۱۴۹۲۸۰ ملی گرام ہوں گے، یعنی ۳ کیلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام ہو جائیں گے اور نصف صاع میں ۱۵۷۴۶۴۰ ملی گرام ہوں گے۔ یعنی ایک کیلو ۵۷۴ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہو جائیں گے۔ اور اس شکل میں اور اول شکل میں ایک ہی طرح کا وزن ثابت ہوتا ہے۔

موجودہ اوزان کا نقشہ

	قدیم اوزان		موجودہ اوزان
۱رگرام			=۱۰۰۰ر ملی گرام
۱رکیلو			=۱۰۰۰ر گرام
۱رماشہ	۸ر رتی		=۹۷۲ ملی گرام
۱رتولہ	۱۲ر ماشہ	۹۶ر رتی	=۱۱ر گرام ۶۶۴ ملی گرام
۵۲½ تولہ	= چاندی کا نصاب		=۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام
۷½ تولہ	=سونے کا نصاب		=۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام
مہر فاطمی	۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ		= ڈیڑھ کیلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام
اقل مہر	۱۰ر درہم	۲ر تولہ ۷½ ماشہ	=۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام
۱ر اوقیہ	۴۰ر درہم	۱۰½ تولہ	=۱۲۲ گرام ۴۷۲ ملی گرام
۵ر اوقیہ	۲۰۰ درہم	۵۲½ تولہ	=۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام
۱ر استار	۶½ درہم	۱ر تولہ ۸ ماشہ ۲ رتی	=۱۹ گرام ۲۸/۴۰ ۹۰ ملی گرام
۴۰ر استار	۲۶۰ درہم	۶۸ر تولہ ۳ر ماشہ	=۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام
۱ر وسق	۶۰ صاع	۱۶۲۰۰ر تولہ	=۱ر کوئنٹل ۸۸ کیلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام
۵ر وسق	۳۰۰ صاع	۸۱۰۰۰ تولہ	=۹ر کوئنٹل ۴۴ کیلو ۷۸۴ گرام
خشال	۱۰۰ جو	۴½ ماشہ	=۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام
رطل (عراقی)	۱۳۰ر درہم	۳۴ تولہ ½۱ر ماشہ	=۳۹۸ گرام ۳۳ ملی گرام
رطل (حجازی)	۱۹۵ درہم	۵۱ ۳/۱۶ تولہ	=۵۹۷ گرام ۵۱ ملی گرام
رطل (شامی)		۲۰۳ ۳/۴ر تولہ	=۲ر کیلو ۱۲۲ گرام ۸۴۸ ملی گرام
مد (حجازی)	۲۶۰ درہم	۶۸ تولہ ۳ ماشہ	=۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام
مد (شامی)	۲ صاع	۵۴۰ تولہ	=۶ کیلو ۲۹۸ گرام ۵۶۰ ملی گرام
من	۲۶۰ درہم	۶۸ تولہ ۳ ماشہ	=۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام
صاع (بحساب استار)	۱۶۰ر استار	۲۷۰ تولہ	=۳ر کیلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام
صاع (بحساب مثقال)	۷۲۰ مثقال	۲۷۰ تولہ	=۳ کیلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام
صاع (بحساب درہم)	۱۰۴۰ درہم	۲۷۳ تولہ	=۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
صاع (بحساب رطل عراقی)	۸ر رطل	۲۷۳ تولہ	=۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
صاع (بحساب رطل حجازی)	۵ر رطل اور ⅓ رطل	۲۷۳ تولہ	=۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
صاع (بحساب رطل شامی)	۱½ رطل	۲۷۳ تولہ	=۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
صاع (بحساب مد حجازی)	۴ر مد	۲۷۳ تولہ	=۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
صاع (بحساب مد شامی)	نصف مد	۲۷۳ تولہ	=۳ کیلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
فرق تول (۱)	۳ر صاع بحساب مثقال	۲۱۶۰ مثقال ۷۱۰ تولہ	=۹ کیلو ۴۴۷ گرام ۸۴۰ ملی گرام
فرق تول (۲)	۱۶ر رطل	۵۴۶ تولہ	=۶ کیلو ۳۶۸ گرام ۵۴۴ ملی گرام
فرق تول (۳)	۱۲ مد بحساب درہم	۳۱۲۰ درہم ۷۱۹ تولہ	=۹ کیلو ۵۵۲ گرام ۸۱۶ ملی گرام
فرق تول (۴)	۲½ صاع	۶۷۰ تولہ	=۷ کیلو ۸۷۳ گرام ۲۰۰ ملی گرام
فرق تول (۵)	۱۲۰ رطل	۴۰۹۵ تولہ ۶ ماشہ	=۴۷ کیلو ۷۶۴ گرام ۸۰ ملی گرام
فرق تول (۶)	۳۶ رطل	۱۲۲۸۰ تولہ ۶ ماشہ	=۱۴ کیلو ۳۲۹ گرام ۲۲۴ ملی گرام
نصاب صدقہ فطر (نصف صاع)	بحساب مثقال یا استار	۱۳۵ تولہ	= ڈیڑھ کیلو ۴۷ گرام ۶۴۰ ملی گرام
نصاب صدقہ فطر (نصف صاع)	بحساب درہم یا رطل یا مد	۱۳۶½ تولہ	= ڈیڑھ کیلو ۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام

ایک وسق کی مقدار کیلوگرام کے حساب سے ایک کوئنٹل ۸۸ کلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔(۱۵)

ایک صاع کا وزن ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ۲۷۰ تولہ کا ہوتا ہے(۱۶) بارہ ماشہ کا ایک تولہ موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام کا بنتا ہے۔

لہٰذا ایک صاع کا وزن ٹوٹل لگانے سے ۳ کیلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام کا ہوا۔

اس طرح ساٹھ صاع کے ایک وسق کا وزن ایک کوئنٹل ۸۸ کیلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام ہوگا۔

پانچ وسق کا وزن ٹوٹل لگانے سے ۹ کوئنٹل ۴۴ کیلو ۷۸۴ گرام کا ہوتا ہے۔(۱۷)

---

(۱) بنایہ شرح ہدایہ۔

(۲) ترمذی، طبرانی، دار قطنی عن معاذ، دار قطنی عن علی، ابن عدی عن طلحہ۔

(۳) ابوداؤد بحوالہ بذل المجہود۔

(۴) بخاری۔ مسلم۔ سنن ابوداؤد، ابن ماجہ، دار قطنی وکذا مسلم عن جابر، مسند احمد، طحاوی عن ابی ہریرہ۔

(۵) سورت انعام آیت نمبر ۱۴۱۔

(۶) بخاری کتاب الزکوۃ باب العشر فیما سقی الخ ۲۰۱/۱، طحاوی سنن نسائی ۳۴۴/۱، مسلم ۳۱۶/۱، ابوداؤد ۲۲۵/۱ باب صدقۃ الزروع ابن ماجہ ۱۳۰/۱۔

(۷) نصب الرایہ ۳۸۵/۲۔

(۸) مصنف عبدالرزاق ۱۳۱/۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۹/۳۔

(۹) مصنف عبدالرزاق ۱۲۱/۴ ابن ابی شیبہ ۱۳۹/۳ وھکذا اثر زہری، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۹/۳ فی کل شیء اخرجت الارض زکوۃ۔

(۱۰) عرف الشذی ۱۴۰/۱، فتح الملہم ۳/۳ بذل المجہود ۲۷/۳ تعلیق الصبیح ۳۰۱/۲۔

(۱۱) بنایہ شرح ہدایہ۔

(۱۲) شامی ۳۲۵/۲۔

(۱۳) المغنی ۳۵۴/۲۔

(۱۴) شامی ۳۶۵/۲۔

(۱۵) عرف الشذی ۱۳۶/۱۔

(۱۶) جواہر الفقہ ۴۲۸/۱۔

(۱۷) یہ سارا حساب ایضاح الطحاوی سے ماخوذ ہے۔

۳۱۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ قَالَ مَنْسُوْخَةٌ﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے اللہ تعالیٰ کے یہ فرمان مبارک و آتوا حقه یوم حصاده "اور اس کھیتی کا حق اس کے کاٹنے کے دن دو" اس کے بارے میں فرمایا یہ منسوخ ہے۔"

تشریح

امام ابوحنیفہ کا قرآن سے استدلال

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین سے جو چیز بھی نکلے گی اس کا عشر واجب ہوگا۔ مگر ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ وزن میں پانچ وسق کے قائل ہیں۔ امام صاحب کا استدلال آیت بالا یعنی و اٰتوا حقه یوم حصاده سے بھی ہے اس کا جواب یہ دیا جارہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

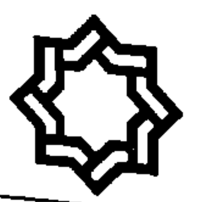
اس آیت کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: حضرت انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ، طاؤسؒ، جابر بن زیدؒ، ابن الحنفیۃ قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور یہاں سے مراد زمین کا عشر ہے۔

دوسرا قول: مجاہدؒ، عطاءؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد غیر زکوٰۃ فرض۔ یوم الحصاد وھو اطعام من حضر کہ اس سے مراد غیر زکوٰۃ ہے جو کھیتی کاٹنے کے وقت حاضر ہوجاتے ہیں اس کو دے دیا جاتا ہے اس اعتبار سے یہ آیت منسوخ ہے۔[1]

اگر اس آیت کو منسوخ بھی مان لیا جائے۔ تو بھی امام ابوحنیفہؒ کا استدلال صرف اسی ایک آیت پر موقوف تو نہیں ہے۔ دوسری آیات و احادیث امام صاحبؒ کے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے کافی شافی ہیں۔

(۱) زاد المسیر ۳/۱۴۲، قرطبی ۷/۹۹۔



۳۱۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ اَبِیْ صَخْرَۃَ الْمُحَارِبِیِّ عَنْ زِیَادِبْنِ حَدِیْرٍ قَالَ بَعَثَہٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مُصَدِّقًا اِلٰی عَیْنِ التَّمَرِ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَاْخُذَ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ مِنْ اَمْوَالِھِمْ رُبْعَ الْعُشْرِ وَمِنْ اَمْوَالِ اَھْلِ الذِّمَّۃِ اِذَا اخْتَلَفُوْا بِھَا لِلتِّجَارَۃِ نِصْفَ الْعُشْرِ وَمِنْ اَمْوَالِ اَھْلِ الْحَرْبِ الْعُشْرُ﴾

"حضرت زیاد بن حدیر کہتے ہیں۔ کہ انہیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عین التمر نامی جگہ کی جانب عشر وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ اور یہ حکم دیا کہ مسلمانوں سے ان کے مال کا چالیسواں حصہ لیں اور ذمیوں سے اگر وہ وہاں تجارت کے لئے آتے جاتے ہوں تو بیسواں حصہ اور اہل حرب (دارالحرب کے کافروں) سے دسواں حصہ وصول کریں۔"

تشریح

یَاْخُذَ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ مِنْ اَمْوَالِھِمْ رُبْعَ الْعُشْرِ وَمِنْ اَمْوَالِ اَھْلِ الذِّمَّۃِ اِذَا اخْتَلَفُوْا بِھَا لِلتِّجَارَۃِ نِصْفَ الْعُشْرِ الخ

یعنی مسلمانوں سے ان کے مال کا چالیسواں حصہ لیں اور اہل ذمہ سے اگر وہ وہاں تجارت کے لئے آتے جاتے ہوں تو بیسواں حصہ اور حربی کافروں سے دسواں حصہ وصول کریں۔

مسلم اور غیر مسلم کے عشر میں فرق اور اس کی وجہ

اس بارے میں بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ احناف کے مذہب کے مطابق مذہب ہے امام شافعیؒ ابن ابی لیلیٰؒ۔ سفیان ثوریؒ، اور البوعبیدؒ کا بھی[1]

مسلمانوں سے چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ حکومت چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ سے ان کے مال کی حفاظت کرتی ہے اس وجہ سے امام کو ان سے زکوٰۃ کی یہ رقم لینے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر یہ شخص ذمی ہے۔ یعنی حکومت کی اجازت سے یہ مسلمانوں کے علاقے میں رہتا ہے تو اب اس سے مسلمان کا دو چند لیا جائے گا۔

اور اگر یہ شخص مسلمان نہیں ہے بلکہ حربی ہے کہ وہ دار حرب میں رہتا ہے اور وہاں سے یہاں پر تجارت وغیرہ کے

لئے آیا ہے تو اب اس صورت میں حکومت اس سے ذمی کا دوچند یعنی دسواں حصہ لے گی کیوں کہ حربی کی نگرانی زیادہ ضروری ہے کہ چور ڈاکو اجنبی کے پیچھے زیادہ لگتے ہیں۔ تحقیقاالفضل الذل۔

استدلالات

❶ اس کی تفصیل کی دلیل ایک تو اثر متن ہے جس کے راوی زیاد بن حدیرؒ ہیں۔[۲]

❷ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: قال فرض رسول اللّٰہ فی اموال المسلمین فی کل اربعین درھما درھم وفی اموال اھل الذمۃ فی کل عشرین درھما درھم وفی اموال من لا ذمۃ لہ من کل عشر دراھم درھم۔[۳]

❸ روایت حضرت انس انس بن مالک رضی اللہ عنہ: قال بعثنی انس بن مالک علی الالیۃ فاخرج لی کتابا من عمر بن الخطاب یوخذ من المسلمین من کل اربعین درھما درھم ومن اھل الذمۃ من کل عشرین درھما ولمن لا اذمہ لہ من کل عشرۃ دراھم درھم۔[۴]

حضرت ابو صخرۃ المحاربیؒ کے مختصر حالات: یہ کوفی ہیں۔

اساتذہ: ان کے استاذوں میں سے زیاد بن حدیرؒ ہیں۔

تلامذہ: ان کے شاگردوں میں امام ابوحنیفہؒ جیسی شخصیت ہیں اسماء الرجال والوں نے ان کو ثقہ شمار کیا ہے۔

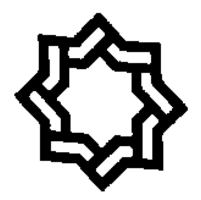
وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

حضرت زیاد بن حدیرؒ کے مختصر حالات: ان کا پورا نام زیاد بن حدیر الکوفی الاسدیؒ ہے ابوحاتمؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا زیادؒ سے مراد ابوالمغیرہؒ ہیں جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

تلامذہ: امام ابوحنیفہؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔

---

(۱) بنایہ شرح ہدایہ۔
(۲) کتاب الاموال ابوعبید قاسم بن سلام۔
(۳) طبرانی فی معجم اوسط۔
(۴) مصنف عبدالرزاق، طحاوی، کتاب الاموال ابوعبید قاسم بن سلام۔



۳۱۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ اَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَبْعَثُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مُصَدقًا لِاَهْلِ الْبَصْرَةِ قَالَ فَاَرَادَنِيْ اَنْ اَعْمَلَ لَهٗ فَقُلْتُ لَا حَتّٰى تَكْتُبَ لِيْ عَهْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ الَّذِيْ كَتَبَ لَكَ فَكَتَبَ لِيْ اَنْ اٰخُذَ مِنْ اَمْوَالِ الْمُسْلِمِيْنَ رُبْعَ الْعُشْرِ وَمِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الذِّمَّةِ اِذَا اخْتَلَفُوْا بِهَا لِلتِّجَارَةِ نِصْفَ الْعُشْرِ وَمِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الْحَرْبِ الْعُشْرُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ فَاَمَّا مَا اُخِذَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ زَكٰوةٌ فَيُوْضَعُ فِيْ مَوْضِعِ الزَّكٰوةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَمَنْ سَمَّى اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا اُخِذَ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ وَمَنْ اَهْلِ الْحَرْبِ يُوْضَعُ مَوْضِعَ الْخَرَاجِ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ لِلْمُقَاتِلَةِ﴾

"حضرت انس بن سیرینؒ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا حضرت عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالکؓ کو اہل البصرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ نے چاہا کہ میں ان کے لئے عامل بن جاؤں گا جب تک آپ مجھے حضرت عمر بن الخطاب کا وہ عہد نامہ لکھ کر نہ دیں جو انہوں نے آپ کو لکھا تھا تو انہوں نے مجھے یہ لکھ کر دیا کہ میں مسلمانوں کے مال میں سے چالیسواں حصہ لوں اور اہل حرب (حربی کافروں) کے مال میں سے دسواں حصہ وصول کروں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں البتہ مسلمانوں سے جو صول کیا جائے گا وہ زکوٰۃ ہوگی اور اسے مصارف زکوٰۃ۔ فقراء، مساکین اور اللہ جل شانہ کے قرآن میں مذکورہ مصارف زکوٰۃ میں رکھا جائے گا۔ اور جو اہل ذمہ اور اہل حرب سے لیا جائے گا اسے بیت المال میں خراج کی جگہ مجاہدین کے لئے رکھ دیا جائے گا۔"

تشریح

فَكَتَبَ لِيْ اِنْ اٰخُذَ مِنْ اَمْوَالِ الْمُسْلِمِيْنَ رُبْعَ الْعُشْرِ کس سے کتنی زکوٰۃ لی جائے گی اس کی بحث اس سے پہلے والے اثر میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف

فَاَمَّا مَا اُخِذَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ زَكٰوةٌ فَيُوْضَعُ فِيْ مَوْضِعِ الزَّكٰوةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ۔ مسلمانوں سے جو وصول کیا جائے گا اسے مد زکوٰۃ میں رکھا جائے گا اور فقراء و مساکین اور اللہ جل شانہ کی طرف سے قرآن میں مذکورہ مستحقین زکوٰۃ کو دیا جائے گا۔

اس میں ان مصارف زکوٰۃ کا تذکرہ ہے جن کو اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے۔ آیت مبارکہ یہ ہے

انما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰه وابن السبیل اس میں آٹھ مصارف کو بیان کیا گیا وہ یہ ہیں۔

① فقراء ② مساکین ③ زکوٰۃ وصول کرنے والے عمال ④ مؤلفۃ القلوب ⑤ غلاموں (کا بدل کتابت ادا کر کے ان) کو آزاد کرانا ⑥ حادثہ یا مقروضوں کو ⑦ فی سبیل اللہ ⑧ مسافر۔ مگر بالاتفاق مؤلفۃ القلوب ساقط ہوگیا۔ ان مصارف کو کسی شاعر نے اس طرح جمع کیا ہے۔

صرفت زكٰوة الحسن لم لا بدات بی — وانی لها المحتاج لو کنت تعرف

فقیر و مسکین و غاز و عامل — ورق سبیل غارم و مؤلف

مسلمانوں سے زکوٰۃ کا جو مال وصول ہوگا اس کو قرآن کریم کے مقرر کردہ مصارف ہی میں صرف کیا جائے گا۔

حضرت عمر، علی، ابن عباس، حذیفہ، معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، ابوالعالیہؒ، سفیان ثوریؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، ابوعبیدؒ، ابوثورؒ، امام مالکؒ، اور ظاہر روایت میں امام احمدؒ، احنافؒ کے نزدیک ان اصناف میں سے سب کو دے یا ان میں سے کسی ایک کو دے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

مگر امام شافعیؒ کے نزدیک ہر مصرف میں سے کم از کم تین افراد کو دینا ضروری ہے یعنی تین فقیروں میں سے تین مسکینوں میں سے اس طرح ساتوں مصارف میں سے اکیس آدمیوں کو زکوٰۃ دی جائے گی۔

خراج اور جزیہ کے مصارف

وَمَا اُخِذَ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ وَمِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ يُوْضَعُ مَوْضِعَ الْخِرَاجِ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ لِلْمُقَاتِلَةِ ذمیوں اور حربیوں سے جو لیا جائے گا اسے بیت المال میں خراج کی مد میں مجاہدین کے لئے رکھا جائے گا۔

اور جو مال اہل ذمہ یا اہل حرب یا بنو تغلب سے مصالحت کے بدلے لیا جائے، اور جو مال عاشر، ذمی یا حربی تاجروں سے وصول کرے گا تو اس مال سے دریاؤں پر پل اور سڑکیں، سرائے خانے، خانقاہیں بنانے، نہریں نکالنے، حکام عدالت، مدرسین مدارس، اور فوجیوں کی تنخواہوں میں خرچ کیا جائے گا۔

بیت المال میں کون کون سے مال جمع ہوتے ہیں اور ان کے مصارف

خلاصہ یہ ہوا کہ بیت المال میں چار قسم کے مال جمع ہوتے ہیں اور اس کے مصارف یہ ہیں۔

❶ جانوروں کی زکوٰۃ، عشر اور وہ مال جو راستہ میں عاشر مسلمان تاجروں سے وصول کرتا ہے اس کا مصرف قرآن میں بیان کردہ مصارف سبعہ ہیں۔

❷ خمس جو مال غنیمت یا معدن اور رکاز (دفینوں) سے وصول ہوتا ہے اس کو بھی آیت انما الصدقات کے مطابق خرچ کیا جائے گا۔

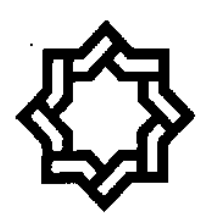
❸ اموال خراج، جزیہ کو جن کا بیان تفصیل سے اوپر ہوا نہر کھودنے وغیرہ ملکی وانتظامی ضروریات اور فوجیوں کو تنخواہ دینے میں خرچ کیا جائے گا۔

❹ وہ مال جو میت کے ورثہ سے بچ جائے یا میت لاوارث ہو کر مرے تو یہ بھی بیت المال میں جمع ہوتا ہے اور اس کو فقیر مردوں کے کفنانے، لاوارث بچوں کی کفالت، ہسپتال، کمائی سے عاجز لوگوں کی مدد وغیرہ میں صرف کیا جائے گا۔

ہشیم (اس سے مراد ابراہیم بن ہشیم ہیں ؒ) ان کے حالات باب مالا ینجسہ شئ الماء و الارض و الجنب وغیرہ ذلک حدیث نمبر ۲۵ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات باب من سبق بشیء من صلاتہ حدیث نمبر ۱۲۹ کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) بنایہ شرح ہدایہ۔



باب کیف تعطی الزکٰوۃ
زکٰوۃ کس طرح دی جائے گی

اس باب میں مصنف یہ بیان فرمارہے ہیں کہ زکٰوۃ کس طرح دی جائے۔ تو اس میں حکم شرعی یہ ہے کہ مصارف سبعہ جن کو آیت انما الصدقات میں بیان کیا گیا ہے صاحب مال ان میں سے کسی کو بھی زکٰوۃ دے سکتا ہے مگر اس کو اتنا دینا بہتر ہے کہ اس کی ضروریات کے لئے یہ مال کافی ہو البتہ نقدی کی صورت میں اس کو دوسو درہم یا اس سے زائد نہ دیا جائے کہ وہ خود غنی بن جائے جب کہ پہلے وہ زکٰوۃ لینے والا تھا۔ اب وہ زکٰوۃ دینے والا بن جائے گا۔ اس لئے دوسو درہم سے کم دے اور ضروریات زندگی مثلاً رہائش کیلئے مکان وغیرہ خریدنے کی صورت میں حسب ضرورت ادائیگی جائز ہوگی۔

۳۱٦

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِ اِنَّ رَجُلاً اَرَادَاَنْ يُعْطِيَ زَكٰوةٌ اَرْبَعِمائَةِ دِرْهَمٍ، فَذَهَبَ اِلَى اِبْرَاهِيْمَ يَدُلُّهٗ، فَكَانَ يُعْطِيْ اَهْلَ الْبَيْتِ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ فَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَوْكُنْتُ اَنَا كَانَ اَنْ اُغْنِيَ بِهَا اَهْلَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَحَبُّ اِلَيَّ۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اُعْطِيَ مِنَ الزَّكٰوةِ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْمِائَتَيْنِ وَلَا يَبْلُغُ بِهَا مِائَتَيْنِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُغْرَمًا فَيُعْطٰى قَدْرَ دَيْنِهٖ وَفَضْلُ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ اِلَّا قَلِيْلاً وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیم نخعیؒ" سے روایت ہے کہ ایک شخص نے چار سو درہم کی زکٰوۃ دینا چاہی چنانچہ رہنمائی کے لئے حضرت ابراہیمؒ کے پاس گئے وہ صاحب ایک گھر والوں کو دس درہم دینے لگے حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر میں تقسیم کرتا تو مجھے ایک گھر والوں کو بھیک سے بے نیاز کرنا زیادہ پسند تھا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں زکٰوۃ میں دوسو درہم سے کم دیا جائے گا پورے دوسو درہم نہ دیئے جائیں گے الا یہ کہ وہ مقروض ہو تو اس کو قرضہ کے مطابق دیا جائے گا اور دوسو سے کچھ کم اسے مزید دیئے جائیں گے، یہی امام

ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

تشریح

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اُعْطِيَ مِنَ الزَّكٰوةِ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْمِائَتَيْنِ وَلَا يَبْلُغُ بِهَا مِائَتَيْنِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُغْرَمًا الخ۔

امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ زکوٰۃ میں دوسو درہم سے کم دیا جائے گا پورے دوسو درہم نہ دیئے جائیں، الّا یہ کہ وہ مقروض ہو الخ۔

کیا زکوٰۃ کی رقم مستحق کو دوسو درہم سے زائد دی جاسکتی ہے؟

اس بارے میں تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کسی فقیر کو دوسو درہم کا مالک بنانا مکروہ ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابویوسفؒ وغیرہ کے نزدیک دوسو درہم کا مالک بنانے میں کوئی کراہت نہیں ہے ہاں اس سے زائد کا بنایا جائے تو مکروہ ہوگا۔

تیسرا مذہب: امام زفرؒ اور ایک روایت امام حسن بن زیادؒ کی یہ ہے کہ اگر کسی کو دوسو درہم کا مالک بنادیا تو یہ جائز ہی نہیں ہوگا۔

پہلے مذہب والوں کی دلیل

دوسو دراہم کا مالک بنانا مکروہ ہے، کیوں کہ اس صورت میں یہ غنی بن جائے گا اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص اس طرح سے نماز پڑھے کہ اس کے قریب ہی نجاست ہو تو نجاست کے قرب کی وجہ سے کراہت آجائے گی اس وجہ سے یہ غنی زکوٰۃ دینے سے غریب ہوگیا ہے کہ اس لئے اس میں بھی کراہت آجائے گی۔

الا ان یکون مفرمًا الّا یہ کہ وہ مقروض ہے۔ دوشرطوں مسبوط میں ہے کہ آدمی کو دوسو درہم دینا کے ساتھ مکروہ ہے ① جب کہ اس پر دین نہ ہو۔ ② یا وہ صاحب عیال نہ ہو۔ اور اگر وہ فقیر مقروض ہو یا صاحب عیال ہو تو قدر دین سے زائد دوسو سے کم تک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اگر وہ صاحب عیال ہو تو اتنا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر وہ اپنے عیال میں سے ہر ایک کو دو دوسو درہم تقسیم کرے تو ہر کو دوسو درہم نہ پہنچے۔

عمرو بن جبیر کے حالات زندگی: اساتذہ ان کے اساتذہ میں سے ابراہیم النخعی ہیں۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ میں سے امام ابوحنیفہؒ جیسی شخصیت بھی ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی کے حالات باب الوضوء حدیث کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

باب زكاة الابل

اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان

الابل اسم واحد ہے جو جنس پر بھی دلالت کرتا ہے بعض اس کو اسم بھی کہے ہیں کہ اس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے ابن صامت فرماتے ہیں کہ فعل کے وزن پر دو لفظ آتے ہیں تیسرا کوئی نہیں۔ ① ابل ② ابز۔

ابل یعنی ارتنہ کو سب جانوروں کے زکوٰۃ پر مقدم ہے اس لئے کہا کہ اہل عرب کے نزدیک نفیس اور عمدہ ترین اموال اونٹ ہی تھے۔ یا یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ابوبکر جو حضرت انس کے نام جو مکتبہ لکھوایا اس میں اونٹ کی زکوٰۃ کو سب سے مقدم کیا۔ امام محمد نے سبوط میں لکھا ہے کہ کتاب الزکوٰۃ بذکر المعاشی اقتداء بکتاب رسول اللّٰہ فانہ بدأفیھابزکاۃ المواشی۔

۳۱۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ انه قال: فی خمس من الابل شاة الی تسع، فاذا زادت واحدة ففيها اربع شياء الی اربع وعشرين، فاذا ازادت واحدة ففيها ابنة مخافض الی خمس وثلثين، فاذا زادت واحدة ففيها ابنة لبون الی خمس واربعين، فاذا زادت واحدة ففيها حقة الی ستين، فاذا زادت واحدة ففيها جذعة الی خمس وسبعين. فاذا زادت واحدة ففيها بنتالبون الی تسعين، فاذا زادت واحدة ففيها حقتان الی عشرين ومائة، ثم تستقبل الفريضة فاذا كثرت الابل ففی كل خمسين حقة. قال محمد: وبهذا كلة نأخذ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا پانچ اونٹوں سے نو تک ایک بکرا آپ کا پھر جب ایک بڑھ جائے گا تو چودہ تک دو بکرے آئیں گے پھر جب ایک بڑھ جائے گا تو انیس تک تین بکرے آئیں گے پھر جب اور بڑھ جائے گا تو اب چوبیس تک ان میں چار بکرے آئیں گے پھر جب ایک اور بڑھ جائے گا تو پینتالیس تک ایک بنت مخاض آئے گی پھر جب ایک بڑھ جائے گا تو اب ساٹھ تک ایک حقہ آئے گا۔ پھر جب ایک اور بڑھ جائے گا تو اب پچھتر تک ایک جذعہ آئے گا پھر جب ایک بڑھ جائے گا تو اب نوے تک دو

بنت لبون آئیں گی پھر جب ایک بڑھ جائے تو اب ایک سو بیس تک دو حصے آئیں گے پھر استیناف ہوگا پھر جب اونٹ زیادہ ہو جائیں گے تو ہر پچاس میں ایک حقہ آئے گا امام محمد نے فرمایا ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔"

تشریح

سب سے پہلے اونٹوں کے القاب جو عمر کے اعتبار سے تبدیل ہوتے ہیں اس کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔

بنت مخاض: یہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ایک سال ختم کر کے دوسرے سال میں لگ جائے۔ اصل میں مخاض کہتے ہیں حاملہ کو۔ اس کی ماں بھی اس عمر میں حاملہ ہو سکتی ہے اس سے اس کو بنت مخاض کہہ دیتے ہیں جیسے قرآن میں آتا ہے: فاجاء المخاض الی جذع النخلة۔

بنت لبون: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دو سال ختم کر کے تیسرے سال میں لگ جائے۔ اصل میں لبون کہتے ہیں دودھ دینے والی اونٹنی کو اس کی ماں بھی اس عمر میں بچے کو دودھ پلانے والی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کو بنت لبون کہتے ہیں جیسے شاعر کہتا ہے ؎

مررت علی دارامبرء السبوا حوله
هون کعبه ان بحائط بستان

"ایک آدمی بدذات بخیل کے گھر پر گزر ہوا جس کے گرد باغ کے احاطہ میں دودھ دینے والی اونٹنیاں بلند قامت مثل تنہ درخت خرما کے کھڑی تھیں۔"

حقہ: یہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تین سال ختم کر کے چوتھے سال میں لگ جائے۔ اصل میں حقہ کہتے ہیں سواری اور جفتی کے قابل ہو تو یہ بھی اس عمر میں سواری کے قابل ہو جاتی ہے۔

جذعہ: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو چار سال ختم کر کے پانچواں سال میں لگ جائے۔ اصل میں جذعہ کہتے ہیں جو جوان ہو چکا ہے تو یہ بھی اس عمر میں جوان ہو جاتی ہے۔[1]

اونٹوں کی زکوٰۃ کے بارے میں دو حصے ہیں ایک حصہ میں تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے دوسرے حصہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

اتفاقی حصہ ۱۲۰ تک کا ہے کہ ابتداء اونٹ کی زکوٰۃ میں پانچ اونٹ سے شروع ہوتا ہے کہ پانچ پر ایک بکری اور پھر

پانچ اونٹ پر ایک بکری ہے پچیس سے لے کر پینتیس تک ایک بنت مخاض پھر چھتیس سے لے کر پینتالیس تک ایک بنت لبون پھر چھیالیس سے ساٹھ تک ایک حقہ۔ پھر اکسٹھ سے لے کر نوے تک دو بنت لبون اکانوے سے لے کر ایک سو بیس تک دو حقے ہیں۔ اتنے حقہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

استدلات

❶ کتاب ابو بکر۔ ابوبکر نے حضرت انس جو بیرین کے عامل ہیں اس کو مفصل خط روانہ کیا جس پر یہ ساری تفصیل موجود تھی۔ (۲)

❷ کتاب عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب کتاب الصدقة فلم يخرجه الى عماله حتى قبض فقرنه سيفه فلما قبض عمل به ابوبكر حتى قبض و مر حتى قبض و كان فيه فى خمس من الابل شاة و فى عشر شاتان وفى خمس عشرة ثلاث شاة و فى عرين اربع شياه و فى خمس و عشرين بنت حما ض الى خمس و قدسين فاذا زارت ففيسا بنت لبون الى خمس دار فادات فضيا حقه الاستين فاذا زاذات مجدعة الى خمس و سبعين فاذا زادت فقيسا بتنا البون لعين اذا زادت فقيها حقنتمان الى عشرين و ماته۔ (۳)

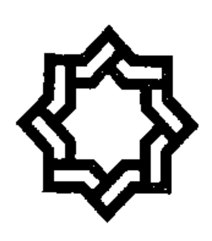
❸ كتاب زياد بن لبيد البيا ضى الانصارى (اس میں اونٹ کے بارے میں یہ ہے) فيما دون خمس و قرين من الابل السوائم فى كل خمس شاة فاذا بلغت خمسا و عزن ففيها بنت مخاض۔ فاذا لم يوجد بنت مخا ض ففينا امن لبون ذكر ابى تيلغ ستا و كل تثن فاذا بلغت ستا و اربعين فاذا بلغت ففيها قصه ابى ان تبل ستين فاذا كانت احدى و ستين ففيها جذعة الى ان تبلغ حمسا و سبعين فاذا كانت ستا و سبعين ففيها بتتا لبون الى ان تبلغ لسعين اذا كانت احدى و تسعين ففيها حقتان طروقتان الجمل الى ان تبلغ قرين دحاته۔ (۴)

❹ كتاب عمرو بن حزم.....و فى كل خمر من الابل سائمة شاة الى ان تبلغ اربعا و عشرين فاذا زادت واحدة على اربعه و قرين ففيها بنت مخاض فان لم توجد ابنة مخاصر فابن لبون ذكر ابى ان يبلغ خمسا و ثلاثين فاذا زادت على خمس و ثلاثين و احدة ففيها ابته لبون الى ان تبلغ خمسا و اربعين فاذا زادت واحده ففيها حقه روقة امجمل الى ان تبلغ ستين فان زاوت على ستين واحدة ففيها جذعه الى ان تبلغ خمسا و سبعين فان زادت واحدة على خمس و سبعين فقيها بنت لبون الى ان تبلغ تسعين فان زادت واحدة ففيها حقيتان وقنا الحجل الى ان تبلغ قرين و ناقة۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے حالات المسح علی الخفین کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

(۱) اونٹوں کے عرب کے بارے میں اصل لغت نے اس طرح نام بتائے ہیں۔

حذبینہ جب پیدا ہوا تو اس کو فصیل کہتے ہیں۔
ایک سال قسم کا ہے جو بنت غاض۔
دوسرا سال ختم ہو جائے تو بنت لبون۔
تیسرا سال ختم ہو جائے حقہ۔
چوتھا سال ختم اور پانچویں میں لگ جائے تو جذعہ۔
چھٹے سال میں لگ جائے نر کو رباعی اور مادہ کو رباعیہ کہتے ہیں۔
جب آٹھویں سال میں لگ جائے تو اس کو سدلیس کہتے ہیں۔
جب نویں سال میں لگ جائے بازل کہتے ہیں۔
(۲) بخاری۔ گیارہ جگہ نقل کی ہے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔
(۳) ترمذی، ابوداؤد، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ۔
(۴) کتاب الردۃ للواقدی۔



۳۱۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه انه قال: فی مائة وخمسة وعشرين من الابل حقتان وشاة، وفی الثلاثين والمائة حقتان وشاتان، وفی خمس وثلثين مائة حقان وثلث شياه، وفی اربعين ومائة حقتان واربع شياه، وفی خمس واربعين ومائة حقتان وابنة مخاض، وفی خمسين ومائة ثلث حقاق، قال محمد: وبهذا كله ناخذ، ثم تستقبل الفريضة ايضا، فاذا بلغت خمسين اخری كانت فيها ثم تستقبل الفريضة، وهذا كله قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ایک سو پچیس اونٹوں میں دو حقے اور ایک بکرا آئے گا اور ایک سو تین میں دو حقے اور تین بکرے آئیں گے اور ایک سو چالیس میں دو حصے اور چار بکرے آئیں گے اور سو پینتالیس میں دو حقے ایک بنت مخاض، ایک سو پچاس میں تین حقے آئیں گے امام محمد نے فرمایا ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں (ایک سو پچاس کے بعد) زکوۃ کا حسب از سر نو شروع ہوتا رہے اور ہر پچاس پر حقہ بنتا رہے گا۔ پھر یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔"

تشریح

ایک سو بیس تک کا حساب ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

ایک سو بیس کا بعد اختلاف ہے۔

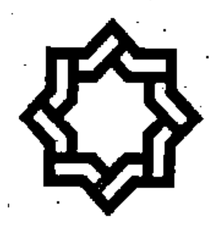
تنبیہ: ایک سو بیس کے بعد نیا حساب چلتا ہے ایک سو پچاس تک اس کو استیناف اول کہتے ہیں پھر ایک سو اکیاون کے بعد سے دو سو تک نیا حساب چلتا ہے اس کو استیناف ثانی کہتے ہیں۔

احناف کا مذہب

استناف اول: امام ابوحنیفہ ابوسفیان ثوری، ابراہیم نخعی کے نزدیک جب ایک سو بیس سے پانچ زائد ہو جائیں یعنی ایک سو پچیس ہو جائیں تو اب دو حقے اور اب بکری واجب ہوگی۔ اس طرح ہر پانچ پر ایک بکری کا اضافہ ہو گا رہے گا۔

جب پیس کا ہو جائیں یعنی ایک سو پینتالیس تو اب دو حقے اور ایک بنت مخاض ہوں گے۔ اور جب ایک سو پچاس ہو جائیں تو اب تین حقے واجب ہوں گے۔

استیناف ثانی: جب اونٹ ایک سو پچاس سے زائد ہو جائیں تو ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہوگی۔ جب پیس ہو جائیں یعنی ایک سو پچھتر تو اب تین حقوں اور ایک بنت مخاض آئے گا جب چھتیس ہو جائیں یعنی ایک سو چھیاسی ہو جائیں تو اب تین حصے اور ایک بنت ہوگی۔ اگر جب ایک سو اونٹ ہو جائیں تو اب چار حقے ہو جائیں گے چھیانوے دو سو تک دو سو کے بعد پھر استیناف ثانی کی طرح ہر کا حساب ہوگا۔



باب زکوٰۃ الغنم
بکروں کی زکوٰۃ کا بیان

غنم اسم جنس ہے یہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے بعض اہل اُمت نے فرمایا غنم یہ غنیمہ سے ماخوذ ہے فکانت غنیمة بکل طالب کیونکہ بکری کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی چیز نہیں بخلاف اونٹ، گائے وغیرہ کے۔

۳۱۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه انه قَالَ: لیس فی اقل من الاربعین من الغنم فاذا کانت اربعین ففیها شاة الی مائة وعشرین فاذا زادت واحدة ففیها شاتان الی مائتین فاذا زادت واحدة علی مائتین ففیها ثلث شیاه الی ثلث مائة، فاذا کثرت الغنم ففی کل مائة شاة. قال محمد: نأخذ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی﴾

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا چالیس سے کم بکروں (بھیڑ، دنبوں) میں زکوٰۃ نہیں ہے جب چالیس ہوجائیں تو ان پر ایک بکری آئے گی۔ ایک سو بیس تک جب ایک سو اکیس ہوجائیں تو دو سو تک دو بکریاں آتی ہیں پھر دو سو ایک سے تین سو تک تین پھر جب اس سے زیادہ ہوجائیں تو پھر ایک سو پر ایک بکری آتی رہے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے۔"

لغات: الغنم: اسم جنس ہے مذکر اور مونث دونوں پر اس کا طلاق ہوتا ہے۔

تشریح

بکریوں کے نصاب میں دو مذہب ہیں

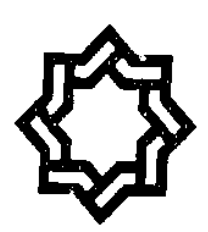
پہلا مذہب: حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، جمہور اہل علم امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ،

اوزاعیؒ وغیرہ کہ چالیس بکریوں میں ایک بکری ایک سو بیس میں دو بکریاں اور دو سو ایک میں تین بکریاں اور چار سو میں چار اور پھر ہر سو پر ایک بکری آتی رہے گی۔

دوسرا مذہب: ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، حسن بن حیؒ، انس بن صالحؒ وغیرہ کے نزدیک تین سو ایک میں چار بکریاں ہیں چار سو تک اور پھر چار سو ایک ہو جائیں تو اب پانچ بکریاں ہیں۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

اسی قسم کا نصاب آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو تحریر فرمایا تھا اور اسی نصاب حضرت ابوبکر وغیرہ نے فرمایا ہے۔ اسی نصاب پر عطاء کا اجماع ہے۔



۳۲۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عطاء بن السائب عن الحسن عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنه انه بعث سعدا او سعید بن مالک مصدقا فاتی عمر رضی اللّٰہ عنه یستاذنه فی جهاد، فقال: او لست فی جهاد؟ قال: و من ابن؟ و الناس یزعمون انی اظلمهم، عقال: و مم ذلک؟ قال: یقولون: تحسب علینا السخلة فی العدد، قال: احسبها وان جاء بها الراعی علی کتفه، او لست تدع لهم الماخض و الربی، و الاثیلة و تیس الغنم؟ قال محمد و بهذا نأخذ و الماخض التی فی بطنها ولدها و الربی التی تربی ولدها، و الاثیلة التی تسمن للأکل، و انما ینبغی للمصدق ان یأخذ من اوسط الغنم یدع المرتفع و الوذال، ویاخذ من الاوسط البین فصاعدا.﴾

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حدیث سعد یا سعد بن مالک کو زکوۃ کے وصول کرنے کے لئے بھیجا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جہاد کی اجازت مانگنے آئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کی تم جہاد میں نہیں ہو۔ انہوں نے عرض کیا وہ کیسے جب کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان پر ظلم کرتا ہوں انہوں نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ آپ بکریوں کے بچے کو بھی شمار کرتے ہیں حضرت عمر نے فرمایا اس بچے کو بھی شمار کرو اگر وہ چرواہا اسے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر ہی کیوں نہ لائے۔ کیا تم ان سے "ماخض" یعنی حاملہ "ربی" ربی) بچے کو پالنے والی۔ "اثیلہ" ذبح کے لئے تیار کی جانے والی "تیس الغنم" جفتی کے لئے تیار کردہ نر کو نہیں چھوڑتے۔ امام محمد نے فرمایا ہم اس پر ہی عمل کرتے ہیں کہ "ماخض" مراد وہ ہے جس کے پشت میں بچہ ہو۔ "ربی" سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے بچے کو پال رہی ہو۔ "ارثیلہ" سے مراد یہ ہے جسے ذبح کرنے اور کھانے کے لئے خوب موٹا تازہ کیا جاتا ہے زکوۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ وہ درمیانی قسم کا جانور لے عمدہ اور بالکل ادنی کو چھوڑ دے درمیانی قسم کا یا کچھ معمولی سے اچھا ہو تو اس کو لے لے۔"

تشریح

بچے کے زکوٰۃ کے بارے میں علماء اُمت کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کا آخری قول، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ، شعبیؒ وغیرہ بچوں میں زکوٰۃ اس وقت آئی گی جب کہ ان کے ساتھ بڑے بھی ہوں۔

دوسرا مذہب: امام زفرؒ، امام مالکؒ، داؤدؒ، ظاہرۃؒ کا یہ ہے کہ بڑوں میں جو زکوٰۃ دے وہیں بچوں میں آئے گی اگرچہ ان کے ساتھ بڑے موجود نہ بھی ہوں۔

تیسرا مذہب: امام ابو یوسفؒ، اوزاعیؒ، اسحاقؒ، وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے ایک دیتا جائے۔

پہلے مذہب والوں کی دلیل

ان کی دلیل متین میں مذکور ہے۔

دوسرے مذہب والوں کی دلیل

نص میں مطلق ذکر ہے چھوٹے بڑوں کی کوئی وضاحت نہیں ہے اس لئے سب میں زکوٰۃ آئے گی۔

تیسرے مذہب والوں کی دلیل

وہ فرماتے ہیں کہ میں فقراء اور مالک حبان کا فائدہ ہے کہ فقراء کو ایک جانور مل جائے اور مالک کو اسی میں ایک دینے کو کہا جائے گا خواہ وہ لاغر ہو یا قوی ہو۔

للمقصدق ان یاخذ من اوسط الغنم زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ وہ درمیانی قسم کا جانور زکوٰۃ میں وصول کرے۔

اس مسئلہ میں تمام ہی ائمہ کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا نہ تو بہت اچھا مال لے گا اور نہ ہی گھٹیا مال لے گا بلکہ درمیانی قسم کا لے گا یہی بات ایک دوسری روایت میں اس طرح فرمائی گئی ہے۔

ولا یوخذ فی الصدقۃ رھۃ ولا ذات عیب۔[1]

زکوٰۃ میں بڑی عمر کا اور عیب دار جانور نہ لیا جائے گا۔

(۱) ترمذی۔

باب زکاۃ البقر
گائے کی زکوٰۃ کا بیان

۳۲۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ: ليس في اقل من ثلثين من البقر شيء، فاذا كانت ثلثين من البقر ففيها تبيع او تبيعة الى اربعين، فاذا كانت اربعين ففيها مسنة، ثم مازاد فبحساب، ذلك. قال محمد: وبهذا كله كان ياخذ ابو حنيفة، واما في قولنا فليس الزياد على الاربعين شيء حتى تبلغ البقر ستين، فاذا بلغت ستين كان فيها تبيعان او تبيعتان، والتبيع الجذع الحولي، والمسنة الثنية فصاعدا.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا تیس گائے سے کم میں کچھ نہیں جب تیس ہوجائیں توان میں چالیس تک ایک تبع یا تبعۃ آئے گی جب چالیس ہوجائیں توان میں ایک مسن یا مسنہ آئے گی پھر جتنی بڑھتی رہیں گی اسی حساب سے ان میں زکوٰۃ آتی رہے گی۔ امام محمد نے فرمایا امام ابوحنیفہ ان سب پر عمل کرتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب چالیس گائے سے زیادہ ہوجائیں تو ان پر اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا جب تک ساٹھ نہ ہوجائیں اور جب ساٹھ ہوجائیں گی توان میں دو تبیع یا تبیعے آئیں گے تبیع ایک سال کے اور مسنہ دو سال یا اس سے زیادہ والے کو کہتے ہیں۔"

لغات::

تشریح

گائے کی زکوٰۃ کا نصاب

اس مسئلہ میں تقریباً ائمہ اربعہ اور جمہور و فقہاء علماء کا اتفاق ہے کہ تیس گائے سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں اور جب تیس ہوجائیں تو اب اس پر ایک تبع آئے گا اور چالیس پر ایک مسنہ آئے گا پھر یہ تیس پر ایک تبعہ اور چالیس پر ایک مسنہ آتا رہے گا بعض لوگ جس میں سعید بن المسیب، قتادہ، زہری، وغیرہ میں ان کے یہاں پانچ گائے ہیں ایک بکری۔ دس

گائے ہیں دو بکریاں پندرہ گائے ہیں تین بکریاں بیس میں چار بکریاں، اور پھر پچیس میں ایک گائے پچھتر تک اور پھر ایک سو بیس تک دو گائے پھر یہ چالیس پر ایک سنہ آتا رہے گا۔

جمہور علماء کا استدلال

روایت معاذ رضی اللہ عنہ ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما وجہ الی الیمن امرہ ان یاخذ من کل ثلاثین تبعنا او تبعۃ ومن کل دربصین سنۃ ومن کل حالم احفقی محتما دینار او عدل من المعافر ثیاب تکون بالیمن۔

"حضرت محمد ﷺ نے جب حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو فرمایا ہر تیس گائے پر ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی اور پھر ہر چالیس سے دو سالہ اور پھر ہر بالغ سے ایک اشرفی یا اس کی کل قیمت کے معاضر کپڑے لے لے (معاذ یہ یمن کے خاص قسم کے کپڑے ہوتے تھے۔"

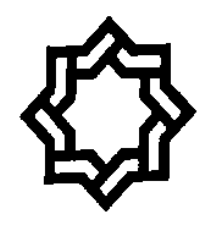
فلیس فی الزیادۃ علی الاربعین التی تبلغ البۃ ستین جب چالیس سے زائد ہو جائیں تو ان پر اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا جب تک ساٹھ نہ ہو جائیں۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک چالیس سے زائد میں کوئی زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ ساٹھ نہ ہو جائیں امام صاحب کا حنفی یہ قول ہی ہے۔[1]

امام ابوحنیفہ کے اس بارے مزید روایات ہیں۔ دوسرے جتنے بھی زائد ہوتے رہے اس کا حساب لگا کر دینا واجب ہے مثلاً ایک زائد ہو جائے تو ایک سنہ کا چالیسوا حصہ۔ دو زائد کا ہوں تو اس سنہ کا بیسواں حصہ وغیرہ۔

دوسری روایت: چالیس سے زائد پر بھی واجب یہاں تک کہ پچاس کی عدد کو پہنچ جائے۔[2]

(۱) بحرالرائق۔
(۲) فتح القدیر ۱/۴۹۹۔



باب الرجل یجعل ماله للمساکین

اپنے مال کو مساکین کے لئے وقف کرنے کا بیان

۳۲۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ: اذا جعل الرجل ماله فی المساکین صدقة فلینظر الی ما یسعه ویسع عیاله، فلیمسکه ولیصدق بالفضل، فاذا ایسر تصدق بمثل ما امسک. قال محمد: وبه ناخذ، وهو قول ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی. وانما علیه ان یتصدق من ماله باموال الزکٰوة الذهب، والفضة، والمتاع للتجارة، والابل، والبقر، والغنم السائمة: فاما المتاع، والرقیق، والدور، وغیر ذلک مما لیس للتجارة فلیس علیه ان یتصدق به: الا ان یکون عناه فی یمینه.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جب آدمی اپنے سارے مال کو مساکین کے لئے وقف کردے تو اسے اتنا مال روک لینا چاہئے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے کافی ہو اور زائد کو صدقہ کردینا چاہئے پھر جب مزید مال آجائے تو جتنا مال روکا تھا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اموال زکٰوۃ سونا، چاندی، تجارت کے سامان اونٹ، گائے بکریوں کو صدقہ کردے۔ رہا سازو سامان۔ غلام، مکان گھر، وغیرہ جو تجارت کا مال نہیں ہے اس پر ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں ہے اس لئے کہ اس نے جو قسم کھاتے وقت ان کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔"

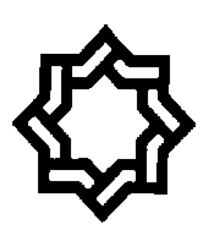
تشریح

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ اپنی ملکیت میں جو کچھ ہے سب کو صدقہ کرے گا۔ تو اب اس کی ملکیت میں جو کچھ ہے ان سب کو اس پر صدقہ کرنا لازم ہوجائے گا مگر اس صورت میں وہ بالکل مجبور اور محتاج ہوجائے

گا تو اس کا ایک حیلہ بنایا جارہا ہے تو اس کو فی الحال یہ کہا جائے گا کہ اپنے اور اہل عیال کی ضرورت کے بقدر سامان کو روک لو اور پھر جب اور مال آجائے تو اب جتنا مال پہلے روکا تھا اب اس کو صدقہ کر دینا۔

ان یتصدق من مالہ۔ صدقہ کر دے اپنے مال میں سے۔

اگر اس طرح اس نے نذر مانی تو اب اس کو اپنا تمام مال صدقہ نہیں کرنا ہوگا صرف ان مالوں کو صدقہ کرنا پڑے گا جس پر شریعت کی طرف سے زکوٰۃ آتی ہے مثلاً اونٹ، گائے، بکریاں، پیسہ وغیرہ۔



کتاب المناسک

مناسک: یہ مسنک کی جمع ہے اس لفظ کے لغت میں کئی ترجمہ آتے ہیں مثلاً، عبادت کرنا، قربانی کرنا، حج کرنا، ترا ولاحنفی یہاں پر مراد ہے۔

حج کا لغوی معنی و اصطلاحی معنی: حج کے لغوی معنی تو مطلقاً قصد و زیارت کرنے کے ہیں۔[1]

اصلاحی میں زیادہ مکان مخصوص کی زبان مخصوص بفعل مخصوص کو کہا جاتا ہے۔[2]

حج کس سال میں فرض ہوا: اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً۔

❶ ہجرت سے پہلے فرض ہو چکا تھا (مگر یہ قول صحیح نہیں ہے)۔

❷ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ حج مدنی زندگی میں فرض ہوا۔

بعض کے نزدیک ۵ھ میں بعض نے ۶ھ اور بعض نے ۷ھ اور بعض نے ۸ھ اور بعض نے ۹ھ اور بعض نے ۱۰ھ فرمایا ہے۔[3]

مگر زیادہ تر علماء کی رائے ۶ھ اور ۹ھ پر ہے۔

حج کا حکم: حج کا فرض ہونے کے بعد کرنا ضروری ہے انکار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور حج عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا مردوں اور عورتوں پر بلا خوف فرض عین ہے۔[4]

---

(۱) فتح الباری ۳/۲۹۹۔

(۲) کنز الدقائق ۲۷، ابتداء کتاب الحج اوجز المسالک ۳/۲۹۵۔

(۳) اوجز المسالک ۳/۲۹۶، وکذا عمدہ القاری ۹/۱۲۲ کتاب الحج۔

(۴) شرح اللباب۔

حج فرض ہونے کے بعد فوراً حج کرنا ضروری ہے یا تاخیر کر سکتے ہیں

اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابو حنیفہؒ، امام مالک، امام ابو یوسف اور بعض دوسرے بعض فقہاء کے نزدیک حج فرض ہونے کے فوری بعد حج کرنا ضروری ہے۔

دوسرا مذہب: امام محمد، امام شافعی وغیرہ۔[1]

تاخیر کرسکتے ہیں مگر بغیر حج کئے مرگیا تو سب کے نزدیک گناہ گار ہے۔

حج صرف اُمت محمدیہ پر فرض ہے؟ اس میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حج تو پہلی امم سابقہ نے بھی کیا مگر فرض صرف اُمت محمدیہ پر ہے اس لئے یہ امت محمدیہ کی خصائص میں سے ہے۔[2]

مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حج پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے اس لئے یہ اُمت محمدیہ کی خصوصیت نہیں ہے۔

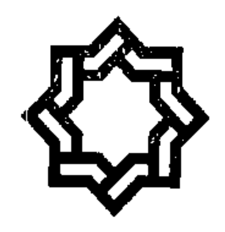
(۳)

---

(۱) بنایہ شرح الہدایۃ ۴۲۸/۳، معارف السنن ۲۳۸/۶۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔

(۳) فتح الباری۔



۳۲۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِبْنِ جُبَيْرٍ قَالَ لَمَّا انْبَعَثَ بِهٖ بَعِيْرُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ، غَفَّارَ الذُّنُوْبِ لَبَّيْكَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: اِنْ شَاءَ الرَّجُلُ اَحْرَمَ حِيْنَ يَنْبَعِثُ بِهٖ بَعِيْرُهٗ، وَاِنْ شَاءَ فِيْ دُبُرِ صَلَاتِهٖ، وَالتَّلْبِيَةُ الْمَعْرُوْفَةُ اِلٰى قَوْلِهٖ وَالْمُلْكِ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَمَازِدْتَّ فَحَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حماد حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جب ان کا اونٹ لے انہیں لے کر گیا تھا تو انہوں نے اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ اے اللہ میں حاضر ہوں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر خدمت ہوں بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں آپ ہی کے لئے ہیں اور ملک بھی۔ آپ کا کوئی شریک نہیں۔ اے معبود برحق میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں اے گناہوں کے معاف کرنے والے میں حاضر ہوں۔ امام محمد نے فرمایا اگر انسان چاہے تو اس وقت احرام کی نیت کر لے جب اس کا اونٹ اسے لے کر کھڑا ہو اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھنے کے بعد نیت کر لے۔ مشہور تلبیہ وَالْمُلْکِ لَا شَرِیْکَ لَکَ تک ہے آپ اس میں جتنا تعریف حکمات حمد و ثنا کا اضافہ کرنا چاہیں کر لیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔"

لغات: :

تشریح

انبعث بہ بعیرہ۔ جب سواری لے کر اٹھے (اس وقت یہ پڑھے)۔

تلبیہ آدمی کب پڑھے اس بارے میں مشہور دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد کا صحیح قول یہ ہے دو رکعت پڑھنے کے فوری بعد پڑھے۔[1]

دوسرا مذہب: امام شافعی کا صحیح قول اور امام مالک اور امام احمد کا غیر حنفی یہ قول سواری کے چلتے وقت پڑھے۔

اس میں اختلاف اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کے تلبیہ پڑھنے میں روایات میں اختلاف ہے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کے فوری بعد یہ تلبیہ پڑھا ہے۔[۲]
بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مسجد سے نکلتے ہی درخت کے قریب میں پڑھا تھا۔[۳]
بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جب اونٹنی پر تشریف فرما ہوئے اس وقت میں پڑھا۔[۴]
اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ مقام بیداء پہنچے تو تب پڑھا۔[۵]

ان سب روایات میں تطبیق

حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی رایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سب مقامات پر تلبیہ پڑھی ہے لہٰذا جس صحابی نے جہاں پر آپ ﷺ سے سنا وہی اس سے نقل کر دیا۔[۶]
سب سے پہلے آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد پڑھا ہے۔ اسی بات کو محقق ابن ہمام نے بھی پسند فرمایا ہے۔
(۷)

لبیک اللھم لبیک۔ سعید بن جبیر نے معروف و مشہور تلبیہ سے زائد الفاظ پڑھے۔[۸]

کیا مشہور تلبیہ کے الفاظ سے زائد کر سکتے ہیں یا نہیں

اس میں مشہور دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام اوزاعیؒ، امام احمدؒ، امام محمدؒ وغیرہ زیادتی کی جاسکتی ہے جو الفاظ جو تعظیم باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہوں۔[۹]

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام یوسفؒ، امام طحاویؒ، زیادتی مکروہ ہے۔[۱۰]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

اجلا صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے زیادتی حدیث ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کا اضافہ لبیک عدد الحصی اتراب کا نقل کیا جاتا ہے حضرت ابوہریرہ کا اضافہ لبیک او الخلق لبیک کے ساتھ حضرت حسن بن علی سے منقول ہے لبیک ذالنعی و الفضل الحسن کے ساتھ اور بھی کئی صحابہ سے اضافہ منقول ہے۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

دوسرے مذہب والے تلبیہ کو اذان اور تشہد پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح اس میں زیادتی جائز نہیں اسی طرح اس میں بھی زیادتی جائز نہیں ہوگی۔

---

(۱) معارف السنن ۶/ ۲۶۷۔

(۲) سنن نسائی ۲/ ۱۷، کتاب مناسک الحج وسنن ترمذی ۱/ ۱۳۱۔

(۳) ترمذی ۱/ ۱۳۱۔

(۴) صحیح بخاری روایت بن جابر ۱/ ۲۰۵۔

(۵) سنن ترمذی ۱/ ۱۳۱۔

(۶) سنن ابوداؤد ۱/ ۲۴۶، باب وقت الاحرام۔

(۷) فتح القدیر۔

(۸) مشہور تلبیہ جو صحاح ستہ میں موجود ہیں وہ یہ ہیں۔ لبیک اللھم لبیک لا شریک لا لبیک ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لا شریک لک۔

(۹) معارف السنن ۶/ ۷۹، عمدہ القاری ۹/ ۱۷۳۔

(۱۰) معارف السنن ۶/ ۷۹، عمدہ القاری ۹/ ۱۷۳۔



۳۲۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِي اللّٰه تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ رَاَيْتُكَ تَصْنَعُ اَرْبَعَ خِصَالٍ، قَالَ مَاهُنَّ؟ قَالَ رَاَيْتُكَ حِيْنَ اَرَدْتَ اَنْ تُحْرِمَ رَكِبْتَ رَاحِلَتَكَ ثُمَّ اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ اَحْرَمْتَ حِيْنَ انْبَعَثَ بِكَ بَعِيْرُكَ، وَرَاَيْتُكَ اِذَا طُفْتَ بِالْبَيْتِ لَمْ تَجَاوِزِ الرُّكْنَ الْيَمَانِيْ حَتّٰى تَسْتَلِمَهٗ، وَرَاَيْتُكَ تُلَوِّنُ لِحْيَتَكَ بِالصُّفْرَةِ وَرَاَيْتُكَ تَتَوَضَّأُ فِي النِّعَالِ السِّبْتِيَّةِ، قَالَ اِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ فَصَنَعْتُهٗ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حدیث نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا ایک صاحب نے ان سے اے عبدالرحمن (یہ ابن عمران کی کنیت ہے) میں نے آپ کو چار کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں۔ ① جب آپ نے احرام کا ارادہ کیا تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کیا پھر جب آپ کا اونٹ آپ کو لے کر کھڑا ہوا تو آپ نے احرام کی نیت کی۔ ② میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ اس کے استلام سے پہلے اس سے آگے نہیں بڑھے۔ ③ میں نے آپ کو دیکھا آپ اپنی ڈاڑھی زرد رنگ میں رنگتے ہیں۔ ④ میں نے آپ کو دیکھا آپ سبتی جوتوں میں وضوء کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میں نے بھی کیا امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔"

تشریح

حضرت ابن عمر نے چار کام کا ذکر کیا ہے۔

پہلا کام: تلبیہ پڑھنے کا مسئلہ پہلے والی حدیث کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

دوسرا کام: استدلام حجر اسود۔ علماء فرماتے ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دینا یا استلام کرنا چاہیے کہ اگر اس کا موقعہ نہ ملے تو

پھر دور سے اشارہ کر کے ہاتھ کو چوم لینا چاہئے۔[1]

امام مالک کے نزدیک بوسہ دینے کا موقعہ نہ ملے تو اب ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو چومنا نہیں چاہئے۔[2]

مگر رکن یمانی میں اگر ہاتھ سے استلام کا موقعہ نہ ملے تو کوئی حرج نہیں اس میں فدر سے اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو چومنا یہ مسنون نہیں ہے۔[3]

تیسرا کام: ڈاڑھی پر کالے رنگ کا خضاب لگانا اس کی ممانعت متعدد روایات میں آئی ہے اس لئے کالا خضاب فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ کالے کے علاوہ دوسرے رنگ کا خضاب لگا سکتے ہیں جیسے کہ حدیث بالا میں حضرت ابن عمر نے زرد رنگ کا خضاب استعمال فرمایا ہے۔

چوتھا کام: جوتوں کو پہن کر وضو کرنا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسی چپل ہو جس میں پانی پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو پانی اچھی طرح پورے پاؤں میں پہنچ جائے اور کوئی جگہ خشک نہیں رہتی تو اب اس صورت میں اس چپل کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے۔

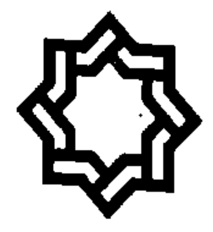
نعال السبتیۃ۔ ایسا جوتا جو گائے کے گائے کو دباغت دے کر بنایا گیا ہے اور اس کے بالوں کو صاف کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) بنی مذہب امام ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہ کا ہے۔

(۲) عمدۃ القاری ۹/۲۴۰۔

(۳) بحر الرائق ۲/۳۳۰۔



باب القران و فضل الاحرام

حج قران اور احرام کی فضیلت کا بیان

۳۲۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ اَبِيْ نَصْرِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اِذَا اَهْلَلْتَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَطُفْ لَهُمَا طَوَافَيْنِ، وَاسْعَ لَهُمَا سَعْيَيْنِ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. قَالَ مَنْصُوْرٌ فَلَقِيْتُ مُجَاهِدًا وَهُوَ يُفْتِيْ بِطَوَافٍ وَاحِدٍ لِمَنْ قَرَنَ. فَحَدَّثْتُهُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، فَقَالَ لَوْ كُنْتُ سَمِعْتُ لَمْ اُفْتِ اِلَّا بِطَوَافَيْنِ، وَاَمَّا بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَا اُفْتِيْ اِلَّا بِهِمَا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حج اور عمرہ کا احرام باندھو تو دو طواف اور صفاء مروہ کے درمیان سعی کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میری ملاقات حضرت مجاہد سے اس حالت میں ہوئی جب کہ وہ قران کرنے والوں کو طواف کا حکم دے رہے تھے۔ میں نے انہیں یہ حدیث سنائی تو انہوں نے فرمایا اگر میں نے یہ حدیث پہلے سنی ہوتی تو دو طواف ہی کا فتویٰ دیتا لیکن آج کے بعد سے میں دو طواف کا ہی فتویٰ دوں گا۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔"

تشریح

فطف بهما طوافين اس میں بیان کیا جارہا ہے کہ قارون اور طواف اور سعی کرے گا مختصر یہ کہ حج کے اندر تین طواف لازمی اور ضروری ہیں۔

1. طواف قدوم...... مکہ پہنچنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے ہوتا ہے اور یہ سُنّت ہے۔
2. طواف زیارت...... یہ دس ذی الحجہ کو ہوتا ہے اور یہ حج کا رکن ہے۔

❸ طواف وداع ...... یہ طواف صدر۔ واپسی کے وقت ہوتا ہے اور اس کا حکم واجب ہے۔

اتنی بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قارن مفرد اور ممتنع جو بھی ہو طواف زیارت اور طواف وداع ایک ہی دفعہ
کریں گے قارن کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ طواف قدوم ایک مرتبہ ایک ساتھ کرنے کا ایک بار یا دو مرتبہ
طواف اور دو مرتبہ سعی کریں گے۔ اس میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحٰق بن ابراہیمؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بویؒ، سعید بن جبیرؒ،
سالم بن عبداللہؒ وغیرہ ان سب کے نزدیک ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ، امام محمدؒ، اعبیؒ، ارازیؒ، سفیان ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابراہیم نخعیؒ، حسن
بن حیؒ، حماد بن سلمہؒ، ساتھ میں حضرت عمر حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کے نزدیک
قارن پر دو طواف اور دو سعی لازمی ہے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی مذہب والوں نے متعدد احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو کتب فقہ میں موجود
ہیں۔

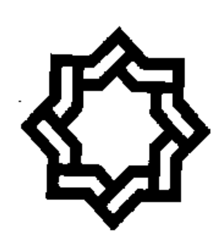
ترجیح مذہب امام ابوحنیفہؒ

مگر احناف دو طواف اور دو سعی والی احادیث کو لیتے ہیں کیونکہ تمام احادیث میں انفاق کی ضرورت یہی ہے کہ یہ کہا
جائے کہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ طواف اور دو مرتبہ سعی فرمائی ہے ایک قارن تھے اور آپ ساشیشا اور دوسری را کبا تمام
احادیث میں تطبیق دینا مشکل ہے۔
مقدم ہوتی ہے۔
دوسری بات یہ ہے کہ جب احادیث میں تعارض ہو تو زیادتی والی روایت
تیسری بات امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جب آدمی نے عمرہ کا احرام باندھا تو اس پر ایک طواف اور ایک سعی لازم آتی
اور اگر وہ نہیں کرے گا تو کفارہ لازم آئے گا اسی طرح اگر کسی نے صرف حج کا احرام باندھا تو اس کے لئے بھی ایک
طواف اور ایک سعی لازم آجاتی ہے قارن ان دونوں کو جمع کرتا ہے اس لئے اس پر دو طواف اور دو سعی لازم آئیں گے۔
(۲)
چوتھی بات یہ ہے کہ جن روایات میں آتا ہے ایک طواف اور ایک سعی جو طواف زیارت کہلاتا ہے۔ طواف قدوم
نہیں ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قارن دو چیزوں کی نیت کرتا ہے حج کی اور عمرہ کی تو کس کو شبہ ہو سکتا
تھا کہ شاید احلال اسناد کے لئے طواف زیارت بھی قارن دو مرتبہ کرنا پڑے گا اس لئے کیا جارہا ہے کہ طواف زیارت
اور سعی ایک ہی مرتبہ ہے۔

حضرت ابو نصری السلمی کے مختصر حالات: پورا نام ابو نصر بن عمر اسلمی ہیں۔ ابن ملفوظ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اسی طرح ابن ابو عاتم نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ نیز ابو المنصر بن عمرو نے حضرت علی سے احادیث سنی ہیں۔ (تراجم الاحبار ۴/ ۵۶۳، تعلیق المختار علی کتاب الاثار ۱۹۵)۔

(۱) عمدۃ القاری ۹/ ۱۸۴، المغنی لابن قدامہ ۳/ ۲۴۱، ہدایہ المجتہد ۱/ ۳۴۴، نیل الاوطاء ۴/ ۳۰۵ وغیرہ۔

(۲) اس مسئلہ پر امام طحاوی نے کتاب معانی الاثار میں مفصل کلام کیا ہے۔



۳۲۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ طَاؤُوْسٍ قَالَ لَوْ حَجَجْتُ اَلْفَ حَجَّةٍ لَمْ اَدَعِ الْقِرَانَ حَتّٰى لَقَدْ كُنَّا نَدْعُوْهُ الْحَجَّ الْاَكْبَرَ، وَالْحَجَّ الْاَصْغَرَ، وَنَرٰى اَنَّ حَجَّ مَنْ لَّمْ يُقْرِنْ لَمْ يُكْمِلْ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، اَلْقِرَانُ عِنْدَنَا اَفْضَلُ مِنْ غَيْرِهٖ، وَكُلٌّ جَمِيْلٌ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت طاؤس نے فرمایا میں اگر ایک ہزار حج بھی کروں تب بھی قران کو نہ چھوڑوں گا حتیٰ کہ ہم تو اسے حج اکبر اور حج اصغر کہا کرتے تھے اور یہ کہ جس نے حج کیا قران نہیں کیا اس نے پورا کام نہیں کیا۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں ہامے یہاں براق دوسروں سے افضل ہے ویسے سب ٹھیک اور جائز ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔"

لغات: :

تشریح

اثر بالا میں حضرت طاؤس قران کی فضیلت کو بیان فرمارہے ہیں عطاء فرماتے ہیں کہ حج کی تین قسمیں ہیں۔ ① افراد ② تمتع ③ قران۔

افراد کی تعریف: میقات سے صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔[1]

تمتع کی تعریف: میقات سے صف عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے پھر عمرہ کر کے حلال ہوگا اور پھر یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھا جائے۔[2]

حج قران کی تعریف: میقات سے صرف حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ساتھ احرام باندھا جائے اور پھر حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے پھر حج ادا کر کے ایک ساتھ دونوں سے حلال ہو۔[3]

کس امام کے نزدیک کون سا حج افضل ہے

اس میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، حسن شیبانیؒ، اسحٰق راہویہؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ سب سے افضل قران اس کے بعد تمتع اور پھر افراد ہے۔ (۴)

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، ابراہیم نخعیؒ، مجاہد بن جبیرؒ وغیرہ کے نزدیک سب سے افضل افراد پھر تمتع اور پھر قران ہے۔ (۵)

تیسرا مذہب: امام احمدؒ، امام شافعیؒ، حسن بویؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عکرمہ عبداللہؒ وغیرہ کے نزدیک سب سے افضل تمتع پھر افراد پھر قران ہے۔ (۶)

ائمہ میں یہ اختلاف صرف افضیلت کا ہے جائز اور ناجائز کا نہیں ہے یہ اختلاف اس لئے ہوا اصل میں اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ نے کون سا حج کیا تو مختلف صحابہ نے مختلف نقل کیا ہے دلائل کی روشنی میں امامنے اپنا استدلال کیا ہے اور سب کے پاس دلائل صحیحہ موجود ہیں۔

احناف کے مذہب کی وجہ ترجیح

١ ان احادیث میں آپ ﷺ کے حج کے سلسلہ میں سب سے زیادہ قران کا ذکر ہے جن کی تعداد ۲۰ سے زائد ہے۔

۲ قران والے راویوں سے صرف قران ہی مروی ہے بخلاف افراد اور تمتع والے راویوں سے افراد اور تمتع کے ساتھ ساتھ قران کی بھی روایات مروی ہیں۔

۳ ایک روایت میں آتا ہے کہ قران کا آپ کو اللہ کی طرف سے حکم تھا اتانی آیت من ربی فقال صل فی ھذا الوادی المبارک وقل عروۃ فی حجۃ جس کا آپ کو حکم ہوا آپ اس کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ (۷)

۴ آپ نے قران کا حکم میں فرمایا اور اپنے اہل بیت کے لئے اس کو پسند بھی فرمایا ہے۔

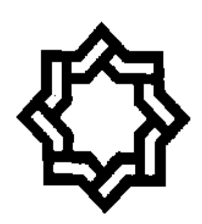
۵ قران کے بارے میں احادیث فعلی بھی ہیں اور قولی بھی جب کہ افراد کے بارے میں احادیث صرف فعلی ہیں قولی نہیں۔

۶ احادیث میں قرنت (میں نے قران کیا) یہ الفاظ تو منقول ہیں مگر افروت (میں نے حج افرار کیا) تمتعت (میں نے تمتع کیا) یہ الفاظ مروی نہیں ہیں۔

۷ قران میں مشقت زیادہ ہے بخلاف تمتع اور افراد میں اتنی عبادت میں مشقت نہیں جس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اس میں اجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۸ آپ ﷺ محرام اور خلفاء راشدین سے قران کرنا بھی ثابت ہے۔ (۸)

(۱) بدائع الصنائع ۲/۱۶۷، فضل واما بیان ما یحرم بہ۔
(۲) بدائع الصنائع ۲/۱۶۸۔
(۳) بدائع الصنائع ۲/۱۶۷۔
(۴) بحرالرائق ۲/۳۵۷، معارف السنن ۶/۳۹، المغنی لابن قدامہ ۳/۱۲۲، نووی شرح مسلم ۱/۳۸۵، ترمذی ۱/۱۰۱۔
(۵) ہدایۃ المجتہد ۱/۳۳۵، معارف السنن ۶/۳۹۔
(۶) بحرالرائق ۲/۳۵۷، المغنی لابن قدامہ ۳/۱۲۲، بذل المجہود ۳/۹۷، معارف السنن ۶/۳۹۔
(۷) بخاری ۱/۲۰۷ کتاب المناسک۔
(۸) معارف السنن ۶/۲۸۶۔



۳۲۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنه انها انمانهی عن الافراد، فااما القران فلا، یعنی بقوله: "نهی عن الافراد" افراد العمرة.﴾

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے افراد سے منع فرمایا قران سے نہیں یہی افراد سے منع کرنے سے مراد یہ ہے کہ صرف عمرہ کرنے سے منع فرمایا۔"

لغات::

تشریح

نهی عن الافرد افراد العمره۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اراد سے منع فرماتے تھے اور افراد سے وہ عمرہ ہے اس اثر کے علماء نے متعدد توجیہات کی ہے۔ مثلاً حج کے ساتھ عمرہ کرنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع فرمار ہے ہیں یہ اس شخص کے لئے ہے جو سال دو سفر کر سکتا ہو ایک حج کا اور دوسرا عمرہ کے لئے یہی بات احناف کے نزدیک بھی افضل ہے یہی بات موطا محمد میں امام محمد نے بیان کی ہے۔[1]

مگر جو دو سفر نہ کر سکتا ہو۔ تو اس کے لئے ممانعت نہیں ہوئی کہ وہ حج عمرہ بھی کرلے۔

(۱) موطاء امام محمد ۲۰۰ باب القران بین الحج والعمرۃ۔



۳۲۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ تَمَامُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ اَنْ تُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ جَوْفِ دُوَيْرَتِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، مَا عَجِلْتَ مِنَ الْاِحْرَامِ فَهُوَ اَفْضَلُ اِنْ مَلَكْتَ نَفْسَكَ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اکمال حج اور عمرہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں احرام جتنا جلدی باندھا جائے گا بہتر ہے بشرطیکہ اپنے اوپر قابو رکھنے والا ہو یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: تحرم: جوف۔

تشریح

فائدہ

اس سے آگے بغیر احرام کے جانا جائز نہیں میقات اس کو کہتے ہیں اس کے آگے بغیر احرام کے گزرنا منع ہے ان کی تعداد احادیث میں پانچ آئی ہے۔

بنو جشم بن ہوازن اور خفاجہ

① ذوالحلیفہ: ہمارے زمانے میں اس جگہ اب آبار علی کہتے ہیں یہ خلیفہ کی تصغیر ہے۔ دو قبیلوں کے درمیان یہ ایک مقام کا نام ہے۔ اس جگہ پر سب سے کنویں ہیں یہاں پر دو مسجدیں بھی ہیں یہ مکہ سے بقول علامہ نوری کے ۶ میل اور قاضی عباس کے سات میل ہے یہ مدینہ اور ان ینبوع وغیرہ کے لئے میقات ہے۔

② جحفہ: اس کا دوسرا نام مہیعہ اور رابغ بھی ہے یہ مکہ سے تقریباً ۸۲ یا ۱۰۵ میل کے فاصلہ پر ہے یہ قریش کا تجارتی شاہراہ تھی اب یہ مقام ویران جگہ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جحفہ کہتے ہیں بہاء کر لے جانا یہاں پر ایک سیلاب آیا تھا تو وہ سیلاب بنو عبیل والوں کو بہا کر لے گیا۔ شام، مصر، سوڈان، الجزائر، براعظم افریقہ، ترکستان، بلغاریہ، جرمنی، فرانس، روم، برطانیہ اور یورپ والوں کے لئے میقات ہے۔

③ جبل قرن: بفتح قاف وسکون راء ہے عجم یہ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی طرف حضرت اویس کو منسوب کر کے قرنی سے ہیں یہ ایک پہاڑی ہے جو شرقی مکہ سے ۳۰ یا ۴۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ اہل نجد۔ خلیجی ممالک والوں کے لئے

میقات ہے۔

❹ ذات عرق: یہ مقام وادی عتیق کے قریب ہے یہ اہل عراق۔ ازبکستان۔ خراسان۔ ترکمانستان کذاقستان، چین، منگولیا کے لئے میقات ہے۔

❺ جبل یلملم: یہ تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑی ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے بقول ابن حزم کے یہ ساحلی ممالک کے لوگ جو بحری جہاز سے جدہ پہنچتے ہیں یہ ان سب کے لئے میقات ہے۔ نیز مسقط، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، سنگاپور، جاپان، ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ وغیرہ والوں کے لئے میقات ہے۔

ان سب میقات کو اس شعر میں جمع کر رہا ہے ؎

قرن یلملم ذوالحلیفه حجفة قل ذات عرق کلها میقات
نجد مهتمامة والمدینه مغرب مشرق و هن الی الهدی مرفات

ایک دوسرے شاعر نے اس کو اس طرح جمع کیا ؎

عرق العراق یلملم والیمنی وبذی الحلیفة محرم المدنی
للشام حجفه ان مررت بها ولا هل نجد قرن فاستبن

ماعجلت من الاحرام نحو افضل ان ملکت نفسک احرام جتنا جلدی باندھا جائے گا اتنا ہی بہتر ہے بشرطیکہ اپنے اوپر قابو رکھنے والا ہے۔

کہاں سے احرام باندھنا افضل ہے

اس بارے میں فقہا کے مذاہب ملتے ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت علامہ ابن حزم داؤد ظاہری وغیرہ کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر میقات سے پہلے احرام باندھ لیا تو اس کا حج اور عمرہ صحیح نہیں ہوگا۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک میقات سے پہلے باندھنا رخصت ہے اور اگر تو میقات سے پہلے اپنے گھر یا مسجد سے باندھ کر جانا افضل ہے۔

تیسرا مذہب: امام مالک۔ اسحٰق راہویہ وغیرہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہے۔

چوتھا مذہب: حسن بصری علاء بن رباح وغیرہ کے نزدیک میقات حصیدہ سے احرام باندھنا مکروہ ہے۔[1]

دوسرے مذہب والوں کے دلائل

❶ للیت عثمان بن العاص احرم من العجشانیۃ قرینہ من البصر وھکذا حرام ابن سیرین و حمید بن عبدالرحمٰن من الدارات۔[۲]

❷ روایت اُمّ سلمۃ انہ ملہ سلام قال من اھل العجرہ من بیت المقدس غفرلہ۔[۳]

❸ رحم انہ دکیکا احرم من بیت المقدس واحرم ابن سیرین مع انس امن العقیق ومعاذ من الشام ومعہ احجر۔[۴]

❹ روایت صحابی۔

❺ عقلی وجہ یہ ہے کہ اس میں شقیت بھی زیادہ ہے اور تعظیم بھی اس صورت میں زیادہ ہے۔

اور جن روایات میں احرام من المواحیت کے جو لفظ آتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ احرام کا آخری حد میقات ہے کہ میقات کے بغیر احرام سے نہیں گزرنا چاہیے۔[۵]

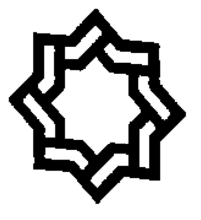
(ا) اوجزامسالک ۳۳۵/۳۔

(۲) مصنف بن ابی شیبہ۔

(۳) مشکوٰۃ۔

(۴) ابوداؤد۔

(۵) تعلیق الصبیح ۱۷۶/۳۔ عمدہ القاری۔



۳۲۹

﴿محمد قال: أخبرنا أبو حنيفه قال: حدثنا شيخ من ربيعة عن معاوية بن إسحاق القرشي قال: إن الحاج مغفور له ولمن استغفر له إلى انسلاخ المحرم﴾

"حضرت معاویہ بن اسحاق قریشیؒ نے فرمایا حاجی کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں اور اس کے بھی جس کے لئے وہ ماہ محرم ختم ہونے تک استغفار کرے۔"

لغات:

تشریح

اس حدیث میں دو مسئلوں کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔

پہلا مسئلہ

ان الحاج مغفور له۔ حاجی کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اس بارے میں اختلاف ہے کہ حج کرنے والے کے صغیرہ، کبیرہ تمام گناہ ہوتے ہیں یا صرف صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذہب ہیں

پہلا مذہب: صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

دوسرا مذہب: صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں کبیرہ نہیں۔

پہلا مذہب جمہور فقہاء کے نزدیک راجح ہے اس کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں۔

❶ روایت ابو هريره ﷺ من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته امه۔[1]

❷ ان الاسلام يهدم ما كان قبله وان الهجرة تهدم ما كان قبلها وان الحج يهدم ما كان قبلة۔[2]

❸ روايت عبدالله بن كنانه بن عباس بن مرداس السلمی ﷺ ان اباه اخبره عن ابيه ان النبی ﷺ دعا لامته عشية عرفة بالمغفرة فاجيب انی قد عفوت لهم ما خلا الظالم فانی أخذ للمظلوم منه قال ای رب ان شئت اعطيت المظلوم من الجنة وغفرت للظالم فلم يجب عشيته فلما اصبح بالمزدلفة اعاد الدعاء فاجيب الی ما

سأل قال فضحک رسول اللہ ﷺ او قال تبسم فقال له ابوبکر و عمر بابی انت وامی ان هذه الساعة ماکنت تضحک فیها فماالذی اضحک؟ اضحک اللہ سنک قال ان عدو اللہ ابلیس لما علم ان اللہ عزوجل .... فاضحکنی مارایت من جزعه۔(۳)

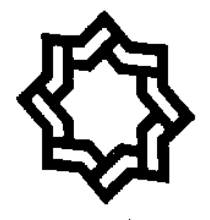
علامہ ابن نجیمؒ اس بارے میں اس طرح فرماتے ہیں ان المسالة ظنية وان الحج لا يقطع فيه بتكفير الكبائر من حقوق اللہ تعالٰی فضلا عن حقوق العباد وان قلنا بالتكفير لكل فليس معناه كما يتوهمه كثير من الناس ان الدين ليسقط عنه وكذا قضاء الصلوت والصيامات والزكاة۔(۴)

دوسرا مسئلہ

ولمن يستغفر له الى انسلاخ المحرم۔ حاجی سے ماہ محرم کے ختم ہونے تک استغفار کراوئی۔
ایک دوسری روایت میں آتا ہے جس کے راوی حضرت عمرؓ ہیں فرماتے ہیں کہ حاجی کی بھی اللہ کے یہاں سے مغفرت ہے اور حاجی ۲۰ ربیع الاول تک جس کے لئے بھی دعائے مغفرت کرے اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا معمول تھا کہ وہ حجاج کی مشایعت بھی کرتے تھے اور ان کا استقبال بھی کرتے تھے اور ان سے دعا کی درخواست بھی کرتے تھے۔(۵)

---

(۱) بخاری ۲۰۶/۱ کتاب المناسک باب فضل الحج المبرور۔
(۲) مسلم ۷۶/۱ کتاب الایمان باب کون الاسلام یهدم ماقبله وکذا الحج والعمرة۔
(۳) ابن ماجہ ۲۱۶ باب الدعاء بعرفۃ ابوداؤد ۷۱۰/۲ کتاب الادب باب فی الرجل یقول للرجل اضحک اللہ سنک۔
(۴) بحر الرائق ۲۳۸/۱۔
(۵) فضائل الحج ۲۸۔



۳۳۰

﴿محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا أيوب بن عائذ الطائي عن مجاهد قال: حاج بيت الله والمعتمر والمجاهد في سبيل الله، دعاهم فأجابوه، ويعطيهم ماسألوه﴾

"حضرت مجاہدؒ نے فرمایا حج بیت اللہ کرنے والا عمرہ کرنے والا اور اللہ جل شانہ کے راستے میں جہاد کرنے والا یہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوت دی انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اللہ تعالیٰ انہیں وہ سب کچھ عطا کرے گا جو وہ اس سے مانگیں گے۔"

لغات:

تشریح

وفد اللّٰہ الخ۔ وفد اس کی جمع وفود آتی ہے وفد کہتے ہیں کہ جو جماعت سرکاری دربار میں حاضر ہونے کے لئے جائے تو حاجی بھی اللہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں جو تمام کا ہی مالک وخالق ہے۔ تو جس طرح سرکاری دربار میں اعزاز و اکرام ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ کے دربار میں اعزاز و اکرام ہوتا ہے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ دیا جاتا ہے جو دعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے جو خرچ کرتے اس کا بدل ان کو ملتا ہے قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جب کسی اونچی جگہ پر کوئی شخص لبیک کہتا ہے یا تکبیر کہتا ہے تو اس کے سامنے کا سارا حصہ زمین کا دنیا کے ختم تک لبیک اور تکبیر کہنے لگتا ہے۔(۱)

ترغیب وترہیب میں ایک اور روایت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے جو دعا کرتے ہیں وہ قبول کی جاتی ہے جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے اور ایک ایک درہم کے بدلے میں ان کو دس دس لاکھ درہم ملتے ہیں۔(۲)

اور ایک روایت میں فرمایا گیا کہ مکہ کے رہنے والے اگر اس بات کو جان لیں کہ حاجیوں کا ان پر کتنا حق ہے تو ان کی آمد پر یہ لوگ جا کر ان کی سواریوں کو بوسہ دیں اس لئے کہ وہ لوگ "وفد اللّٰہ" اللہ کے وفد ہیں۔

حضرت ایوب بن عائذ الطائی الکوفیؒ کے مختصر حالات: ان کا نام ایوب والد کا نام عائذ تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔

اساتذہ: ان کے استادوں میں سے حضرت شعبیؒ کا نام لیا جاتا ہے۔

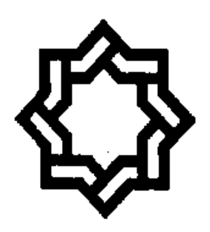
تلامذہ: جریر بن عبد الحمیدؒ ابو حاتمؒ وغیرہ نے ثقہ کیا ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں ان سے روایت نقل کرتے ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کے حالات گذر چکے ہیں۔

---

(۱) ترغیب وترہیب۔

(۲) ترغیب وترہیب۔



۳۳۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَالِكٍ الْهَمَدَانِي عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ رَهْطٍ يُرِيْدُ مَكَّةَ، حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالرَّبْذَةِ رُفِعَ لَنَا خِبَاءٌ فَاِذَا فِيْهِ اَبُوْذَرٍّ الْغِفَارِيِ رضی اللہ عنہ، فَاَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، فَرَفَعَ جَانِبَ الْخِبَاءِ فَرَدَّ السَّلَامَ، فَقَالَ مِنْ اَيْنَ اَقْبَلَ الْقَوْمُ فَقُلْنَا مِنَ الْفَجِّ الْعَمِيْقِ، قَالَ فَاَيْنَ تَؤُمُّوْنَ؟ قَالُوْا اَلْبَيْتَ الْعَتِيْقَ، قَالَ اَللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا اَشْخَصَكُمْ غَيْرُ الْحَجِّ؟ فَكَرَّرَ ذٰلِكَ عَلَيْنَا مِرَارًا فَحَلَفْنَا لَهٗ فَقَالَ اِنْطَلِقُوْا نُسُكَكُمْ ثُمَّ اسْتَقْبِلُوا الْعَمَلَ.﴾

”حضرت محمدؒ بن مالک ہمدانیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا ہم ایک جماعت کے ساتھ مکہ کے ارادہ سے نکلے جب ربذہ نامی جگہ پر پہنچے تو ایک خیمہ ہمارے سامنے آیا دیکھا تو اس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ہم ان کے پاس گئے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے خیمہ کا ایک کنارہ ہٹایا سلام کا جواب دیا اور فرمایا آپ لوگ کہاں سے آرہے ہو؟ ہم نے کہا بہت دور گھاٹی سے فرمایا کہاں کا ارادہ ہے؟ عرض کیا بیت عتیق (یعنی بیت اللہ) کا۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تمہیں حج کے علاوہ کسی اور مقصد نے نہیں نکالا؟ یہ بات انہوں نے مجھے مکرر سہ کرر مرتبہ کہی میں نے ان کے سامنے قسم کھالی انہوں نے فرمایا جاؤ جا کر حج کرلو پھر از سر نو عمل کرنا۔“

لغات:

تشریح

کیا حج کرنے سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

اس بارے میں شارح کنز علامہ ابن نجیمؒ نے کافی تفصیل بیان کی ہے آخر میں خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ حج کرنے سے ہر قسم کے گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ سب ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ (۱)

شارح ترمذی علامہ یوسف سید محمد بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حج سے ہر قسم کے گناہ کے معاف ہونے کے لئے یہ حدیث بھی تائید کرتی ہے۔ (۲)

من حج للّٰہ فلم یفسق ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ اس حدیث سے بھی سب ہی گناہ کے معاف ہونے کا

اشارہ ہے کہ حاجی ایسا بن جاتا ہے کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہے بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

❶ ان الاسلام یہدم ما کان قبلہ وان الھجرۃ یہدم ما کان قبلھا وان الحج لہدم ما کان قبلہ۔[۳]

❷ ان رسول اللہ ﷺ قال ما رای الشیطان یوما ھو فیہ اصغر ولا ادحد ولا احقر ولا اغیظ منہ فی یوم عرفۃ وما ذلک الا لما رٰی من تنزل الرحمۃ وتجاوز اللہ عن الذنوب العظام الخ۔[۴]

شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ بھی اسی بات کے قائل معلوم ہوتے ہیں فرماتے ہیں: ظاھرہ غفر ان الصغائر والکبائر والتبعات۔[۵]

یہ بات حافظؒ نے من حج للہ فلم یرفث ولم یضیق رجع کیوم ولدتہ امہ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمائی ہے۔

---

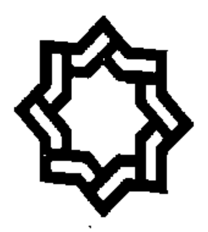
(۱) بحر الرائق ۲/۳۳۸۔

(۲) معارف السنن ۶/۴۴۵۔

(۳) صحیح مسلم ۱/۷۶ کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ماقبلہ وکذا الحج والھجرۃ۔

(۴) موطا امام مالک ۴۵۶ کتاب الحج۔

(۵) فتح الباری ۳/۳۰۲ باب فضل الحج المبرور۔



باب الطواف والقراءة في الكعبة

طواف اور کعبہ میں قراءت کا بیان

۳۳۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عن حماد عن ابراهيم: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رمل من الحجر الى الحجر. قال محمد: وبه ناخذ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

”حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حجر (اسود سے) حجر اسود تک رمل کیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔“

۳۳۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، الرَّمْلُ فِي الْاَشْوَاطِ الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ مِنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَحِيْنَ يَبْتَدِئُ الطَّوَافَ حَتّٰى يَنْتَهِيَ اِلَيْهِ ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ كَامِلَةٍ، وَيَمْشِي الْاَرْبَعَةَ الْاَوَاخِرَ مَشْيًا عَلٰى هَيْئَتِهٖ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

”حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ پہلے تین چکروں میں رمل حجر سے شروع ہوگا جس وقت طواف شروع ہوگا اور حجر اسود کے پہنچنے تک ہوگا ہم پورے تین چکر اسی طرح لگاتے جائیں گے آخری چار چکروں میں اپنی رفتار کے مطابق چلے گا یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔“

تشریح

رمل کی صاحب ہدایہ نے یہ تعریف کی ہے۔ الرمل ان یهزه فی مشیته الکتفین کالمبارز یتبختر بین الصفین

کہ رمل یہ ہے کہ اپنی رفتار میں دونوں کندھوں کو حرکت دے جیسے لڑنے والا دونوں صفوں کے درمیان میں اکڑتا ہوا چلتا ہے۔[1]

بعض نے دوسری تعریف یہ کی ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز چال چلے۔ (بغیر دوڑے اور کودے) آپ ﷺ نے طواف کے اول تین شوطوں میں رمل فرمایا تھا۔ اور چار شوطوں میں معمول کے مطابق چلے۔

رمل کا حکم کیا ہے

اس بارے میں دو مذہب ملتے ہیں۔

پہلا مذہب: عبداللہ بن عباسؓ ۔ طاؤس بن کیسانؒ ، عطاء بن ابی رباحؒ ، قاسم بن محمدؒ ، سعید بن جبیرؒ ، سالم بن عبداللہؒ ، حسن بصریؒ وغیرہ کے نزدیک زمانہ نبوت کے بعد سے طواف میں رمل کا حکم ختم ہو گیا کیونکہ اس کی جو علت ہے وہ اب ختم ہو چکی ہے۔

دوسرا مذہب: حضرت امام ابوحنیفہؒ ، ابویوسفؒ ، محمد بن حسنؒ ، امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ جمہور فقہاء کے نزدیک رمل سنت ہے اور قیامت تک یہ سنت باقی رہے گی ابتداء یہ علت کے ساتھ معمول تھا اور بعد میں یہ حکم مستقل رہا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عمرۃ الجعرانہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی طواف میں رمل کیا ہے۔
[2]

رمل حجر اسود سے حجر اسود تک ہوگا

رمل من الحجر الی الحجر۔

اس میں بھی دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حجر اسود سے حجر اسود تک پورے حصہ کا رمل ہے۔

دوسرا مذہب: سعید بن جبیرؒ ، عطاءؒ ، مجاہدؒ کے نزدیک رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان رمل نہ کرے بلکہ دوسری جانب سے کرے۔

جمہور فقہاء کی دلیل

❶ روایت جابر رضی اللہ عنہ قال رمل رسول اللہ ﷺ من الحجر الی الحجر ثلاثا و مشی اربعا۔[3]

❷ روایت حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ رمل ثلاثا من الحجر الی الحجر۔[4]

کس طواف میں رمل ہو گا

تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ رمل اس طواف میں ہو گا جس کے بعد سعی بین الصفا والمروہ کا ارادہ ہو۔
ایک روایت امام شافعیؒ کی یہ ہے کہ رمل طواف قدوم میں ہو گا خواہ اس کے بعد سعی بین الصفاء والمروہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔(۵)
اس بات پر بھی فقہاء کا اجماع ہے کہ یہ رمل کا یہ حکم صرف مردوں کیلئے ہے عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔(۶)

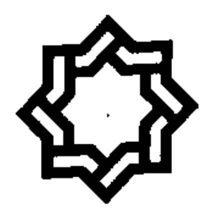
رمل کرنے کی وجہ

رمل کی مشروعیت کی ظاہری وجہ یہ ہوئی کہ جب آپ ﷺ ۷ھ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لے گئے تو مشرکین نے صحابہ کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ یثرب (مدینہ) کے بخار نے ان کو کمزور کر دیا اس پر آپ ﷺ نے صحابہ کو رمل کا حکم دیا۔ اگرچہ رمل کی ابتداء تو ایک وقتی اور عارضی سبب کی وجہ سے ہوئی تھی مگر صحابہ کے اخلاص کی وجہ سے اللہ نے رمل کو سُنّت مستمرہ بنا دیا۔(۷)

ویمشی فی الاربعۃ الاواخر مشیا علی ھینتہ۔ آخری چار چکروں میں اپنی رفتار کے مطابق چلے گا اس کے بارے میں طحاوی میں ہے ولم یمنعہ ان یامرھم بان یرسلوا الا شواط الاربعۃ الا ابقاء علیھم۔(۸)
آپ ﷺ نے بعد کے چار چکروں میں صحابہ پر شفقت کی وجہ سے رمل کا حکم نہیں دیا۔

---

(۱) ہدایہ۔
(۲) عمدۃ القاری ۲۴۹/۹، المغنی لابن قدامہ ۱۸۴/۳ اوجز المسالک ۴۹۱/۳۔
(۳) مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔
(۴) طحاوی، مسند احمد۔
(۵) شرح مسلم للنووی ۴۱۰/۱، نیل الاوطار ۲۵۹/۴۔
(۶) اوجز المسالک ۴۹۲/۳۔
(۷) یہ مضمون ابوداؤد ۲۵۹/۱ اور طحاوی ۳۹۲/۱ میں دیکھیں۔
(۸) طحاوی ۳۹۲/۲۔



۳۳۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ اَنَّهٗ سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مَعَ عِكْرَمَةَ، فَجَعَلَ حَمَّادٌ يَصْعَدُ الصَّفَا وَلَا يَصْعَدُهٗ عِكْرَمَةُ، وَيَصْعَدُ حَمَّادٌ الْمَرْوَةَ وَلَا يَصْعَدُهٗ عِكْرَمَةُ قَالَ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَا تَصْعَدُ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ؟ فَقَالَ هٰكَذَا طَوَافُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. قَالَ حَمَّادٌ فَلَقِيْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ، فَقَالَ اِنَّمَا طَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَهُوَ شَاكٍ، يَسْتَلِمُ الْاَرْكَانَ بِمِحْجَنٍ، فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ لَمْ يَصْعَدْ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ نَاْخُذُ، يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّصْعَدَ عَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَيَسْتَقْبِلُ الْكَعْبَةَ حَيْثُ يَرَاهَا، ثُمَّ يَدْعُوْ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت حمادؒ نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عکرمہؒ کے ساتھ صفاوالمروۃ کے درمیان سعی کی۔ حضرت حمادؒ صفا پر چڑھنے لگے حضرت عکرمہؒ زیادہ اوپر نہ چڑھے حضرت حمادؒ مروہ پر چڑھے، عکرمہؒ نہ چڑھے فرمایا میں نے عرض کیا اے عکرمہؒ! آپ صفا مروہ پر کیوں نہیں چڑھتے تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا طواف اسی طرح تھا۔ حضرت حمادؒ نے فرمایا پھر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ملا ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے بیماری کی وجہ سے اونٹنی پر طواف فرمایا تھا۔ ارکان حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام عصاء سے کر رہے تھے آپ نے صفاو مروہ کے درمیان سعی بھی اپنی سواری پر کی اس لئے آپ ﷺ نہیں چڑھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم حضرت سعید بن جبیرؒ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ انسان کو صفاو مروہ پر چڑھنا چاہئے۔ قبلہ رخ ہو اتنا کہ چڑھنے والے کو بیت اللہ نظر آجائے پھر دعا کریں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات:

تشریح

اِنَّمَا طَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ آپ ﷺ نے سواری پر طواف فرمایا تھا۔

سوال: فقہاء تو یہ فرماتے ہیں کہ طواف پیدل کرنا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ کے نزدیک سواری پر طواف کرنا

مکروہ تحریمی ہے۔اس کی متعدد وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ: مثلاً حضرت جابرؓ کی روایت میں اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ طاف رسول اللہ ﷺ بالبیت فی حجة الوداع علی راحلته یستلم الرکن بمحجن لان یراه الناس ولیشرف ویسالوه فان الناس غشوه۔(۱)

اس روایت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے سواری پر طواف کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ مناسک حج سیکھ لیں کیونکہ حج کرنے والوں کی مقدار کافی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس انداز سے حج فرمایا کہ سب لوگ سارے ارکان کو سیکھ لیں۔

دوسری وجہ: روایت ابن عباسؓ میں ہے کہ آپ کا سواری پر طواف کرنا بوجہ بیماری کے تھا۔ ان رسول اللہ ﷺ قدم مکة هو یشتکی فطاف علی راحلته۔(۲)

امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی ہے کیونکہ ابن عباسؓ کی اس روایت کو وہ باب المریض یطوف راکبا میں لائے ہیں۔(۳)

تیسری وجہ: فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ طواف سواری پر منع ہے کیونکہ اس کی وجہ سے مسجد میں نجاست ہوسکتی ہے مگر آپ ﷺ کی اونٹنی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ مسجد میں پیشاب وغیرہ نہیں کرتی تھی۔(۴)

يَنۡبَغِيۡ لِلرَّجُلِ اَنۡ يَّصۡعَدَ عَلَى الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةِ، فَيَسۡتَقۡبِلُ الۡكَعۡبَةَ حَيۡثُ يَرَاهَا، ثُمَّ يَدۡعُوۡ، انسان کو صفا اور مروہ پر چڑھنا چاہئے اور بیت اللہ کی طرف رخ کرے جب بیت اللہ نظر آئے تو دعا مانگے۔

صفا کو صفا اور مروہ کو مروہ کہنے کی وجہ

صفا اور مروہ یہ دو پہاڑیاں ہیں۔ بیت اللہ کے قریب میں۔ صفا حضرت آدم صفی اللہ کی نشست گاہ تھی اس لئے ان کے نام کے اعتبار سے اس کو صفا کہتے ہیں اور مروہ یہ حضرت حوا کی نشست گاہ تھی اس لئے اس کا نام مونث کے ساتھ رکھا گیا بعض یہ کہتے ہیں کہ صفا اور مروہ ایک مرد اور عورت کے نام تھے زمانہ جہالت میں ان دونوں نے بیت اللہ میں زنا کیا عبرت کے طور پر اللہ نے ان کو پتھر بنا دیا۔ لوگوں نے عبرت کے لئے ان کو دونوں پہاڑیوں پر رکھ دیا اس وجہ سے اس کے نام میں صفا اور مروہ ہوگیا پہلے یہ دو پہاڑیاں تھیں۔ جبل ابوقبیس کے دامن میں اب وہ پہاڑیاں تو ختم ہوگئیں مگر وہ جگہ اب بھی متعین ہے۔ اب یہاں پر چند سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں صفا اور مروہ کے درمیان کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ فرلانگ ہے۔

جب آدمی طواف کرتا ہے تو پھر آدمی کو چاہئے کہ صفا اور مروہ پہاڑی پر چڑھے اسی کو صاحب ہدایہ نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ثم یخرج الی الصفا فیصعد علیه ویستقبل البیت ویکبر ویهلل ویصلی علی النبی ﷺ

ویرفع یدیه ویدعوا اللّٰہ لحاجته لماروی ان النبی ﷺ صعد الصفا حتی اذا نظر الی البیت قام مستقبل القبلة یدعو اللّٰہ الخ۔[5]

پھر جائے صفا کی طرف اس طرح کہ اس پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہے اور آپ ﷺ پر درود بھیجے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اپنی ضرورت کے لئے اللہ سے دعا کرے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے یہاں تک کہ جب بیت اللہ کو دیکھا تو قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کی جس طرح صفا پر حاجی عمل کرتا ہے تو اسی طرح مروہ میں بھی کرنا چاہئے۔ پھر اسی طرح سات بار کرے یعنی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے صفا سے مروہ تک ایک شوط ہوگا اور مروہ سے صفا تک دوسرا شوط ہوگا۔ اس اعتبار سے ساتواں شوط مروہ پر ختم ہوگا۔ بخلاف طواف کے کہ حجر اسود تک پورا چکر لگانے پر ایک شوط ہوتا ہے۔

---

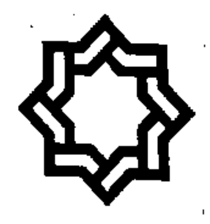
(۱) مسلم ۱/۴۱۳، ابوداؤد ۱/۲۵۹۔

(۲) ابوداؤد ۱/۲۵۹۔

(۳) بخاری ۱/۲۲۱۔

(۴) فتح الباری ۳/۴۹۰، بذل المجہور ۳/۱۴۱، تعلیق الصبیح ۳/۲۱۱۔

(۵) باب احرام۔



۳۳۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ اَنَّهٗ قَرَأَ فِي الْكَعْبَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى بِالْقُرْآنِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَسْنَا نَرٰى بِهٰذَا بَاْسًا اِذَا فَهِمَ مَايَقُوْلُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کعبہ میں پہلی رکعت میں قرآن مجید کی تلاوت کی اور دوسری رکعت میں قل ھواللہ احد پڑھی امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جو پڑھ رہا ہے اگر وہ سمجھ میں آرہا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں"

لغات:

تشریح

انه قرآنی الکعۃ۔ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ یہی بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جب کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وہاں نماز نہیں پڑھی۔

جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے والے حضرت بلالؓ، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن قالمہ تھے جب کہ مخالفت کرنے والے ابن عباس اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔

اسی وجہ سے جمہور کے نزدیک نماز پڑھنا جائز ہوگا جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک ناجائز ہے اور یہ مذہب بعض صاحب مالک کا ہے۔[1]

جمہور کے نزدیک کعبہ میں فرائض و نوافل پر نماز جائز ہے جب کہ امام مالک نفوافل کو جائز اور فرائض کو مکروہ کہتے ہیں۔[2]

حدیث بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے اور اس میں آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں قرآن کی کتنی جگہ سے تلاوت کی اور دوسری رکعت میں آپ ﷺ نے قل اللہ احد پڑھی ہے۔

(۱) فتح الباری ۳/۴۷۴۔

(۲) فتح الباری ۳/۴۷۴۔

باب متی یقطع التلبیة؟ والشرط فی الحج

تلبیہ کب ختم کیا جائے اور حج میں شرط لگانے کا بیان

۳۳۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَقْطَعُ الْمُحْرِمُ التَّلْبِيَةَ بِالْعُمْرَةِ اِذَا اسْتَلَمَ الْحَجَرَ، وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِالْحَجِّ فِيْ اَوَّلِ حَصَاةٍ يَرْمِيْ بِهَا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا عمرہ کا احرام باندھنے والا حجر اسود کے استلام کرنے پر تلبیہ پڑھنا موقوف کردے گا اور حاجی جب جمرۂ عقبہ کو پہلی کنکری مارے گا تو اس وقت تلبیہ موقوف کردے گا امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات:

تشریح

یقطع المحرم التلبیة بالعمرة اذا استلم الحجر منقطع کردے گا عمرہ کرنے والا تلبیہ جب حجر اسود کا استلام کرے گا۔

عمرہ کرنے والا کب تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا

اس بارے میں مشہور دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤسؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک احرام عمرہ کا جہاں سے بھی باندھا ہو خواہ میقات سے یا مقام تنعیم سے یا مقام جعرانہ سے ہر حال میں طواف شروع کرتے وقت جب حجر اسود کا استلام کرے گا اس وقت تلبیہ کہنا ختم کردے گا امام شافعیؒ کا بھی تقریباً یہی مذہب ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا جب طواف شروع کرے گا تب وہ تلبیہ کہنا ختم کرے گا۔[1]

دوسرا مذہب: حضرت حسن بصریؒ، عروہ بن زبیرؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک اگر عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو حدود حرم میں داخل ہوتے وقت تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا۔ اور اگر مقام جعرانہ یا مقام تنعیم سے احرام باندھا ہے تو مکۃ المکرمۃ (زادھا اللہ شرفًا) کی آبادی میں داخل ہوتے وقت تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا۔

سوال: اس زمانے میں مکہ کی آبادی مقام تنعیم سے کافی دور تھی۔ اس لئے المغنی لابن قدامہ میں لیث بن سعد مالکیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کعبۃ اللہ کو دیکھے اسی وقت سے تلبیہ کہنا ختم کر دے۔ ابن حزمؒ کے نزدیک عمرہ کے ختم تک تلبیہ پڑھتا رہے گا۔ [۲]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت عبدالمالک رضی اللہ عنہ۔ قال سئل عطاءؒ متی یقطع المعتمر التلبیۃ فقال قال ابن عمر رضی اللہ عنہ اذا دخل الحرم۔ [۳]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابن عباسؓ ۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یلبی المعتمر حتی یستلم الحجر۔ [۴]

دوسرے مذہب والوں کا جواب

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اولا دروایت ہی موقوف ہے اور دوسری روایت ابن عباسؓ والی مرفوع ہے دوسری بات یہ ہے کہ عطاءؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی ابن عباسؓ والی روایت کو ترجیح دی ہے حیث قال عطاء قال ابن عمر رضی اللہ عنہ اذا دخل الحرم وقال ابن عباسؓ حتی یمسح الحجر قلت یا ابا محمد (عطاء) ایھا احب الیک قال قول ابن عباسؓ۔ [۵]

حج کرنے والا کب تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا

اس بارے میں چار مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالکؒ، سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ کا ہے کہ جب عرفات کے لئے منیٰ سے روانہ ہوئے تو اس وقت سے تلبیہ پڑھنا ختم کر دے۔

دوسرا مذہب: امام اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ، ابن شہاب زہریؒ، سائب بن یزیدؒ، سلیمان بن یسارؒ وغیرہ کے نزدیک

عرفات میں زوال کے بعد تلبیہ پڑھنا ختم کردے گا۔

تیسرا مذہب: حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن مسیبؒ، اسحٰق بن ابراہیمؒ، ابوثورؒ، ابوعبیدؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ وغیرہ کے نزدیک حج کرنے والا جب جمرۂ عقبہ کی پہلی رمی کرے اس وقت تلبیہ پڑھنا بند کر دے۔(۶) اس پر تو امام طحاویؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔(۷)

چوتھا مذہب: امام احمدؒ، امام اسحاقؒ وغیرہ کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی مکمل ہونے تک تلبیہ باقی رہے گا۔(۸)

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت اسامة بن زیدﷺ قال کنت ردیف النبیﷺ عشیة عرفة فکان لا یزید علی التکبیر و التهلیل۔(۹)

یعنی تکبیر و تہلیل سے زائد نہیں فرمایا۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت عن ابی وائلﷺ عن عبداللهﷺ رمقت النبیﷺ فلم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبة باول حصاة۔(۱۰)

چوتھے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابن عباسؓ عن الفصل بن عباسؓ قال اردفنی رسول اللهﷺ مع جمله الی منی فلم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبة۔(۱۱) اس حدیث میں حتی رمی جمرة العقبة فرمایا ہے بدء الرمی۔ وغیرہ نہیں فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کے ختم تک تلبیہ رہے گا۔

پہلے مذہب والوں کا جواب

عرفہ کے دن تلبیہ چھوڑ دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دن دعا و اذکار وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ اس کی مشغولیت کی وجہ سے تلبیہ نہیں پڑھا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تلبیہ پڑھنا ہی ختم ہوگیا۔ تلبیہ پڑھنے کے باوجود دوسرے اذکار کرنے کی اجازت شریعت میں موجود ہے۔(۱۲)

(۱) عمدۃ القاری ۱۰/۲۱، المغنی ۳/۲۰۱، معارف السنن ۶/۲۹۵۔

(۲) المغنی ابن قدامہ ۳/۲۰۱۔

(۳) بیہقی۔

(۴) ترمذی۔

(۵) ترمذی ۱/۱۱۹، بذل المجہود ۳/۱۱۵، تعلیق الصبیح ۳/۲۳۰۔

(۶) بیہقی۔

(۶) یہ تینوں مذاہب، عمدۃ القاری ۱۰/۲۱ تا ۲۳، المغنی لابن قدامہ ۳/۲۲۰، اوجز المسالک ۳/۳۶۰، معارف السنن ۶/۲۹۴، بذل المجہود ۴/۱۱۴، اعلاء السنن ۱۰/۱۱۴، ۱۱۵، فتح الباری ۳/۴۳۰ پر ہیں۔

(۷) طحاوی ۱/۳۵۵، باب التلبیۃ متی یقطعھا الحاج۔

(۸) عمدۃ القاری ۹/۱۶۵، باب الرکوب والارتداف فی الحج۔

(۹) طحاوی ۱/۳۵۴ باب التبلیۃ متی یقطعھا۔

(۱۰) بیہقی عمدۃ القاری ۹/۱۶۵ باب رکوب۔

(۱۱) ترمذی، بخاری ۹/۱۶۵ باب الرکوب والارتداف فی الحج، مسلم ۱/۴۱۵ باب استحباب ادامۃ الحاج التلبیۃ حتی یشرع فی رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر۔

(۱۲) طحاوی ۱/۳۵۵ باب التلبیۃ متی یقطعھا الحاج۔



۳۳۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِطُ فِي الْحَجِّ قَالَ لَيْسَ شَرْطُهٗ بِشَيْءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو حج میں کوئی شرط لگائے فرمایا اس کا شرط لگانا کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

تشریح

حج میں شرط لگانا کیسا ہے؟

یشترط فی الحج قال لیس شرطه بشیء حج میں کوئی شرط لگائے فرمایا اس کا شرط لگانا کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔
حج میں شرط لگانا مثلاً یوں کہے کہ اگر کوئی عذر آئے تو میں حلال ہو جاؤں گا اور اس طرح تلبیہ پڑھے کہ لبیک اللّٰھم لبیک محلی من الارض تحبسنی [۱] کہ جس مقام پر مجھے کوئی مرض یا عذر پیش آجائے گا تو مجھے احرام سے نکلنے کا اختیار ہوگا۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں

پہلا مذہب: حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، وعمارؓ، ابن عباسؓ، علقمہؒ، شریحؒ، سعید ابن المسیبؒ، عروہؒ، عطاءؒ، فقہاء میں سے امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ وغیرہ کے نزدیک اس قسم کی شرط لگانا جائز ہے۔[۲]

دوسرا مذہب: حضرت ابن عمرؓ، عائشہؓ، طاؤسؒ، ابراہیم النخعیؒ، سعید بن جبیرؒ فقہاء میں سے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ زہریؒ اور امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ اس شرط کا اعتبار نہیں ہے۔[۳]

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مذہب میں تھوڑا سا فرق ہے۔ کہ امام مالکؒ کے نزدیک نہ تو اشتراط معتبر ہے اور نہ احصار بالمرض کا اعتبار ہے۔ ان کے نزدیک حلال ہونے کے لئے صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ آدمی طواف بیت اللہ کرلے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس طرح تو معتبر نہیں مگر احصار بالمرض کا اعتبار ہے کہ اگر کوئی راستہ میں بیمار

ہو جائے تو ہدی بھیج کروہ خود حلال ہو سکتا ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت ضباعة بنت الزبیر رضی اللّٰہ عنھا انہ کان ینکر الا شتراط فی الحج ویقول الیس حسبکم سنة نبیکم ﷺ۔ (۴)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت ابن عمرؓ ہے کان ابن عمر یقول الیس حسبکم سنة رسول اللّٰہ ﷺ ان حبس احدکم عن الحج فطاف بالبیت وبالصفا والمروة ثم حل من کل شیءحتی یحج عاما قابلا فیھدی اویصوم ان لم یجدھدیا۔ (۵)

پہلے مذہب والوں کا جواب

علامہ بدرالدین عینیؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں وحملوا الحدیث علی انہ قضیة عین وان ذلک مخصوص بضباعة..... قلت حکمی الخطابی ثم الرؤیانی من الشافعیة الخصوص بضباعة۔ (۶) کہ ان صحابی کی خصوصیت تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسری روایات میں ہے کہ حضرت ضبا بیمار تھے (۷) ان کو یہ وہم ہو رہا تھا کہ بیماری کی حالت میں میرے لئے حلال ہونا کیسے جائز ہوگا تو آپ ﷺ نے ان کی تشفی کے خاطر یہ فرمایا تھا۔ اس سے یہ قانون نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ شرط لگانا جائز ہے احناف کے نزدیک اطمینان قلب کے نزدیک اس طرح شرط لگانا جائز ہے۔ (۸)

(۱) عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۴۷۔

(۲) عمدۃ القاری۔

(۳) المغنی ۳/ ۲۸۳، عمدۃ القاری ۲۰/ ۸۵، معارف السنن ۶/ ۵۸۵۔

(۴) ترمذی وبخاری (فی کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین) ۲/ ۷۶۲۔

(۵) بخاری ۱/ ۲۴۳، سنن دارقطنی ۲/ ۲۳۴ مع اختلاف یسیر۔

(۶) عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۴۷، باب الاحصار فی الحج۔

(۷) بخاری ۲/ ۷۶۲ اس میں یہ الفاظ ہیں واللّٰہ لا اجدنی الا وجعة ومسلم ۱/ ۳۸۵ اس کو صاحب مسلم نے اس باب کے تحت ذکر کیا ہے باب جواز اشتراط المحرم التحلل بعذر المرض ونحوہ۔

(۸) مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وعلی ھذہ الروایة الاشتراط نافع عند ابی حنیفة ولم یکن لغوا مع مافیه من تطییب خاطرھا معارف السنن ۶/ ۵۸۶۔

باب العمرۃ فی اشہر الحج وغیرہا

اشہر حج وغیرہ میں عمرہ کرنا

۳۳۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ اِذَا اَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ فِيْ غَيْرِ اَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ اَقَامَ حَتّٰى يَحُجَّ، اَوْرَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ ثُمَّ حَجَّ فَلَيْسَ بِمُتَمَتِّعٍ، وَاِذَا اَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ ثُمَّ حَجَّ فَلَيْسَ بِمُتَمَتِّعٍ، وَاِذَا اعْتَمَرَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ اَقَامَ حَتّٰى يَحُجَّ فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو غیر اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے پھر حج تک ٹھہرا رہے یا اپنے گھر لوٹ جائے پھر حج کرے تو وہ متمتع نہیں کہلائے گا اور جب اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے پھر اپنے گھر لوٹ جائے اور حج کرے تو وہ متمتع کہلائے گا امام محمدؒ نے فرمایا ہم ان سب کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے۔"

لغات:

تشریح

حج کے ایام کون کون سے ہیں؟

غیر اشھر الحج۔ حج کے مہینہ کے علاوہ عمرہ کرے۔ حج کے ایام کون کون سے ہیں اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرؓ تابعین میں سے سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، مقاتل بن حیانؒ ائمہ میں سے احناف، امام احمدؒ، ابوثورؒ، امام شافعیؒ کا جدید قول یہ ہے کہ حج کے ایام شوال اور ذیقعدہ کا پورا مہینہ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن ہیں۔

دوسرا قول: ایک قول عبداللہ بن عمرؓ، قدیم قول امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ایام الحج کے پورے تین مہینے ہیں شوال ذیقعدہ اور پورا ذی الحجہ کا مہینہ۔[1]

تمتع کی تعریف

اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ تمتع کس کو کہتے ہیں لغت میں تمتع کہتے ہیں نفع اٹھانا یا نفع پہنچانا[2] اور شرعاً تمتع کے معنی ہیں کہ غیر مکی یعنی آفاقی ایک سال کے حج کے مہینوں میں ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کو (یعنی حج اور عمرہ) کو جمع کرنے کا فائدہ اٹھائے اور عمرہ کا احرام کھول کر اپنے اہل وعیال یعنی اپنے وطن واپس نہ جائے اس تعریف سے متمتع وہ ہوا کہ جو حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج ادا کرے عمرہ کے طواف کے سات چکر نہ سہی تو کم از کم اکثر حصہ یعنی چار یا چار سے زیادہ چکر حج کے مہینے میں ہو۔[3]

اور اس اثر بالا میں جب اس نے عمرہ غیر اشہر الحج میں ادا کیا تو اب متمتع کی تعریف ہی نہیں پائی گئی اس لئے اس شخص کو متمتع نہیں کہا جائے گا۔

---

(۱) بنایہ۔ فتح القدیر۔
(۲) بحر الرائق۔ شامی۔
(۳) بدائع الصنائع۔ فتاویٰ شامی۔



۳۳۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ اِعْتَمَرَ فِیْ اَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهٖ ذٰلِكَ قَالَ لَیْسَ عَلَیْهِ هَدْیٌ بِمُتْعَتِهٖ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی، وَذٰلِكَ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی "ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے مکہ والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ اشہر حج میں عمرہ کرلے پھر اسی سال حج کرے تو اس پر تمتع کی وجہ سے ہدی لازم نہیں آئے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے "ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔"

تشریح

مکہ والا تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟

مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ اِعْتَمَرَ الخ۔ مکہ والا حج کے دنوں میں عمرہ اور حج کرے تب بھی وہ متمتع نہیں بنے گا۔ اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔[1] اور فقہاء میں سے احناف اس بات کے قائل ہیں۔ کہ مکہ والا تمتع اور قران نہ کرے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کا ہے کہ ان کے نزدیک تمتع اہل مکہ کے لئے بھی جائز ہے۔

استدلال

پہلے مذہب والوں کا استدلال قرآن کی یہ آیت ہے ذلک لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام کہ ان کے گھر والے باہر رہتے ہوں۔ یعنی مکہ نہ ہو۔ پہلے مذہب والوں کی عقلی دلیل یہ ہے کہ تمتع کہتے ہیں ایک سفر میں دو

عبادتوں سے نفع اٹھانا یہ نفع کی صورت مواقیت سے باہر رہنے والوں کے حق میں ہو سکتی ہے کیونکہ مکہ کے آدمی کو سفر میں کیا مشقت ہوگی مشقت تو آفاقی آدمی کو ہو سکتی ہے اس عقلی دلیل کی طرف صاحب ہدایہ" نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے لان شرعھما للترفہ باسقاط احدی السفرتین وھذا حق الافاقی۔ (۲)

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

ان فقہاء کا بھی استدلال قرآن ہی سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج اس میں لفظ من مکی غیر مکی سب کو ہی شامل ہے۔

دوسرے مذہب والوں کا جواب

فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج اس میں "من" سے غیر اہل مکہ مراد ہیں کیونکہ اگر اس آیت میں عموم ہوتا، مکی اور غیر مکی مراد ہوتے تو یہ آیت ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام یہ یوں ہوتی ذلک علی من لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام کیونکہ "علی" وجوب کے لئے آتا ہے نہ کہ "لام" پس اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ تمتع اسی شخص کے لئے ہے جو حرم مکہ یا اس کے قریب نہ رہتا ہو۔ اور یہی مفہوم اور اشارہ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج والی آیت کا ہے۔

"ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس آیت سے امام محمد" نے استدلال کیا ہے کہ تمتع خارج مکہ کے لئے ہوگا۔ مگر علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مکی نے تمتع کر لیا تو یہ جائز ہو جائے گا یہاں پر نفی حلت کی ہے صحت کی نہیں ہے۔ (۳)

حاضری المسجد الحرام سے کیا مراد ہے

حضرت طاؤس"، مجاہد"، وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد اہل حرم ہیں۔
حضرت نافع"، عبدالرحمٰن بن ہرمز"، امام مالک" کے نزدیک اہل مکہ۔
امام ابوحنیفہ"، عطاء"، مکحول" کے نزدیک مواقیت سے مکہ تک رہنے والے مراد ہیں۔
امام شافعی" اور امام احمد" جو حرم سے غیر قصری مسافت پر ہو۔

---

(۱) بخاری کی روایت میں ہے فان اللہ انزلہ فی کتابہ وسنۃ نبیہ ﷺ واباحہ للناس غیر اھل مکہ۔
(۲) ہدایہ باب المتمتع۔ (۳) تنویر الابصار۔

۳۴۰

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ يَقْدُمُ مُتَمَتِّعًا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلَا يَطُوْفُ حَتّٰى يَدْخُلَ شَوَّالَ قَالَ هُوَ مُتَمَتِّعٌ لِاَنَّهٗ طَافَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، عُمْرَتُهٗ فِي الشَّهْرِ الَّذِيْ يَطُوْفُ فِيْهِ، وَلَيْسَ فِي الشَّهْرِ الَّذِيْ يُحْرِمُ فِيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جو رمضان کے مہینے میں متمتع بن کر آئے۔ اور وہ طواف نہ کرے یہاں تک کہ شوال کا مہینہ داخل ہو جائے فرمایا وہ متمتع ہے۔ اس لئے کہ اس نے طواف اشہر حج میں کیا ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں اس کا عمرہ اس مہینے میں شمار کیا جائے گا جس میں وہ طواف کرے اس مہینے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس میں وہ احرام باندھے یہی امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے۔"

لغات:

تشریح

فلا یطوف حتی یدخل شوال کہ وہ طواف نہیں کرتا یہاں تک کہ شوال کا مہینہ داخل ہو جائے،

اس مسئلہ میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں:

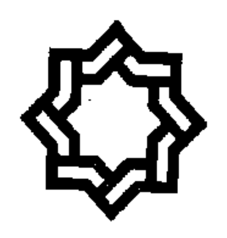
پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ جس نے عمرہ کا احرام اشہر الحج سے پہلے باندھا مگر طواف اس نے شوال میں چار یا اس سے زاید یعنی اکثر طواف کا حصہ شوال کے مہینہ میں کرے پھر حج کا احرام باندھ لیا تو وہ شخص متمتع ہو جائے گا۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی نے عمرہ کے احرام سے حلال اشہر حج میں ہو اگرچہ عمرے کا تمام طواف اس نے اشہر الحج سے پہلے ہی کر لیا ہو۔ پھر بھی وہ متمتع ہو جائے گا۔

تیسرا مذہب: امام شافعیؒ کا جدید قول یہ ہے کہ جس آدمی نے احرام عمرہ اشہر الحج میں باندھ لیا اگرچہ طواف اشہر الحج میں کرے تب بھی وہ متمتع نہیں ہوگا۔

پہلے قول والوں کی دلیل یہ ہے کہ ایام حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھنے میں کوئی حرج نہیں یہ تو ایسا ہے جیسے کہ نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا۔ اس کو تو کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا۔ مگر عمرہ کو ادا کرنا ایام حج میں اس لئے ضروری ہے کہ متمتع ہونے کے لئے حج کے ایام میں عمرہ کے ساتھ حج کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کل یا اکثر حصہ عمرہ کے طواف کا ایام حج میں ہونا چاہئے ضروری ہے یہی بات صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے لان الاحرام عندنا شرط فیصح تقدیمہ علی اشھر الحج انما یعتبر اداء الافعال فیھا وقد وجد الاکثر وللاکثر حکم الکل۔[1]

(۱) ہدایہ باب التمتع۔



۳٤١

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الرَّجُلِ يَفُوْتُهُ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ قَالَ عَلَيْهِ الْهَدْيُ، لَابُدَّ مِنْهُ وَلَوْ اَنْ يَبِيْعَ ثَوْبَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو ایام حج میں تین روزے نہ رکھ سکے فرمایا اس پر ہدی لازم ہوگی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں خواہ اس کے لئے اسے اپنے کپڑے کیوں نہ بیچنے پڑیں امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے۔"

تشریح

قال علیہ الھدی لا بدمنہ الخ اس پر قربانی واجب ہوگی اگر حاجی قربانی نہ کر سکے تو اس کو ایام حج میں تین روزے رکھنا چاہئے اور ان روزوں میں افضل یہی ہے کہ وہ ۷، ۸، ۹ ذوالحج کو رکھے جائیں اور یہ تب ہے آخری وقت تک ہدی پر قدرت نہ ہو۔ اگر وہ ۹ ذوالحج تک روزے نہ رکھ سکا تو اب اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو ۹ تاریخ تک رکھنا تھا مگر یہ نہیں رکھ سکا تو اب وہ حج کے ایام کے بعد اس کی قضاء کرے۔

دوسرا قول: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن عمرؓ اوزاعیؒ، زہریؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کا یہ ہے کہ ان روزوں کو وہ ایام تشریق میں ہی رکھ لے۔

تیسرا قول: حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، سعید بن جبیرؒ، حسن بونیؒ، عطاءؒ وغیرہ کا یہ ہے کہ اب اس شخص پر دم متعین ہے۔

پہلے مذہب والوں (یعنی امام شافعیؒ) کی دلیل

ان کی دلیل قیاسی ہے وہ اس کو رمضان کے روزے پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح اس میں قضاء ہوتی ہے۔ اس طرح اس میں بھی قضاء کرنا چاہئے ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ اس لئے اب وہ ان ایام کے بعد ان روزوں کی قضاء کرلے۔

دوسرے مذہب والوں (یعنی امام مالکؒ) کے دلائل

وہ استدلال کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن عمرؓ وغیرہ کے آثار سے جو بخاری میں نقل کئے گئے ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایام تشریق میں روزہ کی اجازت صرف ان لوگوں کو ہے جس نے ہدی نہ پائی ہو۔[1]
روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہ متمتع عرفہ کے دن تک روزہ نہ رکھ سکے اور وہ ہدی نہ پائے تو اب وہ ایام تشریق میں روزہ رکھ لے۔[2]

تیسری بات یہ کہ مذاہب والے یہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے فصیام ثلثة ایام فی الحج کہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور ایام تشریق بھی حج کے دنوں میں ہے کیونکہ اس میں بھی حج کے افعال میں سے رمی جمار ہوتی ہے۔

تیسرے قول والوں (یعنی احناف) کی دلیل

حدیث شریف میں آتا ہے الا لا تصوموا فی ھذہ الایام اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ایام تشریق میں روزہ نہیں رکھیں گے اور اب ان روزوں میں نقص ہو جائے گا کیونکہ شریعت میں ہے کہ اس کو عرفہ کے دن سے پہلے پہلے رکھیں مگر جب اس طرح نہیں رکھ سکا تو اب بعد میں رکھنے سے ان میں نقصان آجائے گا یہ واجب ہوئے تھے تام اور اب ادا ناقص کرے گا تو نقص ہوگا اس لئے اب وہ اصل فرضیت جو قربانی تھی اسی کی طرف عود ہو جائے گا اور یہی مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بکری کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔[3]

پہلے مذہب یعنی امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب

اس کو رمضان کے روزے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں روزے ہدی کے بدلے میں واجب ہوئے تھے اور ہدی خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ روزے اور اراقۃ الدم میں کوئی مشابہت نہیں ہے تو شریعت نے یہ بدل مقرر کیا تھا ایام حج تک تو اس بدل کو ہم اسی وقت کے ساتھ منحصر رکھتے تھے بعد کے لئے اس کو ہم قیاس نہیں کریں گے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کوئی خلاف قیاس شریعت کا حکم ہوتا ہے اس کو اسی کیفیت کے ساتھ باقی رکھا جاتا ہے اس پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کر سکتے۔

دوسرے مذہب یعنی امام مالکؒ کے استدلال کا جواب

انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آثار پیش کئے جب کہ ہماری روایت مشہور اور

مرفوع ہے یعنی الالا تصوموا فی ھذہ الایام اس لئے احناف نے آثار کے مقابلے میں مشہور اور مرفوع روایت کو مقدم کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جب حاجی یوم عرفہ تک روزہ نہ رکھ سکے تو اب اس کو ہر حال میں قربانی کرنی ہوگی اس بات کو حضرت ابراہیم نخعیؒ نے مبالغۃً یوں فرمایا کہ اب اگر اس کو اپنے پہنے ہوئے کپڑے بھی فروخت کر کے قربانی کرنی پڑے تو قربانی ہی کرنی پڑے گی کیونکہ اب قربانی اس پر متعین ہو چکی ہے۔

---

(۱) بخاری۔

(۲) بخاری۔

(۳) ہدایہ۔



۳۴۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَجُوْزٍ مِنَ الْعَتِيْكِ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ لَا بَاْسَ بِالْعُمْرَةِ فِيْ اَيِّ السَّنَةِ شِئْتَ مَا خَلَا خَمْسَةَ اَيَّامٍ يَوْمَ عَرَفَةَ، وَيَوْمَ النَّحْرِ، وَاَيَّامَ التَّشْرِيْقِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، اِلَّا اَنَّا نَقُوْلُ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ، فَاَمَّا غَدَاةَ عَرَفَةَ فَلَا بَاْسَ بِالْعُمْرَةِ فِيْهَا.﴾

"ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا پانچ دن یعنی ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے علاوہ سال کے جن دنوں میں چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں البتہ ہم نویں ذی الحجہ کی رات کو عمرہ سے منع کرتے ہیں نویں ذی الحجہ کی صبح کو وہ عمرہ کر سکتا ہے۔"

تشریح

لاباس بالعمرۃ فی ای السنۃ اس اثر میں عمرے کے مسائل کو بیان کیا جارہا ہے۔

عمرہ کے لغوی شرعی معنی

بعض کہتے ہیں ① یہ اعتماد سے ماخوذ ہے بمعنی زیارت کرنا جیسے کہا جاتا ہے جاء فلان معتمرا فلاں شخص زیارت کرنے کے لئے آیا ہے ① بعض اس کو عمارۃ المسجد الحرام سے مشتق جانتے ہیں یعنی آباد کرنا مسجد حرام کو گویا عمرہ کرنے والا بھی اس جگہ کی زیارت کر کے اس کو آباد کر دیتا ہے۔ (۱)

③ بعض کہتے ہیں کہ ان اصلھا القصد الی مکان عامر یعنی عمرہ آباد مکان کے ارادے اور قصد کرنے کو کہتے ہیں۔
(۲) اصطلاح شرع میں عمرہ کرتے ہیں زیارۃ البیت الحرام بشروط مخصوصۃ (۳) کہ عمرہ بیت اللہ کی زیارت مخصوص شرطوں کے ساتھ کرنے کو کہتے ہیں۔

عمرے کا حکم کیا ہے

اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، علی ابن عباسؓ، عطاءؒ، اوزاعیؒ، طاؤسؒ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، سعید بن جبیرؒ، مسروقؒ، اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ کا قول جدید اور امام احمدؒ ان سب کے نزدیک عمرہ بھی حج کی طرح فرض

ہے۔

دوسرا قول: عبداللہ بن مسعودؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے۔[4]

تیسرا قول: اس بارے میں احناف کے کئی مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً محمد بن الفضل حنفیؒ مشائخ بخارا میں سے تھے فرماتے تھے کہ فرض کفایہ ہے۔[5]

ملا علی قاریؒ اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عمرہ مذہب مختار میں سنت موکدہ ہے۔[6] علامہ کاسانی، صاحب فتاویٰ قاضی خان کے بقول اور جوہرہ وغیرہ میں ہے کہ واجب ہے۔[7]

عمرہ کن دنوں میں جائز نہیں

ماخلا خمسة ایام یوم عرفة، ویوم النحر وایام التشریق کہ ان پانچ دنوں یعنی ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے علاوہ عمرہ جن دنوں میں چاہے کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں بھی علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: امام شافعیؒ کے نزدیک سال میں کسی بھی وقت میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

دوسرا قول: امام مالکؒ، ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، وغیرہ کے نزدیک سال میں ایک سے زائد عمرہ کرنا مکروہ ہے اور اشہر حج میں بھی حج کی تعظیم کی وجہ سے بھی مکروہ ہے۔

تیسرا قول: حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک ان پانچ دنوں میں عمرہ مکروہ ہے یعنی یوم عرفہ یوم النحر اور ایام تشریق میں امام ابویوسفؒ کے نزدیک یوم نحر یعنی دسویں تاریخ کو مکروہ نہیں ہے باقی چار دنوں میں یعنی نویں تا گیارہ، بارہ اور تیرہ مکروہ ہے۔[8]

---

(۱) فتح الباری۔ (۲) المغرب۔
(۳) معارف السنن ۳/۵۵۷ افعال مخصوصہ سے احرام، طواف، سعی بین الصفا والمروۃ اور حلق وغیرہ مراد ہے۔
(۴) اوجز المسالک ۳/۳۹۰۔ (۵) اوجز المسالک ۳/۳۹۰۔ (۶) لباب المناسک، شامی ۲/۱۵۱، ہدایہ کنز الدقائق، بحر الرائق۔
(۷) علامہ کاسانیؒ بدائع میں فرماتے ہیں۔ قال اصحابنا انها واجبة کصدقة الفطر و الاضحية و الوتر ومنهم من اطلق اسم السنة وهذا لاينافی الوجوب کذا بدائع الصنائع ۲/۲۲۶ اس مسئلہ کے بارے میں اوجز المسالک ۳۸۹، ۳۹۰ کا مطالعہ مفید ہوگا۔
(۸) شامی ۲/۱۵۱، عمدۃ القاری ۱۰/۱۰۸، المغنی لابن قدامہ ۳/۲۲۶ فی فصل ولا باس ان یعتمر فی السنة مرارًا۔

باب الصلوۃ بعرفۃ وجمع

عرفات اور مزدلفہ میں نماز پڑھنے کا بیان

۳۴۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِذَا صَلَّيْتَ يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ رَحْلِكَ فَصَلِّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الصَّلٰوتَيْنِ لِوَقْتِهَا، وَلَا تَرْتَحِلْ مِنْ مَنْزِلِكَ حَتّٰى تَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كَانَ يَاْخُذُ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَاَمَّا فِيْ قَوْلِنَا فَاِنَّهُ يُصَلِّيْهَا فِيْ رَحْلِهٖ كَمَا يُصَلِّيْهَا مَعَ الْاِمَامِ، يَجْمَعُهُمَا جَمِيْعًا بِاَذَانٍ وَاِقَامَتَيْنِ لِاَنَّ الْعَصْرَ اِنَّمَا قُدِّمَتْ لِلْوُقُوْفِ، وَكَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ، وَعَنْ مُجَاهِدٍ.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر تم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے دن اپنے خیمے میں نماز پڑھو تو (ظہر اور عصر) دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت پر پڑھو اور نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی جگہ سے کوچ مت کرو۔ امام محمدؒ نے فرمایا امام ابوحنیفہؒ اسی پر عمل کرتے ہیں لیکن ہمارا قول یہ ہے کہ خیمہ میں بھی دونوں نمازوں کو ایک ساتھ اسی طرح پڑھے گا جس طرح امام کے ساتھ دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھتا ہے اس لئے کہ عصر کی نماز کو وقوف عرفات کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ اسی طرح کا قول ہمیں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عطاء بن رباحؒ اور حضرت مجاہدؒ کا بھی پہنچا ہے۔"

لغات:

تشریح

فانه يصليها فی رحله كما يصليها مع الامام الخ کہ خیمہ میں دونوں نمازوں کو ایک ساتھ اس طرح پڑھے گا جیسے کہ امام ساتھ پڑھتا ہے حج کے موقع پر دو موقعہ پر جمع بین الصلاتین جائز ہے۔ ایک تو عرفات میں یہاں پر ظہر اور

عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی جاتی ہے ظہر کے وقت میں۔

دوسری مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء کی جاتی ہے اور یہاں پر جمع عشاء کے وقت میں ہوتی ہے۔ عرفات میں جمع بین الصلواتین کے مشروع ہونے کا احادیث مشہورہ متواترہ صحیحہ سے ثبوت ہے ان کے علاوہ کسی اور سفر میں جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔ (۱)

بعض علماء نے عرفات میں عصر کی نماز کی تقدیم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عرفات کی خصوصی عبادت وقوف ہے شریعت نے عرفات کی عبادت کو اطمینان سے کرنے کے لئے زیادہ وقت دیا اور جو ہمیشہ کی عبادت ہے (یعنی نماز عصر) اس میں تقدیم اور مغرب کی نماز میں تاخیر کردی۔

عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کے جمع کرنے کی شرائط

امام ابوحنیفہ ؒ ابراہیم نخعی ؒ سفیان ثوری ؒ وغیرہ کے نزدیک عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کو ایک ساتھ پڑھنے کے لئے چھ شرائط ہیں اور ائمہ ثلاثہ صاحبین کے نزدیک چار امام ابوحنیفہ ؒ کی چھ شرائط یہ ہیں۔

1. احرام حج کا ہونا۔
2. ظہر کی نماز عصر سے پہلے پڑھنا۔
3. عرفات کا دن اور زوال کے بعد کا وقت ہونا۔
4. دونوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنا۔
5. مکان کا ہونا۔ یعنی عرفات یا اس کے آس پاس کا علاقہ ہونا۔
6. امیر المؤمنین یا اس کا نائب ہونا۔

ائمہ ثلاثہ، صاحبین کے نزدیک ان دونوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنا اور امیر المؤمنین یا اس کے نائب کا ہونا یہ دونوں شرطیں ان کے نزدیک نہیں ہیں۔ (۲)

یجمعهما جمیعا باذان و اقامتین　ان دونوں نمازوں کو جمع کرے گا ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کو ادا کیا جائے گا ایک اذان اور ظہر کے لئے ایک اقامت اور عصر کی نماز کے لئے الگ اقامت ہوگی۔

اس مسئلے میں ائمہ کے تین اقوال ہیں

پہلا قول: امام ابوحنیفہ ؒ، امام شافعی ؒ، سفیان ثوری ؒ اور ایک روایت امام مالک ؒ اور امام احمد ؒ کی یہ ہے کہ عرفات میں

جمع بین الصلواتین ایک اذان دو اقامت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

دوسرا قول: امام احمدؒ کا یہ ہے کہ بغیر اذان کے دو اقامتوں کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ (۳)

تیسرا قول: امام مالکؒ کا ہے کہ دو اذانیں اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز ادا کی جائے گی۔ (۴)

پہلا قول جو کہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا ہے ان کا استدلال حضرت جابرؓ کی روایت سے ہے لمبی روایت ہے جس میں آتا ہے ثم اذن ثم اقام فصلی الظہر ثم اقام فصلی العصر۔ (۵)

دوسرا قول امام احمدؒ کا ہے جن کا استدلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے۔ جس میں آتا ہے کہ عرفات میں نماز اذان کے بغیر اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

تیسرا قول امام مالکؒ کا ہے ان کا استدلال حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت سے ہے۔

---

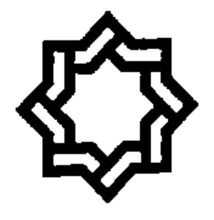
(۱) فتح الملہم ۳/۲۸۷ باب حجۃ النبی ﷺ، لباب المناسک مع شرحہ للقاری ۱۴۶ باب فی احکام المزدلفۃ فصل فی الجمع بین الصلواتین بہا۔

(۲) معارف السنن ۶/۴۵۱ باب ماجاء ان عرفۃ کلہا موقف۔

(۳) معارف السنن ۶/۴۵۲۔

(۴) معارف السنن ۶/۴۵۱، ۴۵۲، بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۴۔

(۵) پوری روایت مسلم ۱/۳۹۷ اور باب حجۃ النبی ﷺ میں ہے۔



۳۴۴

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اِذَا صَلَّيْتَهُمَا بِجَمْعٍ صَلَّيْتَهُمَا بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ، وَاِنْ تَطَوَّعْتَ بَيْنَهُمَا فَاجْعَلْ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ اِقَامَةً، قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَلَا يُعْجِبُنَا اَنْ يَتَطَوَّعَ بَيْنَهُمَا.﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے مزدلفہ میں نماز کے بارے میں مروی ہے فرمایا اگر تم انہیں مزدلفہ میں پڑھو تو ایک اقامت کے ساتھ پڑھو گے اگر دونوں (یعنی مغرب اور عشاء) کے درمیان نفل پڑھیں تو پھر ہر ایک کے لئے الگ الگ اقامت کہو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان سنن ونوافل پڑھنا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا۔"

لغات: یعجبنا۔ عجب (س) عجبامن الامر ولہ: تعجب کرنا، الیہ پسند کرنا۔

تشریح

اذا صلیتھما بجمع صلیتھما باقامۃ واحدۃ الخ مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ایک ساتھ ادا کی جائے تو ایک اقامت کے ساتھ پڑھو اور اگر مغرب اور عشاء کے درمیان میں نفل پڑھیں تو پھر دونوں کے لئے الگ الگ اقامت کہی جائے گی۔

مزدلفہ کی وجہ تسمیہ

یہ منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اس کا دوسرا نام جمع بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسی جگہ پر حضرت آدم اور حوا دنیا میں آنے کے بعد جمع ہوئے تھے۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا جائے تو کتنی مرتبہ اقامت کہی جائے گی

اس بارے میں پانچ مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: دو اذان اور دو اقامت کہیں یہ مذہب ہے۔ حضرت امام مالکؒ، اسود بن یزیدؒ، عبدالرحمن بن یزیدؒ، وغیرہ کا۔ کہ پہلے مغرب کی نماز کو ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ پھر عشاء کی نماز دوسری اذان

اور دوسری اقامت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

دوسرا مذہب: صرف ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ دونوں نمازوں کو ادا کرے یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، سعید بن جبیر وغیرہ۔

تیسرا مذہب: ایک اذان اور دو اقامت یہ مذہب امام زفر، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، ابوثور، عبدالملک بن ماجشون وغیرہ کا ہے۔احناف میں سے اسی کو امام طحاوی نے اور ابن ھمام نے بھی پسند کیا ہے۔

چوتھا مذہب: صرف دو اقامتیں کہے اذان نہ کہے یہ مذہب ہے عبداللہ بن عمر اور ایک روایت امام شافعی و احمد کی بھی ہے حافظ ابن حجر نے اسی قول کو امام شافعی کا قول جدید بتایا ہے۔

چوتھا مذہب: دونوں کے لئے صرف اقامت کی جائے یہ مذہب ہے ابوبکر بن داؤد اور صاحب ترمذی، علامہ خطابی کا اور ابن عبدالبر نے اس کو امام سفیان ثوری کا قول بتایا ہے۔

پانچواں مذہب: دونوں نمازوں کے لئے مزدلفہ میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت محب طبری نے اس کو بعض سلف کا مذہب بتایا ہے۔[1]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

ائمہ میں سے امام مالک اس کے قائل ہیں کہ دو اذانیں اور اقامتیں ہوں گی۔ روایت عبداللہ بن مسعود ﷜ حدثنا ابو اسحق قال سمعت عبد الرحمٰن بن یزید یقول حج عبداللہ فاتینا المزدلفة حین الاذان بالعتمة او قریبا من ذلک فامر رجلا فاذن و اقام ثم صلی المغرب و صلی بعدھا رکعتین ثم دعا بعشائه فتعشی ثم امر رجلا فاذن و اقام الحدیث۔[2]

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

تیسرا مذہب جس کے قائل امام شافعی، امام احمد اور امام زفر وغیرہ ہیں روایت جابر حتی اتی المزدلفة فجمع بین المغرب والعشاء باذان واحد و اقامتین۔[3] سے استدلال کرتے ہیں۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کرنے کی احناف کے نزدیک شرائط

1. احرام حج کا ہونا۔
2. تقدیم الوقوف بعرفات۔

③ زمان مخصوص یعنی لیلۃ النحر۔
④ وقت مخصوص یعنی عشاء۔
⑤ مکان مخصوص یعنی مزدلفہ۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

① روایت ابن عباسؓ ان النبی ﷺ صلی المغرب والعشاء بجمع باقامۃ واحدۃ۔[۳]

② روایت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم بالمزدلفۃ المغرب والعشاء باقامۃ۔[۴]

③ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ صلی المغرب والعشاء بجمع باذان واحدوا قامۃ ولم یسبح بینھما۔[۵]

④ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ قال (سعید بن جبیر) افضنا مع ابن عمر فلما بلغنا جمعا صلی بنا المغرب ثلاثا والعشاء رکعتین باقامۃ واحدۃ فلما انصرف قال ابن عمر ھکذا صلی بنا رسول اللہ ﷺ فی ھذا المکان۔[۶]

⑤ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ لان العشاء فی وقتہ فلا یفرد بالا قامۃ اعلاما بخلاف العصر بعرفۃ لانہ مقدم علی وقتہ۔[۷] کہ عشاء اپنے وقت میں ہے تو اعلان کے لئے اقامت کی ضرورت نہیں بخلاف عرفہ کے کہ وہاں عصر اپنے وقت سے پہلے ہے اس لئے وہاں پر اعلان کی ضرورت علیحدہ سے ہوگی۔

علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعہ نے معارف السنن میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں روایت اور صحابہ کے آثار بہت مختلف ہیں۔ اس لئے جس نے جو تحقیق کی اس کو ترجیح دے دی۔ حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں بالجملۃ الاحادیث الصحاح والاثار الصحاح متعارض والقصۃ واحدۃ وتستفاد منھما صورۃ ستۃ والی کل ذھب ذاھب ورجح کل فریق ما تحقق لدیھم من بحث دقیق وتفکیر عمیق حدیثا وفقھا، روایۃ ودرایۃ ولکل رجھۃ ھو مولیھا واللہ المستعان۔[۸]

پہلا مذہب (امام مالکؒ) کی دلیل کا جواب

پہلا جواب: اس میں ایک راوی زہیرؒ ہیں ان کو عشاء کے اذان پر خود شک ہے۔[۹]
دوسرا جواب: یہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھایا گیا تھا تو درمیان میں فاصلہ آگیا یہ تو احناف بھی کہتے ہیں کہ جب دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ آجائے تو دوبارہ اقامت کہی جائے گی۔ اور جب وہاں ساتھی منتشر ہوگئے ہوں

گے ان کو جمع کرنے کے لئے دوبارہ اذان دے دی جائے۔ (یہ اذان اس عذر کی وجہ سے تھی)۔[10] جیسے کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے اونٹوں کو بٹھایا اور سامان اتارا پھر کھانا کھایا پھر اقامت کہہ کر عشاء کی نماز ادا کی[11] یہ تمام کام صحابہ نے آپ ﷺ کی اجازت سے کئے تھے۔ اس وجہ سے اقامت وغیرہ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دی گئی تو اقامت واحدہ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف نسبت حقیقی ہے اور اقامتین کی نسبت آپ ﷺ کی طرف مجازی ہوگی۔ ایک اقامت والی حدیث کو اس صورت پر محمول کریں گے جب کہ مغرب اور عشاء کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور دو اقامتوں والی روایت کو اس حدیث پر محمول کریں گے جب کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کسی بھی قسم کا فاصلہ آئے۔

وان تطوعت بینھما فاجعل لکل واحدۃ اقامۃ اگر مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھیں تو پھر ہر ایک کے لئے الگ الگ اقامت کہو۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ولا یتطوع بینھما لانہ یخل باجمع ولو تطوع او تشاغل بشئ اعاد الاقامۃ لوقوع الفصل کہ دونوں نمازوں کے دریمان نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ جمع میں خلل ڈالے گا اور اگر نفل پڑھی یا کسی اور کام میں مشغول ہوگیا تو اقامت کا اعادہ کرے فصل ہونے کی وجہ سے علامہ ابن المنذرؒ نے مزدلفہ میں بین صلوٰۃ المغرب والعشاء میں ترک نفل پر اجماع نقل کیا ہے آپ ﷺ نے بھی نفل نہیں پڑھی تھی۔[12]

تیسرا مذہب (امام شافعیؒ) کی دلیل کا جواب

اگرچہ یہ روایت قوی ہے مگر اس پر عمل کرنے سے بعض احادیث کا چھوڑنا لازم آتا ہے اس لئے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے سب روایات پر عمل ہو جائے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایک اذان دو اقامتوں والی روایات بھی صحیح ہے۔ اور احناف والی بات کہ ایک اذان اور ایک اقامت والی یہ روایت بھی صحیح ہیں اصل بات یہ ہوئی کہ مغرب اور عشاء کو آپ ﷺ نے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ہی جمع فرمایا تھا۔ مگر بعض صحابہ مغرب کی نماز کے بعد کسی اور کام میں مشغول ہوئے ہو تو ان کو متوجہ کرنے کے لئے اقامت کہی گئی ہوگی۔

---

(۱) تمام مذاہب کے لئے دیکھیں۔ اوجز المسالک ۶۲۸/۳ المغنی لابن قدامۃ ۴۳۸/۳، عمدۃ القاری ۱۲/۱۰، اعلاء السنن ۱۲۱/۱۰، معارف السنن ۴۵۲/۶۔

(۲) بخاری ۲۲۷/۱ کتاب المناسک باب من اذن و اقام لکل واحدۃ منھما۔

(۳) اخرجہ اصفہانی، نصب الرایہ ۶۸/۳ روایت غریب کما قال الزیلعی۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ، وطبرانی بحوالہ نصب الرایۃ ۶۹/۳۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ۔

(۶) مسلم ۱/۲۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۴۳۔ یہاں پر ایک لطیفہ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ عموماً امام مالکؒ اہل مدینہ کی روایات پر عمل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اہل کوفہ کی روایت پر عمل کرتے ہیں مگر یہاں پر معاملہ عکس ہے کہ امام مالکؒ نے اہل کوفہ کی روایت (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) پر عمل کیا اور امام ابوحنیفہؒ نے اہل مدینہ کی روایت پر (یعنی ابن عمرؓ، جابرؓ) کی روایت پر۔

(۷) ہدایہ۔

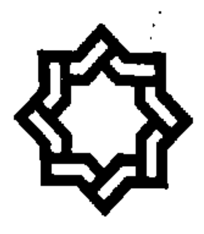
(۸) معارف السنن ۶/ ۴۵۳۔

(۹) بخاری ۱/ ۲۲۷۔

(۱۰) عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۴، ۱۵ باب من اذن و اقام لکل واحدۃ منھما و معانی الآثار ۱/ ۳۴۸ باب الجمع بین الصلاتین یجمع کیف ھو۔

(۱۱) بخاری ۱/ ۲۲۷۔

(۱۲) اعلاء السنن ۱۰/ ۱۲۱۔



۳۴۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَخْرُجُ يَوْمَ عَرَفَةَ مِنْ مَنْزِلِهٖ، وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ اَلتَّعْرِيْفُ يَصْنَعُهُ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ مُحْدَثٌ، اِنَّمَا التَّعْرِيْفُ بِعَرَفَاتٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ.﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ وہ نویں ذی الحجہ کو اپنی جگہ سے نہیں نکلتے تھے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا لوگ عرفہ کے دن جو تعریف (یعنی دوسرے علاقوں والے عرفات والوں کے مشابہت اختیار کرتے ہیں) یہ کچھ نہیں وقوف صرف عرفات میں (عبادت) ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔"

لغات: یخرج: خرج (ن) خروجا ومخرجا: نکلنا فی العلم فائق ہونا، بہ نکالنا۔

التعریف: عرف (ض) عرفۃً وعرفانامعرفۃ الشئ پہچاننا، جاننا۔

تشریح

عرفہ بنانا ناجائز ہے

التعریف الذی یصنعہ الناس عرفہ بنانا مکروہ ہے، عرفہ بنانا جو لوگ کرتے ہیں یہ کچھ نہیں۔

التعریف: اس کا لغوی معنی عرفات میں ٹھہرنا مگر یہاں پر مراد یہ ہے کہ عرفہ کے دن جو کچھ حاجی لوگ عرفات کے میدان میں کرتے ہیں۔ لوگ وہ اپنے علاقوں میں کریں فرمایا کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس بارے میں صاحب درمختار فرماتے ہیں یعنی یہ ٹھہرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ مستحب پس یہ مباح ہوگا۔ صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ دوسرے علاقوں والوں کا عرفہ بنانا اگرچہ اس میں وہ وقوف اور سر نہ بھی کھولے تب بھی مکروہ ہوگا۔[1] کیونکہ اس سے عوام کے عقیدے میں خرابی پیدا ہوجائے گی صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں کہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔[2]

اسی کو صاحب ہدایہ نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

والتعریف الذی یصنعہ الناس لیس بشیء وھو ان یجتمع الناس یوم عرفۃ فی بعض المواضع تشبیھا بالواقفین بعرفۃ لان الوقوف عرف عبادۃ مختصۃ بمکان مخصوص فلا یکون عبادۃ دونہ کسائر المناسک[3]

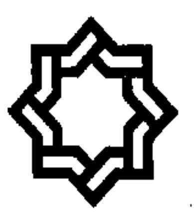
اگرچہ تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں کوئی چیز نہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگ عرفہ کے دن کسی جگہ جمع ہوتے ہیں عرفات میں ٹھہرنے والے حاجیوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہوئے کیونکہ ٹھہرنا عبادت جانا گیا ہے ایک مخصوص جگہ کے ساتھ مختص ہو کر تو اس مخصوص جگہ کے اختصاص کے بغیر ٹھہرنا عبادت نہ ہوگا جیسے باقی مناسک حج ہیں۔

---

(۱) فتح القدیر۔

(۲) بحر الرائق یہی بات شرح منیہ اور نہر الفائق میں بھی ہے۔

(۳) ہدایہ باب العیدین۔



باب من واقع اهله وهو محرم

حالت احرام میں بیوی سے ہمبستری کرنے والے کا بیان

۳۴۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ رَفِيْعٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلاً اَتَاهُ فَقَالَ اِنِّيْ قَبَّلْتُ اِمْرَاَتِيْ وَاَنَا مُحْرِمٌ، فَحَذَفْتُ بِشَهْوَتِيْ، فَقَالَ: اِنَّكَ شَبِقٌ. اَهْرِقْ دَمًا وَتَمَّ حَجَّكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَلاَيَفْسُدُ الْحَجُّ حَتّٰى يَلْتَقِيَ الْخِتَانَانِ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَكَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ.﴾

"حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ ایک صاحب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے اور عرض کیا میں نے حالت احرام میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا اور میں نے اپنی شہوت کو دبا لیا فرمایا تم بہت شہوت والے ہو ایک جانور ذبح کرو اور حج پورا کرو۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں حج اس وقت تک فاسد نہ ہو گا جب تک شرم گاہ آپس میں نہ مل جائیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اسی طرح ہم کو عطاء بن ابی رباحؒ سے بھی روایت پہنچی ہے۔"

لغات: قبلت: قبل(ن)قبل(س)قبلا آنکھوں میں کجی والا ہونا بھینگی نظر والا ہونا۔ مگر یہاں یہ مرادی معنی بوسہ دینا ہو گا۔

دما: دمی(س)دمی و دمیا خون دینا۔ صفت دم۔

تشریح

عورت کو دیکھ کر شہوت پیدا ہوئی تو اس سے حج فاسد نہیں ہو گا

اگر کسی نے عورت کی طرف دیکھا اور اس سے شہوت پیدا ہوئی مگر اس سے صحبت نہیں کی تو اس صورت میں اس کا حج فاسد نہیں ہو گا۔

اس بارے میں فقہاء کے چار اقوال ہیں

پہلا قول: اس میں امام شافعیؒ کے دو قول منقول ہیں ایک امام غزالیؒ اور امام الحرمینؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی نے شہوت کے ساتھ چھوایا بوسہ لیا یا مادون الفرج میں جماع کیا اور ان سب صورتوں میں انزال ہو جائے تو اس کا احرام فاسد ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ سے دوسرا قول امام نوویؒ نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں یحرم اللمس بشھوۃ و القبلۃ۔ و المباشرۃ فیمادون الفرج بشھوۃ۔ ولا یفسد بذلک حجہ انزل اولم ینزل۔[1] کہ بوسہ لینا یا مادون فرج صحبت کرنے سے خواہ انزال ہو یا نہ ہو حج فاسد نہیں ہوتا (حج تو صحبت کرنے سے فاسد ہوگا)۔

دوسرا قول: امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا ہے کہ جب تک دونوں کی شرم گاہ آپس میں نہ مل جائے حج فاسد نہیں ہوتا۔

تیسرا قول: امام اوزاعیؒ کا ہے فرماتے ہیں فرج کے ماسوا میں انزال کے شرط کے ساتھ حج فاسد ہو جاتا ہے۔

چوتھا قول: عبداللہ بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ اگر لمس کرنے سے بھی انزال ہو جائے تو حج فاسد ہو جائے گا۔[3] ابن قدامہؒ نے فرمایا کہ اگر بار بار نظر کی تو تب بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حج قائم ہی رہے گا اور بدنہ واجب ہو جائے گا خلاصہ یہ ہوا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک بغیر شرم گاہ کے صحبت کے حج فاسد نہیں ہوتا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بنایہ شرح ہدایہ نے علامہ ابن منذرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ جماع کے سوا سے حج فاسد نہیں ہوتا۔[4]
اھرق دما و تم حجک کہ اگر کسی محرم نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تو اس پر دم واجب ہو جائے گا پھر احناف کی کتب میں اس میں انزال کے بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا قول جامع صغیر۔ فتاویٰ قاضی خان وغیرہ کا یہ ہے کہ انزال کے بعد دم واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اور مبسوط امام محمدؒ، شرح کرخی میں ہے کہ اس میں انزال کی شرط نہیں ہے اسی کی طرف صاحب ہدایہ کا بھی رجحان معلوم ہوتا ہے ہدایہ میں ہے کہ لمس بشھوۃ فعلیہ دم۔[5]

(۱) شرح مہذب۔
(۲) بنایہ شرح الہدایہ۔
(۳) بنایہ شرح الہدایہ۔
(۴) بنایہ شرح الہدایہ۔
(۵) ہدایہ۔

۳۴۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا يُفِيْضُ مِنْ عَرَفَاتٍ فَعَلَيْهِ بَدْنَةٌ، وَيَقْضِيْ مَا بَقِيَ مِنْ حَجِّهٖ، وَتَمَّ حَجُّهٗ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اگر عرفات سے واپسی کے بعد ہمبستری کی تو اس پر ایک اونٹ لازم آئے گا اور باقی ماندہ افعال (حج) پورا کرے اس کا حج ہو گیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو پسند کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: جامع: جمع (ف) جمعا: جمع کرنا، اکٹھا کرنا۔ جامعها ہم بستری کرنا۔
یقضی: قضی (ض) قضاء و قضیا و قضیة فیصلہ کرنا الامر لہ او علیہ موافق یا مخالف فیصلہ کرنا۔

تشریح

محرم نے عرفات کے بعد صحبت کرلی

اگر کسی محرم نے عرفات کے بعد ہمبستری کرلی تو اس بارے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا حج فاسد نہیں ہوگا اور اس پر ایک بدنہ واجب ہوگا۔

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ وغیرہ کا ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے پہلے اگر جماع کرلیا تو حج فاسد ہو جائے گا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال من وقف بعرفة فقد تم حجه[1] بدنہ واجب ہے اس کا استدلال روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سئل ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما عن رجل قضی المناسک کلھا غیر انہ لم یزر البیت حتی وقع علی امراتہ قال علیہ بدنة۔[2]

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

وہ فرماتے ہیں رمی جمرہ حلال ہونے کا سبب ہے رمی کے بعد جماع کے علاوہ دوسری چیزیں حلال ہو جاتی ہیں مگر جماع حلال نہیں ہوتا۔ اس لئے وقوف عرفات کے بعد بھی جماع کرنے سے حج فاسد ہو جائے گا۔

فعلیہ بدنۃ۔ اس پر ایک بدنہ واجب ہوگا۔

بدنہ کا مصداق

اس بارے میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا بدنہ سے مراد اونٹ اور گائے دونوں ہیں۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک مراد اس سے اونٹ ہوتا ہے اگر اونٹ نہ پائے تو پھر گائے ہوگا۔

تیسرا مذہب: امام شافعیؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ کا ہے کہ بدنہ سے مراد صرف اونٹ ہی ہے۔

تیسرے مذہب والوں کا استدلال

تیسرا مذہب امام شافعیؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان رسول اللہ ﷺ قال من اغتسل یوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فکانما قرّب بدنة و من راح فی الساعة الثانیة فکانها قرب بقرة و من راح فی الساعة الثالثة فکانما قرب کبشا اقرن و من راح فی الساعة الرابعة فکانما قرب دجاجة الخ۔[۳] کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت جیسا غسل کیا پھر نماز کے لئے گیا تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی اور جو شخص دوسری گھڑی میں گیا تو گویا اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا تو گویا اس نے سینگ والے دنبہ کی قربانی کی اور جو چوتھی گھڑی میں گیا تو گویا اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اس روایت میں بقرۃ کا عطف بدنہ پر ہے اور عطف مغائرت کا تقاضہ کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ گائے بدنہ سے الگ ہوگی وہ اونٹ ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

بدنہ کہتے ہیں ضخامت والا۔ بقول مجاہدؒ کے انما سمیت البدن من قبل السمانة یعنی بدنہ کو موٹا ہونے کی وجہ سے بدنہ کہتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں ہے کہ بدن (ن) بدنا و بدن (س) بدانۃ یعنی موٹے بدن والا ہوگا۔[۴] تو اس میں اونٹ اور گائے دونوں شریک ہیں کہ اونٹ اور گائے دونوں میں سات سات حصے بھی ہوتے ہیں۔ اور حدیث

جابر رضی اللہ عنہ میں بدنہ کا اطلاق گائے اور اونٹ دونوں پر کیا گیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدنہ میں سات حصے ہیں تو کسی نے کہا گائے تو فرمایا کہ گائے بھی بدنہ میں ہی داخل ہے۔[۵]

امام شافعیؒ کی دلیل کا مفہوم

کہ بدنہ عام ہے اور پھر اس کے بعد خاص کے ساتھ تخصیص ایسا کلام عرب میں کئی جگہ وارد ہوا ہے مثلاً من کان عدو اللّٰہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال۔[۶] کہ ملائکہ میں جبرئیل اور مکائیل داخل ہیں پھر بطور خاص دوبارہ ذکر کر دیا گیا۔

---

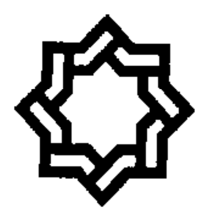
(۱) اصحاب السنن، مسند احمد، ابن حبان۔

(۲) موطا امام مالک۔

(۳) بخاری ومسلم۔

(۴) مسلم۔

(۵) سورت البقرہ آیت ۹۸



۳۴۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِبْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا يَفِيْضُ مِنْ عَرَفَاتٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ، وَيَقْضِىْ مَابَقِىَ مِنْ حَجِّهٖ، وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَسْنَا نَاْخُذُ بِهٰذَا الْقَوْلِ، وَالْقَوْلِ مَاقَالَ فِيْهِ اِبْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا.﴾

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اگر عرفات سے واپسی ہونے کے بعد ہمبستری کی تو اس پر دم لازم آئے گا۔ اور باقی ماندہ افعال (حج) پورے کرے گا اور آئندہ سال حج کرے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس قول کو پسند نہیں کرتے بات وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمائی ہے۔"

لغات: جامع: جمع (ف): اکٹھا کرنا، جمع کرنا جامعھا جماع کرنا۔

تشریح

وقوف عرفات کے بعد اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی تو اس بارے میں صحابہ کا بھی آپس میں اختلاف رہا۔ حضرت ابن عمرؓ کی رائے تو یہی ہے کہ ایسے شخص کا حج فاسد ہوگا۔ اور دم بھی لازم آجائے گا اس کو پسند کیا ائمہ ثلاثہ نے مگر ابن عباسؓ وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ وقوف عرفات کے بعد حج تو مکمل ہوگیا کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ من وقف بعرفة فقد تم حجه کہ جس نے عرفات میں قیام کرلیا تو اس کا حج مکمل ہوگیا۔ مگر اب بھی کچھ ضروری امور باقی ہیں اس لئے اس پر جرمانہ لازم آئے گا اور جرمانہ بدنہ کی صورت میں آئے گا۔

سوال: ائمہ ثلاثہ کی طرف سے احناف پر ہوتا ہے کہ جب احناف کے نزدیک عرفات کے بعد حج مکمل ہوگیا تو اب بدنہ کیوں واجب ہوتا ہے۔

جواب: بدنہ کا آنا یہ بھی حدیث میں آتا ہے سئل ابن عباسؓ عن رجل قضی المناسک کلھا غیر انه لم یزر البیت حتی وقع علی امراته قال علیه بدنة۔[1] اور دوسری بات یہ ہے کہ جماع کرنے سے اس سے کامل لذت حاصل کی ہے ابھی اس کا ایک رکن طواف زیارت باقی ہے تو اس وجہ سے اس پر کامل جرمانہ آئے گا وہ بدنہ کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ اسی بات کو صاحب ہدایہ نے ھدایۃ میں بیان فرمایا ہے۔

(۱) موطا امام مالکؒ۔

۳۴۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ مَنْ قَبَّلَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَعَلَيْهِ دَمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ اِذَا قَبَّلَ بِشَهْوَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

''حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا جس نے حالت احرام میں بوسہ لیا اس پر دم لازم ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں اگرچہ بوسہ شہوت کے ساتھ ہو یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔''

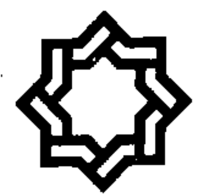
لغات: بشهوة: شها(ن)شهوة الشي: خواہش کرنا، رغبت شدید کرنا الشهوة مصدر ہے بمعنی خواہش۔ الشها بہت زیادہ خواہش کرنے والا۔

تشریح

محرم نے شہوت کے ساتھ بوسہ لے لیا تو اب دم واجب ہو جائے گا

محرم نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تو اس پر دم واجب ہوگا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں اولمس بشهوة فعليه دم[1] کہ شہوت کے ساتھ چھو لیا تو دم واجب ہو جائے گا۔ علامہ ابن نجیمؒ نے بھی مطلقاً دم واجب ہونے کو پسند فرمایا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔[2] مگر جامع الصغیر میں بوسہ پر دم واجب اس صورت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جس سے انزال ہوا ہو اور قاضی خان نے الجامع الصغیر کی شرح میں اسی کو صحیح کہا ہے۔[3] اور اگر یہ صورت پیش آئی کہ محرم نے بوسہ اپنی بیوی کے رخصت کرتے وقت لیا اور یہ کہا کہ میں نے رخصت کرنے کی وجہ سے ایسا کیا شہوت کے ساتھ ایسا نہیں کیا تو اس صورت میں فقہاء کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا۔[4]

(۱) ہدایہ۔
(۲) بحرالرائق۔
(۳) شامی، بحرالرائق، شرح لباب المناسک۔
(۴) لباب المناسک، غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک۔



باب من نحر فقد حل

جس نے ذبح کرلیا تو وہ حلال ہو گیا

۳۵۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ فِي الْمُتَمَتِّعِ إِذَا نَحَرَ الْهَدْيَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ إِذَا حَلَقَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ لَهُ النِّسَاءُ خَاصَّةً حَتّٰى يَزُوْرَ الْبَيْتَ فَيَطُوْفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ وَاَمَّا غَيْرَ النِّسَاءِ وَالطِّيْبِ فَقَدْ حَلَّ ذٰلِكَ لَهٗ إِذَا حَلَقَ رَاْسَهٗ قَبْلَ اَنْ يَطُوْفَ الْبَيْتَ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت حمادؒ سے متمتع کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے جب یوم النحر میں ہدی کو ذبح کرلیا تو وہ حلال ہو گیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر حلق کرلیا ہو مگر اس کے لئے عورت اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک طواف زیارت نہ کرلے عورتوں کے علاوہ باقی چیزیں مثلاً خوشبو وغیرہ، سر منڈانے کے بعد طواف بیت اللہ سے پہلے ہی حلال ہو جاتی ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے۔"

لغات: نحر: (ف)نحرا و تنحارا، البھیمۃ: سینہ پر مارنا، ذبح کرنا۔

حلق: (س) حلقا، حلق الراس سر منڈانا خاصہ خص (ف) خصا و خصوصا و خصوصۃ و خصوصیۃ خلافا بالشی خاص کرنا، خصوصیت دینا۔

تشریح

اِذَا حَلَقَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ لَهُ النِّسَاءُ۔ حلق کرنے کے بعد سب چیز حلال ہو جاتی ہے مگر عورت حلال نہیں ہوتی۔

حلق کرنے کے بعد کیا کیا چیز حلال ہوتی ہے

اس میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک سب کچھ حلال ہو گیا صرف عورت کہ اس کے پاس نہیں جا سکے گا۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام احمدؒ کا ہے کہ عورت اور خوشبو دونوں حرام ہونگی۔[1]

تیسرا مذہب: لیث بن سعدؒ کا ہے کہ عورت، خوشبو، شکار۔ یہ تینوں چیزیں حلق کروانے کے بعد بھی حرام رہیں گی۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ روایت عائشہؓ قال رسول اللہ ﷺ اذا رمیتم و حلقتم فقد حل لکم الطیب و الثیاب و کل شی الا النساء۔[2]
کہ جب تم نے رمی کرلی اور سر منڈا لیا تو اب ہمارے لئے خوشبو کپڑے اور ہر حلال ہوگی سوائے عورتوں کے۔

❷ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اذا رمیتم الجمرۃ فقد حل لکم کل شی الا النساء فقال رجل یا ابا العباس و الطیب؟ قال اما انا فانی رأیت رسول اللہ ﷺ یضمخ راسہ بالمسک۔[3]

افطیب هو ام لا؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم نے جمرہ کی رمی کرلی تو تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوگئی سوائے عورتوں کے کسی نے کہا ابوالعباس اور خوشبو؟ تو آپ نے فرمایا میں نے بے شک حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ سر مبارک میں مشک لگا رہے تھے مشک خوشبو ہے یا نہیں؟

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

یہ عقلی دلیل پیش کرتے ہیں کہ خوشبو بھی داعی الی الجماع بن جاتی ہے تو جس طرح عورتوں کے پاس جانا منع ہے تو یہ خوشبو بھی اس کی طرف سے مفضی ہو جاتی ہے اس لئے یہ بھی ناجائز ہوگی۔

جواب: جب کہ حدیث موجود ہے تو حدیث کی موجودگی میں قیاس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے بیان کیا کہ وھو مقدم علی القیاس کہ حدیث یہ مقدم ہوگی قیاس پر۔

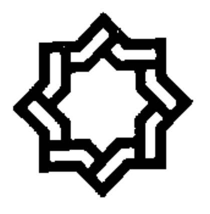
---

(۱) عمدۃ القاری ۱۰/۹۳ باب الطیب بعد رمی الجمار و الحلق قبل الافاضۃ۔

(۲) معانی الآثار ۱/۳۵۶ باب اللباس و الطیب متی یحلان للمحرم۔

(۳) نسائی، ابن ماجہ، عمدۃ القاری، ۱۰/۹۴۔

(۴) ہدایہ۔



باب من احتجم وھو محرم والحلق

حالت احرام میں پچھنے لگوانے اور سر منڈانے کا بیان

۳۵۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالسَّوَّارِ عَنْ اَبِيْ حَاضِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَلٰكِنْ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَحْلِقَ شَعْرًا اِذَا احْتَجَمَ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾

"حضرت ابی حاضرؒ سے روایت ہے۔ کہ آپ ﷺ نے حالت احرام میں پچھنے لگوائے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔ لیکن محرم اگر پچھنے لگوائے تو اسے بال نہیں مونڈنا چاہئیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: صائم: صئم (س) صئاما: بہت پانی پینا الصائم پیاسا۔

تشریح

اگر محرم نے پچھنے لگالیں

محرم آدمی کے پچھنے لگانے یا نہ لگانے کے بارے میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، احمدؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عطاءؒ وغیرہ کے نزدیک محرم کے پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ بال نہ کاٹے جائیں اور اگر بال کاٹے گئے تو دم دینا ہوگا۔

دوسرا مذہب: صاحبین وغیرہ کا ہے۔ کہ اگر بال کاٹے تو اب صدقہ دینا ہوگا۔

تیسرا مذہب: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بغیر کسی سخت مجبوری کے بال نہ کٹوائے۔[1]

پہلے مذہب والوں کا استدلال

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جس جگہ کا مونڈنا مقصود ہے اس کے لئے بال کو کٹوانا ضروری ہے اس کے بغیر یہ مقصود

حاصل نہیں ہوسکتا اور جب عضو کامل سے گندگی کا دور ہونا پایا گیا تو دم واجب ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ ان حلقہ لمن یحجتم مقصود وھو المعتبر بخلاف الحلق لغیرھا۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

یہ فرماتے ہیں کہ پچھنے حالت احرام میں لگانا منع نہیں ہے آپ ﷺ نے خود پچھنے حالت احرام میں لگوائے ہیں، تو اس نے پچھنے لگوانے کے لئے بال کٹوائے ہیں تو یہ تو کوئی جرم نہیں ہے اور اس نے جو میل کچیل دور ہوا اس کا دور کرنا تو ممنوع احرام سے ہے تو اس وجہ سے اس پر صدقہ آئے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ کم ہے اور کم ایسا عضر ہے کہ بس صدقہ ہوگا دم نہیں آئے گا۔[۲]

اسی کی طرف صاحب ہدایہ نے اپنی اس عبارت میں اشارہ کیا ہے وان حلق موضع المحاجم فعلیہ دم عند ابی حنیفۃ وقال علیہ صدقۃ لانہ انما یحلق لاجل الحجامۃ وھی لیس من المحظورات فکذا مایکون وسیلۃ الیھا الا ان فیہ ازالۃ شئ من التفث فتجب الصدقۃ ولابی حنیفۃ ان حلقہ مقصود لانہ لا یتوسل الی المقصود الا بہ وقد وجد ازالۃ التفث عن عضو کامل فیجب الدم۔[۳]

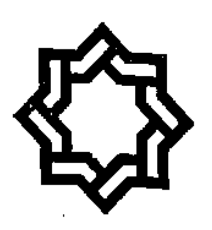
حضرت ابوسوار السلمیؒ کے مختصر حالات: ان کے استادوں میں سے ابوحاضرؒ ہیں اور ان کے شاگردوں میں سے امام ابوحنیفہؒ کا نام لیا جاتا ہے۔

حضرت ابوحاضرؒ کے مختصر حالات: یہ کوفہ کے رہنے والوں میں سے تھے تابعی ان کے استادوں میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

(۱) عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۹۲، ۱۹۳۔

(۲) فتح القدیر۔

(۳) ہدایہ۔



۳۵۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ الرَّأْسَ مِنَ النِّسَاءِ فَهُوَ اَفْضَلُ، وَالْحَلْقُ لِلرِّجَالِ اَفْضَلُ يَعْنِيْ فِي الْاِحْرَامِ. وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَمَا اُحِبُّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَاْخُذَ اَقَلَّ مِنَ الْاَنْمِلَةِ مِنْ جَوَانِبِ رَاْسِهَا.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا عورتیں بال کتروائیں یہ افضل ہے اور مردوں کے لئے حلق (سرمنڈانا) افضل ہے یعنی احرام کی حالت میں ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ میں عورتوں کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے سر کے بالوں کے کناروں سے پورے سے کم کاٹیں۔"

لغات: جوانب: جنب(ن) جنبا و جنب(س) جنبا الیه: مائل ہونا، مشتاق و مضطرب ہونا۔

تشریح

اَخَذَ الرَّأْسَ مِنَ النِّسَاءِ فَهُوَ اَفْضَلُ، عورتیں بال کٹوائیں یہ افضل ہے۔ طواف زیارت کے بعد جب کہ مرد حلق کرواتے ہیں تو عورتوں کو شریعت نے یہ کہا کہ وہ قصر کروائیں عورتوں کے لئے حلق کروانا مکروہ تحریمی ہے۔ اس مسئلہ میں تمام ہی ائمہ کا اتفاق ہے۔

استدلال

روایت علیؓ نهی رسول اللهﷺ ان تحلق المرأة راسها [1] اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت بھی آتی ہے۔ [2] انگلی کے پورے کے برابر عورتوں کو قصر کروانا ہے قصر کا مطلب یہ ہے کہ پورے کے برابر کٹوائے۔ ان کے حق میں یہ حلق ہوگا۔ [3] والحلق للرجال افضل مردوں کے لئے حلق کروانا افضل ہے اس بارے میں چند مسائل ہیں:

① حلق یا قصر کا حکم۔ ② حلق یا قصر کی مقدار۔ ③ حلق یا قصر کا وقت۔

پہلی بات: کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں تقریبًا اتفاق ہے۔ کہ حلق یا قصر مناسک حج سے ہے اس کے بغیر نہ حج مکمل ہوگا نہ عمرہ۔

دوسری بات: حلق یا قصر کی مقدار۔ اس بارے میں چار مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کا کہ ربع الراس واجب ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ وغیرہ کا کہ صرف تین بالوں کو حلق یا قصر کروانا کافی ہوجائے گا۔

تیسرا مذہب: امام مالکؒ واحمدؒ کا ہے ان دونوں سے دو دو اقوال منقول ہے۔

پہلا قول: پورے سر کا حلق یا قصر واجب ہے۔

دوسرا قول: اکثر سر کا حلق یا قصر کافی ہوجائے گا۔

چوتھا مذہب: امام ابویوسفؒ وغیرہ کے نزدیک یہ ہے کہ نصف راس واجب ہوگا۔[۴] یہ اختلاف تو وجوب کے بارے میں تھا۔ جہاں تک افضلیت کا تعلق ہے اس میں امام شافعیؒ و ابوحنیفہؒ دونوں متفق ہے کہ استیعاب افضل ہے۔[۵]

تیسری بات: حلق یا قصر کا وقت اس میں علامہ کاسانیؒ نے فقہاء اُمت کے چار مذاہب نقل کئے ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا ہے کہ ان کے نزدیک حلق یا قصر کے لئے زمان بھی خاص (یعنی یوم النحر) شرط ہے اور مکان بھی (یعنی خاص حرم) شرط ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابویوسفؒ وغیرہ کا ہے۔ یہ پہلے مذہب کا عکس ہے کہ ان کے نزدیک نہ زمان خاص شرط ہے اور نہ ہی مکان خاص کی ضرورت ہے۔

تیسرا مذہب: امام محمدؒ کے نزدیک مکان خاص کی تو شرط ہے مگر زمان خاص کی شرط نہیں ہے۔

چوتھا مذہب: یہ امام محمدؒ کے مذہب کے عکس ہے کہ یہ فرماتے ہیں کہ زمان خاص کی تو شرط ہے مگر ان کے نزدیک مکان خاص کی شرط نہیں ہے۔[۶]

---

(۱) ترمذی۔

(۲) ترمذی۔

(۳) بدائع الصنائع ۱۴۱/۲۔

(۴) عمدۃ القاری ۶۳/۱۰ باب الحلق والتقصیر عند الاحلال۔ فتح الباری ۴۵۰/۳ باب الحلق والتقصیر عند الاحلال۔ شرح مسلم للنووی ۴۲۰/۱ باب تفضیل الحلق علی التقصیر وجواز التقصیر۔

(۵) شرح مسلم للنووی ۴۲۰/۱۔

(۶) بدائع الصنائع ۱۴۱/۲ فصل واما بیان زمانہ ومکانہ۔

باب من احتاج من علة فهو محرم

حالت احرام میں بیماری کی وجہ سے کسی چیز کا محتاج ہونا

۳۵۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ فِى الشِّقَاقِ اِذَا اَحْرَمْتَ قَالَ اِدَّهِنْهُ بِالسَّمَنِ وَالْوَدَكِ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ بِكُلِّ شَيْءٍ تَاكُلُهٗ.قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ سَعِيْدٍ نَاْخُذُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ طِيْبٌ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر تم احرام میں ہو تو پھٹی جگہ کو گھی اور چربی سے مالش کر سکتے ہو؟ حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہر اس چیز سے مالش کر سکتے ہیں جو تم کھاتے ہو۔"

لغات: شقاق: شق (ن) شقا الشی: پھاڑنا، جدا کرنا، اسی سے یہ محاورہ بھی ہے شق عصا القوم اس نے قوم کی اجتماعیت کو توڑ دیا۔

بالسمن: سمن (ن) سمنا، وسمن الطعام گھی ڈالنا سمن القوم گھی کا توشہ دینا۔

ادھنہ: دھن (ن) دھنا ودھنة الراس سر پر تیل ملنا الشیء تر کرنا تیل لگانا۔

والودک: ودک یودک (س) ودکا چربی دار اور موٹا ہونا۔

تشریح

اگر محرم نے گھی یا چربی وغیرہ کو بطور علاج کے استعمال کیا تو بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو تو ایسی صورت میں اس محرم پر کسی قسم کی بھی جزا نہیں آئے گی یہی بات علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ محقق نے لکھی ہے کہ اگر کسی نے چربی، گھی، بادام روغن، خوبانی کی گری کا تیل کدو سرسوں وغیرہ کے تیل کو استعمال کیا تو اس پر ہر حال میں کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔[1] یہی بات ملا علی القاریؒ نے لکھی ہے کہ پس اگر کسی محرم نے گھی یا چربی یا چکنی چیز یا بادام خوبانی کا تیل اپنے بدن پر لگایا یا کھایا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔[2]

(۱) فتح القدیر۔ بحر الرائق۔ فتاویٰ شامی۔

(۲) شرح لباب المناسک۔ غنیۃ الناسک۔

۳۵٤

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَۃَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ قُلْتُ لِاِبْرَاھِیْمَ یَغْتَسِلُ الْمُحْرِمُ؟ قَالَ مَا یَصْنَعُ اللّٰہُ بِدَرَنِہٖ شَیْئًا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِہٖ نَاْخُذُ، لَا نَرٰی بَاْسًا، وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی.﴾

''حضرت حمادؒ نے فرمایا میں نے حضرت ابراہیمؒ سے پوچھا محرم غسل کر سکتا ہے؟ فرمایا اللہ جل شانہ کو اس کے میل کچیل سے کیا سروکار امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔''

لغات: مایصنع: صنع (ف) صنعا، وصنعا، الشی: بنانا الیہ معروفا احسان کرنا۔

یغتسل: غسل (ض) غسلا وغسلا الشی پانی سے میل کچیل دور کرنا۔

تشریح

محرم آدمی غسل کر سکتا ہے یا نہیں

محرم کے غسل کے بارے میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثورؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ محرم کے غسل کے قائل ہیں۔

دوسرا مذہب: عطاءؒ اور حسنؒ وغیرہ کے نزدیک محرم کا غسل کرنا مکروہ ہے۔[1]

تیسرا مذہب: سعید بن عبادہ اور امام مالکؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں اگر گرم پانی سے بدن کا میل کچیل ختم کرنے کی نیت سے اس نے غسل کیا تو فدیہ واجب ہوگا۔

پہلے مذہب والوں (جمہور) کا استدلال

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام غسل فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی غسل حالت احرام میں ثابت ہے۔

روایت ابن عباسؓ انہ دخل حمام بالجحفۃ وھو محرم وقال ان اللّٰہ لا یعبا باوساخکم شیئا (۲)

روایت ابن عباسؓ یدخل المحرم الحمام (۳)

اسی مسئلہ کو صاحب ہدایہ نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ولا باس بان یغتسل ویدخل الحمام لان عمرؓ اغتسل وھو محرم (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ۔
(۲) سنن بیہقی۔
(۳) دار قطنی و بیہقی۔
(۴) ہدایہ، باب الاحرام۔



۳۵۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ ظُفُرِ الْمُحْرِمِ يَنْكَسِرُ قَالَ يُكَسِّرُهُ. قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَقْطَعُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَكُلُّ ذٰلِكَ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت ابراہیمؒ سے محرم کے ٹوٹے ہوئے ناخن کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اسے توڑ دے گا حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا اسے کاٹ دے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا یہ سب ٹھیک ہے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: ظفر: (س) ظفر او اظفر المطلوب به و علیه: کامیاب ہونا غالب ہونا۔

تشریح

محرم کو اپنے ناخن کو کاٹنا تو منع ہے۔ اگر کسی محرم نے اپنے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کا ناخن ایک مجلس میں کاٹ لئے تو دم آجائے گا۔ مگر یہاں پر امام محمدؒ نے یہ فرمایا کہ محرم اپنے ناخن کو توڑے جب کہ وہ پہلے سے لٹک رہا ہو تو اب کیا ہوگا۔ اس بارے میں فرمایا کہ اگر ایسی نوعیت سے کہ اس نے ٹوٹے ہوئے ناخن کو توڑا یا کاٹا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ جبکہ فقہاء نے تو اس میں یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر وہ ناخن احرام باندھنے کے بعد ٹوٹا ہو اور اب اس نے اس کو کاٹا یا احرام باندھنے سے پہلے کا ٹوٹا ہوا ہو اس کو احرام باندھنے کے بعد کاٹا ہو ان سب صورتوں میں کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ نہ دم نہ صدقہ۔ کیونکہ ٹوٹے ہوئے ناخن میں بڑھنے کی طاقت نہیں رہتی اس کی مثال سوکھی ہوئی گھاس کی طرح ہے تو جس طرح سوکھی ہوئی گھاس پر کچھ واجب نہیں اسی طرح اس پر بھی کچھ واجب نہیں ہوگا۔[1] اسی کو صاحب ہدایہ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وان انسکر ظفر المحرم فتعلق فاخذه فلا شي عليه لانه لا ينمو بعد الانكسار فاشبه اليابس من شجر الحرم[2] (ترجمہ) اگر محرم کا ناخن ٹوٹ کر لٹک گیا اور محرم نے اس کو کاٹ لیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں کیونکہ ٹوٹنے کے بعد وہ بڑھے گا نہیں تو یہ حرم کے سوکھے ہوئے درخت کے مشابہ ہوگیا۔ ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ، سعید بن المسیبؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، سفیان ثوریؒ، ائمہ ثلاثہؒ، حمیدیؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابوثورؒ، اور اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے۔

(۱) بحر الرائق، بدائع الصنائع، لباب المناسک۔ (۲) ہدایہ۔

۳۵٦

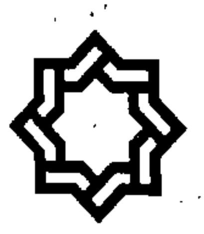
﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَسْتَاكُ الْمُحْرِمُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا محرم مرد اور عورتیں مسواک کرسکتے ہیں امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔"

لغات: محرم: حرم(ن)حرما وحراما(ک)حراما، علیہ الامر: یعنی حرام ہونا۔

تشریح

اس میں سب کا ہی اتفاق ہے کہ محرم خواہ مرد ہو یا عورت مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔



باب الصيد في الاحرام

حالت احرام میں شکار کرنے کا بیان

۳۵۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِذَا اَهْلَلْتَ بِهِمَا جَمِيْعًا الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ فَاَصَبْتَ صَيْدًا فَاِنَّ عَلَيْكَ جَزَاءَيْنِ، فَاِنْ اَهْلَلْتَ بِعُمْرَةٍ كَانَ عَلَيْكَ جَزَاءٌ، فَاِنْ اَهْلَلْتَ بِالْحَجِّ كَانَ عَلَيْكَ جَزَاءٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر تم نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو اور پھر شکار کر لیا تو تم پر دو جزائیں آئیں گی اگر تم نے عمرہ کا احرام باندھا ہو تو ایک جزاء آئے گی اور اگر حج کا احرام باندھا ہو تب بھی ایک جزاء آئے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات: صید: صاد، یصید(ض)صیدا: پرندے کا شکار کرنا، اس کی صفت صائد آتی ہے۔

تشریح

اِذَا اَهْلَلْتَ بِهِمَا جَمِيْعًا الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ جب تم نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔

حالت احرام میں کسی قسم کا شکار جائز نہیں ہے علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ محرم حالت احرام میں شکار کو قتل کیا چاہے حدود حرم کا شکار ہو یا حدود حرم سے باہر کا جان بوجھ کر قتل کیا یا بھول کر کیا ہو ہر حال میں محرم کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار کے حکم میں ہوگا اور محرم پر اس کا بدلہ لازمی ہوگا۔[1] اس مسئلہ میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ صورت مسئلہ بالا میں کہ اگر کسی ایسے محرم نے جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا۔ پھر ایسے محرم نے کوئی شکار کر لیا تو اب اس پر دو جزا آئیں گی۔ کیونکہ اس نے دو احرام باندھے ہوئے ہیں ایک حج کے احرام کی وجہ سے ہوگا دوسرا عمرہ کی وجہ سے اس میں صاحب ہدایہ نے دو مذہب نقل کیے ہیں۔

پہلا مذہب: احناف وغیرہ کے نزدیک دو احرام والے محرم پر دو جزاء آئے گی۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، وغیرہ کے نزدیک اس پر ایک ہی جزاء آئے گی۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

ائمہ فرماتے ہیں کہ ایک ہی جزاء آئے گی کیونکہ ایک احرام ہے۔

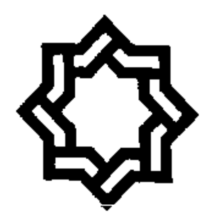
پہلے مذہب والوں کا استدلال

احناف کہتے ہیں کہ دو جزاء آئیں گی کیونکہ اس نے دو احرام باندھے ہوئے ہیں۔ ایک حج کا دوسرا عمرہ کا اگر یہ الگ الگ احرام باندھا ہوا جرم کرتا تو دو جزاء آتی تو اسی طرح یہاں پر بھی دو جزاء آئیں گی۔ اس بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں وکل شئ فعله القارن مماذ کرنا ان فيه على المفرد دما فعليه دمان دم لحجته ودم لعمرته وقال الشافعي دم واحد بناء على انه محرم باحرام واحد عنده وعندنا باحرامين (ترجمہ) ہر وہ فعل جو قارن کرے ان میں سے جن میں مفرد پر ایک خون آتا ہے تو قارن پر دو خون آئیں گے ایک اس کے حج کی طرف سے دوسرا عمرہ کی طرف سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی خون ہے بنا بر آنکہ قارن ان کے نزدیک ایک ہی احرام سے محرم ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک (احناف) دو احرام سے محرم ہوتا ہے۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۰/۱۶۱۔

(۲) ہدایہ۔



۳۵۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْتُ فِیْ رَهْطٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ فِی الْقَوْمِ، اِلاَّ مُحْرِمٌ غَيْرِیْ، فَبَصُرْتُ بِعَانَةَ، فَثِرْتُ اِلٰى فَرَسِیْ فَرَكِبْتُهَا، وَعَجِلْتُ عَنْ سَوْطِیْ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُوْنِیْ، فَاَبَوْا فَنَزَلْتُ عَنْهَا فَاَخَذْتُ سَوْطِیْ، ثُمَّ رَكِبْتُهَا فَطَلَبْتُ الْعَانَةَ، فَاَصَبْتُ مِنْهَا حِمَارًا، فَاَكَلْتُ وَاَكَلُوْا مَعِیْ.﴾

"حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا میرے سوا سب لوگ حالت احرام میں تھے میں نے گورخر کا ایک ریوڑ دیکھا جلدی سے اپنے گھوڑے کی طرف لپکا اس پر سوار ہوا اور جلدی میں کوڑا اٹھانا بھول گیا۔ میں نے ان حضرات سے کہا مجھے کوڑا دے دو انہوں نے اس سے انکار کیا میں نے گھوڑے سے اتر کر اپنا کوڑا لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر گورخروں کی جماعت کو تلاش کیا اور میں نے ان میں سے ایک گورخر کو شکار کر لیا میں نے بھی اس کا گوشت کھایا اور ان لوگوں نے بھی۔"

لغات: فرکبتھا: رکب(س) رکوبا و مرکبا الدابة و علی الدابة: چڑھنا، سوار ہونا۔ عجلت: عجل(س) عجلا و عجلة جلدی کرنا، کہا جاتا ہے۔ عجل به، الیه اس نے ایک کام سے دوسرے کام کی طرف جلدی کی۔

تشریح

شکار کی تعریف

هو الحيوان المتنع المتوحش فی اصل الخلقة یعنی شکار وہ جانور ہے جو اپنے ہاتھ پاؤں یا پروں کے ذریعہ سے تمتع ہو کر تربیت کے بغیر ہاتھ نہ آئے اور اصل خلقت کے اعتبار سے وہ متوحش ہو۔ حیوان یہ جنس ہے المتنع یہ فصل ہے اس سے حیوانات اہلیہ نکل گئے مثلاً گائے، بکری، دنبہ، مرغی وغیرہ المتوحش کے ذریعہ سے کبوتر، مانوس ہرن شکار میں داخل رہے۔ کیونکہ وہ اصل خلقت میں وحشی ہیں گو کسی طرح سے مانوس ہو گئے اور وہ اونٹ وغیرہ جو بھاگ کر وحشی ہو گیا ہے شکار نہیں کہلائے گا کیونکہ یہ اصل میں وحشی نہیں ہے۔ اس بات پر تو سب ہی علماء کا اتفاق ہے کہ محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا، شکار کا حکم دینا، شکار کی طرف اشارہ کرنا یا دلالت کرنا، مدد کرنا سب ناجائز ہے مگر بحری شکار کرنا

حلال ہے۔ قرآن کی اس آیت کی وجہ سے احل لکم صید البحر وطعامہ متاعالکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما۔

صید بری: خشکی والے حیوانات کی تعریف یہ ہے کہ اس کا۔

❶ توالد و تناسل خشکی میں ہو اگرچہ اس کی پرورش پانی میں ہی کیوں نہ ہو مثلاً مرغابی وغیرہ۔

❷ اور وہ جانور جو خشکی میں انڈے یا بچے دے اور وہ بھی اگرچہ پانی میں پرورش پائیں مثلاً مینڈک۔

❸ اور اسی طرح سے تمام پرندے خشکی کے جانور کہلائیں گے۔

صید بحری: ہر وہ جانور جس کا توالد و تناسل پانی میں ہو اگرچہ وہ پرورش خشکی میں پائیں۔ اصل اعتبار توالد و تناسل کا ہوگا۔ پرورش کا نہیں کیونکہ وہ ایک امر عارضی ہوتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔[1]

بیرون محرم میں غیر محرم کا شکار محرموں کے لئے شکار کرنا

خرجت فی رھط من اصحاب الخ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو اب کیا محرموں کے لئے اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت عمرؓ، عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، ابوہریرہؓ، زبیرؓ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، سعید بن جبیرؒ کے نزدیک ہر وہ شکار جس میں محرم کا کوئی دخل نہ ہو اور اس کو حلال آدمی نے محرم کے لئے شکار کیا ہو تو یہ محرم کے لئے جائز ہے۔ اگر محرم نے کسی قسم کا کوئی اشارہ یا دلالت، اعانت وغیرہ کی ہو تو اب یہ ناجائز ہو جائے گا۔

دوسرا مذہب: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ۔ ابوثورؒ، اسحٰق بن راہویہؒ وغیرہ کے نزدیک اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو اور اس میں محرم نے نہ حکم دیا اور نہ اشارہ کیا اور نہ دلالت کیا اور نہ ہی اعانت کی اور نہ غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا ہو تو اب ان شرطوں کے ساتھ تو غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کے لئے جائز ہوگا اور اگر غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا تو اب محرم کے لئے ایسا شکار کھانا بھی جائز نہیں ہوگا۔

تیسرا مذہب: امام عامر شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، لیث بن سعیدؒ، طاؤس بن کیسانؒ، وغیرہ کے نزدیک حلال آدمی کے شکار کردہ جانور کا گوشت محرم کے لئے مطلقاً ناجائز ہے خواہ غیر محرم نے اپنے لئے شکار کیا ہو یا محرم کو کھلانے کے لئے کیا ہو کسی بھی صورت میں یہ حلال نہیں ہوگا۔[2]

(۱) بدائع الصنائع۔

(۲) اوجز المسالک ۳۵۱/۶، کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ ۱۵۶/۲، عمدۃ القاری ۱۶۹/۱۰، نووی ۲۷۹/۱، المغنی لابن قدامہ ۳۱۴۵/۳۔

۳۵۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَرْتُ فِی الْبَحْرَیْنِ فَسَاَلُوْنِیْ عَنْ لَحْمِ الصَّیْدِ یَصِیْدُهُ الْحَلَالُ هَلْ یَصْلُحُ لِلْمُحْرِمِ اَنْ یَاْكُلَهُ؟ فَاَفْتَیْتُهُمْ بِاَكْلِهِ وَفِیْ نَفْسِیْ مِنْهُ شَیْءٌ، ثُمَّ قَدِمْتُ عَلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، فَذَكَرْتُ لَهُ مَاقُلْتُ لَهُمْ، فَقَالَ لَوْقُلْتَ غَیْرَ هٰذَا، مَا اَفْتَیْتَ بَیْنَ اِثْنَیْنِ مَابَقِیْتَ.﴾

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بحرین سے گزرا ان لوگوں نے مجھ سے اس شکار کے گوشت کے بارے میں دریافت کیا جسے حلال آدمی نے شکار کیا ہو کہ کیا محرم اسے کھا سکتے ہیں؟ میں نے انہیں کھانے کی اجازت دے دی لیکن میرے دل میں اس کے بارے میں کچھ شک تھا پھر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہیں اپنا جواب بتلایا تو انہوں نے فرمایا اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور بات کہتے تو جب تک زندہ رہتے دو آدمیوں کے درمیان بھی فتویٰ نہیں دے سکتے تھے۔"

لغات: یصلح: صلح (ک، ف، ن) صلاحا وصلوحا، وصلاحیة: درست ہونا، فساد کا زائل ہونا، کہا جاتا ہے صلحت حال فلان، فلاں کا حال درست ہو گیا۔

مابقیت: بقی (س) بقاء، وبقی (ض) بقیا ہمیشہ جن کو یقیناً عتبہ رہنا، ثابت رہنا۔

تشریح

اس اثر میں ماقبل والے ہی اثر کے مسئلہ کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ محرم کے لئے شکار کیا اگر غیر محرم نے کھا لیا تو اب اس کے کھانے کا فتویٰ دیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اور اس کی تائید حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔

احناف کے دیگر مستدلات

1. یہ بھی دلیل ہے احناف کی۔
2. روایت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جو رقم ۳۵۸ پر گزری ہے۔
3. اور وہ روایت جو رقم ۳۵۶ پر آ رہی ہے۔
4. اور وہ روایت جو رقم ۳۶۱ پر آ رہی ہے۔

۵ عمیر بن سلمہ ضمری رضی اللہ عنہ قال بینا نحن نسیر مع رسول اللہ ﷺ ببعض افناء الروحاء وھو محرم اذا حمار معقود فیہ سھم قدمات فقال علیہ السلام دعوہ فیو خیر شک صاحبہ ان یاتیہ فجاء رجل من بنز ھو الذی عقر الحمار فقال یارسول اللہ ھی رمیتی فشانکم بہ فامر علیہ السلام ابابکر ان یقسمہ بین الرفاق وھم محرمون۔
[1] (ترجمہ) حضرت عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ہمراہ مقام روحاء کے ایک میدان سے جارہے تھے درآنحالیکہ آپ محرم تھے اچانک دیکھا کہ ایک زخمی گورخر پڑا ہوا ہے جس کے بدن میں تیر اٹکا ہوا ہے اور وہ مرگیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اسی حالت میں چھوڑ دو عنقریب اس کا شکار کرنے والا آئے گا چنانچہ باہر کا ایک آدمی (یعنی زید بن کعب رضی اللہ عنہ) آئے جس نے اس کو زخمی کیا تھا اس نے عرض کیا یارسول اللہ یہ میرا تیر خوردہ ہے آپ کو ختیار ہے جو چاہیں کریں آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو ساتھیوں میں تقسیم کردیں اور حال یہ کہ ساتھی محرم تھے۔

۶ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا: اتیت عائشۃ فسالتہا من لحم الصید یصیدہ الحلال ثم یھدیہ للمحرم فقالت اختلف فیہ اصحاب رسول اللہ ﷺ فمنھم من حرمہ ومنھم من احلہ وما اری بشئ منہ باسا[2] ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر اس شکار کے گوشت کا بابت دریافت کیا کہ حلال آدمی کا شکار کرکے محرم کو ہدیہ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کی بابت اصحاب کا اختلاف ہے بعض نے حرام اور بعض نے حلال کہا میں تو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی۔

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات

۱ روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ: قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول صید البر لکم حلال مالم تصیدوہ او یصاد لکم[3] کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تمہارے لئے احرام کی حالت میں خشکی کا شکار حلال ہے جب کہ تم خود شکار نہ کرو تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے۔

۲ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ: قال رسول اللہ ﷺ الصید یاکلہ المحرم مالم یصدہ او یصاد لہ۔[4]

۳ حدیث صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ انہ اھدی لرسول اللہ ﷺ حمار اوحشیا وھو بالابواء فردہ علیہ فلما رای ما فی وجھہ قال انا لم نردہ علیک الا انا حرم۔[5]

(۱) نسائی، موطا مالک، مسند احمد، امام طحاوی، ابن خزیمہ۔ (۲) معانی الآثار۔
(۳) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان۔ (۴) الکامل لابن عدی۔
(۵) بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ۔

۳۶۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهِ الزُّبَیْرِ بْنُ الْعَوَامِّ رضی اللہ عنہ قَالَ کُنَّا نَحْمِلُ لَحْمَ الصَّیْدِ صَفِیْفًا، وَنَتَزَوَّدُوْنَا کُلُهُ وَنَحْنُ مُحْرِمُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.﴾

"حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم شکار کا خشک کیا ہوا گوشت ساتھ لے جاتے اور زاد راہ کے طور سے رکھتے اور اسے کھاتے بھی تھے حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں ہوتے تھے۔"

لغات: نحمل: حمل (ض) حملا و حملانا الشی علی ظهره: اٹھانا۔ الغضب غصہ ظاہر ہونا۔

تشریح

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی امام محمدؒ استدلال فرمارہے ہیں کہ غیر محرم کا شکار محرم کھا سکتا ہے یہی احناف کا بھی مذہب ہے۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسے کہ پہلے تفصیل سے گزرا ہے اور ائمہ ثلاثہ کے مستدلات بھی گزرے۔

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کے جوابات

ائمہ ثلاثہ نے اپنے مستدلات جو اس سے پہلے روایت یعنی رقم ۳۵۹ میں گزرے۔

ائمہ ثلاثہ کی پہلی روایت کا مفہوم

ان کے بارے میں احناف فرماتے ہیں کہ ان کی پہلی روایت جو جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول تھی "ایسا جانور جو تم شکار نہ کرو تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے" کہ اس حدیث کے مطلب کے بارے میں احناف فرماتے ہیں کہ یہ روایت فی نفسہ معلول ہے اولاً اس لئے کہ اس میں اضطراب ہے۔ چنانچہ یعقوب بن عبد الرحمٰن اسکندرانی قاریؒ، مالک ابن انسؒ، سلیمان بن بلالؒ، یحییٰ بن عبد اللہ بن سالمؒ اور ابراہیم بن ابی یحییٰ السلمیؒ اس کو عمرو بن عبد المطلبؒ عن جابرؓ متصل روایت فرماتے ہیں جب کہ دوسرے راوی عبد العزیز بن محمد داؤدیؒ نے اس کو عن عمرو عن رجل

من بنی سلمۃ عن جابر روایت کرتے ہوئے سند کو مجہول رکھا ہے۔

دوسری بات: اس لئے کہ عمرو بن ابی عمروؒ متکلم فیہ راوی ہیں۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ روایت لیتے ہیں مگر یہ راوی قوی نہیں یحییٰ بن معینؒ اور امام ابوداؤدؒ نے ان کو غیر قوی فرمایا ہے شیخ یحییٰؒ فرماتے ہیں و کان مالک یستضعفہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ صحیحین کے راوی ہیں مگر مختلف فیہ ہیں۔[1] شیخ سعدیؒ نے ان کو مضطرب الحدیث بتایا ہے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ اس روایت میں مطلب بن عبداللہ بن خطیب قرشی مخزومی مدنی یہ بھی متکلم فیہ راوی ہیں۔ بقول ابن سعدؒ کے ان کے روایت سے احتجاج صحیح نہیں صاحب تدلس میں سے ہیں۔[2] خود امام شافعیؒ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کا سماع ہم کو معلوم نہیں۔[3] قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں کہ ان کے تمام طرق ضعیف و مضطرب ہیں۔

چوتھی بات: یہ ہے کہ یصادلکم کا مفہوم یہ ہے کہ یصاد لامر کم کے معنی ہیں حکم کی وجہ سے شکار نہ کیا گیا ہو۔ اگر شکار محرم کے حکم کی وجہ سے کیا گیا ہے تو احناف کے نزدیک بھی یہ حرام ہوگا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جابرؓ کی روایت میں تین جزء ہیں۔ ① لحم الصید لکم فی الاحرام حلال ② مالم تصیدوہ ③ او یصادلکم پہلے جزء میں محرم کے لئے شکار کا گوشت حلال ہے۔ دوسرے جزء میں استثناء ہے کہ جس کو تم نے خود شکار کیا ہو یہ حلال نہیں۔ تیسرا جزء میں اگر او کو عاطفہ بناویں تو دوسرا جملہ تصیدوہ پر عطف ہوگا اور اس صورت میں تیسرا جزء یہ پہلے جزء سے مستثنیٰ ہوگا اس صورت میں مطلب حدیث یہ ہوگا کہ دو قسم کے شکار حکم حلت سے مستثنیٰ ہیں ایک وہ جو تم نے خود شکار کیا دوسرا وہ جو تمہارے لئے کیا گیا ہے۔

اور اگر تیسرے جملہ میں او کو الا کے معنی میں لیں تو دوسرا جزء تیسرے جزء سے مستثنیٰ ہوگا تو اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ شکار کا گوشت تمہارے لئے حلال ہے مگر جو تم نے خود شکار کیا وہ حرام ہے مگر جو شکار تمہارے لئے کیا گیا ہو وہ بھی حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے یعنی حلال ہے۔ اس کو تو احناف بھی تسلیم کرتے ہیں۔[4]

ائمہ ثلاثہ کی دوسری روایت کا مفہوم

ان کی دوسری روایت ابن عمرؓ کی روایت تھی جس میں آتا ہے کہ یاکلہ المحرم مایصدہ او یصادلہ محرم کھا سکتا ہے جب تک کہ وہ خود شکار نہ کرے نہ اس کے لئے شکار کیا جائے۔ اس روایت کو ابن عدیؒ نے بیان کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ہیں عثمان بن خالد عثمانیؒ اس کے بارے میں خود ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی کل احادیث غیر محفوظ ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی تیسری روایت کا مفہوم

حمار او حشیا کے الفاظ آتے ہیں اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ تھا۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس کے ترجمۃ الباب میں یہ عنوان دیا ہے باب اذا اھدی للمحرم حمار او حشیا حیالم یقبل [۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی ہے کہ وہ جانور زندہ تھا۔ زندہ شکار کو قبول کرنا محرم کے لئے تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اس جواب پر ائمہ ثلاثہ کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ابن شہاب زہریؒ سے سفیان بن عینیہؒ اور ابن اسحاقؒ کی روایت کے الفاظ میں یہ ہے۔ اھدی لرسول اللہ ﷺ لحم حماد وحش کہ وہ زندہ نہیں بلکہ وہ گوشت تھا۔ اسی طرح وہ طرق جو حکم سے منصور سے نقل کرتے ہیں اس میں آتا ہے اھدی لرسول اللہ ﷺ رجل حماد کہ وہ پاؤں تھا۔ اسی طرح تیسرے طریق میں جو شعبہؒ کی روایت میں آتا ہے عجز حمار وحش یقطر دما حبیبؒ سے جو شعبہؒ سے روایت آتی ہے اس میں شق حمار وحش کے الفاظ ہیں۔ ان تمام طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانور زندہ نہیں تھا بلکہ شکار کردہ تھا۔

جواب: ابن شہاب زہریؒ سے مالکؒ، معمرؒ، ابن جریجؒ، عبدالرحمٰن بن الحارثؒ، صالح بن کیسانؒ، ابن اخی ابن شہابؒ، لیث یونسؒ، محمد بن عمرو بن علقمہؒ ان سب کے طرق میں حمار وحش ہی کے الفاظ ہیں۔

خود امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اھدی حمار یہ لفظ زیادہ ثابت ہے بنسبت لحم حمار کے۔[۶] امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ کے بعض طرق میں بعض نے لحم حمار وحش کے الفاظ نقل کئے ہیں وہ غیر محفوظ ہیں۔ [۷]

حضرت ہشام بن عروہؒ کے مختصر حالات: نام ہشام ابو عبداللہ کنیت یہ حضرت زبیر بن عوامؓ کے پوتے ہیں۔ ہشامؒ یہ ایک جلیل القدر تابعی کے لڑکے اور ایک جلیل القدر صحابی کے پوتے تھے اس لئے علم وعمل کی دولت گویا انہیں اپنے خاندان سے وراثت میں ملی تھی۔

ابن سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے ثقہ ثبت کثیر الحدیث

حافظ ذہبیؒ نے "امام" "حافظ" اور "حجت" فرمایا ہے ابو حاتم رازی ان کو "امام حدیث" فرماتے ہیں یہاں تک کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان کی "توثیق" "جلالت" اور "امامت" پر سب کا اتفاق ہے۔

اساتذہ: عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عروہؓ، عباد بن عبداللہؓ، عمرو بن خزیمہؓ، عوف بن حارث بن طفیلؓ، ابی سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، وہب بن کیسانؒ، صالح بن ابی صالح السمانؒ، محمد بن ابراہیمؒ وغیرہ کے نام ذکر کئے ہیں۔

تلامذہ: یحییٰ بن سعید انصاریؒ، ایوب سختیانیؒ، مالک بن انسؒ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن جریجؒ، سفیان ثوریؒ، لیث بن سعدؒ، سفیان بن عیینہؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، وکیع بن جراحؒ، وغیرہ کے نام ذکر کئے گئے ہیں۔

وفات: بغداد میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی خلیفہ ابو جعفر منصور عباسیؒ نے نماز پڑھائی۔

تاریخ خطیب ۳۸/۱۴، تہذیب التہذیب ۴۸/۱۱، تہذیب الاسماء ۱۳۸/۱، طبقات ابن سعد ۶۷/۷، تذکرۃ الحفاظ ۱۲۹/۱۔

عن ابیہ (ای حضرت عروہ بن زبیرؓ) کے مختصر حالات: نام عروہ ابو عبداللہ کنیت مشہور صحابی حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زبیر بن عوامؓ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی ماں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت عمرؓ کے آخری ایام یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئے۔ جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکلنا چاہا لیکن اس وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی اس لئے شریک نہیں ہوسکے۔

اساتذہ: حضرت عائشہؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابوایوب انصاریؓ، ابوہریرہؓ، سعید بن زیدؓ، حکیم بن حزامؓ، ہشام بن حکیمؓ، جابر بن عبداللہؓ، حسن بن علیؓ، نعمان بن بشیرؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، عمرو بن سلمہؓ، اُم المؤمنینؓ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ عروہؒ حدیث کا بحر زخار تھے۔ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کان ثقہ کثیر الحدیث فقیھا عالیا مامونا ثبتا۔

حضرت عائشہؓ اعلم الناس تھیں عروہؒ نے حضرت عائشہؓ کے تمام علمی ذخیرہ کو اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا خود عروہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے میں نے ان کی کل حدیثیں محفوظ کر لی تھیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کو امام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عروہ کے بے شمار مناقب ہیں۔

وفات: ۹۱ھ میں نواح مدینہ میں انتقال ہوا۔ مزید حالات کے لئے دیکھیں۔

ابن خلکان ۳۱۰/۱، مختصر صفوۃ الصفوۃ ۱۳۱، طبقات ابن سعد ۳۴۴/۵، تہذیب التہذیب ۱۸۲/۷، شذرات الذھب ۱۰۳/۱، تذکرۃ الحفاظ ۵۴/۱، تہذیب الاسماء ۳۳۱/۱۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: نام زبیر، ابو عبداللہ، کنیت، لقب حواری رسول اللہ والد کا نام عوام والدہ کا نام صفیہ، حضرت زبیرؓ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

ولادت: ہجرت نبوی سے ۲۸ سال پہلے پیدا ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں اسلام میں داخل ہو گئے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

اور آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور بہت ہی بہادری سے جنگ کرتے کیونکہ ان کی والدہ بچپن ہی سے ان کو اسی کی تعلیم دی ہے۔ جیسے کہ منقول ہے کہ بچپن میں کسی نے ان کی والدہ صفیہؓ کی شکایت بنوہاشم سے کی کہ یہ زبیر کو اتنا مارتی ہیں کہ وہ کہیں مر نہ جائیں اس پر حضرت صفیہؓ نے یہ جواب دیا تھا۔ من قال انی ابغضہ فقد کذب انما اضربہ لکی یلب جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں اس نے جھوٹ بولا میں اس کو اس لئے مارتی ہوں کہ عقل مند ہوں۔ ویھزم الجیش ویاتی باالسلب الخ اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے۔

وفات: جب حضرت زبیر بن العوامؓ ظہر کی نماز میں سجدہ میں تھے تو عمرو بن جرموز نے تلوار کا وار کیا اور سر تن سے جدا کر دیا۔

اور جب ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر حضرت علی ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن صفیہؓ کے قاتل تجھے میں جہنم کی بشارت سناتا ہوں کہ جہنم تیری منتظر ہے۔

اس وقت حضرت زبیرؓ کی عمر چونسٹھ سال تھی ۳۶ھ میں شہید ہوئے وادی السباع میں مدفون ہوئے۔ فنور اللہ مرقدہ وحسن مثواہ۔

مزید حالات کے لئے دیکھیں۔ اصابہ تذکرہ زبیر، کنز العمال ۴۱۶/۶، زرقانی ۳۲/۲، سیرت ابن ہشام ۱۸۲/۲، طبقات ابن سعد ۷۳/۱، فتوح البلدان ۲۲۰، تاریخ طبری ۳۷۷، تاریخ ابن اثیر ۱۷۴/۳، استیعاب ۲۰۸/۱، تہذیب التہذیب ۲۷۴/۳، تہذیب الکمال ۲۸۴/۶، تذکرۃ الحفاظ ۱۰/۱، البدایہ والنہایہ ۲۵/۷۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ۱۷۹/۱۰۔

(۲) میزان الاعتدال ۱۲۹/۴۔

(۳) نقلہ ترمذی فی ترجمۃ الباب۔

(۴) مرقاۃ ۳۸۹/۵، بذل المجہود ۹۳/۹، باب لحم الصید للمحرم۔

(۵) بخاری ۲۴۱/۶۔ موطامالک ۳۶۶، ۳۶۷، مسلم ۳۷۹/۱۔

(۶) کتاب الام۔

(۷) ترمذی۔



۳٦۱

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ تَذَاكَرْنَا لَحْمَ الصَّيْدِ يَاْكُلُهُ الْمُحْرِمُ وَالنَّبِيُّ ﷺ نَائِمٌ، فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ فِيْمَ تَنَازَعُوْنَ؟ فَقُلْنَا فِيْ لَحْمِ الصَّيْدِ يَاْكُلُهُ الْمُحْرِمُ، فَاَمَرَنَا بِاَكْلِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ، اِذَا ذَبَحَ الْحَلَالُ الصَّيْدَ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَاْكُلَهُ الْمُحْرِمُ، وَاِنْ كَانَ ذَبَحَهُ مِنْ اَجْلِهِ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى. قَالَ مُحَمَّدٌ وَاَرَاهُمْ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثَ قَدْ تَنَازَعُوْا فِي الْفِقْهِ، فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمْ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ لِذٰلِكَ، فَلَمْ يَعِبْهُ عَلَيْهِمْ.

"حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانے پر بحث کر رہے تھے آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے ہماری آواز بلند ہوگئی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کس چیز میں جھگڑ رہے تھے؟ ہم نے کہا شکار کے گوشت کے بارے میں کہ محرم اسے کھا سکتا ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے ہمیں کھانے کی اجازت دی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر کوئی غیر محرم شکار کو ذبح کرے تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے خواہ اس نے اس کے لئے کیوں نہ ذبح کیا ہو۔ امام محمدؒ نے فرمایا میرا خیال ہے یہ حضرات اس حدیث کی گہرائی میں جانا چاہتے تھے ان کی آوازیں بلند ہوگئیں اس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی آنکھ کھل گئی آپ نے انہیں کچھ نہیں فرمایا۔"

لغات: تذاکرنا: ذکر (ن) ذکرا و تذکارا: تسبیح و تحمید کرنا۔ ذاکرہ مذاکرۃ فی الامر کسی معاملہ میں گفتگو کرنا۔

لحم: (ن) لحما الامر مضبوط کرنا۔ القصاب العظم ہڈی سے گوشت کو جدا کرنا۔

محرم: حرم (س) حرما و حراما (ک) حرما و حرما علیہ الامر حرام ہونا، اسی سے حرام بھی ہے کہ ایسا واجب جس کا ترک کرنا جائز نہ ہو۔

ارتفعت: رفع (ف) رفعا الشی اٹھانا۔

اصواتنا: صات یصوت و یصات (ن) صوتا آواز دینا، پکارنا۔

تشریح

اس اثر میں بھی احناف کے مذہب کی تائید ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو محرم کو اس کا کھانا جائز ہے۔ اس اثر سے پہلے احناف کے اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کے جوابات لکھے گئے اور اب عقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے مثلاً شکار کو حرام کرنے والی چیزیں دو ہیں۔

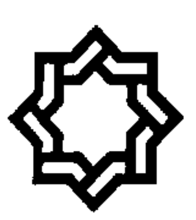
❶ احرام کی حالت میں ہونا۔

❷ حدود حرم۔

ان دونوں پر سب کا ہی اتفاق ہے۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص حدود حرم سے باہر حل میں شکار کر کے حل ہی میں ذبح کر دے پھر اس کا گوشت حرم میں داخل کرے تو اس کو حدود حرم میں کھانا جائز ہے۔

اور شکار کے گوشت کو حرم میں داخل کرنا زندہ شکار کے داخل کرنے کی طرح نہیں ہے کیونکہ شکار کے گوشت کا داخل کرنا جائز ہے اور جب زندہ شکار کا داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ تو اب دونوں میں فرق ہوگا کہ حرم میں زندہ شکار کو تو داخل کرنا جائز ہے مگر حدود حرم میں شکار کا گوشت کھانا منع نہیں ہے جس کو حل میں شکار کر کے حل ہی میں ذبح کیا گیا ہو۔ تو اب عقل کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ احرام محرم پر زندہ شکار کو حرام کر دے گا اور اس شکار کے گوشت کو حرام نہیں کرے گا جس کو حلال نے ذبح کیا ہو۔[1]

(۱) امام طحاوی ۱/۳۹۰۔



۳۶۲

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِذَا اشْتَرَكَ الْقَوْمُ الْمُحْرِمُوْنَ فِيْ صَيْدٍ فَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ جَزَاؤُهٗ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، اَلَا تَرٰى اَنَّ الْقَوْمَ يَقْتُلُوْنَ الرَّجُلَ جَمِيْعًا خَطَأً فَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ كَفَّارَةُ عِتْقِ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ، فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ.﴾

"حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر کئی محرم کسی شکار کے قتل کرنے پر جمع ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک پر اس کی پوری جزاء آئے گی۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر لوگ مل کر غلطی سے کسی ایک آدمی کو قتل کر دیں تو ان میں سے ہر ایک پر ایک مؤمن غلام آزاد کرنے کا کفارہ آئے گا اگر وہ نہ ملے تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے۔"

تشریح

ایک جانور کو کسی محرم نے شکار کیا

اِذَا اشْتَرَكَ الْقَوْمُ الْمُحْرِمُوْنَ فِيْ صَيْدٍ فَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ جَزَاؤُهٗ، اگر کئی محرم کسی شکار کے قتل کرنے پر جمع ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک پر اس کی پوری جزاء آئے گی۔

اس بارے میں بھی فقہائے کے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، ایک قول امام احمدؒ، حسن بصریؒ، شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، سفیان ثوریؒ، وغیرہ کا ہے ان کے نزدیک اگر ایک شکار پر کئی محرم شریک ہوں تو سب پر الگ الگ پوری پوری جزاء آئے گی۔

دوسرا مذہب: حضرت عمرؓ، طاؤسؒ، زہریؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ اور اوزاعیؒ، امام شافعیؒ ان سب کے نزدیک ایک ہی جزاء میں سب مشترک ہوں گے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

پہلے مذہب والے یعنی احناف وغیرہ فرماتے ہیں کہ قتل میں شرکت کر کے ان میں سے ہر ایک نے ایسی جنایت کی

ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی اور جو فعل قابل تقسیم نہ ہو تو وہ ہر ایک کی طرف پورا پورا منسوب ہوتا ہے جیسے کہ قصاص اور کفارۂ قتل وغیرہ اور دوسری طرف اگر کئی آدمی ایک شکار کی طرف رہنمائی کریں تو ان پر کامل جزاء آتی ہے تو قتل میں شریک ہونا یہ تو رہنمائی سے بڑھ کر ہے۔ تو اس میں تو بدرجہ اولی کامل جزاء آنی چاہئے۔ اور یہ جزا چونکہ ہر ایک کے فعل پر ہے اور فعل جنایت متعدد ہے تو جزاء بھی متعدد ہوگی۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

دوسرے مذہب والے یعنی امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر ضمان جو آتا ہے وہ محل کے اعتبار سے آتا ہے تو یہاں پر محل (جانور) تو ایک ہی ہے اگرچہ قتل کرنے میں اور ضمان محل کے اعتبار سے آتا ہے تو جانور تو ایک ہی ذبح ہوا ہے اس لئے ایک ہی جزاء آئے گی۔ [1]

اسی کی طرف صاحب ہدایہ نے اپنی اس عبارت سے اشارہ کیا ہے۔ واذا اشترک محرمان فی قتل صید فعلی کل واحد منھما جزاء کامل لان کل واحد منھما بالشرکۃ یصیر جانیا جنایۃ تفوق الدلالۃ فعدد الجزاء بتعدد الجنایۃ۔ [2]

---

(۱) فتح القدیر مع ہدایہ۔

(۲) ہدایہ۔



۳۶۳

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ اَبِی الْهَيْثَمِ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اُهْدِیَ لَهٗ ظَبْيَانِ وَبَيْضُ نَعَامٍ فِی الْحَرَمِ، فَاَبٰی اَنْ يَقْبَلَهٗ وَقَالَ هَلاَّ ذَبَحْتَهُمَا قَبْلَ اَنْ تَجِیْئَ بِهِمَا؟ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، اِذَا اُدْخِلَ شَیْءٌ مِنَ الصَّيْدِ الْحَرَمَ حَيًّا لَمْ يَحِلَّ ذَبْحُهٗ، وَلَا بَيْعُهٗ، وَخَلّٰی، سَبِيْلَهٗ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.﴾

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا انہیں حرم میں دو ہرن اور شتر مرغ کے انڈے ہدیہ کئے گئے انہوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا تم ان کو لانے سے پہلے ذبح کر کے کیوں نہیں لائے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اگر کوئی شکار حرم میں زندہ داخل کیا جاتا ہے تو اس کا ذبح کرنا یا بیچنا جائز نہیں اسے چھوڑ دینا چاہئے یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات:

تشریح

یہ بات گزشتہ کئی آثار سے معلوم ہو رہی ہے کہ محرم کے لئے کسی قسم کا کوئی شکار حرم کے اندر جائز نہیں، ہاں اگر اس کی طرف سے کوئی شکار غیر حرم میں کرے بشرطیکہ محرم نے اس شکار کی طرف نہ اشارہ کیا ہو اور نہ دلالت کی ہو اور نہ ہی کسی قسم کی اعانت کی ہو۔ اور اگر محرم نے کسی جانور کو حرم میں ذبح کر دیا تو وہ بالاتفاق سب ائمہ کے نزدیک مردہ ہو گا اس کا کھانا اب کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ اور قتل کرنے والے محرم پر اس جانور کی جزاء بھی آئے گی۔

حدود حرم میں شکار اور شکار کرنے والے کے اعتبار سے عقلی چار صورتیں

1. شکار کرنے والا (صائد) اور شکار دونوں حرم میں ہوں۔
2. شکار کرنے والا اور شکار دونوں حرم کے باہر ہوں۔
3. شکار کرنے والا تو حرم کے باہر ہو اور شکار حرم کے اندر ہو۔
4. شکار تو حرم کے باہر ہو اور شکار کرنے والا حرم میں ہو۔

پہلی صورت میں تو شکار کا کھانا بالاتفاق حرام ہے اور صائد پر اس کے قتل کا ضمان بھی واجب ہوگا۔ الا دزاد ظاھری ؒ کہ ان کے نزدیک ضمان نہیں آتا ہے۔

دوسری صورت میں کہ دونوں حرم کے باہر ہو (یعنی صائد اور صید) اس صورت میں کوئی جرمانہ نہیں ہوگا سب کے لئے اس کا شکار کھانا جائز ہوگا۔

تیسری صورت یہ بھی بالاتفاق حرام کی ہے اس شکار کا کھانا حرام ہے۔

چوتھی صورت میں علامہ ابن القاسم ؒ فرماتے ہیں کہ حدود حرم میں شکار کرنے والے کے حکم میں ہوگا یعنی اس شکار کا کھانا حرام ہوگا۔

مگر علامہ عبدالملک (الماجشون ؒ) فرماتے ہیں کہ شکار تو حرم میں نہیں ہے اس لئے اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس شکار کو حلال کریں گے اس کا کھانا حلال ہوگا۔

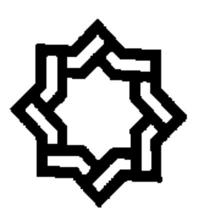
حضرت الہیثم بن ابی الہیثم ؒ کے مختصر حالات حدیث نمبر کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

حضرت الصلت بن حنین ؒ کے مختصر حالات:

اساتذہ: ان کے اساتذہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی ہیں۔

ان کے شاگردوں میں حضرت الہیثم بن ابی الہیثم ؒ ہیں ان سے امام ابوحنیفہ ؒ بھی روایت کرتے ہیں اور محدثین ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے حالات روضۃ الازھار جلد اول، حدیث نمبر ۸ میں گذر چکے ہیں۔



باب من عطب هديه في الطريق
جسکی ہدی راستے میں مرجائے ایسے شخص کا بیان

۳٦٤

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِ عَنْ خَالَتِهٖ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُهَا عَنِ الْهَدْيِ اِذْ عَطِبَ فِي الطَّرِيْقِ كَيْفَ يَصْنَعُ بِهٖ؟ قَالَتْ اَكْلُهٗ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ تَرْكِهٖ لِلسِّبَاعِ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ فَاِنْ كَانَ وَاجِبًا فَاصْنَعْ بِهٖ مَا اَحْبَبْتَ وَعَلَيْكَ مَكَانَهٗ، وَاِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَتَصَدَّقْ بِهٖ عَلَى الْفُقَرَاءِ، فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ فِيْ مَكَانٍ لَا يُوْجَدُ فِيْهِ الْفُقَرَاءِ فَانْحَرْهُ، وَاغْمِسْ نَعْلَهٗ فِيْ دَمِهٖ، ثُمَّ اضْرِبْ بِهٖ صَفْحَتَهٗ، ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ يَاْكُلُوْنَ، فَاِنْ اَكَلْتَ مِنْهُ شَيْئًا فَعَلَيْكَ مَكَانَ مَا اَكَلْتَ، وَاِنْ شِئْتَ صَنَعْتَ بِهٖ مَا اَحْبَبْتَ وَعَلَيْكَ مَكَانَهٗ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ.

"حضرت ابراہیم نخعیؒ کی خالہ فرماتی ہیں۔ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس ہدی کے بارے میں پوچھا کہ اگر وہ راستے میں مرجائے تو اس کا کیا کیا جائے تو انہوں نے فرمایا میرے نزدیک اس کا کھانا اسے برباد کرنے سے بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر ہدی واجبہ ہے تو اس کا جو چاہے کریں البتہ اس کے بدلے میں ایک اور ہدی دینا پڑے گی۔ اور اگر وہ نفلی ہے تو اسے فقراء پر صدقہ کر دو اگر وہ ایسی جگہ پر مرتی ہے جہاں فقراء نہ ہوں تو اسے ذبح کر دو اور اس کا قلادہ اس کے خون میں ڈبو کر اس کے کنارے کو (کوہان) پر مار دو پھر لوگوں کے کھانے کے لئے اس کو چھوڑ دو اگر تم نے اس سے کچھ کھا لیا تو اس کا بدلہ دو اور اگر چاہو تو جو پسند کرو اس کے ساتھ کرو اور اس کے بدلے دوسرا جانور دے دو امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔"

تشریح

فان کان واجبا کہ اگر ہدی واجبہ ہے تو اس کے بدلے میں دوسری ہدی دینا ہوگی۔

محدثین فرماتے ہیں کہ ہدی کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ ہدی حرم تک پہنچ گئی۔
2. حرم تک پہنچنے سے پہلے پہلے وہ راستہ میں ذبح کردی جائے۔

تو وہ ہدی جو حرم تک پہنچ گئی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ہدی نفلی ہو یا تمتع، قران یا قربانی وغیرہ کی ہو تو اب صاحب ہدی کو اس سے کچھ کھانا افضل اور بہتر ہوگا۔ اس کے علاوہ ہدی سے کھانا صاحب ہدی اور غنی کو جائز نہیں ہے۔[1]

راستہ میں جو جانور مرجائے

دوسری قسم ہدی کی جو حرم پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں ذبح کرنی پڑ گئی تو اس میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک اگر ہدی واجبہ ہے یا تطوع مگر اس کا بدل دینا کا ارادہ ہے تو اب اس ہدی کو وہ خود بھی کھاسکتا ہے اغنیاء اور فقراء کو بھی کھلاسکتا ہے یہاں تک کہ اس کے گوشت کو فروخت بھی کرسکتا ہے۔

وان کان تطوعا فتصدق بہ اگر وہ نفلی ہو تو اس کو فقراء پر صدقہ کردو یعنی اگر ہدی تطوع کی تھی مگر اس کا بدلہ دینے کا صاحب ہدی کا ارادہ نہیں تو اب صاحب ہدی اور اغنیاء اس ہدی سے نہیں کھاسکتے اس میں اب صرف فقراء کا حق ہی ہے۔ اور اگر فقراء نہ ملیں تو اس پر نشان لگادے تاکہ اس سے اغنیاء نہ کھائیں۔[2]

دوسرا مذہب: دوسرا مذہب اس کے برعکس ہے وہ امام شافعیؒ وغیرہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ہدی نفلی ہے تو اب صاحب ہدی کو اس میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر ہدی نذر وغیرہ کی، واجبہ ہے تو اب صاحب ہدی اور اس کے رفقاء اور اغنیاء اس سے نہیں کھائیں گے اس میں ایسے فقراء کا حق ہے جو اس قافلہ میں ساتھ نہ ہوں۔

دوسرے مذہب والوں کا جواب

جو ان کی روایت میں آتا ہے۔ لا تاکل منھا انت ولا احد من اھل رفقتک[3] کہ اس میں سائق ہدی اور رفقاء مطلقاً منع کیا گیا ہے حالانکہ احناف کے نزدیک اگر وہ فقراء ہوں تو استعمال کرسکتے ہیں اغنیاء کے لئے جائز نہیں اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے جن کو منع فرمایا وہ حضرات غنی تھے۔[4]

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم سدًّا للباب تھا۔ کہ کہیں وہ لوگ معمولی بہانے سے ذبح نہ کرنے لگ جائیں۔[5]

حضرت منصور بن المعتمرؒ کے حالات گذر چکے ہیں۔

حضرت ابراہیم النخعیؒ کے حالات گذر چکے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے حالات گذر چکے ہیں۔

(۱) شامی ۲/۲۷۱۔

(۲) ہدایہ دیکھیں۔ اعلاء السنن ۱۰/۲۷۷، باب مایفعل بالھدی اذاخافہ علیہ العطب، بیہقی الکبریٰ ۵/ ۲۴۴۔

(۳) مسلم ۱/۴۲۷، باب مایفعل بالھدی اذاعطب فی الطریق۔

(۴) اعلاء السنن ۱۰/۲۷۷، باب مایفعل بالھدی اذاخاف علیہ العطب۔

(۵) معارف السنن ۶/۵۰۵، فتح الملہم ایضاً ۳/۳۵۶ باب مایفعل بالھدی اذاعطب فی الطریق۔



باب مایصلح للمحرم من اللباس والطیب

محرم کے لئے کون سا لباس اور خوشبو لگانا جائز ہے

۳۶۵

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ عَنِ الْهِمْیَانِ یَلْبَسُهُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰی.﴾

''حضرت خارجہ بن عبداللہ ؒ نے فرمایا میں نے حضرت سعید بن المسیب ؒ سے پیٹی (تھیلی) کے بارے میں پوچھا کہ محرم اسے باندھ سکتا ہے؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں۔''

تشریح

محرم کا ہمیانی باندھنا

عن الھمیان یلبسہ المحرم؟ پیٹی محرم باندھ سکتا ہے؟ ''ھمیان'' لمبی تھیلی، پیٹی جو آدمی اپنے نقد مال کی حفاظت کے لئے اپنی کمر میں باندھتا ہے۔

اس میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۔ سعید ابن المسیبؒ ، طاؤسؒ ، مجاہدؒ ، ابراہیم نخعیؒ ، احنافؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ ، ان سب کے نزدیک محرم کا اپنی کمر میں تھیلی کا باندھنا جائز ہے۔

دوسرا مذہب: اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ کا ہے وہ منع فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر ضروری ہو تو تسمے کو ایک دوسرے میں داخل کرلے۔

تیسرا مذہب: امام مالکؒ اگر اپنے مال کے لئے باندھتا ہے تو جائز ہے مگر دوسرے کے مال کے لئے اپنی کمر میں تھیلی باندھنا مکروہ ہے۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت عبداللہ بن عباس قال لا باس بالھمیان والخاتم للمحرم۔ (۱)

عقلی دلیل یہ ہے کہ محرم کے لئے ممانعت تو سلے ہوئے کپڑے میں ہے اور ہمیانی سلے ہوئے کپڑے کے حکم میں نہیں ہے اس لئے اس کو باندھ سکتا ہے بلا کراہیت اپنے لئے بھی باندھ سکتا ہے، دوسرے کے لئے بھی باندھ سکتا ہے۔

اسی کو صاحب ہدایہ نے الفاظ میں بیان فرمایا ہے ولا باس ان یشد فی وسطہ الھمیان وقال مالک یکرہ اذا کان فیہ نفقۃ غیرہ لانہ لا ضرورۃ ولنا انہ لیس فی معنی لبس المخیط فاستوت فیہ الحالتان۔ (۲)

حضرت خارجہ بن عبداللہؒ کے حالات حدیث نمبر میں گزر چکے ہیں۔
حضرت سعید بن المسیبؒ کے حالات حدیث نمبر میں گزر چکے ہیں۔
(۱) طبرانی، ابن عدی، ولکن اسنادہ ضعیف۔
(۲) ہدایہ (باب الاحرام)۔



۳۶۶

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ جَمْهَانَ قَالَ بَيْنَمَا عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فِى الْمَسْعٰى وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ لَوْنَ الْهَرَوِىِّ، اِذَا عَرَضَ لَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ اَتَلْبَسُ هٰذَيْنِ الْمَصْبُوْغَيْنِ وَاَنْتَ مُحْرِمٌ قَالَ اِنَّمَا صَبَغْنَا بِمَدَرٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا نَرٰى بِهٖ بَاْسًا لِاَنَّهٗ لَيْسَ بِطِيْبٍ وَلَا زَعْفَرَانٍ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت کثیر بن جمہانؒ نے فرمایا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سعی کی جگہ پر تھے انہوں نے ہروی رنگ کے رنگے ہوئے دو کپڑے پہن رکھے تھے۔ ایک صاحب ان کے سامنے آئے اور ان سے عرض کیا کیا آپ حالت احرام میں یہ رنگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہم نے انہیں مٹی سے رنگا ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اس لئے کہ وہ خوشبو اور زعفران نہیں ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

لغات:

تشریح

محرم رنگے ہوئے احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں

اس میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: مجاہد بن جبیرؒ، عروہ بن زبیرؒ ابن حزم ظاہریؒ ہشام بن عروہؒ وغیرہ کے نزدیک ورس یا زعفران وغیرہ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے خواہ اس کو دھو کر صاف بھی کر لیا جائے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ مشہور قول امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، قتادہ بن دعامہؒ، سعید بن جبیرؒ کے نزدیک اگر دھو کر صاف اور اس کی خوشبو کو ختم کر لیا جائے تو جائز ہے صرف اس کا رنگ باقی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

روایت عبداللہ بن عمرؓ میں ہے ورس اور زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے پہننے کی ممانعت کی گئی ہے تو اس قسم کے کپڑے کو دھونے کے بعد بھی جائز نہیں ہوگا۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال

روایت عبداللہ بن عباسؓ قال لاباس ان یحرم الرجل فی ثوب مصبوغ زعفران قد غسل فلیس لہ نفض ولا ورع۔[۲]

امام طحاویؒ سے سعید بن المسیبؒ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ میرے پاس زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے اور میں احرام باندھتا ہوں تو ان سے کہا قسم کھا کر بتلاؤ کیا تمہارے پاس اور کپڑے نہیں ہیں۔ تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اور کپڑا نہیں ہے تو امام موصوف نے فرمایا کہ دھو کر استعمال کر سکتے ہو۔[۳]

اسی طرح امام طاؤس بن کیسانؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ دھو کر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[۴]

عقلی وجہ: صاحب ہدایہ یہ بیان فرماتے ہیں لان المنع للطیب لا للون۔[۵]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں جو ممانعت ہے وہ خوشبو کی وجہ سے ہے نہ کہ رنگ کی وجہ سے اور دھونے کے بعد جب خوشبو ختم ہو گئی تو اب جائز ہوگا۔

حضرت عطاء بن السائب کے حالات حدیث نمبر میں گذر چکے ہیں۔

حضرت کثیر بن جمہانؒ کے مختصر حالات: یہ قبلہ سلمی یا الاسلمی کے ہیں ان کی کنیت ابو جعفر ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کے شاگردوں میں سے ہیں ابن حبانؒ وغیرہ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے امام بخاریؒ نے بھی ان سے اپنی تاریخ میں روایت نقل کی ہے۔

---

(۱) طحاوی ۱/۳۶۹۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، ابو یعلی موصلی۔

(۳) طحاوی ۱/۳۷۰۔

(۴) طحاوی ۱/۳۷۰۔ (۵) ہدایہ۔

۳۶۷

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ طِيْبِ الرَّجُلِ وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ لَاَنْ اَصْبَحَ اَنْتَضِحُ قَطْرَانًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَصْبَحَ اَنْتَضِحُ طِيْبًا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَتَطَيَّبَ بِشَيْءٍ مِنَ الطِّيْبِ بَعْدَ الْاِحْرَامِ.﴾

"حضرت محمد بن المنتشرؒ نے فرمایا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انسان کے حالت احرام میں خوشبو لگانے کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا میں تارکول لگالوں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں خوشبو لگاؤں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ محرم کے لئے احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔"

تشریح

لا ینبغی للمحرم ان یتطیب بشئ من الطیب بعد الاحرام مناسب نہیں ہے محرم کے لئے کہ احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا۔

کیا محرم احرام کے بعد خوشبو لگا سکتا ہے؟

اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی نے کسی قسم کی کوئی خوشبو احرام باندھنے کے بعد لگائی تو دم آئے گا۔ خواہ یہ خوشبو قصدًا ہو یا نسیانًا ہو۔ پھر اس میں فقہاء نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ محرم نے اپنے پورے ایک عضو یعنی سر یا کان، چہرہ، پنڈلی، کلائی وغیرہ ایک عضو کامل پر خوشبو لگائی تو اب اس پر ایک دم یعنی بکری ذبح کرنا واجب ہو جائے گا کیونکہ یہاں پر جنایت کامل ہے (یعنی پورے عضو پر ہے) اس لئے اس پر ضمان کامل یعنی دم آئے گا۔ اور ایک پورے عضو سے کم میں خوشبو لگائی تو اس میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: شیخین کا ہے کہ اس صورت میں صدقہ واجب ہوگا۔

دوسرا مذہب: امام شعبیؒ کا ہے کہ اس صورت میں بھی پورا دم آئے گا کیونکہ وجوب دم کے حق میں کم اور زیادہ سب برابر ہیں کیونکہ خوشبو تو پائی جا رہی ہے۔

پہلے مذہب والے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وجوب جنایت باختیار جنایت کے آتا ہے جب جنایت میں قصور ہوگا تو ضمان میں بھی قصور اور نقصان ہوگا اور ضمان میں نقصان صدقہ سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

تیسرا مذہب: امام محمدؒ کا ہے یہ جزء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے جرم کے بقدر دم واجب کرتے ہیں۔ مثلاً نصف عضو پر خوشبو لگائی تو دم کا نصف واجب ہوگا اور اگر چوتھائی عضو میں خوشبو لگائی تو دم کا چوتھائی واجب ہوگا۔ وغیر ذلک۔[1]

حضرت ابراہیم بن محمد بن المنتشرؒ کے مختصر حالات: یہ ائمہ الدین میں سے تھے۔

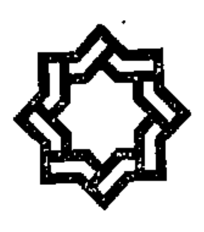
اساتذہ: اپنے والد ماجد اور اسی طرح ایک جماعت محدثین سے انہوں نے علم حاصل کیا۔

شاگرد: ان کے شاگردوں میں سے شعبہؒ، سفیان الثوریؒ، ابو عوانہؒ وغیرہ تھے۔

ان کے بارے میں جعفر الاحمرؒ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں اپنے زمانہ میں میں نے ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا لوگوں نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

مزید حالات کے لئے تاریخ الاسلام ۱۴۱ تا ۱۶۰، تہذیب الکمال ۱/۴۱۶ وغیرہ میں دیکھیں۔

(۱) ہدایہ (باب الجنایات) مع فتح القدیر۔



باب مایقتل المحرم من الدواب

محرم کے لئے کن جانوروں کا قتل کرنا جائز ہے

۳۶۸

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْفَارَةَ، وَالْحَیَّةَ، وَالْكَلْبَ الْعَقُوْرَ، وَالْحِدَاۃَ، وَالْعَقْرَبَ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَمَا عَدَا عَلَیْكَ مِنَ السِّبَاعِ فَقَتَلْتَهٗ فَلَا شَیْئَ عَلَیْكَ.﴾

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا محرم چوہے، سانپ، پاگل کتے، چیل، اور بچھو کو مار سکتا ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ اور جو درندہ تم پر حملہ کرے اور تم اسے مار دو تو تم پر کچھ تاوان لازم نہیں آئے گا۔"

۳۶۹

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَالِمُ الْاَفْطَسِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ صَحِبْتُ اِبْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا فَبَصَرَ بِحِدَاۃٍ عَلٰی دَبْرَۃِ بَعِیْرِهٖ، فَاَخَذَ الْقَوْسَ فَرَمَاهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ، وَمَا عَدَا عَلَیْكَ مِنَ السِّبَاعِ فَقَتَلْتَهٗ فَلَا شَیْءَ عَلَیْكَ.﴾

"حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا کہ انہوں نے اپنے اونٹ کے پچھلے حصے پر ایک ایک چیل کو بیٹھے دیکھا اور کمان لے کر حالت احرام میں ہی اسے مار ڈالا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں جو درندہ آپ پر حملہ کر دے آپ اس کو مار ڈالیں تو اس میں آپ پر کچھ نہیں آئے گا۔"

تشریح

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ محرم کو حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں جیسے کہ قرآن میں فرمایا وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما۔ مگر یہاں پر چند ایسے جانوروں کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا جارہا ہے کہ ان کو محرم مار سکتا ہے اور اس مارنے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کا ضمان بھی نہیں آئے گا۔

سوال: قرآن کی آیت میں تو مطلقاً شکار حرام کیا گیا ہے تو کلام الٰہی میں تغیر آئے گا۔ یہ بات تو آپ ﷺ سے بھی محال ہے۔

جواب: جن روایات میں چند جانوروں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہاں حقیقۃً استثنیٰ مراد نہیں ہے جب کہ آپ ﷺ نے اسی آیت کی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ اس آیت کریمہ میں یہ چند جانور داخل نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں پر استثنا مستعار ہے بیان کے لئے۔

شیخ چلپیؒ فرماتے ہیں یہاں پر استثنیٰ بمعنی اظہر الاستثناء ہے اذ یجوز ان یستثنی اللّٰہ تعالٰی بوحی غیر متلو فینظرہ ﷺ۔

یقتل المحرم الفارۃ والحیۃ۔ محرم مار سکتا ہے، چوہا، سانپ۔

محرم حالت احرام میں کتنے جانور مار سکتا ہے اس بارے میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو سات جانور ہوتے ہیں۔

1. الحیۃ سانپ۔
2. الفارہ، چوہا۔
3. عقرب بچھو۔
4. وزغ گرگٹ اور چھپکلی۔
5. حداۃ، چیل۔
6. غراب ابقع، گندگی کھانے والا کوا اصل میں یہ اس کوے کو کہتے ہیں جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو اور مزاج میں ہی اس کے گندگی کھانا ہو۔
7. کلب عقور۔ کاٹنے والا اور حملہ کرنے والا کتا۔[1]

وماعدا علیک من السباع فقتلتہ فلاشئ علیک۔ اور جو درندے تم پر حملہ کردے اور تم ان کو مار دو تو تم پر کچھ بھی واجب نہیں۔

کہ اگر کسی نے ایسے درندے کو مارڈالا جو محرم پر حملہ کرنے والا تھا تو اس صورت میں ائمہ کے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: جمہور فقہاء کے نزدیک ایسے محرم پر کچھ بھی واجب نہیں۔

دوسرا مذہب: امام زفرؒ کہ اس پر اس جانور کی قیمت واجب ہوگی مگر بھیڑیا قتل کرنے کی صورت میں ضمان نہیں آئے گا۔

پہلے مذہب والوں (یعنی جمہور کا) استدلال

روایت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ یقتل المحرم السبع العادی[۲]

عقلی دلیل یہ ہے کہ محرم کے لئے اپنی ذات سے اذی دور کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ جیسے کہ حدیث فواسق میں ہے۔ محرم کے لئے ایسے جانور کو اپنے سے دور کرنے کی اجازت ہے۔ جس سے اذی کا وہم ہوسکتا ہے اور بخلاف درندے کے یہاں پر صرف وہم نہیں بلکہ یقینی ہے کہ وہ حملہ کر کے نقصان پہنچائے گا۔ تو ایسی صورت میں اجازت بطریق اولیٰ ہوگی۔

دوسرے مذہب (یعنی امام زفرؒ کا) استدلال

امام زفرؒ قیاس کرتے ہیں کہ اس طرح عام جانور (مثلاً اونٹ) نے محرم پر حملہ کیا اس پر محرم نے اس کو مار ڈالا تو اب اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اسی طرح درندے میں بھی یہی حکم ہوگا۔

امام زفرؒ کے قیاس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کہ جب محرم کو درندے کے مارنے کی اجازت دے دی گئی ہے بخلاف عام جانور کے کہ اس کے مارنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے تو لہٰذا مالک کا حق ثابت رہے گا اور پھر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ یہاں پر ایسا نہیں ہے۔[۳]

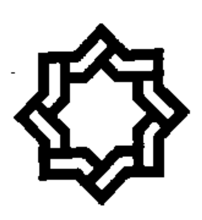
علامہ کاسانیؒ نے اس مسئلہ کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ جانوروں کی دو قسمیں ہیں:

❶ وہ جانور جو طبعاً ایذاء پہنچانے اور اکثر اس ایذاء رسانی میں پہل بھی کرتے ہیں مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر محرم ایسے جانوروں کو مار دیتا ہے تو اس پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہوتی۔

❷ دوسرے وہ جانور ہیں جو ایذا رسانی میں پہل نہیں کرتے جیسے چرغ (شکرہ کی قسم ہے) وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ جانور محرم پر حملہ کرنے میں پہل کریں تو محرم ان کو مار سکتا ہے اور اس مارنے پر بھی اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور اگر اس جانور نے ابتداء حملہ نہیں کیا تو محرم کو ایسے جانور کو مارنے کی اجازت نہیں ہے اگر اس کو محرم نے مار دیا تو اب اس پر جزاء واجب ہوگی۔[۴]

حضرت نافعؒ کے مختصر حالات حدیث نمبر۹۸ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔
حضرت ابن عمرؓ کے مختصر حالات حدیث نمبر۸ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔
سالم الافطس کے مختصر حالات حدیث نمبر کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔
سعید ابن جبیرؒ کے مختصر حالات حدیث نمبر۱۶ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۱) مسلم ۳۸۲/۱، باب ماینددب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم، نسائی ۲۵/۲، معارف السنن ۳۴۲/۶۔
(۲) ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ۔
(۳) ہدایہ مع فتح القدیر۔
(۴) بدائع الصنائع۔



باب تزويج المحرم

حالت احرام میں نکاح کا بیان

۳۷۰

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ اَبِى الْهَيْثَمِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا بِعُسْفَانَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ لَا نَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا، وَلٰكِنَّهُ لَا يُقَبِّلُ، وَلَا يَلْمَسُ، وَلَا يُبَاشِرُ حَتّٰى يَحِلَّ، وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.﴾

"حضرت الہیثم بن ابی الہیثمؒ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عسفان نامی جگہ میں حالت احرام میں نکاح کیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے البتہ محرم جب تک حلال نہ ہوجائے بوسہ نہیں لے گا نہ چھوئے گا نہ مباشرت کرے گا یہی بات امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔"

تشریح

کیا محرم آدمی نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ملتے ہیں۔

پہلا مذہب: امام شافعیؒ، امام مالکؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن ابراہیمؒ، سالم بن عبداللہؒ، سعید بن المسیبؒ، لیث بن سعدؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے اگر کرلیا جائے تو یہ نکاح نہیں ہوگا۔

دوسرا مذہب: عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ، معاذ بن جبلؓ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، حکم بن عتیبہؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، سفیان ثوریؒ، عکرمہؒ، مسروق بن اجدعؒ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا تو جائز ہے مگر احرام کی حالت میں مباشرت اور وطی کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

اختلاف کا اصل دارومدار

اس اختلاف کا اصل دارومدار اس واقعہ کی تحقیق پر ہے کہ آپ ﷺ نے جب ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہ نکاح حالت احرام میں تھا یا حالت حلال میں۔ جمہور فقہاء ائمہ ثلاثہ وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ نکاح حالت حلال میں ہوا تھا جب کہ احناف وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نکاح حالت احرام میں ہوا تھا۔

پہلے مذہب یعنی ائمہ ثلاثہ کی تحقیق

❶ روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہ علیہ السلام قال ان المحرم لا ینکح ولا ینکح ولا یخطب۔[۲]

❷ روایت ابورافع رضی اللہ عنہ تزوج رسول اللہ ﷺ میمونۃ وھو حلال وبنی بھا وھو حلال وکنت انا الرسول فیما بینھما۔[۳]

❸ روایت یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ قال حدثتنی میمونۃ قالت تزوجنی رسول اللہ ﷺ وھو حلال۔[۴]

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مقام سرف میں ابھی احرام نہیں باندھا تھا آپ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا آپ اس وقت حلال تھے۔ مگر اس نکاح کی خبر صحابہ کو اس وقت ہوئی جب کہ آپ نے احرام باندھ لیا تھا۔

دوسرے مذہب یعنی احناف کی تحقیق

❶ روایت ابن عباسؓ ان النبی ﷺ تزوج میمونۃ وھو محرم۔[۵] اس روایت کو ابن سعدؒ نے طبقات ابن سعدؒ میں سولہ طرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آپ محرم تھے۔

❷ روایت عائشہؓ ان النبی ﷺ تزوج وھو محرم۔[۶] علامہ سہیلیؒ نے الروض الانف میں لکھا ہے حضرت عائشہؓ کے اس قول سے مراد نکاح میمونہ ہے۔

❸ روایت ابوہریرہؓ قال تزوج النبی ﷺ میمونۃ وھو محرم۔

❹ عن ابراھیم ان ابن مسعود کان لا یری ان یتزوج المحرم۔

❺ عبداللہ بن محمد بن ابی بکر سالت انس بن مالک عن نکاح المحرم فقال وما بأس بہ ھل ھو الا کالبیع۔

اثر عامر شعبیؒ ان رسول اللہ ﷺ تزوج میمونۃ وھو محرم۔

اثر مجاہدؒ قال تزوج رسول اللہ ﷺ میمونۃ وھو محرم۔

اثر ابویزید مدنیؒ ان النبی ﷺ تزوج میمونۃ وھو محرم۔ (۷)

پہلے مذہب والوں کے مستدلات کے جوابات

پہلی روایت حضرت عثمانؓ کی تھی جس میں حالت احرام میں نکاح کو منع کہا گیا ہے اس کے متعدد جوابات دئیے گئے ہیں مثلاً۔

پہلا جواب: نفی۔ کمال کے لئے ہے اس سے زیادہ سے زیادہ کراہت ثابت ہوتی ہے۔ (۸) یہ کراہت بھی اس شخص کے لئے ہوگی جو نکاح کے بعد وطی پر اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکے۔ (۹)

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی روایت کا دارومدار نبیہ بن وہب پر ہے اگرچہ یہ ثقہ ہیں مگر یہ اس روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔

تیسرا جواب: علامہ عینیؒ، علامہ زیلعیؒ اور علامہ قسطلانیؒ نے حدیث عثمان کو ضعیف بھی کہا ہے۔ (۱۰)

چوتھا جواب: یہ صاحب ہدایہ نے جواب دیا ہے کہ یہ روایت وطی پر محمول ہے الفاظ یہ ہیں ومارواہ محمول علی الوطی۔ (۱۱)

دوسری روایت جو حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود ترمذی نے اس کی سند میں انقطاع اور اتصال میں اختلاف بتایا ہے الفاظ یہ ہیں فقال ولا نعلم احد اسندہ غیر حماد بن زید عن مطر الوراق عن ربیعۃ رضی اللہ عنہ وروی مالک عن ربیعۃ رضی اللہ عنہ عن سلیمان ان النبی ﷺ تزوج الخ ورواہ مالک مرسلا ورواہ ایضا سلیمان بن بلال رضی اللہ عنہ عن ربیعۃ رضی اللہ عنہ مرسلا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ کی سند میں مطر الوراقؒ راوی ہے اس کے بارے میں علامہ نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی اور امام احمد فرماتے ہیں کان فی حفظہ سوء۔ پہلے مذہب والے اس روایت کی وجوہ ترجیح بیان کرتے ہیں۔

پہلی وجہ: ابورافعؓ کی روایت مقدم ہونی چاہئے کیونکہ بوقت نکاح میمونہ یہ بالغ تھے جب کہ ابن عباسؓ اس وقت میں دس سال کے یعنی نابالغ تھے۔

دوسری وجہ: ابورافع رضی اللہ عنہ اس نکاح میں قاصد اور سفیر تھے اس سے وہ اس واقعہ کو زیادہ جانتے ہیں۔

تیسری وجہ: خود حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں تزوجنی ونحن حلالان (ولا شک ان صاحب القصۃ ادری بحالہ)۔

اس پہلی وجہ کے جواب میں احناف یہ کہتے ہیں کہ حفظ کا معاملہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ اور ابن عباسؓ

تو بچپن ہی سے احفظ واتقن تھے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اپنے قریب میں جگہ دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو فہم قرآن اور تفقہ فی الدین کی دعا دی تھی۔ اس اعتبار سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابورافع رضی اللہ عنہ پر فوقیت رکھتے تھے۔

دوسری وجہ کا جواب کہ ابورافع رضی اللہ عنہ اس نکاح میں قاصد تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ پر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی اس واقعہ کو زیادہ جاننے والے ہوں گے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح کے لئے مکہ بھیجا تھا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنا معاملہ اپنی بہن ام الفضل رضی اللہ عنہا زوجہ عباس رضی اللہ عنہ والدۂ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا انہوں نے اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا تھا تو پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے نکاح وغیرہ کرایا ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ میں ہوں گے۔

تیسری وجہ کا جواب کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ زوجنی ونحن حلالان جیسے کہ ابھی گزرا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا تو انہوں نے نکاح کروایا۔ خود حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حاضر نہیں تھیں اس لئے یہاں پر ان کی بات زیادہ معتبر نہیں ہوگی۔ (۱۲)

آخری روایت جو یزید ابن الاصم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس کے جوابات یہ ہیں۔

پہلا جواب: اس کی سند میں بھی اتصال اور انقطاع میں اختلاف ہے کہ بعض روایات میں یزید رضی اللہ عنہ کے بعد میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے اور بعض روایات میں میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ صاحب ترمذی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ھذا حدیث غریب علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اقرب یہ ہے۔ کہ نکاح تو بحالت احرام ہوا ہو مگر اس کا ظہور بوقت ولیمہ ہوا ہو جب کہ آپ حلال تھے۔ (۱۲)

احناف کے مذہب کی وجوہ ترجیح

1. روایت کے لحاظ سے روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مقدم اور راجح ہے کیونکہ اس روایت کو صحاح ستہ نے تخریج کیا ہے بخاری نے دو جگہ پر تخریج کی ہے ایک کتاب النکاح میں دوسرا کتاب الحج میں بخلاف وھو حلال والی روایت کے کہ اسکی امام بخاری نے تخریج نہیں کی خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اصح مافی الباب ہے یعنی اس جیسی روایت اس باب میں نہیں ہے۔
2. مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے روایت کرنے والے تقریباً بیس سے زائد تابعین وفقہاء ہیں۔ (۱۳)

❸ روایت ابن عباسؓ کے شواہد بھی کئی روایات میں ملتے ہیں مثلاً روایت عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ تزوج وھو محرم واحتجم وھو محرم۔[14]

❹ روایت عائشہؓ قال تزوج رسول اللہ ﷺ بعض نسائہ وھو محرم۔[15]

روایت ابوہریرہؓ تزوج رسول اللہ ﷺ میمونۃ وھو محرم [16] قال ابراھیم النخعی ان ابن مسعود کان لایری باساً بان یتزوج المحرم۔[17]

❺ آپ محرم ہی تھے کیونکہ اس بات پر تمام محدثین متفق ہیں کہ حضرت میمونہؓ کا نکاح مقام سرف میں ہوا یہ مکہ سے دس میل تقریباً سولہ کلومیٹر پر ہے۔ اور یہ حدود میقات میں ہے کیونکہ اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے جو مدینہ سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ تو آپ نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا ہوگا ورنہ میقات سے بغیر احرام کے گزرنا لازم آتا ہے۔ تو آپ محرم تھے کیونکہ یہ میقات کا حصہ ہے۔[18]

❻ جیسے کہ پہلے گزرا ہے اس نکاح کے عقائد حضرت عباسؓ تھے۔ حضرت میمونہؓ کے اولیاء میں سے بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ یہاں تک کہ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ بھی نہیں تھیں کیونکہ عورتیں مجلس نکاح میں حاضر نہیں ہوتیں اس لئے اس مسئلہ میں عباسؓ اور ابن عباسؓ سے زیادہ اور کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔[19]

❼ جب روایات میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو قیاس اس کو بالکل جائز کہے گا کیونکہ نکاح باقی عقود میں سے ایک عقد ہے مثلاً باندی خریدنا بالاتفاق محرم کے لئے جائز ہے اسی طرح ایک شخص نے دوسرے کو کسی عورت کے ساتھ اپنا نکاح کروانے کا وکیل بنایا حالانکہ دونوں محرم ہیں وکیل نے نکاح کروا دیا تو یہ بھی جائز ہے ہاں بوس و کنار اور جماع جائز نہیں ہوگا۔

اسی طرح یہاں پر بھی ہوا۔ نکاح ہوگیا جو جائز ہے باقی جماع وغیرہ یہ حلال ہونے کے بعد ہوا۔[20]

❽ امام طحاویؒ اپنی عقلی دلیل میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بات میں سب کا اتفاق ہے۔ کہ محرم کا حالت احرام میں باندی خریدنا جائز ہے مگر وطی کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح خوشبو، قمیص، وغیرہ یہ سب محرم کے لئے خریدنا جائز ہے اگرچہ اس وقت اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

بخلاف شکار کے کہ محرم کا اس کو خریدنا پکڑنا جائز نہیں ہے اگر اس کے لئے جائز بھی ہے تو اس کو چھوڑنے کو کہا جائے گا مگر اگر کسی کے پاس خوشبو، لباس وغیرہ ہو تو اس کے چھوڑنے کو نہیں کہا جائے گا اس لئے کسی کے پاس بیوی ہو تو اس کو بھی چھوڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا تو اب قیاس کا تقاضا بھی یہ ہوا کہ عقد نکاح یہ بھی باندی کے خریدنے یا لباس اور خوشبو کے خریدنے کی طرح ہو نا نہ کہ شراء صید کی طرح کہ اس وقت لے تو سکتا ہے مگر استعمال نہیں کر سکتا۔

یہی مسلک احناف کا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نکاح کر سکتا ہے مگر محرم حالت احرام میں وطی نہیں کر سکے گا۔[21]

حضرت الہیثم ابن الہیثمؒ کے حالات حدیث نمبر ۳۶۳ کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

(۱) عرف الشذی ۱/۱۷۲، بذل المجہود ۳/۱۳۴، المغنی لابن قدامہ ۳/۱۵۸، نووی شرح مسلم ۱/۴۵۳، نیل الاوطار ۴/۲۳۳، معارف السنن ۶/۱۱۱، اوجز المسالک ۳/۳۹۹، عمدۃ القاری ۱۰/۱۷۷۔

(۲) مسلم، ترمذی۔

(۳) ترمذی ۳/۲۰۰۔

(۴) مسلم ۱/۴۵۴ کتاب النکاح باب تحریم نکاح المحرم و کراھۃ وخطبتہ ابوداؤد، ۱/۲۵۵، کتاب المناسک، باب المحرم یتزوج، ابن ماجہ ۱/۱۴۱ کتاب النکاح باب المحرم یتزوج۔

(۵) بخاری ۱/۲۴۸، ابواب العمرۃ باب تزویج المحرم ۲/۷۶۶، کتاب النکاح باب نکاح المحرم ۲/۶۱۱ کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء، ومسلم ۴۵۳، ۴۵۴، کتاب النکاح باب تحریم نکاح المحرم، نسائی ۲/۲۶ کتاب المناسک الرخصۃ فی النکاح، ابوداؤد ۱/۲۵۵، کتاب المناسک باب المحرم یتزوج، الترمذی ۱/۱۳۴ باب ماجاء فی الرخصۃ فی ذلک، ابن ماجہ ۱/۱۴۱ باب النکاح باب المحرم یتزوج۔

(۶) ابن حبان، البیہقی۔

(۷) شروع کے تین حوالے طحاوی ۱/۳۷۶ کتاب مناسک الحج پر ہیں۔ اور آخری تین حوالے طبقات ابن سعد ۸/۱۳۴ پر ہیں۔

(۸) معارف السنن ۶/۳۴۸، اعلاء السنن ۱۱/۴۹ کتاب النکاح۔

(۹) اعلاء السنن ۱۰/۴۹۔

(۱۰) حوالے بالترتیب اس طرح ہیں بنایہ، شرح کنز، ارشاد الساری، شرح بخاری۔

(۱۱) ہدایہ، من شاء تفصیل فلیراجع البحر الرائق ۳/۱۰۴۔

(۱۲) بذل المجہود۔

(۱۲) عرف الشذی ۳۱۹۔

(۱۳) معارف السنن ۳۵۰، ۳۵۱ باب ماجاء من الرخصۃ فی ذلک۔

(۱۴) مجمع الزوائد ۴/۲۶۷ کتاب النکاح باب نکاح المحرم۔

(۱۵) طحاوی ۱/۳۷۵ کتاب مناسک الحج باب نکاح المحرم۔

(۱۶) دار قطنی ۳/۲۶۳ کتاب النکاح باب المحرم۔

(۱۷) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶ قال علامہ بنوری و لہ شاھد من مرسل عامر الشعبی و من مرسل مجاھد کلاھما عند ابن ابی شیبہ معارف السنن ۶/۳۵۸۔

(۱۸) معارف السنن ۶/۳۴۷۔

(۱۹) معارف السنن ۶/۳۵۵۔

(۲۰) کتاب الحج للامام محمد، اوجز المسالک ۶/۳۴۶۔ (۲۱) طحاوی ۱/۴۴۳۔

باب بیع بیوت مکة واجرها

مکہ مکرمہ کا گھر بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان

۳۷۱

﴿مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ زِيَادٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ نَجِيْحٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ مِنْ اُجُوْرِ بُيُوْتِ مَكَّةَ شَيْئًا فَاِنَّمَا يَاْكُلُ نَارًا. وَكَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَكْرَهُ اُجُوْرَ بُيُوْتِهَا فِی الْمَوْسِمِ، وَفِی الرَّجُلِ يَعْتَمِرُ ثُمَّ يَرْجِعُ، فَاَمَّا الْمُقِيْمُ وَالْمُجَاوِرُ فَلَا يَرٰی بِاَخْذِ ذٰلِكَ مِنْهُمْ بَاْسًا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ.﴾

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مکہ کے گھروں کی کچھ بھی اجرت کھاتا ہے وہ گویا آگ کھا رہا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ موسم حج اور عمرہ کے لئے آنے والوں کو مکہ کے گھر کرایہ پر دینے کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن مقیم اور وہاں پر رہنے والوں سے اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔"

تشریح

حرم کی زمین کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، ایک روایت امام احمدؒ، ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ، ابن زیدؒ وغیرہ مکہ کی زمین کو فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا ناجائز ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ، حسن بصریؒ، طاؤسؒ، عمرو بن دینارؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مکہ کے مکانوں کو فروخت کرنا یا کرایہ پر اٹھانا دونوں جائز ہیں۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال

❶ آیت قرآنی ثم محلها الى البيت العتيق سے مراد بیت اللہ ہے۔
❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موسم حج میں لوگوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند رکھنے سے منع کرتے تھے۔ (۱)
❸ مروہ کے نزدیک ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیر المؤمنین میرے لئے کچھ جگہ خاص کر دیں حضرت عمرؓ نے اس کو سن کر اپنے چہرہ کو اس کی طرف سے پھیر لیا اور آگے چلے گئے اور فرمایا یہ تو اللہ کا حرم ہے اس میں مقیم و مسافر دونوں برابر ہوں گے۔
❹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں کو حکم دیا کہ اپنے گھروں کے دروازے بند نہ رکھو تاکہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں اتر جائیں۔ (۳)

دوسرے مذہب والوں کے استدلال

❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں چار ہزار درہم کے ایک مکان کو خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ (۴)
❷ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے دار الندوہ فروخت کیا تھا۔
❸ مسجد کی توسیع کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات خریدے تھے۔
❹ حضرت عثمانؓ نے بھی مسجد کی توسیع کیلئے کچھ مکانات ان کے مالکوں سے خرید کر مسجد میں شامل کئے تھے۔

دوسرے مذہب والوں کے استدلالات کے جوابات

ان سب کا ایک ہی جواب ہے کہ یہاں پر مکانات اور عمارات کی خرید و فروخت ہوتی تھی زمین کی نہیں ہوتی تھی۔ اگر غور کریں تو یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ سب مکانات جن کو خریدا گیا تھا۔ کسی میں بھی صرف زمین کا ذکر نہیں ہے۔ اور عمارات اور مکانات کا فروخت کرنا تو احناف کے نزدیک بھی جائز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ابی زیادؒ کے مختصر حالات: عبد اللہ بن ابی زیاد یہ امام بخاریؒ کے استادوں میں سے ہیں ان سے امام ابو حنیفہؒ بھی روایت نقل کرتے ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ عبد اللہ نہیں ہے بلکہ عبید اللہ ہے۔ تو اس صورت میں ان کا نسب نامہ اس طرح ہوگا عبید اللہ بن ابی زیاد القداح المکی۔ ان کے استادوں میں سے ابو طفیل عامر بن واثلہؓ اور قاسم وغیرہ ہیں ان کے شاگردوں میں سے سفیان ثوریؒ، وکیعؒ اور امام ابو حنیفہ وغیرہ ہوں گے۔

---

(۱) نقلہ بغوی۔ (۲) ازالۃ الخفاء۔ (۳) مصنف عبد الرزاق۔ (۴) بیہقی۔

۳۷۲

مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ عَنْ اِبْنِ اَبِیْ نَجِیْحٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، فَحَرَامٌ بَیْعُ رِبَاعِهَا وَاَكْلُ ثَمَنِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ، لَایَنْبَغِیْ اَنْ تُبَاعَ الْاَرْضُ، فَاَمَّا الْبِنَاءُ فَلَابَاْسَ بِهٖ.

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ جل شانہ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا ہے۔ لہٰذا اس کے گھروں کو بیچنا اور اس کی اجرت کھانا حرام ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ زمین کا بیچنا منع ہے مکان بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔"

تشریح

اسی مضمون کی روایت امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے کہ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ مکہ ہر ایک کے لئے مباح ہے۔ نہ اس کی زمین کو فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔[1]

اسی طرح ابن جوزیؒ نے اپنی سند کے ساتھ مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مکہ حرم ہے اللہ نے اس کو حرمت والا بنایا ہے اس کی زمینوں کو بیچنا حلال نہیں اور نہ اس کے مکانوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔

اس بارے میں گذشتہ حدیث میں فقہاء کے اقوال بھی آئے ہیں۔ اور یہ بات بھی آچکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرم کی زمینیں بیچنا تو ناجائز ہے مگر اس پر کوئی عمارت وغیرہ بنائی جائے پھر فروخت کیا جائے تو اس عمارت کی وجہ سے اس کو فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔

---

(۱) طحاوی۔

